تُوزکِ جہانگیری

جلد دوم

شہنشاہ نُورالدین محمد جہانگیر کی خودنوشت سوانح عمری

ترجمہ و حواشی
اعجاز الحق قدوسی

نظرثانی
سید حسام الدین راشدی
ستارۂ امتیاز، دارای نشان سپاس دولت شاہنشاہی ایران

مجلسِ ترقیِ ادب
۲۔ کلب روڈ، لاہور

توزک جہانگیری

جلد دوم

شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر کی خود نوشت سوانح عمری

ترجمہ و حواشی

اعجازالحق قدوسی

نظر ثانی

سید حسام الدین راشدی

ستارۂ امتیاز ، دارای نشانِ سپاسِ دولتِ شاہنشاہی ایران

مجلسِ ترقیِ ادب

۲- کلب روڈ ، لاہور

طبع اول : اگست ۱۹۷۰ء

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : پروفیسر حمید احمد خاں
ناظمِ مجلسِ ترقیِ ادب ، لاہور

طابع : محمد زرین خاں

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ لاہور

قیمت : [redacted]

فہرست

تیرھواں جشنِ نوروز

عنوان	صفحہ

چودھواں جشن نوروز

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

پندرھواں جشن نوروز

عنوان	صفحہ

سولھواں جشن نوروز

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

سترھواں جشن نوروز

عنوان	صفحہ

اٹھارواں جشن نوروز

عنوان	صفحہ
شاہجہاں کے تمام ملازموں کی گرفتاری	۳۶۴
عبداللہ خاں کی صف آرائی اور شکست	۳۶۵
سلطان احمد کے بیٹے کا قتل اور سرفراز خاں کی رہائی	۳۶۷
صفی خاں اور ناہر خاں کے منصب میں اضافہ	۳۶۸
ناہر خاں کے حالات	۳۶۸
سید دلیر خاں کے حالات	۳۶۹
سادات بارھہ کی تعریف	۳۷۰
شیر کا شکار	۳۷۱
سلطان حسین کی وفات	۳۷۲
شاہجہاں کے مقابلے میں تیسری مرتبہ فتح	۳۷۲
منصور خاں فرنگی کا قتل	۳۷۳
برقنداز خاں کا شاہی لشکر میں مل جانا	۳۷۴
رستم خاں کا شاہی لشکر میں مل جانا	۳۷۴
زاہد خاں کے حالات	۳۷۵
خانخاناں اور اس کی اولاد کو قید کی سزا	۳۷۶
ابراہیم حسین کو ''خوش خبر خاں'' کا خطاب	۳۷۷
شاہجہاں کے ملازمین کا دربار میں پہنچنا	۳۷۸
رستم خاں (کے حالات)	۳۷۹
محمد مراد (کے حالات)	۳۷۹
شرزہ خاں اور قابل بیگ کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوانا	۳۷۹
شہریار کی لڑکی کی پیدائش	۳۸۰
جشن وزن شمسی	۳۸۰
حضرت مجدد الف ثانی کو دو ہزار روپے کا عطیہ	۳۸۰
سرفراز خاں کو معافی	۳۸۰
شہریار کے گھر میں جانا	۳۸۰
شاہجہاں کے دریائے نربدا پار کرنے کے بعد کے حالات	۳۸۱

عنوان	صفحہ

اُنیسواں جشن نوروز

عنوان صفحہ

اکیسواں جشن نوروز

عنوان	صفحہ

عنوان | صفحہ

بائیسواں جشن نوروز

تیرھواں جشنِ نوروز

تیرھواں جشنِ نوروز

[223] ۲۳ ربیع الاول ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کی اتوار کی شب کو ساڑھے چودہ گھڑی گزرنے کے بعد سورج برج حوت سے برج حمل میں تحویل ہوا۔ میری تختِ نشینی سے لے کر اس نوروزِ جہاں افروز تک اس نیاز مندِ بارگاہ الٰہی کے گزشتہ بارہ سال نہایت خیر و خوبی سے گزرے اور اس نیاز مندِ درگاہِ ایزدی کی عمر کا اکیاونواں سال مبارک و سلامتی کے ساتھ شروع ہوا[1]۔ یہ نیاز مند خدائے تعالیٰ کی ذات سے امید رکھتا ہے کہ اس کی عمر کا بقیہ حصہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول میں صرف ہو جائے، اور ایک لمحہ بھی اس کی یاد سے خالی نہ گزرے۔

وزن قمری سے فارغ ہونے کے بعد نئی بزم نشاط آراستہ کی گئی، اور مقربین خاص و امرا شراب کے لبریز ساغروں سے سرشار ہوئے۔

اس روز آصف خان کو، جس کا منصب پنج ہزاری ذات و سہ ہزار سوار تھا، میں نے اُسے اپنی عنایت خاص سے چار ہزار سوار دو اسپہ و سہ اسپہ سے سرفراز کیا۔

۱۔ شہنشاہ جہانگیر چہار شنبہ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۵۶۹ع میں پیدا ہوا تھا۔ اس طرح ۲۳ ربیع الاول ۱۰۲۷ھ مطابق ۱۱ مارچ ۱۶۱۸ع کو قمری سال کے حساب سے اس کی عمر ۵۱ سال کے ابتدائی مراحل میں تھی۔ لیکن شمسی تقویم کے لحاظ سے وہ پورے پچاس سال کا نہیں ہوا تھا بلکہ پچاس ویں سال میں تھا۔ اصل نسخے میں غلطی سے ۱۰۱۷ھ چھپ گیا ہے۔ ۱۰۲۷ھ ہونا چاہیے۔ (رک: بیورج، ج ۲: ص ۱)۔

ثابت خاں کو ''عرض مکرر[1]'' کا عہدہ دے کر سرفراز کیا ۔
معتمد خاں کو توپ خانے کی خدمت عنایت کی ۔

دلاور خاں کے بیٹے نے ایک کچھی گھوڑا پیش کیا ۔ جب سے گجرات میں میرا ورود ہوا ہے اس قسم کا کوئی گھوڑا اب تک شاہی اصطبل میں داخل نہیں ہوا تھا ۔ میں نے یہ گھوڑا میرزا رستم کو عنایت کر دیا ، کیوں کہ وہ اس کے متعلق اپنے میلان اور خواہش کا بہت اظہار کر چکا تھا اور مجھے اس کی دلداری عزیز تھی ۔

راجا جام کو ہیرے ، یاقوت ، زمرد اور نیلم کی چار انگوٹھیاں اور دو دست باز (شکرے) عنایت کیے ۔

راجا لچھمی نرائن کو بھی لعل عین الہرہ[2]، زمرد اور نیلم کی چار انگوٹھیاں عنایت کیں ۔

مروت خاں نے بنگال سے تین ہاتھی بطور پیش کش بھجوائے تھے ، جن میں سے دو ہاتھی شاہی ہاتھیوں میں شامل کر لیے گئے ۔

۳ ماہ فروردین ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کی شب کو میں نے حکم دیا کہ قصبہ دوحد کے تالاب کے اردگرد چراغاں کیا جائے ۔ چناں چہ نہایت خوب چراغاں کیا گیا ۔

۵ ماہ فروردین ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن حاجی رفیق نے عراق سے آ کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی اور وہ خط جو برادرم شاہ عباس نے اس کے ہاتھ بھجوایا تھا ، پیش کیا ۔ حاجی رفیق ، میر محمد امین خاں قافلہ سالار کا

۱- عرض مکرر : یہ عہدہ میر عرض بھی کہلاتا تھا ، جس کا کام دربار میں عوام کی عرضیاں پیش کرنا ، اور ان کی عرض داشتوں کی وکالت کرتے ہوئے بادشاہ کو اپنی رائے سے آگاہ کرنا ہوتا تھا کہ اس کے خیال میں ان درخواستوں پر کیا کارروائی مناسب ہے ۔ (دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی : ص ۳۲۵)

۲- عین الہرہ : لہسنیا پتھر ۔ ایک قیمتی جوہر جو بلّی کی آنکھ کی طرح ہوتا ہے ۔ (لغات فارسی ، ص ۲۱۶) ۔

غلام ہے ، اور میر محمد امین نے اُس کی پرورش اپنے بیٹوں کی طرح کی ہے . واقعی وہ بہت اچھا خدمت گزار ہے . اس کی عراق میں کئی مرتبہ آمد و رفت ہوئی ہے اور اُس کی وجہ سے وہ شاہ عباس سے خوب واقف ہو گیا ہے . اس مرتبہ وہ عراق سے قبچاق[1] کے گھوڑے اور نفیس کپڑے لایا تھا . اس کے لائے ہوئے گھوڑوں میں سے چند گھوڑے پسند آئے اور شاہی اصطبل میں داخل کیے گئے . چوں کہ یہ نہایت کارآمد انسان اور قابل عنایت ملازم ہے ، لہذا میں نے اُسے ملک التجار کے خطاب سے سرفراز کیا .

۹ ماہ فروردین ۲۷ ۱۰ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن میں نے راجا لچھمی ارائن کو ایک خاص تلوار ، ایک مرصّع تسبیح اور چار عدد موتی عنایت کیے .

۱ ماہ فروردین ۲۷ ۱۰ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میرزا رستم کے منصب میں ، جو پنج ہزاری ذات و ہزار سوار تھا ، مزید پانسو کا اضافہ کیا .

اعتقاد خاں منصب چار ہزاری و ہزار سوار سے سر فراز ہوا [224] .

سرفراز خاں کو منصب دو ہزار و پانصدی و ہزار و چہار صد سوار سے سر فراز کیا .

معتمد خاں کو منصب ہزاری و سہ صد و پنجاہ سوار سے سر بلند کیا .

انی رائے سنگھ دلن اور فدائی خاں کو سو سو مُہر کی قیمت کا ایک ایک گھوڑا عنایت کیا .

میر قاسم بخشی کو خطاب :

چوں کہ پنجاب کی حکومت و نگرانی پر اعتماد الدولہ کو مقرر کیا گیا تھا ، اس لیے اُس کی سفارش پر احدیوں کے بخشی میر قاسم کو ، جو اعتماد الدولہ کے

۱۔ قبچاق : سر سید ایڈیشن میں یہ لفظ پنچاق ہے جو سہو کتابت ہے . صحیح لفظ قبچاق ہے جو توران اور ترکستان کے بیچ میں ایک جنگل کا نام ہے . (لغات فارسی : لالہ رام نراین بک سیلرز) بیورج کا خیال ہے کہ یہ لفظ قبچاق ہے اور اس کے معنی ترکی میں دراز گردن گھوڑے کے ہیں . (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۲) .

گھرانے سے نسبت و تعلق رکھتا ہے ، صوبۂ مذکور کا حاکم مقرر کیا ، اور اُسے ہزاری ذات و چہار صد سوار کے منصب پر فائز کر کے قاسم خاں کا خطاب عطا کیا ۔

اس سے قبل میں راجا لچھمی نراین کو ایک عراقی گھوڑا عنایت کر چکا تھا ۔ اسی دن اُسے ہاتھی اور ترکی گھوڑا عنایت کر کے بنگال کی طرف رخصت کیا ۔

راجا جام مرصّع تلوار ، مرصّع تسبیح ، ایک عراقی اور ایک ترکی گھوڑے اور خلعت سے سرفرازی حاصل کر کے اپنے وطن کو رخصت ہوا ۔

آصف خاں مرحوم کے بھتیجے صالح کو منصب ہزاری و سہ‌صد سوار سے سرفراز کیا ۔

میرجملہ کی عراق سے آمد :

اسی دن میر جملہ عراق سے آیا اور آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ یہ اصفہان کے ذی عزت سادات کے خاندان سے ہے ، اور اس کا خاندان ہمیشہ سے عراق میں معزز رہا ہے ۔ آج کل بھی اس کا بھتیجا میر رضی برادرم شاہ عباس کی سلطنت میں صدارت کے عہدے پر فائز ہے ، اور شاہ نے اس سے اپنی لڑکی کا عقد کر دیا ہے ۔

میر جملہ آج سے چودہ سال پہلے عراق سے آیا تھا اور محمد قلی قطب الملک کے پاس گولکنڈہ چلا گیا تھا ۔ اس کا نام محمد امین ہے ۔ قطب الملک نے اسے میر جملہ (۱) کا خطاب دیا تھا ۔ میر جملہ دس سال تک قطب الملک کا ذمہ دار عہدہ دار بنا رہا لیکن جب قطب الملک نے وفات پائی ، اور اُس کا بھتیجا گولکنڈہ کا والی ہوا تو اُس نے میر جملہ کے ساتھ اُس کے شایانِ شان سلوک نہیں کیا جس کی وجہ سے میر جملہ اجازت حاصل کر کے اپنے وطن واپس چلا آیا ۔ شاہ عباس نے اُس تعلقِ رشتہ داری کی بدولت جو اس کے بھتیجے میر رضی سے وابستہ تھی اور اُس قدر و منزلت کی بدولت جو لوگوں کے دلوں میں اس کی امارت کی وجہ سے تھی ، اُس کے ساتھ بہت ہمدردانہ اور مشفقانہ برتاؤ کیا ۔ میر جملہ نے بھی شاہ کو اُس کے شایان شان پیش کش نذر گزارنے ۔ وہ تقریباً تین چار سال تک عراق میں رہا ، اور بہت جائداد پیدا کی ۔ جب اُس نے بار بار میری خدمت میں معروضے بھجوائے کہ وہ میری سلطنت کی خدمت کا خواہش مند ہے تو میں نے اُسے فرمان

بھیج کر اپنے حضور میں طلب کر لیا، اور موصوف بھی محض فرمان پہنچتے ہی ترک تعلقات کر کے پورے اخلاص کے ساتھ فوراً میری خدمت میں حاضر ہو گیا، اور اسی تاریخ میں اس نے آستان بوسی کی عزت حاصل کر کے بارہ گھوڑے، نو تھان نفیس کپڑوں کے اور دو انگوٹھیاں بطور پیش کش گزرانیں۔ چوں کہ وہ نہایت اخلاص و عقیدت سے آیا تھا، اس لیے میں نے بھی اس کے ساتھ بہت ہمدردانہ سلوک کیا۔ فی الحال بیس ہزار درب بطور خرچ کے دیے اور خلعت عنایت کیا۔

اسی تاریخ کو احدیوں کی بخشی گری، جو قاسم خان کے تبادلے کی وجہ سے خالی ہوئی تھی، عنایت خاں کو عنایت کی۔

خواجہ عاقل کو، جو میرے قدیم ملازموں میں سے ہے، عاقل خاں کے خطاب سے سرفراز کر کے گھوڑا عنایت کیا۔

۱۰ ماہ فروردیں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن دلاور خاں نے دکن سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی، اور ہزار روپے نذر گزرانے۔ باقر خاں فوجدار صوبہٴ ملتان کو منصب ہشت صدی ذات و سہ صد سوار سے سرفراز کیا۔

تجارت خاں اور صوبہٴ ملتان کا ایک راجا باہو انعام اور ہاتھی سے سرفراز ہوئے۔

موضع کرہ بارہ میں نزول :

۱۱ ماہ فروردیں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو ہفتے کے دن شکار کے ارادے سے قصبہٴ دوحد سے کوچ کر کے موضع کوہ بارہ میں ٹھہرا۔

موضع سجارا میں قیام :

۱۲ ماہ فروردیں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن موضع کرہ بارہ سے روانہ ہو کر موضع سجارا میں قیام کیا۔ اس موضع سے دوحد تک کا فاصلہ آٹھ کوس ہے اور شکارگاہ کا فاصلہ ڈیڑھ کوس ہے۔

ہاتھی کا شکار :

۱۳ ماہ فروردیں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن اپنے خاص [225] امرا اور مصاحبوں کے ساتھ میں ہاتھی کے شکار کے لیے روانہ ہوا۔ ہاتھیوں کی چراگاہ ایک کوہستان میں واقع ہے۔ یہ راستہ نہایت ناہموار اور دشوار گزار ہے، جس

میں پیدل چلنا بھی آسان نہیں ہے ۔ میرے پہنچنے سے قبل سواروں اور پیادوں کی ایک جمعیت ہانکے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھی ۔ اور جنگل سے باہر ایک درخت پر انھوں نے میرے بیٹھنے کے لیے اور اطراف کے چند دوسرے درختوں پر اُمرا کے لیے لکڑیوں سے مچان بنائے تھے ۔ دو سو ہاتھی اور بہت سی ہتھنیاں اور مستحکم کمند تیار رکھے گئے تھے ۔ اور ہر ہاتھی پر دو دو مہاوت جرگہ[۱] قبیلے کے بیٹھے ہوئے تھے ، جن کا تعلق اس گروہ سے ہے جو ہاتھی کے شکار میں مہارت رکھتے ہیں ۔ یہ بات پہلے ہی سے طے پا چکی تھی کہ وہ جنگلی ہاتھیوں کو جنگل سے ہانک کر میرے سامنے لائیں گے تاکہ ان کا شکار کیا جائے ۔ بدقسمتی سے جب ہانکا کرنے والے لوگ جنگل کے اطراف کو بڑھے تو کچھ تو راستے کے نشیب و فراز کی وجہ سے اور کچھ اس بنا پر کہ جنگل میں درخت کثرت سے تھے ، لوگ منتشر ہوگئے اور ہانکے میں ترتیب باقی نہ رہی ، جس کی وجہ سے جنگلی ہاتھی بدحواسی میں جس طرف ان کا منہ اٹھا بھاگنے لگے ۔ اس بھگدڑ میں بارہ نر اور مادہ ہاتھی اس طرف نکل آئے ، جس درخت پر میں بیٹھا ہوا تھا ۔ چوں کہ اس کا اندیشہ تھا کہ کہیں وہ نکل نہ بھاگیں ، میں نے ان کا رخ اس طرف دیکھ کر خانگی ہاتھیوں کو آگے بڑھایا تاکہ وہ ان کا راستہ روکیں ۔ اس ترکیب سے اگرچہ بہت سے ہاتھی ہاتھ نہیں آئے لیکن جو ہاتھی بھی پکڑے گئے ، ان میں دو ہاتھی نہایت نفیس شکار ہوئے ، جو نہایت خوبصورت ، اصیل اور سراپا خوبی تھے ۔ چوں کہ اس پہاڑ کو جس میں یہ جنگل واقع ہے اور جس میں یہ ہاتھی رہتے تھے ، راکس پہاڑی کہتے ہیں ، جس کے معنی دیو کوہ کے ہیں[۲] ، اس نسبت سے میں نے ایک ہاتھی کا نام **راون سر** اور دوسرے کا **باون سر** رکھا ، جو دیووں کے نام ہیں ۔

۱۳ فروردین ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن اور **۱۵ فروردین ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع)** کو کم شنبہ (بدھ) کے دن شکار گاہ میں قیام رہا ۔

۱- جرگہ : یہ غالباً قبیلہ جاریجہ ہے جس کا ذکر **ابوالفضل** نے بھی کیا ہے ۔ (رک بیورج ، ج ۲ : ص ۴) ۔

۲- بیورج کی رائے میں یہ پاوا گڈہ ہے جو پنچ محل نامی ضلع میں واقع ہے اور سطح سمندر سے ۲۸۰۰ فٹ بلند ہے (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۵) ۔

شکارگاہ سے روانگی :

۱۶ فروردین ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن شکار گاہ سے روانہ ہوکر موضع کرھہ بارھہ میں واپس آیا۔

حاکم بیگ کو جو ہماری بارگاہ کے خانزادوں میں ہے، حاکم خان کے خطاب سے سرفراز کیا[۱]۔

کوہستان پنجاب کے راجا سنگرام کو مبلغ تین ہزار روپے انعام دئیے۔ چونکہ گرمی نہایت سخت تھی اور دن میں سواری کرنا مشکل تھا اس لیے رات کو سفر کرنا طے پایا۔

دوحد میں قیام :

۱۸ ماہ فروردین ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو بروز ہفتہ پرگنہ دوحد میں قیام رہا۔

۱۹ ماہ فروردین ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن سورج کے خانۂ شرف بُرج حمل میں داخل ہونے پر اس دن نہایت شاندار جشن منایا گیا، اور اس روز میں تختِ سلطنت پر بیٹھا۔

شاہ نواز خان کا منصب، جو پنج ہزاری ذات تھا، اس میں میں نے دو ہزار سوار دو اسپہ اور سہ اسپہ کا اضافہ کیا۔

خواجہ ابوالحسن میر بخشی کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ چہار ہزاری ذات و دو ہزار سوار کر دیا۔

حکومتِ کشمیر پر دلاور خان کا تقرر :

چونکہ احمد بیگ خان کابلی نے، جو حکومت کشمیر پر متعین تھا، وعدہ کیا تھا کہ دو سال کے عرصے میں وہ تبت اور کشتوار کو فتح کر لے گا، لیکن اس وعدے کی مدت گزر چکی تھی اور اب تک وہ تبت اور کشتوار کو فتح نہیں کر سکا تھا، اس لیے میں نے اسے حکومت کشمیر سے معزول کرکے اس کی جگہ

۱- حاکم بیگ: یہ اعتمادالدولہ کا داماد اور نورجہاں کی بہن خدیجہ بیگم کا شوہر ہے (رک: بیورج، ج ۲، ص ۵ - ماثرالامرا: ج ۱، ص ۵۷۳-۵۷۶) -

دلاور خان کاکڑ کو کشمیر کا صوبہ دار مقرر کر دیا اور اسے ہاتھی اور خلعت عنایت کرکے کشمیر کی طرف روانہ کیا ۔ اُس نے بھی تحریری وعدہ کیا کہ وہ دو سال کے اندر اندر تبت اور کشتواڑ کو فتح کر لے گا ۔

میرزا شاہ رخ کے بیٹے بدیع الزماں نے اپنی جاگیر سلطان پور سے دوحد میں آ کر شرف آستاں بوسی حاصل کیا ۔

قاسم خان کا حکومت پنجاب پر تقرر :

قاسم خان کو مرصّع خنجر اور ہاتھی عنایت کرکے صوبۂ پنجاب کی صوبیداری پر روانہ کیا ۔

احمد آباد کو مراجعت :

۲۱ ماہ فروردیں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو منگل کی شب پرگنۂ دوحد سے کوچ کرکے احمد آباد کی طرف روانہ ہوا ۔ چوں کہ گرمی کی شدت اور لُو کی وجہ سے میرے ہمراہیوں کو سخت تکلیف [226] اٹھانی پڑ رہی تھی ، اور آگرے تک کا راستہ بہت لمبا تھا ، اس لیے مجھے خیال ہوا کہ موسم گرما میں دارالخلافہ نہیں جانا چاہیے ۔ چوں کہ گجرات کے موسم برسات کی بہت تعریف سنی تھی اور اس کے علاوہ احمد آباد کو ایسا نہیں پایا جیسے اس کی شہرت تھی ، اس لیے پہلے گجرات جانے کا خیال کیا ، آخر میں احمد آباد میں قیام کرنے کی رائے قائم ہوئی ۔ چونکہ اللہ تعالی کی تائید اور حفاظت ہر جگہ اور ہر وقت اس نیاز مند کے شامل حال رہتی ہے ، اور اللہ تعالیٰ ہر حال میں میرا محافظ و نگران ہے ، اس فیصلے کے فوراً بعد ہی مجھے اطلاع ملی کہ آگرے میں پھر وبا کا اثر ظاہر ہوا ہے ، اور بہت سے لوگ اس وبا میں ہلاک ہو چکے ہیں ۔ اس اطلاع کے بعد آگرہ نہ جانے کا ارادہ ، جو الہام غیبی سے میرے قلب میں پیدا ہوا تھا ، اور بھی پختہ ہو گیا ۔

۲۳ ماہ فروردیں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن منزل گاہ جالودہ[1] میں جشن منایا ۔

۱- جالودہ : یہ تعلقہ دوحد ضلع پنچ محل میں واقع ہے (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۲)

سکّوں کی نئی اختراع :

اس سے قبل سکّے ڈھالنے کا یہ اصول تھا کہ سکّے کے ایک طرف میرا نام اور دوسری طرف اُس دارالضرب کا نام جہاں وہ سکہ ڈھالا گیا ، اور مہینے کا نام اور سنہ جلوس نقش کیا جاتا تھا ۔ ان دنوں مجھے خیال آیا کہ مختلف مہینوں میں جو سکّے ڈھالے جائیں ، ان میں بجائے مہینوں کے آسمان کے اُن برجوں کی تصویریں دی جائیں جن کی طرف وہ مہینے منسوب ہیں ، مثلاً جو سکّے ماہ فروردیں میں ڈھالے جائیں ، اُن پر ہرن کی تصویر اور اُردی بہشت والے سکّوں پر بیل کی تصویر ۔ اسی طرح جس مہینے میں جو سکہ ڈھالا جائے اسی مہینے سے منسوبہ برج کی تصویر اُس پر اس طرح نقش کی جائے کہ سورج کا طلوع اُس سے دکھائی دے ۔ یہ طریقہ خاص میرا تجویز کیا ہوا ہے جس پر ابھی تک عمل نہیں ہوا تھا[1] ۔

اسی دن اعتقاد خاں کو علم عنایت کرکے سرفراز کیا اور مروت خاں کو بھی ، جو صوبہ بنگال میں متعین ہے ، علم عنایت کیا ۔

موضع بدر والہ میں قیام :

۲۷ ماہ فروردیں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو ہفتے[2] کے دن موضع جالود سے روانہ ہو کر پرگنہ سہرا کے موضع بدروالہ میں قیام کیا ۔

کوئل کی آواز :

اس منزل میں کوئل کی آواز سننے میں آئی ۔ کوئل ایک ایسا پرندہ ہے جو کوے سے ملتا جلتا ہے ، لیکن وہ جثّے میں کوے سے چھوٹا ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ کوے کی آنکھیں سیاہ ہوتی ہیں اور کوئل کی سرخ ۔ مادہ کوئل

۱۔ عہد جہانگیری کے ان سکّوں کی تصویریں جن کے ایک طرف بارہ برجوں کی تصویریں منقوش کی گئی تھیں ، میں نے بڑی مشکل سے ان بارہ سکّوں کی اصل کو حاصل کیا ہے ۔ (سرسید)

۲۔ یہاں ہفتہ غلط ہے ، دوشنبہ ہونا چاہیے ۔ (بیورج ، ج ۲ : ص ۷) ۔

کے جسم پر چھوٹے چھوٹے سفید نقطے ہوتے ہیں؛ نر کوئل نہایت خوش آواز ہوتا ہے ، بلکہ خوش الحانی میں مادہ کوئل کی آواز کو نر کوئل سے کوئی نسبت نہیں ۔کوئل در حقیقت ہندوستان کا بلبل ہے ۔ جس طرح بلبل موسم بہار میں جوش و مستی میں آتا ہے ، اسی طرح کوئل کا نالہ و فغاں برسات کے دنوں میں جو ہندوستان کا موسم بہار ہے ، بہت تیز ہو جاتا ہے ۔ اُس کے نالے نہایت دل نشین اور مؤثر ہوتے ہیں ۔ اُس کی مستی کا آغاز اُس وقت ہوتا ہے جب آموں کا موسم شروع ہوتا ہے ۔ کوئل زیادہ تر آموں کے درختوں پر بیٹھتی ہے اور آموں کے رنگ و بو سے محظوظ ہوتی ہے ۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ کوئل اپنے انڈوں کو خود نہیں سیتی ، بلکہ جب اُس کے انڈے دینے کا وقت آتا ہے تو جہاں کہیں کوے کا گھونسلا اسے خالی دکھائی دیتا ہے ، وہ کوے کے انڈوں کو اپنی چونچ سے توڑ کر باہر گرا دیتی ہے ، اور اُس جگہ خود انڈے دے کر اڑ جاتی ہے ۔ کوا انھیں اپنے انڈے سمجھ کر سیتا اور بچے نکالتا اور اُن کی پرورش کرتا ہے ۔ یہ عجیب و غریب بات میں نے خود الہ آباد میں مشاہدہ کی ہے ۔

۲۹ ماہ فروردیں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو کم شنبہ (بدھ) کی شب میں میں موضع بدر والہ سے روانہ ہوا ، اور دریاے سہی کے کنارے قیام کیا اور اسی جگہ ۳۰ ماہ فروردیں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن جشن مبارک شنبہ منایا ۔

اس دریا کے کنارے دو چشمے دکھائی دیے ۔ اُن کا پانی اس قدر صاف و شفاف ہے کہ اگر اُس میں خشخاش کا دانہ بھی گر پڑے تو وہ صاف نظر آ جائے گا ۔ میں نے وہ تمام دن اہل محل کے ساتھ ان چشموں کے کنارے گزارا ۔ چوں کہ یہاں کا نظارہ دل کش تھا ، میں نے حکم دیا کہ ہر چشمے کے کنارے ایک چبوترہ بنایا جائے ۔

۳ ماہ فروردیں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن دریاے سہی میں مچھلی کا شکار کھیلا ۔ بڑی بڑی فلوس دار مچھلیاں جال میں آئیں ۔ سب سے پہلے میں نے فرزند شاہجہان کو حکم دیا کہ ان مچھلیوں پر اپنی تلوار چلائے ۔ اس کے بعد اُمرا کو حکم دیا کہ وہ بھی جو تلواریں اُنھوں نے کمر سے باندھ رکھی ہیں ، ان مچھلیوں پر چلائیں ۔ شاہجہان کی تلوار نے سب سے بہتر کاٹ کی ۔ [227] یہ مچھلیاں تمام درباریوں کو ، جو اُس وقت حاضر تھے ، تقسیم کی گئیں ۔

یکم اُردی بہشت ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کی شب میں دریائے مہی کے کنارے سے کوچ کیا ۔ میں نے خاص برداروں اور اردلیوں کو حکم دیا کہ سر راہ اور قرب و جوار کے رہنے والے دیہاتوں میں جو بیوائیں اور ضرورت مند لوگ رہتے ہوں اُن کو جمع کر کے میرے حضور میں لائیں تاکہ میں اپنے ہاتھ سے اُنھیں خیرات دوں ۔ اس میں میری مشغولیت بھی ہے اور بےکسوں کو فیض بھی پہنچ جاتا ہے ۔ نیز کون سی مصروفیت اس سے بہتر ہو سکتی ہے ۔

۳ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن شجاعت خاں عرب اور ہمت خاں اور بعض دوسرے ملازموں نے، جو صوبۂ دکن اور گجرات میں متعین تھے ، حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ ان کے علاوہ مشائخ اور اہلِ سعادت نے ، جو احمد آباد کے رہنے والے تھے ، شرفِ حضوری حاصل کیا ۔

۴ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن دریائے محمود آباد کے کنارے ٹھہرا ۔ رستم خاں نے ، جسے فرزند شاہجہاں نے حکومتِ گجرات پر متعین کیا تھا ، حاضر ہو کر سعادتِ آستان بوسی حاصل کی ۔

۶ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن کاکریہ تالاب کے کنارے جشنِ مبارک شنبہ منایا گیا ۔

ناہر خاں نے حسب الحکم صوبۂ دکن سے حاضر ہو کر کورنش بجا لانے کی عزت حاصل کی ۔

فرزند شاہجہاں کو ایک ہیرے کی انگوٹھی مرحمت کی جو قطب الملک کے پیش کش میں آئی تھی ، اور جس کی قیمت ایک ہزار مُہر تھی ۔ اتفاق سے اس ہیرے میں ایک دوسرے کے متوازی تین لکیریں ، اور ان کے نیچے ایک ٹیڑھی لکیر ظاہر ہوئی ہے ۔ ان لکیروں کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا لفظ ''اللہ'' منقوش ہے ۔ قطب الملک نے اس ہیرے کو نوادرِ روزگار سمجھ کر بھجوایا تھا ۔ حالاں کہ لکیریں اور خراش جواہرات میں عیب کی دلیل ہیں ۔ اگرچہ یہ ہیرا بظاہر عوام کے لیے دل فریب ہے ، لیکن یہ کسی ادنٰی درجے کی کان سے نکالا گیا ہے ۔

چوں کہ فرزند شاہجہاں کی خواہش تھی کہ فتوحاتِ دکن کے مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز بطور یادگار برادرم شاہ عباس کو ارسال کی جائے ، اس لیے وہ

اس ہیرے کی انگوٹھی کو دوسرے تحفوں کے ساتھ شاہ عباس کو بھیج رہا ہے ۔

اسی روز ہزار روپے بطور انعام برگھ رائے بادہ فروش کو عنایت کیے ۔ برگھ رائے گجراتی الاصل ہے ، اور اس علاقے کے تمام حالات و واقعات اُسے خوب مستحضر ہیں ۔ اس کا نام بوڑھ تھا ، جس کے معنی پودے کے ہیں ۔ مجھے خیال آیا کہ اس بوڑھے آدمی کو بوڑھ کہنا غیر مناسب ہے ، خصوصاً جب کہ یہ ہمارے ابرِ کرم سے سرسبز و بار آور ہو چکا ہے ۔ اس بنا پر میں نے حکم دیا کہ اس کے بعد اُسے برگھ رائے کہا جائے ۔ برگھ ہندی زبان میں درخت کو کہتے ہیں ۔

۲ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) یکم جمادی الاولیٰ کو مبارک گھڑی میں خیر و سلامتیوں کے ساتھ میں احمد آباد شہر میں داخل ہوا ۔ سوار ہوتے وقت فرزند بلند اقبال شاہجہان بیس ہزار چولیاں ، جن کے پانچ ہزار روپے ہوتے ہیں ، نچھاور کرنے کے لیے لایا تھا جنھیں میں لٹاتے ہوئے دولت خانے تک گیا ۔ دولت خانے میں داخل ہونے کے بعد شاہجہان نے ایک مرصّع طرہ جس کی قیمت پچیس ہزار روپے تھی ، بطور پیش کش گزرانا ۔ اس کے علاوہ اُن ملازمین نے بھی ، جنھیں اُس نے اس صوبے میں مقرر کیا تھا ، پیش کش گزرانے ۔ ہر اعتبار سے وہ تقریباً چالیس ہزار روپے کے ہوں گے ۔

میرزا صفوی کی وفات :

چوں کہ مجھے اطلاع ملی تھی کہ خواجہ بیگ میرزا صفوی ، احمدنگر میں وفات پا کر جوار رحمت میں پہنچ چکا ہے ، اس لیے میں نے خنجر خاں کو ، جسے اُس نے منہ بولا بیٹا بنایا تھا ، اور جسے وہ اپنے حقیقی بیٹے سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا ، اور حقیقت میں بھی یہ ایک نیک کردار ، خدمت گزار اور قابل تربیت انسان ہے ، اصل و اضافے کے ساتھ منصب دو ہزاری ذات و سوار پر ترقی دے کر احمد نگر کا قلعہ دار مقرر کیا ۔

احمد آباد میں بیماری کا پھیلنا :

اسی زمانے میں گرمی کی شدت اور ہوا کی عفونت کی وجہ سے یہاں کے لوگوں میں بیماری پھیلی ہوئی تھی ۔ شہر والوں اور اہلِ لشکر میں بہت کم

لوگ ایسے ہوں گے جو دو تین روز کے لیے اس بیماری میں مبتلا نہ ہوئے ہوں ۔ لوگوں کو اعضا شکنی کے ساتھ تپِ محرقہ آتا ہے [230] اور دو تین دن تک مریض کو سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے ۔ چناں چہ صحت ہو جانے کے بعد بھی ایک عرصے تک ضعف اور سستی کا اثر اُس پر غالب رہتا ہے ، لیکن انجام بخیر ہوتا ہے اور جانی نقصان اس بیماری میں کم ہوتا ہے ۔ اس ملک کے بڑے بوڑھوں سے ، جو یہاں رہتے ہیں ، سنا گیا ہے کہ آج سے تیس سال قبل اسی قسم کا بخار اس ملک میں پھیلا تھا ، لیکن خیریت گزری ۔ بہرحال گجرات کی آب و ہوا کی خرابی ظاہر ہو گئی اور میں یہاں آنے سے سخت پشیمان ہوا ۔ حق جل و علیٰ اپنے فضل و کرم سے مخلوق کی اس پریشانی کو دور کرے گا جو میرے لیے بھی پریشانی کا باعث ہے ۔

۱۳ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میرزا شاہ رُخ کے بیٹے بدیع الزماں کو منصب ہزار و پانصدی ذات و سوار عنایت کر کے علم سے سرفراز کیا ، اور فوجداریِ سرکار پٹن پر متعین کیا ۔

سید نظام فوجدار سرکار لکھنؤ کو منصب ہزاری ذات و ہفت صد سوار سے نوازا ۔

علی قلی درمن کو ، جو صوبہٗ قندھار میں متعین ہے ، بہادر خان صوبیدار قندھار کی سفارش پر ہزاری ذات و ہفت صد سوار کے منصب پر فائز کیا ۔

سید ہزبر خان بارہہ (۲) کو منصب ہزاری ذات و چہار صد سوار سے سر بلند کیا ۔

زبردست خان (۳) کو منصب ہشت صدی ذات و سہ صد و پنجاہ سوار سے سرفراز کیا ۔

اسی زمانے میں قاسم خواجہ دہ بندی[1] نے پانچ سفید باز ماوراء النہر سے اپنے ایک ہم قوم کے ہاتھ بھیجے تھے ۔ ان میں سے ایک راستے میں ضائع ہو گیا ، البتہ چار سلامتی کے ساتھ اوجین پہنچے ۔ میں نے حکم دیا کہ باز لانے والوں میں سے ایک شخص کو پانچ ہزار روپے حوالے کیے جائیں تا کہ وہ کوئی ایسی چیز ، جو خواجہ کی مرضی کے مطابق ہو ، یہاں سے خرید کر لے جائے ؛ اور

۱- دہ بند : ترکستان کا مشہور قصبہ ہے ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۱۰) ۔

لانے والے کو بھی ایک ہزار روپے انعام دیے جائیں۔

اسی زمانے میں خان عالم نے، جسے میں نے ایلچی کے طور پر شاہ ایران کے پاس بھیجا تھا، ایران سے ایک آشیانی باز، جسے فارسی میں اکنہ[1] کہتے ہیں، بطور پیش کش بھیجا تھا، وہ میری نظر سے گزرا۔ اس میں اور باز دامی[2] میں کوئی خاص فرق نہیں معلوم ہوتا، البتہ اڑانے کے بعد فرق معلوم ہوتا ہے۔

۲۰ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میرزا یوسف خان مرحوم کے عزیز میرزا ابو صالح نے حسب الطلب دکن سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی، اور سو مہریں نذر گزرانیں، اور ایک مرصّع کلغی بطور پیش کش، پیش کی۔

میرزا یوسف خان (م) جو مشہد کے رضوی سادات کے خاندان سے ہے، اور اس کا خاندان ہمیشہ خراسان میں معزز و مفتخر رہا ہے، اور ابھی حال میں برادرم شاہ عباس نے اپنی بیٹی کی شادی اس کے چھوٹے بھائی میرزا ابو صالح سے کی ہے، اس کا باپ میرزا الغ آٹھویں امام حضرت امام رضا (علیہ السلام) کے روضے کا خادم باشی (متولی) ہے۔ میرزا یوسف خان حضرت عرش آشیانی کے فیض تربیت کی بدولت مرتبۂ امارت اور منصب پنج ہزاری تک پہنچا تھا۔ حقیقت میں بہت اچھا امیر تھا اور اپنے ملازموں کو نہایت شان و شوکت سے رکھتا تھا۔ اس کے اکثر عزیز و اقربا اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ وہ دکن میں رحمت حق سے جا ملا۔ اگرچہ اس نے کئی بیٹے اپنے پیچھے چھوڑے، اور ان کے قدیم حقوق کی بنا پر انھیں بہت سی رعایتیں بھی دی گئیں تھیں، خصوصاً اس کے بڑے بیٹے[3] کو میں نے تھوڑی ہی مدت میں مرتبۂ امارت تک پہنچا دیا، لیکن اس میں اور میرزا یوسف میں بڑا فرق ہے۔

۲۷ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے

۱- اکنہ: عربی میں گھونسلے کو کہتے ہیں۔

۲- باز دامی: ایسے شکرے کو کہتے ہیں، جو جال میں بند رکھا جائے (رک: بیورج، ج ۲: ص ۱۱)۔

۳- میرزا یوسف خان رضوی کے بڑے بیٹے کا نام میرزا لشکری تھا۔ (رک: مآثرالامرا، ج ۲: ص ۴۳۷-۴۳۸)۔

دن حکیم مسیح الزماں کو بیس ہزار درب اور حکیم روح اللہ کو سو مُہریں اور ہزار روپے عنایت کیے۔ چوں کہ وہ میرے مزاج سے خوب واقف تھا اور اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ گجرات کی آب و ہوا میرے مزاج کے سخت ناموافق ہے، اُس نے مجھ سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ آپ شراب اور افیون کی مقررہ خوراک میں کچھ کمی کر دیں [231] اس سے آپ کی یہ کوفت اور تکان یک دم دور ہو جائے گی۔ میں نے اُس کے کہنے کے مطابق ان دونوں میں کچھ کمی کر دی، پہلے ہی روز مجھے بہت فائدہ محسوس ہوا۔

۳ ماہ خورداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں نے قزلباش خاں کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و پانصدی ذات و ہزار و دویست سوار کر دیا۔

اُسی دن داروغۂ فیل خانہ گجھپت خاں اور بلوچ خاں قراول بیگی کی عرض داشت پہنچی کہ اب تک انہتر نر اور مادہ ہاتھی شکار ہوے ہیں، اور اس کے بعد جتنے شکار ہوں گے اُن سے مطلع کیا جائے گا۔

میں نے حکم دیا کہ بوڑھا ہاتھی اور بچہ ہرگز نہ پکڑیں۔ ان کے علاوہ جو ہاتھی بھی نظر آئے شکار کر لیں۔

۱۴ ماہ خورداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو پیر کے دن مبلغ دو ہزار روپے شاہ عالم کے عرس کے لیے، اُس درگاہ کے سجادہ نشین سید محمود صاحب کو عنایت کیے۔

راجا نرسنگھ دیو کو، ایک اصیل کچھی گھوڑا، جو جام کے پیش کیے ہوئے گھوڑوں میں سے تھا، عنایت کیا۔

بلوچ خاں قراول بیگی کو، جو ہاتھیوں کے شکار پر متعین ہے، ایک ہزار روپے بطور انعام دیے۔

جہانگیر کی بیماری:

۱۵ ماہ خورداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو منگل کے دن میں نے اپنی طبیعت میں گرانی اور دردِ سر محسوس کیا، آخر بخار ہو گیا۔ رات کو میں نے وہ شراب جو معمول کے مطابق پیا کرتا تھا، نہ پی۔ نصف رات گزرنے کے بعد بخار کے ساتھ اعضا شکنی میں اور اضافہ ہو گیا۔ صبح تک میں اُن تکلیفوں سے بستر پر تڑپتا

رہا ، یہاں تک کہ ۱۶ خورداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو کم شنبہ (منگل) کے دن بخار میں کمی ہونا شروع ہوئی ، اور طبیبوں کے مشورے کے مطابق میں نے روزانہ کے معمول شراب کا تیسرا حصہ پیا ۔ مجھے ماش کی دال اور چاول کھلانے کی ہر چند کوشش کی گئی ، مگر طبیعت اس طرف راغب نہ ہوئی ۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے ، کبھی میں نے شوربائے بوغان[1] کھایا ہو ۔ اُمید ہے کہ اس کے بعد بھی اس کی ضرورت نہ پڑے گی ۔ اس دن کھانے کے لیے جو بھی غذا لائی گئی ، طبیعت اُس کی طرف مائل نہ ہوئی ۔ مختصر یہ کہ تین روز اور دو راتیں فاقے سے گزریں ۔ باوجود اس کے کہ مجھے صرف ایک شبانہ روز بخار رہا ہے ، مگر ضعف اور ناطاقتی اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں مدتوں سے بیمار تھا ۔ مجھے حیرت ہے کہ اس شہر کے بانی کو اس جگہ کی کون سی لطافت اور خوبی پسند آئی کہ ایسی بے فیض و بد ترین سرزمین میں شہر کی بنیاد رکھ دی ، اور اس کے بعد دوسروں کو کیا چیز بھائی کہ انھوں نے اپنی ساری عمریں اس خاک دان میں بسر کر دیں ۔ یہاں کی ہوا مسموم ، زمین کم آب اور ریتلی ، گرد و غبار جس کثرت سے ہے اس کا حال پہلے بیان کیا جا چکا ہے ، پانی نہایت خراب اور ناگوار ہے ۔ جو ندی شہر کے قریب جاری ہے ، سوائے برسات کے موسم کے ہمیشہ خشک رہتی ہے ۔ یہاں کے کنوئیں اکثر شور و تلخ ، جو تالاب آبادی میں واقع ہیں ، وہ دھوبیوں کے صابن سے گدلے ہو رہے ہیں ۔ شرفا نے اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق اپنے مکانوں میں پانی کے لیے حوض بنائے ہیں ، جنھیں وہ بارش کے پانی سے بھر لیتے ہیں ، اور دوسرے سال تک ان حوضوں سے پانی پیتے رہتے ہیں ۔ اس پانی کی مضرت ، جس میں ہوا سرایت نہ کرے اور بخار نکلنے کا راستہ نہ ہو ، ظاہر ہے ۔ بیرون شہر بجائے سبزہ زاروں اور پھولوں کے زقوم زار بنا ہوا ہے ۔ جو ہوا اس زقوم زار سے چلتی ہے ، اس کی فیض رسانی معلوم :

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

۱- شوربائے بوغان : بیورج اس کو یوغان سمجھتا ہے جس کے معنی ترکی میں گاڑھے کے ہیں ، یعنی گاڑھا شوربا ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ ، ص ۱۲۰)

میں نے اس سے پہلے احمد آباد کو گرد آباد لکھا ہے ، اب میں اسے سموستان کہوں یا بیارستان یا زقوستان کہوں یا جہنم آباد ، ان الفاظ میں اس کی تمام صفات جمع ہو جاتی ہیں ۔ اگر برسات کا موسم مانع نہ ہوتا تو میں ایک روز بھی اس مصیبت کدے میں نہ ٹھہرتا ۔ جی چاہتا ہے کہ حضرت سلیمان کی طرح ہوا کے تخت پر بیٹھ کر اس شہر سے بھاگ جاؤں اور خلقِ خدا کو بھی اس رنج و مصیبت سے نجات دوں ۔

انصاف پسندی :

[232] چوں کہ اس شہر کے لوگ نہایت کمزور دل اور عاجز ہیں ، میں نے احتیاط کی بنا پر کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہلِ لشکر میں سے کوئی ان لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان پر ظلم و ستم کر بیٹھے اور ان فقرا و مسا کین کے ساتھ زیادتی کرے ، اور قاضی و میر عدل اہلِ لشکر کی رو و رعایت کی وجہ سے انصاف میں کوتاہی کریں ، اور وہ اس ظلم کی فریاد لے کر مجھ تک نہ پہنچ سکیں ، اس لیے میں ہر روز اُس تاریخ سے جب سے کہ میں اس شہر میں آیا ہوں ، باوجود شدید گرمی کے ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد دو تین گھنٹے کے لیے اُس جھروکے میں آ بیٹھتا ہوں جس کا رخ دریا کی طرف ہے ، اور جس تک پہنچنے کے لیے کوئی در و دیوار اور نقیب و چوبدار حائل اور مانع نہیں ۔ یہاں بیٹھ کر انصاف کے تقاضوں کے مطابق فریادیوں کی فریاد سن کر ، ظالموں اور ستم پیشوں کو اُن کے ظلم و ستم اور جرائم و تقصیرات کے مطابق سزا دیتا ہوں ، یہاں تک کہ انتہائی ضعف اور ناطاقتی کے عالم میں بھی ، جب کہ میں شدید تکلیف اور بے چینی میں مبتلا تھا ، ہر روز اس جھروکے میں آ کر بیٹھتا اور راحت و آرام کو اپنے اوپر حرام سمجھتا تھا :

بہرِ نگہبانیِ خلقِ خدا — شب نکنم دیدہ بخواب آشنا
از پیٔ آسودگیِ جملہ تن — رنج پسندم بتنِ خویشتن

خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری عادت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ شب و روز میں دو تین گھنٹوں سے زیادہ نہیں سوتا ۔ اس کم خوابی میں دو فائدے میرے پیش نظر ہیں : ایک تو پورے ملک سے آگاہی رہتی ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے قلبی بیداری حاصل ہوتی ہے ۔ حیف ہے

اس پر جو اس عمرِ چند روزہ کو غفلت میں گزارے ۔ چوں کہ ایک روز ابدی نیند (موت) آنے والی ہے ، تو کیوں نہ اس بیداری (زندگی) کو ، جسے میں پھر خواب میں بھی نہ دیکھ سکوں گا ، غنیمت جان کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزاروں ۔ آدمی کو ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے غافل نہ ہونا چاہیے :

باش بیدار کہ خوابِ عجبی در پیش است

شاہجہان کی بیماری :

جس روز مجھے بخار چڑھا تھا ، اسی دن فرزندِ دل بند شاہجہان کو بھی بخار آیا تھا ۔ اُسے کئی دن تک بخار رہا ، جس کی وجہ سے وہ دس روز تک کورنش نہ بجا لا سکا ۔

۲۳ ماہ خورداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن شاہجہان حاضر خدمت ہوا ۔ وہ اس قدر کمزور اور لاغر دکھائی دیتا تھا کہ اگر کوئی نہ بتلائے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک ماہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بیمار رہا ہے ۔ شکر ہے کہ اُس کی بیماری کا انجام بخیر ہوا ۔

۳۱ ماہ خورداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میر جملہ کو ، جو ایران سے آیا ہے اور جس کا مجملاً حال میں پہلے لکھ چکا ہوں ، منصب ہزار و پانصدی ذات و دویست سوار سے سرفراز کیا ۔

اسی دن میں نے ، اس بنا پر کہ میں بیماری سے اٹھا ہوں ، ایک ہاتھی ، ایک گھوڑا اور دوسرے مویشی ، اور کچھ مقدار میں سونا چاندی اور مختلف اجناس صدقے کے طور پر محتاجوں اور ضرورت مندوں کو دیے ۔ اکثر اُمرا اور درباری بھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ چیزیں صدقہ کرنے کے لیے لائے تھے ۔ میں نے حکم دیا کہ اگر اس عمل سے اُن کا مقصود دکھاوے کا خلوص ہے تو مجھے ان کا یہ طرزِ عمل پسند نہیں ، اور اگر واقعی اِن کا یہ عمل صدقِ عقیدت کی بنا پر ہے ، تو انھیں میرے حضور میں اِن چیزوں کے لانے کی ضرورت نہیں ، بلکہ غائبانہ اپنی اپنی جگہ پر ان اشیا کو فقرا اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دینا چاہیے ۔

۷ تیر ماہِ الٰہی ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں ،

نے صادق خان بخشی (۵) کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری و ہزار سوار کر دیا ۔

ارادت خاں میر ساماں کو منصب دو ہزاری و ہزار سوار سے سرفراز کرکے رضوی خاں کے خطاب سے نوازا اور علم اور ہاتھی سے بھی ممتاز کرکے صوبہ دکن کو روانہ کر دیا ۔

ان ہی دنوں خبر ملی کہ خانخاناں نے اس مشہور مصرعے پر : [234]

بہر یک گل زحمت صد خار می باید کشید

غزل کہی ہے ، اور میرزا رستم اور اس کے بیٹے میرزا مراد نے بھی اس مصرعے پر طبع آزمائی کی ہے ۔ اسی وقت فی البدیہہ اس طرح پر یہ مطلع موزوں ہو گیا :

ساغر مے بر رخ گلزار می باید کشید

ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید

حاضرین میں سے جو موزوں طبع تھے ، ہر ایک نے اس 'طرح' میں غزل کہہ کر پیش کی ۔ معلوم ہوا کہ یہ مصرعہ مولانا عبدالرحمان جامی (٦) کا ہے ۔ ان کی پوری غزل نظر سے گزری ۔ سوائے مذکورہ بالا مصرعے کے ، جو مثل کے طور پر زبان زد عام و خاص ہو چکا ہے ، پوری غزل میں کوئی شعر کام کا نہ تھا ، غزل نہایت سادہ اور ہموار تھی ۔

اسی تاریخ کو احمد بیگ خاں حاکم کشمیر کی وفات کی خبر ملی ۔ اس کے بیٹوں کو ، جو میرے گھرانے کے پروردہ ہیں اور نیکی اور تجربہ کاری کے آثار ان کی پیشانی سے ہویدا ہیں ، ان کے مناسب حال منصب دے کر صوبہ بنگش و کابل کی خدمت پر متعین کیا ۔ احمد بیگ خاں کا منصب دو ہزار و پانصدی تھا ، اس کے بڑے بیٹے کو سہ ہزاری اور باقی تین بیٹوں کو منصب نہ صدی سے سرفراز کیا ۔

۱۳ ماہ تیر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن خواجہ باقی خاں کو جو اصالت ، شرافت نجابت اور شجاعت کے جوہر سے آراستہ ہے ، اور برار کے ایک تھانے پر متعین ہے ، ہزار و پانصدی کے منصب پر ترقی دی ، اور باقی خاں کا خطاب دے کر اس کی عزت افزائی کی ۔

رائے کھنور کو ، جو صوبہ گجرات کا دیوان تھا ، صوبہ مالوہ کا دیوان مقرر کیا ۔

سارس کی جفتی :

میں نے اسی زمانے میں سارس کے جفتی کھانے کا منظر دیکھا ۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ کبھی کسی نے سارس کو جفتی کھاتے نہیں دیکھا ۔ سارس ، کلنگ کی قسم کا ایک جانور ہے لیکن یہ کلنگ سے دمن بارہ پر بڑا ہوتا ہے ۔ اس کے سر پر ، پر نہیں ہوتے بلکہ اس کی گردن سے لے کر سر تک ہڈیوں پر کھال ہوتی ہے ۔ اس کی گردن اس کی آنکھوں کے پچھلے گوشے سے لے کر چھ انگل تک سرخ ہوتی ہے ۔ سارس اکثر جنگلوں میں جوڑا جوڑا رہتا ہے اور کبھی کبھی اس کے جھنڈ بھی دکھائی دیتے ہیں ۔ اس کے جوڑے جنگل سے پکڑ کر لاتے ہیں اور یہ گھروں میں رہنے کے بعد لوگوں سے مانوس ہو جاتے ہیں ۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ سارس کا ایک جوڑا میرے چڑیا گھر میں ہے ۔ میں نے اُن دونوں کا نام لیلیٰ مجنوں رکھا ہے ۔ ایک روز ایک خواجہ سرا نے مجھ سے بیان کیا کہ اس کے سامنے اس جوڑے نے جفتی کھائی ۔ میں نے حکم دیا کہ آیندہ جب کبھی ان دونوں میں جفتی کھانے کے آثار پائے جائیں تو وہ مجھے آگاہ کرے ۔ چنانچہ صبح ہی اس نے آ کر مجھے بتایا کہ اب وہ دوبارہ جفتی کھانے والے ہیں ۔ میں فوراً ہی اس کا تماشا دیکھنے کے لیے گیا ۔ پہلے مادہ نے اپنے دونوں پاؤں سیدھے رکھ کر انھیں تھوڑا سا نیچے جھکایا ، پھر نر نے اپنا ایک پاؤں اس کی پشت پر رکھ کر دوسرا پاؤں بھی اس کی پشت پر رکھا اور ایک لمحے میں جفتی کھا کر نیچے اتر آیا ۔

پھر اس نے اپنی گردن نیچی کر کے چونچ کو زمین سے ملایا اور ایک چکر مادہ کے گرد لگایا ۔ ممکن ہے کہ یہ جوڑا کچھ دنوں کے بعد اللہ نے بھی دے اور بچے بھی نکالے ۔

سارس کے جوڑے کی محبت کے عجیب و غریب واقعات :

سارس کے جوڑے کی آپس کی محبت اور الفت کے بہت سے واقعات سننے میں آئے ہیں ۔ چوں کہ یہ واقعات متواتر سننے میں آئے ہیں اور عجیب و غریب بھی ہیں ، اس لیے یہاں لکھے جاتے ہیں ۔

اِن وقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو قیام خاں نے ، جو اس سلطنت کے پروردوں میں سے ہے اور شکار و قراولی کے فن میں بہت ماہر ہے ، مجھ

سے بیان کیا ، کہ ایک دن میں شکار کھیلنے کے لیے گیا ۔ میں نے وہاں ایک جگہ دیکھا کہ ایک سارس بیٹھا ہوا ہے ۔ جب میں اُس کے نزدیک پہنچا تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ۔ اس کی رفتار سے کمزوری اور غمگینی کے آثار پائے جاتے تھے ۔ میں نے اس جگہ ، جہاں سارس بیٹھا ہوا تھا ، جا کر دیکھا تو چند ہڈیاں اور مٹھی بھر پر [234] پڑے ہوئے تھے ، جنھیں وہ اپنے نیچے دبائے ہوئے بیٹھا تھا ۔ میں وہیں جال بچھا کر خود ایک طرف چھپ گیا ۔ سارس نے دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھنا چاہا کہ اس کا پاؤں جال میں پھنس گیا ۔ میں نے آگے بڑھ کر اُسے پکڑ لیا ۔ دیکھا تو وزن میں وہ بہت ہلکا تھا ۔ جب میں نے اُسے غور سے دیکھا تو اس کے سینے اور پیٹ پر نہ صرف پر ہی اُڑ گئے تھے بلکہ اُس کے تمام جسم میں گوشت کا نام نہ تھا اور کیڑے بھی پڑ گئے تھے ۔ وہ چند ہڈیوں اور مٹھی بھر پروں کا مجموعہ تھا جو میرے ہاتھ لگا تھا ۔ ان سارے حالات سے معلوم ہوا کہ اس کا جوڑا مر گیا ہے اور اُس کے فراق میں اُس کی یہ حالت ہو گئی ہے :

بگداخت تن از ہجر دل افروز مرا
افروخت چو شمع آہ جانسوز مرا
روز طربم سیاہ شد چوں شب غم
بنشاند فراق تو بدیں روز مرا

اسی طرح ہمت خاں نے ، جو میرے بہترین ملازموں میں ہے اور اس کی بات پر اعتبار کیا جا سکتا ، مجھ سے بیان کیا کہ پرگنہ دوحد میں مجھے ایک تالاب کے کنارے سارس کا ایک جوڑا نظر آیا ۔ میرے بندوقچی نے اُن میں سے ایک کو مارا اور اُسے ذبح کر کے اُسے صاف کیا ۔ اتفاق سے اُس منزل میں دو تین روز قیام رہا ۔ اس عرصے میں شکار کیے ہوئے سارس کا جوڑا مسلسل ارد گرد چکر لگاتا رہا ، اور فریاد و فغاں کی آوازیں نکالتا رہا ۔ اس کی بے قراری دیکھ کر میرا دل بے حد دکھنے لگا مگر سوائے ندامت کے کوئی چارہ نہ تھا ۔ اس منزل سے کوچ کرنے کے بیس پچیس دن بعد پھر اُسی جگہ آنے کا اتفاق ہوا ۔ میں نے وہاں کے رہنے والوں سے اُس سارس کے حال و انجام کے متعلق پوچھا ۔ انھوں نے بتایا کہ وہ اسی روز مر گیا اور ابھی تک اس کے بال و پر اور ہڈیاں اُسی جگہ پڑی ہوئی ہیں ۔ میں وہاں گیا تو جیسا گاؤں والوں نے بیان کیا تھا ، ویسا ہی

دیکھنے میں آیا۔

اس کے علاوہ سارس کے جوڑے کی باہمی الفت و محبت کے بہت سے واقعات لوگوں میں مشہور ہیں جن کا لکھنا طوالت کا باعث ہوگا۔

راوت شنکر کی وفات:

۱۶ ماہ تیر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو ہفتے کے دن راوت شنکر متعینۂ صوبۂ بہار کی وفات کی خبر ملی۔ میں نے اس کے بڑے بیٹے مان سنگھ کو دو ہزاری ذات و شش صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور اس کے دوسرے بیٹوں اور عزیزوں کے منصب میں بھی اضافہ کر کے اُس کے ماتحت مقرر کیا۔

۲۱ ماہ تیر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن باون سر ثانی ہاتھی میرے حضور میں پیش ہوا جو شکار میں ہاتھ آنے والے ہاتھیوں میں سب سے بہتر ہاتھی تھا، اور جسے میں نے سدھانے کے لیے پرگنۂ دوحد میں چھوڑ دیا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ اُسے جھروکے کے نزدیک دریا کی طرف باندھا جائے تا کہ میں اُسے ہمیشہ دیکھتا رہوں۔ حضرت عرش آشیانی کے فیل خانے میں درجنسال بڑا ہاتھی تھا جو شاہی فیل خانے میں سب سے بڑا ہاتھی سمجھا جاتا تھا، میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کی اونچائی پونے پانچ گز الٰہی تھی جس کے آٹھ گز اور تین اُنگل شرعی ہوتے ہیں۔

اس وقت میرے فیل خانے کے ہاتھیوں میں سب سے بڑا اور شہ زور ہاتھی گجراج ہے، جسے عرش آشیانی خود بدولت نے شکار کیا تھا۔ یہ میرے ہاتھیوں میں سب سے بہتر ہاتھی ہے۔ اس کی بلندی چار گز اور نصف پاؤ ہے جس کے سات گز اور سات اُنگل شرعی ہوتے ہیں۔ شرعی گز متساوی الخلقت (درمیانی خلقت) کے انسان کے چالیس اُنگل کے برابر ہوتا ہے۔

اسی تاریخ میں مظفر خان نے، جو ٹھٹے کی صوبیداری پر مامور تھا، آستان بوسی کا شرف حاصل کیا اور سو مُہریں اور سو روپے بطور نذر اور ایک لاکھ روپے کے مالیتی جواہر اور مرصّع ہتھیار بطور پیش کش گزارنے۔

اسی زمانے میں خبر ملی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فرزند پرویز کے ہاں ایک لڑکا، شاہ مراد مرحوم کی بیٹی کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ امید ہے کہ نومولود کا قدم اس سلطنت کے لیے مبارک ہوگا۔

ریاست بھارہ کے راجا کی حاضری :

۲۴ ماہ تیر ۱۰۲۷ھ (۱۲۱۸ع) کو اتوار کے دن رائے بھارہ[1] نے آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ گجرات کے ملک میں اس سے بڑی کوئی ریاست نہیں ۔ [235] اُس کی ریاست کی حدیں دریائے شور سے جا ملتی ہیں ۔ راجا جام اور بھارہ ایک دادا کی اولاد میں سے ہیں اور دونوں کا سلسلۂ نسب دسویں پشت میں یک جا ہو جاتا ہے ۔ ملک اور لشکر کے اعتبار سے بھارہ ، جام سے بڑھا ہوا ہے ۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے سلاطینِ گجرات میں کسی سے ملنے کے لیے حاضر نہیں ہوا تھا ۔ سلطان محمود (گجراتی) نے اُس کے مقابلے کے لیے فوج بھجوائی تھی ۔ دونوں میں جنگ ہوئی اور سلطان محمود کو شکست ہوئی ۔ القصہ جب خان اعظم قلعۂ جونا گڑھ کو فتح کرنے کے لیے گیا ، جو علاقۂ سورت میں واقع ہے ، تو ننو ، جس کا خطاب سلطان مظفر تھا اور اپنے آپ کو اس ملک کا وارث قرار دیتا تھا اور نہایت خراب و خستہ حالت میں یہاں کے راجاؤں کی پناہ میں زندگی بسر کر رہا تھا ، آخر میں راجا جام کے ہاں پناہ گزیں تھا ، جس کی وجہ سے جام نے شاہی فوجوں کے ساتھ جنگ کی ۔ جب جام کو شکست ہوئی تو ننو رائے بھارہ کی پناہ میں آ گیا ۔ خان اعظم نے رائے بھارہ سے ننو کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا ۔ رائے بھارہ چوں کہ شاہی فوجوں سے مقابلے کی طاقت نہ رکھتا تھا ، اُس نے ننو کو حوالے کرکے سلطنت کی خیر خواہی کی بنا پر اپنے آپ کو شاہی فوج کے حملے سے بچا لیا ۔ جب گزشتہ مرتبہ میں احمد آباد آیا[2] ، میری مراجعت کی وجہ سے وہ میری خدمت میں حاضر نہ ہو سکا ، کیوں کہ اُس کی ریاست کا فاصلہ احمد آباد سے بہت زیادہ تھا ۔ اس معقول عذر کی بنا پر اور کچھ فرصت نہ ملنے کی وجہ سے اُس مرتبہ میں نے اُس کی سرکوبی کے لیے فوج متعین نہیں کی ۔ لیکن اتفاق سے جب میں اس مرتبہ احمد آباد آیا تو فرزند شاہجہان نے

۱۔ رائے بھارہ : کچھ کا زمیندار تھا اور بھوج اس کا مستقر تھا ۔ جام نے ساٹھ سال پہلے اپنا یہ ملک چھوڑ دیا تھا ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۱۹) ۔

۲۔ جہانگیر نے یہاں اپنے اُس ورود کا ذکر کیا ہے جو بارھویں سال جلوس میں ہوا تھا ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۱۹) ۔

اس کی سرکوبی کے لیے راجا بکرماجیت کو چند اُمرا اور فوج کے ساتھ مقرر کر دیا۔ رائے بھارہ نے بھی اپنی نجات اسی میں دیکھی کہ وہ حاضر ہو کر آستاں بوسی کا شرف بجا لائے۔ چناں چہ وہ آستاں بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے جلدی سے حاضر ہوا، اور میری خدمت میں حاضر ہو کر اُس نے دو سو مُہریں اور دو ہزار روپے بطور نذر پیش کیے، اور سو گھوڑے بطور پیش کش گزرانے، لیکن اُس کے گھوڑوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو مجھے پسند آئے۔ اُس کی عمر اسّی سال سے زیادہ نظر آتی ہے۔ خود وہ اپنی عمر نوے سال بتاتا ہے، لیکن اس کے ہوش و حواس میں بظاہر ابھی تک کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔ اس کے ہمراہیوں میں سے ایک بوڑھے نے، جس کی ڈاڑھی، سونچھیں اور بھویں سب سفید ہو چکی ہیں، بتایا کہ رائے بھارہ نے میرا بچپن دیکھا ہے اور میں اُس کے سامنے ہی بچپنے سے جوان ہوا ہوں۔

ابوالحسن مصوّر کو خطاب:

میں نے اسی تاریخ میں ابوالحسن مصوّر کو نادر زمان کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اس نے جہانگیر نامہ کے دیباچے میں شامل کرنے کے لیے میری تخت نشینی کی مجلس کی تصویر بنا کر میرے سامنے پیش کی تھی۔ چونکہ یہ تصویر لائق تحسین و آفرین تھی، اس لیے میں نے اس سے انتہائی لطف و کرم کا سلوک کیا۔ اس کا فن کمال کو پہنچ چکا ہے اور اس کی یہ تصویر اس دور کے بہترین کارناموں میں سے ہے۔ اگر آج کے دن اُستاد عبدالحی اور اُستاد بہزاد (۷) موجود ہوتے تو وہ اس کے فن کی صحیح داد دے سکتے تھے۔ اس کا باپ آقا رضا ہروی میری شاہزادگی کے زمانے میں میرا ملازم ہوا تھا۔ اس لحاظ سے وہ میرا خانہ زاد خادم بھی ہے۔ اِس کے فن کو اُس کے باپ کے فن سے کوئی نسبت نہیں۔ چونکہ میں نے اس کی تربیت کی ہے اس لیے اس پر میرے بہتیرے حقوق ہیں۔ اس کے بچپن سے لے کر آج تک میں نے ہمیشہ اس کی تربیت کی فکر کی، تب وہ فن کی ان بلندیوں تک پہنچا ہے۔ بلاشبہ وہ اس زمانے کے نادر روزگار لوگوں میں سے ہے۔ استاد منصور نقاش (۸) بھی، جسے نادرالعصر کا خطاب حاصل ہے اور اپنے فن میں یگانۂ عصر ہے، میرے والد اور میرے عہد حکومت میں یہ دونوں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

فن مصوری میں میرا ذوق اور میری مہارت اس درجے کو پہنچ چکی ہے کہ میں اس فن کے استادوں سے بڑھ چکا ہوں۔ اب حالت یہ ہے کہ کسی کی بنائی ہوئی تصویر میرے سامنے لائی جائے تو میں بغیر اس کا نام جانے ہوئے بتا دوں گا کہ یہ فلاں آدمی کا کام ہے، بلکہ اگر وہ تصویر گروپ ہو اور چند چہروں پر مشتمل ہو، اور ہر چہرہ الگ الگ مختلف استادوں کا بنایا ہوا ہو، تب بھی میں بتا سکوں گا کہ یہ چہرہ کس کا بنایا ہوا ہے۔ اگر ایک ہی چہرے میں آنکھیں اور بھویں کسی دوسرے کی بنائی ہوئی ہوں تو میں بتا سکتا ہوں کہ اصل چہرہ کس مصور کا بنایا ہوا ہے اور آنکھیں اور بھویں کس مصور کی بنائی ہوئی ہیں۔

۳۱ ماہ تیر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) [236] کو اتوار کے دن شدید بارش ہوئی جو منگل یکم امرداد ماہ الٰہی تک شدت کے ساتھ برستی رہی[1]۔ سولہ دن تک مسلسل بادل چھائے رہے اور بارش ہوتی رہی۔ چونکہ یہ علاقہ ریگستانی ہے اور یہاں کی عمارتوں کی بنیادیں بہت کمزور ہیں اس لیے بہت سی عمارتیں گر پڑیں جس کی وجہ سے بہت سے لوگ ہلاک ہوئے۔ اس شہر کے رہنے والوں نے بیان کیا کہ انھیں یاد نہیں کہ کسی سال ایسی شدید بارش ہوئی ہو۔ سابھرمتی[2] کا نالہ اگرچہ بظاہر بھرا ہوا نظر آتا ہے مگر اکثر جگہ سے پایاب ہے اور ہاتھی ہمیشہ کی طرح اس میں آتا جاتا ہے۔ جوں ہی بارش ایک روز کے لیے رک جائے گی، گھوڑے اور آدمی بھی اس نالے سے گزر سکیں گے۔ اس نالے کا سرچشمہ رانا کے ملک کوہستان میں واقع ہے جہاں یہ نالہ کوکرہ کی پہاڑی سے شروع ہو کر ڈیڑھ کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میرپور کے زیریں اطراف سے گزرتا ہے۔ اس مقام پر اس نالے کو دریائے واکل کہتے ہیں۔ وہاں سے مزید تین کوس گزرنے کے بعد اس کو سابھرمتی کہتے ہیں۔

۱۔ اس ماہ تیر کے ۳۲ روز ہونے چاہئیں (رک : بیورج، ج ۲ : ص ۲۱)۔
۲۔ سابھرمتی : میواڑ کی پہاڑیوں سے نکلتی ہے اور خلیج کھمبایت میں گرتی ہے۔ (رک : بیورج، ج ۲ : ص ۲۱)۔

۱۰ ماہ امرداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن راو بھارہ کو ایک ہاتھی ، ایک ہتھنی ، خنجر مرصع اور چار انگوٹھیاں یاقوت سرخ ، یاقوت زرد ، نیلم اور زمرد کی عنایت کیں ۔

گونڈوانہ کی ہیرے کی کان پر قبضہ :

کچھ عرصہ قبل میرے جان نثار خان خاناں سپہ سالار نے میرے حکم سے ایک فوج اپنے بیٹے امر اللہ (۹) کی سرکردگی میں گونڈوانہ کی طرف ہیرے کی کان پر قبضہ کرنے کے لیے بھجوائی تھی جو خاندیس کے راجا پنجو[1] کے قبضے میں تھی ۔ اسی تاریخ میں اس کی عرضداشت ملی کہ راجا پنجو نے شاہی لشکر سے تاب مقاومت نہ پا کر کان کو بغیر لڑے جھگڑے حوالے کر دیا ہے ، جس پر قبضے کے لیے شاہی داروغہ مقرر کر دیا گیا ہے ۔ اس کان کے ہیرے اصالت و نفاست میں تمام قسم کے ہیروں سے امتیازی درجہ رکھتے ہیں اور جوہریوں کی رائے میں بھی اس کان کے ہیرے نہایت قیمتی اور اپنی ساخت اور خوش نمائی میں نہایت بہتر اور برتر ہوتے ہیں ۔

گونڈوانہ کی کان کے بعد گوکرہ کی کان ہے جو بہار کے علاقے میں واقع ہے ۔ یہاں ہیرے کان سے نہیں نکالے جاتے بلکہ ایک نالے سے نکالے جاتے ہیں جو برسات کے زمانے میں پہاڑ کی بلندی سے نشیب کی طرف آتا ہے ، جس کا بند یہاں کے لوگ پہلے ہی باندھتے ہیں ۔ جب سیلاب کا زور اس بند سے گزر جاتا ہے اور پانی کم ہوتا ہے تو وہ لوگ جو اس فن میں ماہر ہیں اور اس کام کے جاننے والے ہیں ، آ کر اس نالے سے ہیرے نکالتے ہیں ۔ اس خطۂ ملک کو اس سلطنت ابد مدت میں آئے ہوئے صرف تین سال ہوئے ہیں اور یہاں کا راجا قید ہے ۔ اس سرزمین کا پانی نہایت زہریلا ہے اور اس علاقے کے نہ رہنے والے لوگ یہاں زندگی بسر نہیں کر سکتے ۔ ہیرے کی تیسری کان علاقۂ کرناٹک میں واقع ہے جو قطب الملک کی مملکت کی سرحد سے متصل ہے ۔ پچاس کوس کی مسافت کے اندر اندر چار کانیں واقع ہیں اور ان سب پر راجاؤں کا قبضہ ہے ۔ ان سے نکلنے

۱- راجا پنجو : یہ گونڈوں کا راجا تھا ۔ ابوالفضل نے اس کا نام بابی جو لکھا ہے ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۲۱) ۔

والے پیڑے اکثر پختہ ہوتے ہیں ۔

۱۰ ماہ امرداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن ناہر خان کو ہزار و پانصدی ذات و ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور مزید ایک ہاتھی بھی اُسے عنایت کیا ۔

مکتوب خاں داروغۂ کتب خانہ کو منصب ہزار و پانصدی ذات سے سربلند کیا ۔ چوں کہ میں نے حکم دیا تھا کہ شب برات میں تالاب کاکریہ کے اردگرد چراغان کیا جائے ، چنانچہ ۱۴ ماہ شعبان ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کی شام کو میں چراغاں کا منظر دیکھنے کے لیے وہاں گیا ۔ تالاب کے اطراف کو اُن عمارتوں کے ساتھ ، جو درمیان میں تھیں ، رنگا رنگ فانوسوں اور قسم قسم کے چراغوں سے ، جو ایسے مواقع کے لیے مخصوص ہیں ، سجایا گیا تھا ۔ آتش بازی کا بھی انتظام کیا گیا تھا ۔ نہایت شان دار چراغاں ہوا ۔ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں ہمیشہ بادل چھائے رہتے تھے ، اور ہوائیں چلتی رہتی تھیں اور بارش ہوتی رہتی تھی ، لیکن اس رات شام ہی سے خدا کے فضل و کرم سے ہوا صاف ہو گئی ، اور بادل چھٹ گئے ، اور حسب دل‌خواہ چراغاں کے نظارے کا موقع میسر آیا ، اور مقربانِ خاص ساغر عشرت سے سرشار ہوئے ۔ میں نے حکم دیا کہ [237] جمعة کی رات کو پھر اسی طرح چراغاں کیا جائے ۔ یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ ۱۷ ماہ امرداد مبارک شنبہ (جمعرات) کو شام کے وقت مسلسل بارش ہوتی رہی ، لیکن جیسے ہی چراغ روشن ہونے کا وقت آیا ، بارش تھم گئی اور چراغاں حسبِ دل خواہ ہوا ۔

اسی دن اعتمادالدولہ نے ایک عدد نہایت نفیس نیلم قطبی اور ایک بے دانت کا ہاتھی مع ساز و سامان کے پیش کیا ۔ خوش‌نما اور موزوں اندام ہونے کی وجہ سے اس کو شاہی ہاتھیوں میں داخل کر لیا گیا ۔

تالاب کاکریہ کے کنارے ایک سنیاسی ، جو ہندوؤں کے مرتاض گروہ میں سے تھا ، درویشانہ وضع کے ایک جھونپڑے میں تنہا رہتا تھا ۔ چوں کہ میرا دل ہمیشہ سے درویشوں کی صحبت کی طرف مائل ہے ، میں بے تکلف اُس کی ملاقات کے لیے گیا ۔ خاصی دیر تک اس کی صحبت میں بیٹھا رہا ۔ میں نے اُسے علم اور معقولیت سے خالی نہیں پایا ۔ وہ اپنے مذہب کے اصولوں کے مطابق ہندو یوگیوں کے مسائل پر کامل عبور رکھتا تھا ، اور اس نے بظاہر اپنی روش ایسی بنائی تھی

جو اہل فقر و تجرید کی ہوتی ہے ، اور تمام دنیوی خواہشات اور اغراض سے کنارہ کش تھا ۔ اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ہندو فقیروں میں اس سے بہتر آدمی اب تک میری نظر سے نہیں گزرا ۔

۲۱ ماہ امرداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن سارس کے اس جوڑے نے جس کی 'جفتی' کے متعلق میں گزشتہ اوراق میں لکھ چکا ہوں ، ایک باغیچے میں تنکے جمع کر کے پہلے ایک انڈا دیا ، پھر تین دن کے بعد دوسرا انڈا دیا ۔ سارس کے اس جوڑے نے جسے ایک مہینے کی مدت میں پکڑا گیا تھا ، میرے چڑیا خانے میں پانچ سال رہنے کے بعد چھٹے سال کے نصف میں جفتی کھائی تھی ، پھر ایک ماہ تک جفتی کھاتے رہے ۔ ۲۱ ماہ امرداد کو جسے اہل ہند کی اصطلاح میں ساون کہتے ہیں ، انڈے دیے ۔ مادہ تمام رات انڈوں کو سیتی ہے اور نر اس کے پاس کھڑا ہو کر پہرہ دیتا ہے ، اور اس قدر ہشیار اور چوکنا رہتا ہے کہ کسی جاندار کی مجال نہیں کہ اس کی مادہ کے پاس سے گزر سکے ۔ ایک مرتبہ ایک نیولا اُدھر آ نکلا ، پوری طاقت سے یہ نر اس کی طرف دوڑا اور جب تک کہ نیولا اپنے سوراخ میں نہیں گھس گیا ، اس کا تعاقب کرتا رہا ۔ جب صبح کو سورج نکل آتا ہے تو نر مادہ کے قریب آ کر اپنی چونچ سے اس کے سر کو کھجاتا ہے ، جس کے بعد مادہ انڈوں پر سے اٹھ جاتی ہے اور نر ان پر بیٹھ جاتا ہے ۔ پھر کچھ دیر بعد مادہ اسی طریقے پر آ کر اسے اٹھاتی ہے اور خود انڈوں پر بیٹھ جاتی ہے ۔ مختصر یہ کہ رات کو تنہا مادہ انڈوں کو سیتی ہے اور دن کو نر و مادہ باری باری انڈوں پر بیٹھتے ہیں ۔ اور انڈوں پر بیٹھتے اور اٹھتے وقت نہایت احتیاط برتتے ہیں کہ انڈوں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے ۔

اسی زمانے میں جب کہ میں ہاتھی کے شکار سے واپس لوٹ آیا تھا اور شکار کا موسم باقی تھا ، گجپت خاں داروغہ اور بلوچ خاں قراول کو شکار گاہ میں چھوڑ آیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ہاتھی پکڑیں ۔ ان کے ساتھ فرزند شاہجہاں کے قراولوں کی ایک جماعت بھی اس خدمت پر مامور و متعین کی گئی تھی ۔ ان سب نے اسی تاریخ کو حاضر ہو کر آستان بوسی کا شرف حاصل کیا ۔ ان سب نے ایک سو پچاسی ہاتھی اور ہتھنیاں شکار کیں ، جن میں سے تہتر ہاتھی اور ایک سو بارہ ہتھنیاں تھیں ۔ ان کے علاوہ سینتالیس ہاتھی اور چھہتر ہتھنیاں ، جو مجموعی طور

پر ایک سو بائیس ہوتے ہیں ، شاہی قراولوں اور فوج داروں نے شکار کیں ۔ اور چھبیس ہاتھی اور سینتیس ہتھنیاں جن کی مجموعی تعداد تریسٹھ ہوتی ہے ، فرزند شاہجہان کے قراولوں اور فیل بانوں نے پکڑیں ۔

۲۴ ماہ امرداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن باغ فتح[1] کی سیر کے لیے گیا ۔ دو دن وہاں عیش و عشرت میں گزارے ۔ ہفتے کی شام کو وہاں سے دولت خانے واپس لوٹا ۔

چونکہ آصف خاں نے عرض کیا تھا کہ اس کی حویلی کا باغیچہ نہایت سرسبز و شاداب ہو چکا ہے ، اور اس میں انواع و اقسام کے پھول کھلے ہیں ، اس لیے آصف خاں کی التجا پر میں مبارک شنبہ (جمعرات) [238] ۳۱ امرداد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو اس کے گھر گیا ۔ بلاشبہ یہ جگہ خوب تھی جس سے میں بہت خوش ہوا ۔

مظفر خاں کو خلعت اور ہاتھی سے سرفراز کرکے حسب سابق صوبۂ ٹھٹہ کی صوبے داری پر بحال رکھا ۔

خواجہ عبدالکریم گیلانی ، جو تجارت کے سلسلے میں ایران سے آیا تھا اور حسب معمولی برادرم شاہ عباس کی طرف سے تحفے لایا تھا ، اسی تاریخ اس کو خلعت اور ہاتھی عنایت کرکے واپسی کی اجازت دے دی ، اور اسی کے ہاتھ شاہ عباس کے خط کا جواب روانہ کیا ۔ اور خان عالم کے لیے فرمان بھیجا جو لطف و کرم پر مبنی تھا اور خلعت خاص روانہ کی ۔

یکم ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو اتوار کے دن سے مبارک شنبہ (جمعرات) کی شب تک بارش ہوتی رہی ۔

ایک عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ دوسرے دنوں میں سارس کے جوڑے کا معمول یہ تھا کہ پانچ چھ مرتبہ باری باری انڈوں پر بیٹھتا تھا ، لیکن ان شب و روز میں ، جب کہ مسلسل بارش ہو رہی تھی اور ہوا میں برودت تھی ۔ یہ واقعہ دیکھنے میں آیا کہ انڈوں کو گرم رکھنے کے لیے صبح سویرے سے لے کر

۱۔ باغ فتح : یہ وہی باغ ہے جو عبدالرحمان نے بنایا تھا ۔ مظفر گجراتی کی شکست کے بعد اس کی تعمیر ہوئی تھی ۔ (زک : بیورج ، ج ۲ : ص ۲۴) ۔

دوپہر تک مسلسل نر انڈوں پر بیٹھا اور دوپہر سے لے کر اگلے دن کی صبح تک مسلسل مادہ انڈوں پر بیٹھی کہ کہیں بار بار اٹھنے اور بیٹھنے کی وجہ سے ہوا کی برودت انڈوں پر برا اثر کرے اور انڈوں کو نقصان پہنچے اور وہ خراب ہو جائیں ۔

مختصر یہ کہ انسان اپنی عقل سے جن چیزوں کا ادراک کرتا ہے ، انھی چیزوں کو قدرتاً حیوانات اپنے فطری تقاضے سے کرتے ہیں ۔ عجیب تر بات یہ بھی ہے کہ سارس کا یہ جوڑا انڈے دینے کے ابتدائی ایام میں انڈوں کو جوڑ کر سینے کے نیچے رکھتا تھا ، لیکن انڈے دینے کے چودہ پندرہ دن بعد دونوں انڈوں میں کچھ فاصلہ کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انڈے پاس پاس ہونے کی وجہ سے گرمی بڑھ جائے اور وہ سڑ جائیں ۔

آگرہ روانہ ہونے کی تیاریاں :

بتاریخ ۷ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) مبارک شنبہ (جمعرات) کو تبریک و تہنیت کے ساتھ پیش خانے کو آگرہ روانہ ہونے کے لیے شہر سے باہر بھیجا گیا ۔ پہلے ہی سے منجّموں اور ستارہ شناسوں نے سفر کے لیے یہی ساعت منتخب کی تھی ۔ چونکہ بارش کثرت سے ہوئی تھی ، اس لیے شاہی لشکر کے لیے محمود آباد کے نالے اور دریائے سہی کو عبور کرنا مشکل تھا ، اس لیے اس وقت مجبوراً صرف پیش خانے کو بھیجا گیا اور کوچ کے لیے شہریور کی ۲۱ تاریخ[۱] مقرر ہوئی ۔

راجا بکرماجیت کی قلعہ کانگڑہ کی فتح کے لیے روانگی :

فرزند شاہ جہان نے تسخیر قلعہ کانگڑہ کی مہم اپنے ذمے لے لی تھی ، جس پر کوئی اولوالعزم بادشاہ اب تک قبضہ نہ کر سکا تھا ۔ اس نے اس سے قبل کچھ فوج راجا باسو کے بیٹے راجا سورج مل اور تقی کی سرکردگی میں روانہ کی تھی جو اس کے جانے پہچانے ملازموں میں ہیں ۔ اس زمانے میں معلوم ہوا کہ اس مضبوط قلعے کا فتح کرنا اس فوج سے ممکن نہ ہوا جو اس مہم کے لیے مامور

۱۔ ۲۱ شہریور ۲۲ رمضان ۱۰۲۷ھ ، ۲ ستمبر ۱۶۱۸ع کے مطابق ہے ۔ (رک بیورج : ج ۲ : ص ۲۵) ۔

کی گئی تھی ۔ اس بنا پر اس نے راجا بکرماجیت کو ، جو اس کے منتخب افسران میں ہے ، دو ہزار سواروں کے ساتھ ، جو اس کے خاص ملازم ہیں روانہ کر دیا ہے اور ان میں کچھ جہانگیری ملازم بھی ہیں ، جیسے شاہباز خان لودی ، پردے نارائن ہاڈا ، رائے پرتھی چند اور رام چند کے دونوں بیٹے ۔ اس فوج کے علاوہ جو سابق میں بھیجی گئی ہے ، دو سو نفر برق انداز سوار اور پانسو نفر توپچی پیادہ بھی شامل ہیں ۔ چوں کہ ان کی روانگی کا وقت اسی تاریخ میں مقرر کیا گیا تھا ، اس لیے شاہجہان نے زمرد کی ایک تسبیح ، جس کی قیمت دس ہزار روپے تھی ، پیش کی اور خلعت و شمشیر سے سرفرازی حاصل کر کے اپنی مفوضہ خدمت پر روانہ ہو گیا ۔ چوں کہ بکرماجیت کی اس صوبے میں کوئی جاگیر نہ تھی ، اس لیے فرزند شاہ جہان کی سفارش پر پرگنۂ برہانہ[1] ، جس کا محصول بائیس لاکھ دام ہے ، اس کی جاگیر میں دیا گیا ۔

خواجہ تقی دیوان بیوتات کو ، جو صوبۂ دکن میں خدمت دیوانی پر مقرر کیا گیا تھا ، میں نے معتمد خان [239] کے خطاب اور ہاتھی اور خلعت سے سرفراز کیا ۔

ہمت خان کو سرکار بھرائچ اور اس علاقے کا فوجدار مقرر کر کے روانہ کیا ، اور گھوڑا اور پرم نرم کے عطیے کے ساتھ پرگنہ بھرائچ اس کی جاگیر میں دے دیا ۔

رائے پرتھی چند کو ، جو کانگڑے کی مہم پر متعین کیا گیا تھا ، منصب ہفت صدی و چہار صد و پنجاہ سوار سے نوازا ۔

چوں کہ شیخ محمد غوث (۲) کا عرس قریب آگیا تھا ، اس لیے عرس کے اخراجات کے لیے بیس ہزار درب ان کے بیٹوں کو عنایت کیے ۔

بہادر الملک کے بیٹے مظفر کو ، جو صوبۂ دکن میں متعین ہے ، ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

چوں کہ گزشتہ بارہ سال کے حالات مختلف بیاضوں میں تحریر کیے گئے تھے ، لہٰذا میں نے حکم دیا کہ ان کی ایک جلد بنا کر اس کے متعدد نسخے مرتب

۱- برہانہ سہو کتابت ہے ، صحیح ہریانہ ہے ۔

۲- شیخ محمد غوث کا انتقال ۱۴ ستمبر ۱۵۶۲ع میں ہوا اور یہ گوالیار میں دفن ہیں ۔ (رک بیورج ، ج ۲ : ص ۲۶)

رکیے جائیں تاکہ میں انہیں خاص خاص امرا کو عنایت کروں ، اور تمام شہروں میں بھیجے جائیں کہ ارباب دولت اور اصحاب سعادت اس کتاب کو اپنا دستور العمل بنائیں۔

۸ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن ایک واقعہ نویس[1] نے ان پورے بارہ سال کے حالات کو یک جا اور مجلد کر کے میرے ملاحظے میں پیش کیا۔ چوں کہ یہ پہلا نسخہ تھا جو مرتب ہوا تھا ، میں نے یہ نسخہ فرزند شاہ جہان کو عنایت کیا ۔ شاہ جہان کو ہر بات میں میں اپنے تمام بیٹوں پر مقدم رکھتا ہوں ۔ کتاب کی پشت پر اپنے قلم سے میں نے لکھا کہ فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر یہ کتاب اس فرزند (شاہ جہان) کو عنایت کی گئی ۔ امید ہے کہ وہ اس کتاب کے مطالب کے سمجھنے کی توفیق حاصل کر کے خوش نصیبی سے بہرہ ور ہوگا جو خالق کی خوشنودی اور مخلوق خدا کی دعا گوئی کا باعث ہیں ۔

سبحان قلی کو قتل کی سزا :

۱۲ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن سبحان قلی قراول کو قتل کی سزا دی گئی ۔ اس واقعے کے اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وہ حاجی بلوچ کا بیٹا ہے جو میرے والد کے بہترین قراولوں تھا ۔ سبحان قلی میرے والد بزرگوار کی وفات کے بعد اسلام خان کا ملازم ہوا تھا اور اس کے ساتھ بنگال چلا گیا تھا ۔ اسلام خان نے اس کو اس بنا پر کہ وہ اس سلطنت کا پروردہ ہے ، اس کے ساتھ بہتیری مناسب رعایتیں کی تھیں ، اور قابل اعتماد سمجھ کر ہمیشہ اسے سواری اور شکار کے وقت اپنے ہمراہ رکھتا تھا ۔ عثمان افغان ، جس نے اس صوبے میں کئی سال بغاوت اور سرکشی میں گزارے تھے ، جس کے خاتمے کا ذکر گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے ، اسلام خان سے بے حد خائف تھا ، اس لیے اس نے اس بد نصیب (سبحان قلی) کے پاس ایک آدمی بھیج کر اس کے قتل کی ترغیب دی ۔ سبحان قلی اس پر آمادہ ہو گیا اور اس سے وعدہ کر لیا کہ میں دو تین دوسرے آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا کر اس کام کو انجام دوں گا ۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ قبل اس کے کہ اس احسان ناشناس کا یہ باطل ارادہ عمل میں آئے ، ان میں سے

---

[1] یہ نسخہ اس وقت ملتان کے مشہور گردیزی خاندان کے قبضے میں ہے ۔ سید رمضان علی شاہ اس کے تحویل دار ہیں ۔ (م)

ایک نے اسلام خان کو اس سازش کی اطلاع کر دی ۔ اس نے فوراً ہی اس نمک حرام کو گرفتار کر کے قید کر دیا ۔ مختصر یہ کہ اسلام خان کی وفات کے بعد سبحان قلی ، بنگال سے آیا اور دربار میں حاضر ہوا ۔ چوں کہ اس کے بعض عزیز اور رشتے دار قراولوں کے زمرے میں ملازم تھے ، میں نے حکم دیا کہ اس کو بھی قراولوں کے زمرے میں شامل کیا جائے ۔ اس وقت اسلام خان کے بیٹے نے گول مول طریقے پر عرض کیا کہ وہ میری خدمت سرانجام دینے کے لائق نہیں ہے ۔ تحقیق کرنے پر سارے حالات مجھے معلوم ہوئے لیکن اس کے بھائیوں اور عزیزوں نے بہ اصرار اور مبالغے سے مجھ سے کہا کہ یہ محض تہمت ہے اور بلوچ خاں قراول بیگی نے اس کی ضمانت دی ۔ اس بنا پر میں نے اسے موت کی سزا دینے سے درگزر کیا اور حکم دیا کہ وہ بلوچ خاں کے ہمراہ میری خدمت سر انجام دے ۔ اس لطف و کرم اور جاں بخشی کے باوجود وہ بغیر کسی وجہ اور سبب کے دربار سے بھاگ کر آگرہ کی طرف چلا گیا ۔ میں نے بلوچ خاں کو حکم دیا کہ وہ تلاش کر کے اس کو حاضر کرے کیوں کہ وہ اس کا ضامن ہے ۔ اس نے لوگوں کو اس کی تلاش میں بھیجا ۔ [240] بلوچ خاں کے بھائی نے جو اس کی تلاش کے لیے بھیجا گیا تھا ، آگرے کے ایک گاؤں میں ، جو سرکشی و بغاوت کے عناصر سے خالی نہیں تھا ، اسے جا لیا ۔ ہر چند اس نے چاہا کہ وہ نرمی و آشتی کے ساتھ اسے دربار میں لے آئے ، لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا ، اور گاؤں کے لوگ اس کی حمایت پر تیار ہو گئے ۔ مجبوراً وہ خواجہ جہاں کے پاس آگرہ گیا اور صورت حال اس سے بیان کی ۔ خواجہ جہاں نے ایک دستہ فوج اس گاؤں پر متعین کیا ، اور فوج کو حکم دیا کہ جبراً و قہراً جس طرح ممکن ہو وہ سبحان قلی کو گرفتار کر کے لائیں ۔ گاؤں والوں نے جب محسوس کر لیا کہ اگر انھوں نے سرکشی اختیار کی تو گاؤں پر تباہیاں و بربادیاں آئیں گی ، اس لیے انھوں نے سبحان قلی کو بلوچ خان کے بھائی کے حوالے کر دیا ۔ چناں چہ وہ اسی تاریخ کو اسے گرفتار کر کے اور زنجیروں میں جکڑ کر دربار میں حاضر ہوا ۔ جب میں نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تو میر غضب اس کو نہایت تیزی کے ساتھ مقتل کی طرف لے گیا ۔ لیکن کچھ دیر بعد ایک مقرب درباری کی سفارش پر میں نے اس کی جاں بخشی کر کے اس کے پاؤں کاٹنے کا حکم دیا ۔ لیکن تقدیر کا لکھا پورا ہو چکا تھا ، اور میرے حکم کے پہنچنے سے پہلے ہی اسے قتل کیا جا چکا تھا ۔

سزائے قتل کے احکام میں تاخیر کا فرمان :

اس میں شک نہیں کہ وہ مستحق سزا تھا مگر اس کے باوجود میرے حق شناس ضمیر کو ندامت محسوس ہوئی اور میں نے حکم دیا کہ آیندہ جب میں کسی کے قتل کا حکم دوں تو خواہ وہ کتنا ہی شدید اور فوری حکم کیوں نہ ہو ، غروب آفتاب تک اُسے قتل نہ کریں . اگر اس وقت تک اس کی جان بخشی کا حکم نہ پہنچے تو پھر اُسے قتل کر دیں .

۱۷ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن دریائے بہت میں بڑی زبردست طغیانی آئی . دریا میں بڑی بڑی موجیں اٹھ رہی تھیں ، حالاں کہ گزشتہ بارشوں میں اتنی طغیانی تو کیا ، اس سے نصف بھی طغیانی نہیں آئی تھی . صبح سے طغیانی کا زور بڑھنا شروع ہوا ، دن کے آخری حصے میں اس کا زور ٹوٹا . اس شہر کے بوڑھے لوگوں نے بتایا کہ صرف ایک دفعہ مرتضیٰ خاں کی حکومت کے زمانے میں اس قسم کی طغیانی آئی تھی . اس کے علاوہ ہمیں یاد نہیں کہ ہماری عمر میں اس قسم کی طغیانی آئی ہو .

مغربی کا ایک قصیدہ :

ان ہی دنوں مغربی کا ایک نہایت سلیس اور رواں قصیدہ ، جو سلطان سنجر

---

۱ - سرسید ایڈیشن میں یہاں لفظ مغربی ہے جو سہو کتابت ہے - صحیح لفظ معزی ہے کیونکہ مغربی بہت متاخرین میں ہے اور سلطان سنجر چھٹی صدی ہجری میں تھا . (رک : بیورج : ج ۲ ، ص ۲۹) . اصل میں یہ شاعر محمد بن عبدالملک متخلص بہ معزی نیشا پوری ہے . اس کا باپ الپ ارسلان سلجوقی کا درباری شاعر تھا . جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے کی سفارش میں ایک قطعہ سلطان ملک شاہ کو لکھا ، جس پر محمد بن عبدالملک ، سلطان ملک شاہ کا درباری شاعر بن گیا . چند دن کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اُسے آیندہ سے امیر معزی کہا جائے . سلطان جلال الدین ملک شاہ کی وفات کے بعد وہ سلطان سنجر کا

(بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

کی مدح میں تھا ، جس کے دربار کا وہ ملک الشعرا تھا ، سننے میں آیا . اس کا مطلع یہ ہے:

اے آسمان مسخرِ حکمِ روانِ تو
کیوانِ پیر بندۂ بختِ جوانِ تو

سعیدائے زرگر باشی (۱۱) نے جو طبعِ موزوں رکھتا ہے ، اس قصیدے کے تتبع میں نہایت عمدہ قصیدہ کہہ کر پیش کیا . یہ قصیدہ اس نے خوب کہا تھا . یہ چند شعر اس کے قصیدے کے ہیں:

ای لمعۂ فلک نمونۂ از آستانِ تو
دورانِ پیر گشته جوان در زمانِ تو

بخشد دلِ تو فیض و نجوید سبب چو مہر
جانہا ہمہ فدائے دلِ مہربانِ تو

از باغِ قدرت است فلک یک ترنج سبز
انداختہ بروئے ہوا باغبانِ تو

یا رب چہ گوہری تو کہ افروخت در ازل
جان ہاے قدسیاں ہمہ از نورِ جانِ تو

بادا جہان بکامِ تو اے بادشاہِ عہد
در سایۂ تو خورم شاہِ جہانِ تو

اے سایۂ خدا ز تو پر نور شد جہان
بادا ہمیشہ نورِ خدا سایبانِ تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ملک الشعرا قرار پایا . سنہ ۵۴۲ھ میں ایک روز سلطان سنجر تیراندازی کی مشق کر رہا تھا . اتفاق سے ایک تیر خطا ہو گیا اور معزوی کے جا لگا ، جس کے زخم سے اس نے وفات پائی . [رک : مقدمہ دیوان معزوی ، از عباس اقبال ، مطبوعہ ایران — و تاریخ ادبیات ایران ، ج ۲ ، از پروفیسر براؤن — و تاریخ ادبیات ایران از رضازادہ شفق (س)] .

سعیدائے زرگر کو اشرفیوں میں تلوانا

۱۴ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن متذکرۂ بالا قصیدے کے صلے میں میں نے حکم دیا کہ سعیدائے زرگر کو اشرفیوں میں تولا جائے[1]۔

شام کو باغ رہتم باڑی کی سیر کے لیے گیا۔ یہ باغ نہایت سرسبز و شاداب نظر آیا۔ شام کو ہی کشتی میں بیٹھ کر اپنے دولت خانے کو لوٹ آیا۔

۱۵ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن ایک بوڑھا آدمی مُلا اسیری نامی ماوراء النہر سے آیا اور آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور عرض کیا کہ میں عبداللہ اوزبک کے قدیم ملازموں میں سے تھا۔ اپنی جوانی کے آغاز سے لے کر خان موصوف کی وفات تک اُن کے ملازموں میں منسلک رہا۔ میں خلوت و جلوت میں اُس کا محرم راز تھا۔ خانِ مذکور کے فوت ہو جانے کے بعد سے اب تک میں نے اپنے وطن میں نہایت عزت و آبرو کی زندگی بسر کی۔ اب خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے وطن سے [241] روانہ ہوا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے اُسے اختیار دیا کہ وہ جب تک چاہے یہاں رہے اور جب اُس کا جی چاہے چلا جائے۔ اس نے عرض کیا کہ میں چند دن آپ کی خدمت میں رہوں گا۔ میں نے اُسے ہزار روپے بطور خرچ کے اور خلعت عنایت کیا۔ نہایت شگفتہ رو، لطیفہ سنج اور خوش کلام بوڑھا ہے۔ فرزند شاہجہان نے بھی اُسے پانسو روپے اور سراپا دیا۔

اپنے ایک شعر کو کندہ کرانا

خرم (شاہجہان) کے دولت خانے کے باغیچے کے درمیان ایک حوض اور چبوترہ واقع ہے، اور چبوترے کے ایک کونے پر مولسری کا ایک درخت ہے، جس سے ٹیک لگا کر بیٹھا جا سکتا ہے۔ چونکہ اس درخت کا تنہ ایک طرف کھوکھلا اور بدنما ہو گیا تھا، میں نے حکم دیا کہ سنگ مرمر کی ایک تختی تراش کر اس کھوکھلے مقام پر مضبوطی سے مستحکم کریں کہ اس سے پشت لگا کر

۱۔ یہ تخت طاؤس کا مصور اور کاریگر ہے (رک: بیورج، ج ۲، ص ۲۹)۔

بیٹھا جا سکے ۔ اسی وقت فی البدیہہ ایک شعر موزوں ہو کر زبان پر آیا ، میں نے سنگ تراشوں کو حکم دیا کہ یہ شعر اس تختی پر کندہ کریں تا کہ صفحۂ روزگار پر بطور یادگار باقی رہے ۔ وہ شعر یہ ہے :

نشیمن گاہ شاہ ہفت کشور

جہانگیر ابن شاہنشاہ اکبر

۱۹ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کی شب دولت خانۂ خاص کے صحن میں بازار لگایا گیا ۔ اس سے پہلے دستور یہ تھا کہ کبھی کبھی دوکان دار اور صنعت پیشہ میرے حکم پر دولت خانے کے صحن میں دوکانیں لگا کر انھیں ہتھیاروں ، قیمتی کپڑوں اور قسم قسم کے ساز و سامان اور ان اشیا سے سجا کر جو بازار میں فروخت ہوتی ہیں ، مجھے ملاحظہ کراتے تھے ۔ اس مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ اگر رات کے وقت یہ بازار لگایا جائے اور بہت سے فانوس دوکانوں کے سامنے روشن کیے جائیں تو نہایت پر لطف منظر ہوگا ؛ چنانچہ یہ فی الواقعہ نہایت اچھا اور پر لطف منظر ہو گیا ۔ بازار لگانے کا یہ طریقہ نیا اور پہلی مرتبہ عمل میں آیا ۔ میں نے تمام دوکانوں کی سیر کی اور جو جواہر اور مرصع ہتھیار اور دوسری چیزیں مجھے پسند آئیں ، خریدیں اور ہر دوکان سے کچھ نہ کچھ چیزیں خرید کر ملا اسیری کو بھی بطور انعام دیں ۔ اور اس قدر سامان اس کو ملا کہ اس کے لیے سنبھالنا مشکل ہو گیا ۔

آگرے کی طرف مراجعت :

۲۱ شہریور ماہ الٰہی ، سنہ ۱۳ جلوس مطابق ۲۲ رمضان ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن ، ڈھائی گھڑی دن چڑھنے کے بعد نجومیوں کے پسندیدہ وقت کے مطابق خیر اور سلامتیوں کے ساتھ میں دارالخلافہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا ۔ دولت خانے سے لے کر تالاب کاکریہ تک جہاں تک شاہی لشکر ٹھہرا ہوا تھا ، سابقہ دستور کے مطابق میں روپے نچھاور کرتا ہوا گیا ۔

جشن وزن شمسی :

اسی تاریخ میں جشن وزن شمسی منعقد ہوا کہ شمسی اعتبار سے اس نیاز مند درگاہ ایزدی کی عمر کے پچاسویں سال کا آغاز خیر اور سلامتیوں کے ساتھ ہوا ۔ مقررہ ضابطے کے مطابق میں نے اپنے آپ کو سونے ، چاندی اور دوسری اجناس

کے ساتھ تلوا کر موتی اور سونے کے پھول نچھاور کیے۔ رات کو چراغاں کیا گیا اور رات حرم سرا میں عیش و عشرت کے ساتھ گزاری۔

۲۲ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن میں نے حکم دیا کہ اس شہر کے تمام مشائخ اور اربابِ سعادت مدعو کیے جائیں تا کہ وہ میرے ساتھ افطار کریں۔ تین دن روزانہ شام کو یہی سلسلہ جاری رہا اور میں ہر رات کو مجلس افطار کے ختم ہونے پر کھڑے ہو کر زبان حال سے یہ شعر پڑھتا رہا:

خداوند گارا۔ توانگر۔ توئی
توانا و درویش پرور توئی
نہ کشور کشایم نہ فرماں دہم
یکے از گدایان این درگہم
تو برخیز و نیکی دہم دسترس
وگرنہ چہ خیر آید از من بکس
منم بندگاں را خداوندگار
خداوند را بندۂ حق گزار

بہت سے فقرا، جو اب تک میری خدمت میں حاضر نہ ہو سکے تھے، انھوں نے مدد معاش کی التجا کی [242]۔ میں نے ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق زمین اور رقم بطور خرچ عطا کر کے ان کو کامیاب و بامراد کر دیا۔

سارس کا بچہ:

۲۱ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کی رات سارس نے اپنے ایک انڈے سے بچہ نکالا اور ۲۵ ماہ شہریور کو پیر کی رات پچیس روز کے بعد دوسرے انڈے سے بچہ نکالا۔ مختصر یہ کہ ایک بچہ چونتیس روز کے بعد اور دوسرا بچہ چھتیس روز کے بعد انڈے سے نکلا۔ یہ بچے پیدا ہونے کے بعد قاز کے بچوں سے جثے میں دس گیارہ گونہ بڑے اور مور کے ایک ماہ کے بچے کے برابر ہوئے۔ ان کے جسم پر نیلے رنگ کا رواں ہے۔

پہلے دن بچے نے کچھ نہیں کھایا، دوسرے دن اس کی ماں چھوٹی ٹڈیوں کو چونچ سے پکڑ کر کبھی اس کو کبوتر کی طرح چونگا دیتی تھی، اور کبھی اُن کو مرغیوں کی طرح بچوں کے سامنے ڈال دیتی تھی، تا کہ وہ خود چگیں۔ اگر ٹڈیاں اتنی چھوٹی ہوتی تھیں کہ بچہ ان کو نگل سکتا ہو تو وہ ان

کو اسی حالت میں ان کے سامنے چھوڑ دیتی تھی ، اور اگر ٹڈیاں بڑی ہوتی تھیں تو بعض کو دو ٹکڑے اور بعض کو تین ٹکڑے کر دیتی تھی ، تاکہ بچے آسانی سے انہیں کھا سکیں ۔

چونکہ میں ان بچوں کے دیکھنے کی بڑی خواہش رکھتا تھا ، میں نے حکم دیا کہ ان بچوں کو نہایت احتیاط کے ساتھ کہ لانے میں ان کو کسی قسم کی تکلیف اور گزند نہ پہنچے ، میرے پاس لایا جائے ۔ انہیں دیکھنے کے بعد میں نے حکم دیا کہ انہیں اسی احتیاط کے ساتھ باغیچے کے اندر ان کی جگہ پر یعنی دولت خانہ خاص میں پہنچا کر ان کی پوری پوری نگرانی اور حفاظت کی جائے ۔ جب یہ بچے چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں تو پھر انہیں لا کر مجھے دکھایا جائے ۔

اسی روز حکیم روح اللہ کو ہزار روپے کے انعام سے سرفراز کیا ۔

بدیع الزمان ولد میرزا شاہ رخ اپنی جاگیر سے واپس آیا اور شرف حضوری حاصل کیا ۔

موضع گج میں قیام :

۲۶ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن تالاب کاکریہ سے روانہ ہو کر موضع گج(۱) میں قیام کیا ۔

ایزک میں قیام :

۲۷ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن دریائے محمود آباد کے کنارے ، جسے ایزک کہتے ہیں ، قیام کیا ۔

چونکہ احمد آباد کی آب و ہوا نہایت خراب تھی ، اس لیے محمود بیکڑہ نے حکما کے مشورے کے بعد دریائے مذکور کے ساحل کے کنارے اس مذکورہ شہر کی بنیاد رکھ کر یہیں سکونت اختیار کر لی تھی ۔ اس کے بعد جب اس نے جاپانیر کو فتح کر لیا تو اس کو اپنا دارالسلطنت بنایا ۔ محمود شہید کے زمانے تک گجرات کے سلاطین اکثر اوقات وہیں رہتے تھے ۔ سلطان محمود (۲) نے ،

---

(۱) یہ گجنہ ہے ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۳۳) ۔

جو سلاطین گجرات کا آخری بادشاہ ہے ، محمود آباد کو پھر اپنا دارالسلطنت بنا لیا . بلاشبہ محمود آباد کی آب و ہوا سے احمد آباد کی آب و ہوا کو کوئی نسبت نہیں . میں نے ان دونوں جگہ کی آب و ہوا کے امتحان کے لیے حکم دیا کہ ایک بکری کی کھال کھینچ کر اسے تالاب کاکریہ کے کنارے لٹکائیں . اسی طرح دوسری بکری کو محمود آباد میں لٹکایا جائے تا کہ دونوں جگہ کی آب و ہوا کا فرق معلوم ہو سکے . جس بکری کو تالاب کاکریہ کے کنارے لٹکایا گیا تھا ، یعنی طلوع آفتاب کے سات گھڑی گزرنے کے بعد لٹکا گیا تھا ، جب سورج کے غروب ہونے میں تین گھڑیاں باقی تھیں ، اس میں اس قدر عفونت اور بدبو پیدا ہو گئی کہ اس کے پاس سے گزرنا مشکل ہو گیا . برخلاف اس کے محمود آباد میں بکری صبح کے وقت لٹکائی گئی تھی لیکن شام تک اُس میں مطلقاً کوئی تغیر نہیں ہوا تھا ، رات کے ڈیڑھ پہر گزرنے کے بعد اس میں تعفن پیدا ہوا . مختصر یہ کہ احمد آباد شہر کے اطراف میں بکری آٹھ گھنٹے میں ، اور محمود آباد کی آب و ہوا میں چودہ گھنٹے کے بعد متعفن ہوئی ، جس سے دونوں جگہ کی آب و ہوا کے فرق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے .

۲۸ ماہ شہریور ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں نے رستم خان کو ، جسے فرزند اقبال مند شاہجہان نے صوبہ گجرات کی حکومت و حفاظت کے لیے مامور کیا تھا ، ہاتھی ، گھوڑے اور خاص پرم نرم سے سرفراز کر کے رخصت کیا . جہانگیری ملازمین کو ، جو صوبہ گجرات میں متعین ہیں ، اُن کے مرتبے اور عہدے کے لحاظ سے گھوڑے اور خلعت سے نوازا .

۲۹ ماہ شہریور ، مطابق یکم شوال ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن رائے بھارہ کو خلعت اور شمشیر خاص اور خاص گھوڑے سے نوازا اور وہ اپنے وطن کی طرف رخصت ہوا . اُس کے بیٹوں کو بھی گھوڑے اور خلعت سے سرفراز کیا .

سید محمد کو قرآن کریم کا ایک نسخہ عطا کرنا :

۳۰ ماہ شہریور ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو ہفتے کے دن میں نے شاہ عالم کے پوتے سید محمد (۱۳) سے کہا کہ اُس کا جو جی چاہے ، وہ بے تکلف مانگے اور

میں نے اس بارے میں اسے قسم دی۔ اس نے عرض کیا کہ جب آپ نے مجھے قسم ہی دی ہے تو میں گزارش کرتا ہوں [243] کہ مجھے ایک قرآن شریف دیا جائے جسے میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھوں ، اور اس کی تلاوت کا ثواب آپ کو پہنچتا رہے ۔ میں نے اس کی التجا پر اپنے قرآن مجید کا ایک نسخہ ، جو یاقوت کاتب کا چھوٹی تقطیع پر لکھا ہوا نہایت ہی نفیس اور نادر روزگار تھا ، اس کو عنایت کیا ، اور اس کی پشت پر اپنے قلم سے لکھا کہ فلاں تاریخ اور فلاں مقام پر یہ قرآن مجید سید محمد کو عنایت کیا گیا ۔

یہ حقیقت ہے کہ سید محمد ایک نہایت نیک فطرت شخص ہے اور اس کا وجود مغتنمات میں سے ہے ۔ ذاتی شرافت ، علم و فضل ، حسن اخلاق اور خوش مزاجی سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ ، نہایت شگفتہ اور خوش مزاج بھی ہے ۔ اس ملک کے لوگوں میں میر جیسا خوش مزاج ، نیک فطرت کوئی اور نہیں ہے ۔

سید محمد کو قرآن مجید کے ترجمے کا حکم :

میں نے میر کو حکم دیا کہ وہ قرآن مجید کا ترجمہ سادہ اور سلیس عبارت میں ایسا کرے کہ وہ تصنع اور تکلف سے پاک ہو ، اور تفسیر اور شان نزول لکھنے کے بجائے قرآن کریم کے الفاظ کا فارسی الفاظ میں ترجمہ کرے ، جس میں ایک لفظ بھی تشریحی طور پر تحت اللفظ ترجمے سے بڑھنا نہ چاہیے ، اور اس ترجمے کے مکمل ہونے کے بعد یہ اپنے فرزند سید جلال (۱۴) کے ہاتھ میرے پاس بھجوا دے ۔ میر کا بیٹا بھی دنیوی اور روحانی علوم سے آراستہ نوجوان ہے ۔ نیکی اور سعادت مندی کے آثار اس کی پیشانی سے ہویدا ہیں ۔ میر کو بھی اپنے اس فرزند پر ناز ہے ۔ بلاشبہ وہ اس لائق ہے کہ اس پر ناز کیا جائے ۔ وہ بہترین نوجوان ہے ۔

باوجود اس کے کہ میں گجرات کے مشائخ کو کئی مرتبہ انعام و اکرام دے چکا تھا ، میں نے پھر ایک مرتبہ ہر ایک کو اس کی حیثیت کے مطابق نقد و جنس سے نواز کر رخصت کی اجازت دی ۔

شراب کی مقدار میں کمی :

چوں کہ گجرات کی آب و ہوا میرے مزاج کے موافق نہ تھی ، اس لیے حکما

نے مجھے مشورہ دیا کہ روزانہ شراب پینے کی مقدار میں کچھ کمی کی جائے۔ چناں چہ میں نے اُن کے مشورے کے مطابق شراب کی مقدار میں کمی کرنی شروع کر دی، اور ایک ہفتے میں ایک پیالے کے برابر کمی ہو گئی۔ پہلے ہر رات میں چھ پیالے پیتا تھا اور ہر پیالہ ساڑھے سات تولے کا ہوتا تھا؛ ان چھ پیالوں کی مجموعی مقدار پینتالیس تولے ہوتی تھی۔ میں ملی ہوئی شراب پینے کا عادی تھا۔ اب میں کم کر دینے کے بعد روزانہ چھ پیالے پیتا ہوں، اور ہر پیالہ چھ تولے اور تین ماشے کا ہوتا ہے۔ اس طرح روزانہ کی مجموعی شراب پینے کی مقدار ساڑھے سینتیس تولے رہ گئی۔

سولہ سترہ سال پہلے کا ایک عہد:

ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ آج سے سولہ سترہ سال پہلے جب میں الہ آباد میں تھا تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب میں پچاس سال کی عمر کو پہنچوں گا تو تیر اور بندوق کا شکار چھوڑ دوں گا، اور کسی بھی جاندار کو اپنے ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ میری اس نیت سے مقرب خاں، جو میرے منظور نظر مصاحبوں میں سے تھا، واقف تھا۔

مختصر یہ کہ اب جب کہ میری عمر مقررہ عہد کی مدت کو پہنچ رہی ہے، اور پچاسواں سال شروع ہو گیا ہے، ایک دن دھوئیں اور بخارات کی کثرت سے مجھ پر سانس کی تنگی کا دورہ پڑا جس کی وجہ سے مجھے بہت تکلیف ہوئی، اس حالت میں مجھے غیبی الہام کے طور پر وہ عہد، جو میں نے اپنے خدا سے کیا تھا، یاد آ گیا اور سابقہ ارادہ میرے دل میں پختہ ہو گیا۔ میں نے پھر اپنے سے عہد کیا کہ جب میری عمر کا پچاسواں سال ختم ہوگا اور عہد کے پورا کرنے کی مدت آئے گی، تو توفیق ایزدی سے ایک روز حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہو کر اُن کی روح مقدس سے ترک شکار کی ہمت عطا کیے جانے کی درخواست کروں گا۔ اس خیال کے آتے ہی تنگی نفس کی تکلیف اور آزردگی دور ہو گئی اور میں نے اپنے آپ کو خوش و خرم اور تر و تازہ محسوس کیا، اور خدائے تعالیٰ کی تعریف اور اُس کی نعمتوں کے شکریے میں رطب اللسان ہو گیا۔ اُمید ہے کہ اس عہد کے پورا کرنے کی توفیق میسر آئے گی۔

چه خوش گفت فردوسی پاک زاد
که رحمت بر آن تربت پاک باد
میازار موری که دانه کش است
که جان دارد و جان شیرین خوش است

عادل خاں کے وکلا کو انعام :

۴ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن عادل خاں کے وکلا سید کبیر اور بختر خاں کو [244] جو اُس کا پیش آکش لے کر دربار میں حاضر ہوئے تھے ، رخصت کیا ۔ چلتے وقت سید کبیر کو خلعت ، مرصع خنجر اور گھوڑے سے نوازا ۔ اور بختر خاں کو گھوڑے ، خلعت اور مرصع اربسی سے ، جسے اہل دکن ہار کے طور پر گلے میں ڈالتے ہیں ، سرفراز کیا ۔ اور مبلغ چھ ہزار درب بطور سفر خرچ کے دونوں کو انعام دیے ۔ چوں کہ عادل خاں نے کئی بار فرزند اقبال مند شاہجہان کے ذریعے سے میری تصویر کی خواہش ظاہر کی تھی ، لہذا میں نے اپنی تصویر ایک قیمتی لعل اور ایک خاص ہاتھی کے ساتھ اُس کے لیے روانہ کی ۔ ساتھ ہی فرمان میں اس کو یہ بھی لکھا کہ نظام الملک اور قطب الملک کی سلطنتوں کے جن علاقوں پر وہ قبضہ کر لے ، وہ علاقے اُسے انعام میں دے دیے جائیں گے ، اور اس سلسلے میں جس وقت بھی وہ کمک اور مدد چاہے گا ، شاہ نواز خاں مسلّح فوج سے اس کی مدد کرے گا ۔ سابقہ زمانے میں نظام الملک دکن میں سب سے بڑا حاکم تھا ، جس کی عظمت کو وہاں کے سب حاکم تسلیم کرتے تھے ، اور اُسے بڑے بھائی کی طرح سمجھتے تھے ، لیکن اب عادل خاں کی عمدہ خدمات کو دیکھ کر میں نے اُسے فرزندی کے خطاب سے نوازا ، اور اس کو تمام ملک دکن کی سرداری اور سروری سے ممتاز کیا ۔

تصویر پر ایک رباعی :

اس بنا پر میں نے عادل خاں کو جو تصویر بھجوائی ، اس پر اپنے قلم سے

یہ رباعی لکھی:

اے سوئے تو دایم نظر رحمت ما
آسودہ نشین بسایہ دولت ما
سوئے تو شبیہ خویش کردیم روان
تا معنی ما بینی از صورت ما

فرزند شاہجہان نے حکیم ہمام کے بیٹے حکیم خوشحال کو، جو اس بارگاہ کے خانہ زادوں میں سے ہے اور بچپن ہی سے میرے اس بڑے بیٹے کی خدمت میں رہا ہے، عادل خان کے پاس اس کے وکیلوں کے ساتھ روانہ کیا تا کہ میرے الطاف شاہانہ کا مژدہ سنائے۔

اسی دن میر جملہ کو عرض مکرر کا عہدہ عنایت کر کے معزز و مفتخر کیا۔ چوں کہ کفایت خاں دیوان صوبہ گجرات کا اس وقت، جب کہ وہ صوبۂ بنگال کی دیوانی پر متعین تھا، بعض حوادث سے جو اسے پیش آئے تھے، نقصان ہو گیا تھا، اس بنا پر میں نے پندرہ ہزار روپے بطور انعام عطا کیے۔

جہانگیر نامہ کے دو نسخے:

اسی عرصے میں جہانگیر نامہ کی دو جلدیں مرتب ہو کر میری نظر سے گزریں۔ ان میں سے ایک جلد چند روز پیشتر میں نے مدار الملک اعتماد الدولہ کو عنایت کر دی تھی، اور آج کی تاریخ میں دوسری جلد فرزند آصف خان کو عنایت کی۔

صوبیداری بہار پر مقرب خاں کا تقرر:

۵ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) کو جمعہ کے دن جہانگیر قلی خان کے بیٹے بہرام نے بہار سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی، اور چند ہیرے جو کوکرہ کی کان سے حاصل کیے گئے تھے، پیش کیے۔ چوں کہ اس صوبے میں جہانگیر قلی خان نے شایستہ خدمات انجام نہیں دی تھیں، اس کے ساتھ یہ بات بھی بار بار سننے میں آتی تھی کہ اس کے چند بھائیوں اور عزیزوں نے اس صوبے میں دست تعدی و تسلط دراز کر رکھا ہے اور خدا کے بندوں کو تکلیفیں اور

آزار پہنچاتے ہیں ، اور ہر ایک اپنی جگہ حاکم بن گیا ہے ، اور یہ لوگ جہانگیر قلی خاں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے ، اس بنا پر میں نے مقرب خاں کے نام ، جو میرا قدیم ملازم اور مزاج داں ہے ، اپنے دستخط خاص سے فرمان صادر کیا کہ اُسے بہار کی صوبیداری سے ممتاز و سرفراز کیا جاتا ہے ، اس فرمان کے پہنچتے ہی وہ فوراً وہاں روانہ ہو جائے ۔

ابراہیم خاں فتح جنگ نے کوکرہ کی کان فتح کرنے کے بعد جو ہیرے مجھے وہاں سے بھیجے تھے ، میں نے اُن میں سے چند ہیرے تراشنے کے لیے سرکاری جوہریوں کے حوالے کیے تھے ۔ ان دنوں جب کہ اچانک بھرام رآ گرہ پہنچ کر میری بارگاہ میں واپس آنے لگا ، خواجہ جہاں نے اُس کے ساتھ چند تیار شدہ ہیرے میرے پاس بھجوائے ۔ اُن میں سے ایک ہیرا ، نقش دار اور نیلا ہے جسے بادی النظر میں نیلم سے امتیاز کرنا مشکل ہے ۔ ابھی تک اس رنگ کا ہیرا دیکھنے میں نہیں آیا ۔ اس کا وزن چند سرخ ہے ۔ [245] جوہریوں نے اس کی قیمت تین ہزار روپے آنکی اور کہا کہ اگر یہ سفید اور کھرا ہوتا تو اس کی قیمت بیس ہزار روپے ہوتی ۔

اس سال آموں کی فصل سے ۶ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) تک آم کھانے میں آئے ۔ اس ملک میں لیموں بڑا اور کثرت سے ہوتا ہے ۔ باغ کا کو باسی سے ہندو ، چند لیمو نہایت عمدہ اور بڑے لائے تھے ۔ ان میں سے ایک جو سب سے بڑا تھا ، میں نے حکم دیا کہ اس کا وزن کیا جائے ۔ چناں چہ اس کا وزن کیا گیا تو وہ سات تولے نکلا ۔

جشنِ دسہرہ :

۹ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو دسہرے کا جشن منعقد کیا گیا ۔ پہلے شاہی گھوڑوں کو سجا کر میرے سامنے لایا گیا ، پھر شاہی ہاتھیوں کو سجا کر میرے سامنے سے گزارا گیا ۔

چوں کہ ابھی تک دریائے مہی پایاب نہ ہوا تھا کہ اس سے لشکر عبور کر سکے ، اور نفاست میں محمود آباد کی آب و ہوا سے دوسری منزلوں کی آب و ہوا کو کوئی نسبت نہ تھی ، اس لیے اس منزل میں دس روز قیام رہا ۔

موضع مودہ میں قیام :

۸ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن اس منزل سے کوچ کر کے موضع مودہ میں قیام کیا۔

خواجہ ابوالحسن بخشی کو میں نے تجربہ کار ملاحوں اور کشتی والوں کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ دریاے مہی پر پل باندھیں تا کہ دریا کو عبور کرنے کے لیے دریا کے پایاب ہونے کا انتظار نہ کیا جائے، اور لشکر کے ساتھ آسانی سے دریا کو عبور کیا جا سکے۔

موضع اینہ میں قیام :

۹ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن موضع اینہ میں قیام کیا۔

ابتدا میں نر سارس اپنے بچے کو چونچ میں پکڑ کر الٹا لٹکا دیا کرتا تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بے مہری کی وجہ سے ایسا کرتا ہو اور بچے ہلاک ہو جائیں، لہذا میں نے یہ دیکھ کر حکم دیا کہ نر کو بچوں سے علیحدہ رکھا جائے، اور اسے بچوں کے پاس نہ چھوڑیں۔ اب میں نے امتحان کے طور پر حکم دیا کہ نر کو بچوں کے پاس چھوڑا جائے تا کہ یہ حقیقت معلوم ہو سکے کہ اس کا یہ عمل محبت کی بنا پر ہے یا بے مہری کی وجہ سے ہے۔ چناں چہ نر کو بچوں کے پاس چھوڑ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ اسے بچوں سے نہایت محبت اور تعلق ہے، اور اس کی بچوں سے محبت کسی طرح مادہ کی محبت سے کم نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی یہ ادا محبت کی بنا پر تھی۔

۱۱ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن موضع اینہ میں قیام رہا۔ دن کے آخری حصے میں چیتے سے شکار کے لیے نکلا، چار سیاہ ہرن اور چار ہرنیاں اور ایک چکارہ ہرن چیتے سے شکار کیے۔

۱۴ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن بھی چیتے سے شکار کے لیے نکلا، پندرہ ہرن اور ہرنیاں شکار کیں۔

میرزا رستم اور اس کے بیٹے سہراب کو حکم دیا کہ وہ نیل گائے کے شکار کے لیے جائیں اور جس قدر بھی ممکن ہو سکے نیل گائیں بندوق سے ماریں۔ چنانچہ دونوں باپ بیٹے نے سات نر و مادہ نیل گائیں شکار کیں۔

مجھے اطلاع ملی کہ اس نواح میں ایک مردم آزار شیر رہتا ہے، جسے

انسانوں کے گوشت کھانے کی عادت ہو گئی ہے ، اور جس سے خدا کی مخلوق کو نہایت نقصان پہنچ رہا ہے ۔ میں نے فرزند شاہجہان کو حکم دیا کہ وہ جا کر خدا کی مخلوق کو اُس کے شر سے نجات دے ۔ میرے حکم پر اُس نے موقع پر پہنچ کر بندوق سے شیر کو مارا اور رات کو میرے سامنے پیش کیا ۔ میں نے حکم دیا کہ میرے سامنے اس کی کھال کھینچی جائے ۔ اگرچہ یہ شیر دیکھنے میں بڑا معلوم ہوتا تھا مگر لاغر تھا ۔ وہ شیر جو میں نے مارے ہیں اُن سے یہ وزن میں کم نکلا ۔

۱۵ ، ۱۶ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر اور منگل کے دن میں نیل گائے کے شکار کے لیے نکلا ۔ ہر روز دو نیل گائیں بندوق سے ماریں ۔

۱۸ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن موضع اینہ کے تالاب کے کنارے جہاں شاہی خیمے آراستہ تھے ، شراب کی محفل جمی ۔ تالاب میں کنول کے پھول نہایت عمدہ کھلے ہوئے تھے ۔ میرے خاص ملازم اور درباری شراب کے ساغروں سے بہت مسرور اور سرشار ہوئے ۔

جہانگیر قلی خاں نے بیس ہاتھی صوبۂ بہار سے اور مروت خاں نے آٹھ ہاتھی بنگال سے ، جو بطور پیش کش بھیجے تھے ، نظر سے گزرے ۔ جہانگیر قلی خاں کے ہاتھیوں میں سے ایک اور مروت خاں کے ہاتھیوں میں سے دو شاہی ہاتھیوں میں داخل کیے گئے ، باقی اُن کے بیٹوں میں تقسیم کر دیے گئے ۔

میرزا ابوالقاسم نمکین کے بیٹے میر خاں کو ، جو اس بارگاہ کے پروردوں میں ہے ، اصل و اضافے کے ساتھ ہشت صدی ذات و شش صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔ [۲۴۶] قیام خاں کو قراول بیگی کی خدمت اور شش صدی ذات و صد و پنجاہ سوار کے منصب سے ممتاز کیا ۔ عزت خاں جو بارھہ کے سادات میں سے ہے اور شجاعت و تجربہ کاری میں اپنے ہم عصروں سے ممتاز اور صوبۂ بنگش میں متعین ہے ، مہابت خاں صوبیدار کی سفارش پر میں نے اسے ہزار و پانصدی ذات خاصہ و ہشت صد سوار کے منصب پر فائز کیا ۔

کفایت خاں دیوان صوبۂ گجرات کو ہاتھی عنایت کر کے رخصت کیا ۔

صوبۂ گجرات کے بخشی صفی خاں کو ایک تلوار عنایت کی ۔

۱۹ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے روز شکار کے لیے نکلا ، اور نر نیل گائے شکار کیا ۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اپنی تمام عمر میں

نر نیل گائے بندوق سے مارا ہو، اور گولی اس کے جسم سے پار ہو گئی ہو، لیکن مادہ نیل گائے کے جسم سے اکثر پار ہو جاتی ہے۔ لیکن اس تاریخ میں پینتالیس قدم کا فاصلہ ہونے کے باوجود گولی نر نیل گائے کے جسم سے پار ہو گئی۔ شکاریوں کی اصطلاح میں قدم، دو قدموں کا نام ہے جو ایک مقام پر کھڑے ہو کر آگے پیچھے رکھے جائیں۔

۲۱ ماہ سہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن باز اور بہری کے شکار میں بہت لطف آیا۔

میرزا رستم، داراب خان، میر میران اور دوسرے ملازموں کو میں نے حکم دیا کہ وہ نیل گائے کے شکار کے لیے جائیں، اور جس قدر بھی نیل گایوں کا شکار ممکن ہو، بندوق سے کریں۔ چنانچہ اُن سب نے اُنیس نر و مادہ نیل گائیں شکار کیں، اور تمام قسم کے ہرنوں میں سے دس ہرن، چیتے کے ذریعے سے پکڑے۔

خانخاناں سپہ سالار کی سفارش پر میں نے صوبۂ دکن کے بخشی ابراہیم خان کو منصب ہزاری ذات و دویست سوار سے سرفراز کیا۔

۲۲ ماہ سہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن موضع اینہ سے کوچ ہوا اور اگلی منزل پر قیام کیا۔

۲۳ ماہ سہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن پھر کوچ کیا۔ قراولوں نے عرض کیا کہ اس نواح میں ایک شیرنی اپنے تین بچوں کے ساتھ نظر سے گزری ہے۔ چونکہ اس کا ٹھکانا راستے سے نزدیک تھا، میں خود اس کے شکار کے لیے روانہ ہوا۔ میں نے چاروں کو بندوق سے مار لیا۔ اور اگلی منزل کے لیے اس پل کو عبور کرنے لگا جو دریائے مہی پر باندھا گیا تھا۔۔۔۔ باوجود اس کے کہ دریا میں کشتی نہ تھی کہ پل باندھا جا سکے، اور دریا بہت گہرا تھا اور پانی تیزی سے بہہ رہا تھا، لیکن اس کے باوجود خواجہ ابوالحسن نے اپنے حسنِ اہتمام سے میرے آنے سے دو تین روز پہلے نہایت مستحکم پل باندھا تھا۔ اس پل کا طول ایک سو چالیس گز اور عرض چودہ گز ہے۔ میں نے بطور امتحان حکم دیا کہ خاص ہاتھی کن سندر کو، جو قوی ہیکل ہاتھیوں میں ہے، تین ہتھنیوں کے ساتھ پل پر سے گزارا جائے، تا کہ معلوم ہو سکے کہ یہ پل کس قدر مضبوط ہے، لیکن پل اس قدر مستحکم اور مضبوط تھا کہ کن سندر جیسے کوہ پیکر ہاتھی اور تین ہتھنیوں کے گزرنے کے بعد بھی اس کے جوڑ نہیں ہلے۔

اکبر کے ایک واقعے کا ذکر :

میں نے ایک مرتبہ حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ سے سنا تھا ، وہ فرماتے تھے کہ ایک دن آغاز جوانی میں میں دو تین شراب کے پیالے پی کر ایک مست ہاتھی پر سوار ہوا ۔ باوجود اس کے کہ مجھ پر نشے کی کیفیت نہ تھی اور میں ہوش میں تھا اور ہاتھی بھی خوش رفتاری کے ساتھ میرے ارادے اور اختیار میں تھا ، لیکن میں اپنے آپ کو مدہوش اور ہاتھی کو بدمست ظاہر کرنے کے لیے ہاتھی کو لوگوں کی طرف دوڑاتا رہا ۔ اس کے بعد میں نے دوسرا ہاتھی طلب کیا اور ان دونوں کو لڑایا ۔ وہ ہاتھی جس پر میں سوار تھا ، اور دوسرا ہاتھی لڑتے ہوئے اُس پل کی طرف پہنچے جو دریاے جمنا پر باندھا گیا تھا ۔ بدقسمتی سے دوسرا ہاتھی بھاگ کھڑا ہوا ، اور چوں کہ بھاگنے کا دوسرا راستہ نہ تھا اس وجہ سے مجبوراً پل پر سے گزرا ۔ وہ ہاتھی جس پر میں سوار تھا ، اُس کے پیچھے دوڑا ۔ ہرچند کہ یہ ہاتھی میرے قابو میں تھا ، اگر میں ذرا سا اشارہ کرتا تو یہ رک جاتا ، لیکن مجھے خیال آیا کہ اگر میں ہاتھی کو پل پر جانے سے روک دوں ، تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ میری یہ ادا مستانہ اور بے ساختہ نہیں بلکہ خود ساختہ ہے ۔ اور یہ ظاہر ہو جائے گا کہ نہ میں بدمست و سرشار تھا اور نہ ہاتھی بدمست تھا ۔ ایسی صورت حال بادشاہوں کے لیے ناموزوں ہے ، اس لیے مجبوراً میں نے خدا کے بھروسے پر اپنے ہاتھی کو دوسرے ہاتھی کے تعاقب سے [247] نہ روکا ۔ دونوں کے دونوں پُل پر بھاگنے لگے ۔ چوں کہ پل کشتیوں سے بنایا گیا تھا ، جب بھی ہاتھی کا اگلا پاؤں کشتیوں کے کنارے پر پڑتا ، تو آدھی کشتی پانی میں ڈوب جاتی تھی ، اور کشتی کا آدھا حصہ اوپر رہتا تھا ۔ مجھے ہر قدم پر یہ گمان ہوتا تھا کہ اب کشتیوں کا جوڑ ٹوٹ جائے گا ۔ لوگ یہ حال دیکھ کر نہایت مضطرب اور پریشان ہو رہے تھے ۔ چوں کہ خداے تعالیٰ کی حمایت اور اس کی حفاظت میرے شامل حال تھی ، اور وہ اس نیازمند کا ہر وقت حافظ و ناصر ہے ، دونوں ہاتھی صحیح و سلامت پُل پر سے گزر گئے ۔

۲۵ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن دریاے سہی کے کنارے مے نوشی کی محفل جمی ، اور چند خاص ملازم جو اس قسم کی مجلسوں اور محفلوں میں باریاب ہوتے ہیں ، میں نے انھیں لبریز جام عنایت کرکے

سرشار و مسرور کر دیا۔

یہ منزل گاہ نہایت خوب صورت اور دل کش ہے۔ اس منزل گاہ میں دو وجہ سے چار دن قیام رہا؛ ایک تو جگہ کی عمدگی کی وجہ سے، دوسرے اس لیے کہ دریا کے عبور کرنے میں لوگوں کو پریشانی نہ ہو۔

۲۸ ماہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن دریائے مہی کے کنارے سے کوچ کیا، اور اگلی منزل پر قیام کیا۔ پیر کے دن پھر کوچ کیا۔ اس روز ایک عجیب و غریب تماشا دیکھنے میں آیا۔ سارس کا وہ جوڑا جس نے بچے نکالے تھے، اُسے مبارک شنبہ (جمعرات) کو احمد آباد سے لایا گیا تھا۔ اُس نے صحن دولت خانہ میں جو دریا کے کنارے قائم کیا گیا تھا، اپنے بچوں کے ساتھ گشت کرتے ہوئے اچانک آواز نکالی۔ سارس کے ایک صحرائی جوڑے نے تالاب کی دوسری طرف سے اُن کی آواز سن کر جواب دیا اور آواز کے نشان پر پرواز کرتے ہوئے آئے، اور نر، نر سے اور مادہ، مادین سے لڑنے لگی۔ باوجود اس کے کہ چند لوگ وہاں کھڑے تھے، لیکن انھوں نے مطلقاً ان کی پروا نہ کی۔ وہ خواجہ سرا جو اس جوڑے کی حفاظت پر مقرر تھے، اس صحرائی جوڑے کے پکڑنے کے لیے دوڑے۔ ان میں سے ایک نے نر کو پکڑ لیا، اور دوسرے نے مادہ کو۔ جس نے نر کو پکڑا تھا، اس نے بہت کوشش سے اُسے قابو میں رکھا، اور جس نے مادہ کو پکڑا تھا، وہ اس کو قابو میں نہ رکھ سکا اور وہ اُس کے ہاتھ سے نکل کر اُڑ گئی۔ میں نے اپنے ہاتھ سے نر کی ناک اور پاؤں میں چھلے ڈال کر اُسے آزاد کردیا اور دونوں نے اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر سکون حاصل کیا۔ جب کبھی سارس کا یہ خانگی جوڑا آواز نکالتا تھا، تو وہ صحرائی جوڑا بھی اس کا جواب دیتا تھا۔

میں نے اسی قسم کا تماشا جنگلی ہرنوں کا بھی دیکھا تھا۔ میں ایک مرتبہ پرگنۂ کرنال میں شکار کے لیے گیا ہوا تھا۔ اُس وقت تین شکاری اور خدمت گار میرے ساتھ تھے۔ ایک سیاہ ہرن چند ہرنیوں کے ساتھ نظر آیا۔ میں نے جنگلی ہرن کو پکڑنے والا سدھایا ہوا ہرن اُس سیاہ ہرن سے لڑنے کے لیے چھوڑا۔ یہ ہرن سینگوں سے دو تین مرتبہ ٹکریں مار کر پسپا ہوکر واپس لوٹ آیا۔ دوسری مرتبہ میں نے چاہا کہ اُس کے سینگوں میں پھندا باندھ کر چھوڑا جائے، تا کہ وہ سیاہ ہرن پکڑا جا سکے۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں وہ سیاہ جنگلی

ہرن غصے اور جوش میں لوگوں کے ہجوم کی پروا کیے بغیر بے محابہ دوڑا ہوا آیا ، اور اس سدھائے ہوئے گھریلو ہرن کے دو تین سینگ مارے اور اس کو بھگا دیا اور لوگوں کے ہجوم میں سے نہایت تیزی کے ساتھ بچ کر نکل گیا ۔

اسی تاریخ ۲۹ باہ مہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو عنایت خاں کی وفات کی خبر ملی ۔ وہ میرے خدمتگاروں اور مقرب ملازموں میں تھا ۔ باوجود اس کے کہ افیون کھاتا تھا مگر فرصت کے اوقات میں شراب بھی پی لیتا تھا ۔ آہستہ آہستہ وہ شراب کا دل دادہ ہو گیا ۔ ضعیف الجثہ اور کمزور تھا اور اپنی طاقت اور قوت برداشت سے زیادہ شراب پینے لگا تھا ، یہاں تک کہ دستوں کی بیماری میں مبتلا ہو گیا ۔ اسی ضعف اور بیماری میں دو تین دفعہ مرگی کی وجہ سے اس پر بے ہوشی طاری ہوئی ۔ میرے حکم سے حکیم رکنا (۱۵) اس کے علاج کے لیے مقرر ہوا ۔ حکیم نے ہر چند اس کے علاج میں کوئی تدبیر اٹھا کر نہ رکھی ، لیکن اسے کوئی نفع نہیں ہوا بلکہ اس کے مرض میں ایک اضافہ یہ ہو گیا کہ اسے عجیب و غریب قسم کی بھوک لگنے لگی ۔ باوجود اس کے کہ حکیم اسے نہایت سخت تاکید کرتا تھا کہ وہ رات دن [248] میں ایک مرتبہ سے زیادہ غذا نہ کھائے ، لیکن وہ ضبط پر قادر نہ تھا اور دیوانہ وار کھانے پینے پر ٹوٹ پڑتا تھا ۔ یہاں تک کہ اس کی بیماری نے سوء القنیہ اور استسقا کی صورت اختیار کرلی ، جس کی وجہ سے وہ اور بھی ضعیف اور کمزور ہوگیا ۔ چند روز پہلے اس نے مجھ سے التجا کی تھی کہ میرے آگرہ پہنچنے سے پہلے اسے آگرہ آنے کی اجازت دی جائے ۔ میں نے اسے اجازت دی کہ وہ آگرہ آ کر اور شرف حضوری حاصل کرکے رخصت ہو جائے : چنان چہ اسے پالکی میں ڈال کر لایا گیا ۔ وہ اس قدر کمزور اور لاغر ہو گیا تھا کہ اسے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی :

کشیدہ پوستے بر استخوانے

بلکہ اس کی ہڈیاں بھی گل چکی تھیں ۔ وہ اتنا لاغر ہو چکا تھا کہ مصوّروں کو اس کی تصویر بنانے میں نہایت دقت اٹھانی پڑتی ۔ لاغری کی یہ حالت تو کجا اس کے لگ بھگ بھی میری نظر سے نہیں گزری ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کبھی انسان کا حلیہ اور وضع اس قدر بگڑ جائے ۔

کسی استاد کے یہ دو شعر ہیں جو اس کے مناسب حال معلوم ہوتے ہیں:

سایۂ من گرم نگیرد پائی
تا قیامت ندارد م بر جائی
نالہ از بسکہ ضعف دل بیند
تا بلب چند جائی بنشیند

میں نے اُسے اس عجیب و غریب حالت میں دیکھ کر مصوروں کو حکم دیا کہ اس کی تصویر بنائیں۔ مختصر یہ کہ میں نے اُس کی حالت کو نہایت بدلا ہوا اور خراب پا کر اُس سے کہا کہ ایسے نازک وقت میں ایک لمحے کے لیے بھی تمھیں خدائے تعالٰی کی یاد سے غافل نہ ہونا چاہیے اور اس کے کرم سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ اگر خدائے تعالٰی تمھیں موت سے امان دے تو اس مہلت اور موقع کو گزشتہ گناہوں کی معذرت اور تدارک کے لیے غنیمت سمجھنا چاہیے اور اگر مدت حیات پوری ہو چکی ہے تو جو سانس بھی یاد الٰہی میں نکلے اُسے غنیمت سمجھنا چاہیے، اور اپنے پس ماندہ عزیزوں کے متعلق پریشانی کو اپنے دل میں جگہ نہ دینی چاہیے، کیوں کہ ہمارے لیے کسی کا تھوڑا سا حق خدمت بھی بہت ہے۔ چوں کہ اُس کی مالی پریشانی کے متعلق بھی مجھ سے بیان کیا گیا تھا، میں نے اُسے دو ہزار روپے بطور سفر خرچ کے دے کر رخصت کیا۔ وہ دوسرے دن ہی راہیٔ عدم ہو گیا۔

دریائے سالب کے کنارے قیام:

۳۰ ماہ سہر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو دریائے سالب کے کنارے شاہی لشکر کا قیام ہوا۔

۲ ماہ آبان (ماہ الٰہی) ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن جشن[1] نوروز مبارک اسی منزل میں منعقد ہوا۔

مہابت خاں کے بیٹے امان اللہ کو اس کی التجا پر منصب ہزاری ذات و سہ صد سوار سے سرفراز کیا۔

رایسال کے بیٹے گردھر کو ہزاری ذات و ہشت صد سوار کے منصب سے سربلند

۱- نوروز یہاں غلط لکھا گیا ہے۔ یہ صرف آبان کا جشن ہے، سال نو نہیں ہے۔

کیا ۔ خان اعظم کے بیٹے عبداللہ کو منصب ہزاری ذات و سہ صد سوار سے ممتاز کیا ۔ دلیر خان کو جو صوبۂ گجرات کے جاگیرداروں میں سے ہے ، میں نے گھوڑا اور ہاتھی عنایت کیا ۔

میرے حسب الحکم نیاز خان ولد شہباز خان کنبوہ ، دکن سے آ کر لشکر بنگش کی بخشی گری اور واقعہ نویسی سے سرفراز ہوا اور اس کا منصب ہشت صدی ذات و چہار صد سوار مقرر ہوا ۔

شاہ شجاع کی بیماری :

۳ ماہ آبان ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن اُس منزل سے کوچ کرکے اگلی منزل میں قیام کیا ۔ اس منزل میں شاہجہان کا بیٹا شاہ شجاع ، جس نے نورجہان بیگم کے دامنِ عصمت میں پرورش پائی ہے اور مجھ کو اس سے اس قدر تعلقِ خاطر اور دل بستگی ہے کہ میں اُسے جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں ، اُسے اُم الصبیان (کمیڑے) کی بیماری ہوئی جو بچوں کی خاص بیماری ہے ۔ وہ بہت دیر تک بے ہوش رہا ۔ ہر چند تجربہ کار حکماء نے اس کے علاج معالجے میں کوئی تدبیر اُٹھا کر نہ رکھی ، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا ۔ اس کی بے ہوشی سے میرے ہوش اُڑ گئے ۔ جب تمام ظاہری تدبیریں بےسود ہو گئیں تو میں نے انتہائی آہ و زاری کے ساتھ کریمِ کارساز اور رحیم بندہ نواز کی بارگاہ میں سر نیاز خم کرکے دعا کی ۔ عین اس پریشانی کے عالم میں مجھے خیال آیا کہ چوں کہ میں نے اپنے خدا سے عہد کیا تھا کہ میں اپنی عمر کے پچاس سال پورے ہونے کے بعد تیر اور بندوق سے شکار چھوڑ دوں گا اور کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے [249] آزار نہ پہنچاؤں گا ، اگر آج کی تاریخ سے میں اس عہد پر کاربند ہوں تو ممکن ہے کہ شاہ شجاع کی حیات کتنے ہی جانداروں کے لیے وسیلۂ نجات ہو ، اور حق تعالیٰ اس کی زندگی میرے لیے بخش دے گا ۔ چناں چہ میں نے صدقِ نیت اور سچے ارادے سے خدائے تعالیٰ سے عہد کیا کہ میں آج کے بعد سے کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے آزار نہ پہنچاؤں گا ۔ اس عہد کے کرنے کے بعد ہی خدا کے فضل و کرم سے اُس کی تمام تکلیف دور ہو گئی ۔

شکار سے اکبر کی توبہ :

جب میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا تو قاعدے کے مطابق جو حرکت ماں کے پیٹ میں بچے کو ہوتی ہے ، ایک دن وہ حرکت بند ہو گئی ۔ سب ہی خواہ بہت پریشان ہوئے اور حضرت عرش آشیانی کو اس صورت حال کی اطلاع دی ۔ اُس زمانے میں میرے والد مسلسل چیتے کے ذریعے سے شکار کرتے تھے ۔ جب اُن کو یہ اطلاع ملی تو اُس روز جمعہ کا دن تھا ۔ انھوں نے میری سلامتی کے لیے اسی وقت نذر مانی کہ اگر میں صحیح سلامت پیدا ہوں تو وہ کبھی جمعہ کے دن چیتے سے شکار نہ کھیلیں گے ۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک نہایت ثابت قدمی سے اس عہد پر قائم رہے ، اور میں نے بھی اُن کی پیروی میں آج تک جمعہ کے دن چیتے سے شکار نہیں کھیلا ۔ مختصر یہ کہ نور چشم شاہ شجاع کی بیماری اور ضعف کی وجہ سے تین روز تک اس منزل میں قیام کرنا پڑا ۔ امید ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کو عمر طبعی عطا فرمائے گا ۔

۸ آبان ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن اس منزل سے کوچ ہوا ۔

ایک دن حکیم[1] کے بیٹے نے اونٹنی کے دودھ کی بہت تعریف کی ۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر میں چند روز اُسے پابندی سے استعمال کروں تو ممکن ہے کہ میرے لیے بھی مفید ثابت ہو اور میرے مزاج کے موافق ہو ۔ آصف خاں کے پاس ایک ولایتی اونٹنی دودھ دینے والی تھی ، میں نے اُس اونٹنی کا تھوڑا سا دودھ پیا ۔ اس کا دودھ دوسری اونٹنیوں کے برخلاف ، جو نمکین ہوتا ہے ، مجھے شیریں اور لذیذ معلوم ہوا ، اور اب تقریباً ایک ماہ ہو چکا ہے کہ ہر روز ایک پیالہ ، جو مقدار میں نصف آبخورے کے برابر ہوتا ہے ، میں اس اونٹنی کا دودھ پیتا ہوں ، اور مجھے اس سے فائدہ محسوس ہو رہا ہے ۔ اس کے پینے سے پیاس میں کمی محسوس ہوتی ہے ۔

عجیب بات یہ ہے کہ دو سال پہلے آصف خاں نے یہ اونٹنی خریدی تھی ، اس کے کوئی بچہ نہ تھا ۔ اتفاق سے اُس زمانے میں بغیر بچے کے اس کے پستان میں دودھ اُتر آیا ۔ ہر روز اس اونٹنی کو چار سیر گائے کا دودھ ، پانچ سیر گیہوں ،

۱- یہاں حکیم علی ہونا چاہیے ۔ لفظ علی رہ گیا ہے ۔

(ر ک : بیورج ، ج ۲ : ص ۴۶)

ایک سیر گڑ اور ایک سیر سونف غذا دی جاتی ہے ، جس کی وجہ سے اس کا دودھ شیریں ، لذیذ اور مفید ہوتا ہے ۔ بلا مبالغہ میرے مزاج کے موافق آیا اور مجھے اس کا پینا گوارہ ہوا ۔ میں نے آزمائش کے طور پر گائے اور بھینس کا دودھ منگا کر ان تینوں جانوروں کے دودھ کا ذائقہ چکھا ، لیکن گائے اور بھینس کے دودھ کو شیرینی اور ذائقے میں اس اونٹنی کے دودھ سے کوئی نسبت نہیں ہے ۔ میں نے حکم دیا کہ چند ماہ کچھ اور اونٹنیوں کو بھی اسی قسم کی خوراک دی جائے تاکہ یہ بات واضح ہو کہ اس کے دودھ میں یہ شیرینی اور لذت اس غذا کی وجہ سے ہے یا یہ شیرینی خود اس اونٹنی کی وجہ سے ہے ۔

۸ ماہ آبان ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن اس منزل سے کوچ کیا اور اگلی منزل میں قیام کیا ۔

۹ ماہ آبان ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن اسی منزل میں قیام رہا ۔ اس منزل میں شاہی قیام گاہ ایک بڑے تالاب کے کنارے بنائی گئی تھی ۔ فرزند شاہجہان نے ایک کشتی کشمیر کے طرز کی جس کی نشیمن گاہ چاندی سے بنائی گئی تھی ، تحفۃً پیش کی ۔ میں دن ڈھلے اس کشتی میں بیٹھ کر تالاب کی سیر کے لیے گیا ۔

بنگش کے بخشی عابد خاں نے ، جسے میں نے اپنے حضور میں طلب کیا تھا اسی دن آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی ، اور خدمتِ دیوانیِ بیوتات سے سرفراز ہوا ۔

سرفراز خاں جو صوبۂ گجرات کے مددگار حاکموں میں ہے ، میں نے اسے علم اور قبچاق کا خاص گھوڑا عنایت کرکے رخصت کیا ۔

۱۰ ماہ آبان ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن اس منزل سے کوچ ہوا ۔ میر میران کو دو ہزاری ذات و شش صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

۱۱ ماہ آبان ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو ہفتے کے روز پرگنۂ دوحد میں قیام کیا ۔

شاہزادہ اورنگ زیب کی ولادت :

۱۲ ماہ آبان ، ۱۳ جلوس ، مطابق ۱۱ ذیقعدہ [250] ۱۰۲۷ھ ، ۲۰ اکتوبر (۱۶۱۸ع) شب یک شنبہ ، طالع میزان کے نویں درجے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے

فرزند اقبال مند شاہجہان کو آصف خان کی لڑکی کے بطن سے ایک فرزند عطا کیا[۱]۔ امید ہے کہ اس کا قدم اس سلطنت کے لیے مبارک ثابت ہوگا۔ تین روز تک اس منزل میں قیام رہا۔

۱۵ ماہ آبان، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن پرگنۂ دوحد سے کوچ کر کے موضع ثمونہ میں نزول اجلال کیا۔ میں نے یہ التزام رکھا ہے کہ جشنِ مبارک شنبہ جہاں تک ممکن ہو، کسی دریا یا تالاب کے کنارے کسی صاف ستھری جگہ پر ترتیب دیا جائے۔ اس کے قرب و جوار میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جو ان خصوصیات کی حامل ہو۔ مجبوراً جمعرات کو نصف شب کے بعد کوچ کر کے آفتاب کے طلوع ہونے کے وقت تالاب با کھور کے کنارے پہنچ کر قیام کیا۔ دن کے آخری حصے میں مےنوشی کی محفل سجائی اور خاص درباریوں اور ملازموں کو شراب کے جام عطا کیے۔

۱۷ ماہ آبان، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن کوچ کیا۔ اس نواح کے جاگیردار کیشوداس مارو نے میرے حکم کی بنا پر دکن سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔

رام گڑھ میں قیام :

۱۸ ماہ آبان، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو ہفتے کے دن میں نے رام گڑھ کے قریب قیام کیا۔ اس تاریخ سے چند راتیں قبل سورج نکلنے سے تین گھڑی پہلے فضا میں بخارات اور دھوئیں کی طرح کی ایک عمودی شکل نمودار ہوئی۔ یہ شکل ہر رات پچھلی رات کے مقابلے میں ایک گھڑی پیشتر دکھائی دیتی تھی۔ جب مکمل ہو گئی تو اس نے نیزے کی صورت اختیار کر لی۔ اس کے دونوں سرے باریک اور درمیانی حصہ دبیز ہے، جو درانتی کی طرح خم کھائے ہوئے ہے۔ پشت جنوب کی جانب اور منہ شمال کی طرف۔ اب یہ شکل شمال کی طرف ایک پہر سورج کے طلوع ہونے سے قبل ظاہر ہوتی ہے۔ منجّموں اور ستارہ شناسوں نے اس کے طول و عرض کو اصطرلاب کے ذریعے سے حساب لگا کر بتایا کہ اختلاف منظر کے ساتھ

۱- یہ شہزادہ اورنگ زیب ہے لیکن دن بجائے اتوار کے چہار شنبہ صحیح ہوگا۔ (رک : بیورج، ج ۲ ; ص ۴۷)۔

اس کی وسعت چوبیس فلکی درجے کے برابر ہے اور فلکِ اعلیٰ کی حرکت سے متحرک ہے۔ اس کے علاوہ خود اس کی حرکت بھی خاص ہے جو فلکِ اعلیٰ کی حرکت سے مختلف ہے۔ چناں چہ پہلے یہ بُرجِ عقرب میں تھی، پھر اُس کو چھوڑ کر میزان میں پہنچی۔ غرض کہ اس کی حرکت زیادہ تر جنوب کی طرف ہے۔ فنِ نجوم کے ماہرین نے اس شکل کا نام حربہ رکھا ہے، اور لکھا ہے کہ اس صورت کا ظاہر ہونا سلاطینِ عرب کے زوال اور اُن کے دشمنوں کے غلبے پر دلالت کرتا ہے۔ صحیح علم اللہ ہی کو ہے۔ اس صورت کے ظاہر ہونے کے سولہ راتوں کے بعد آج کی تاریخ تک اُسی جانب ایک دُم دار ستارہ نمودار ہو رہا ہے جس کا سر روشن ہے۔ لیکن اس کی دُم جو دو تین گز لمبی ہے، اُس میں مطلقاً روشنی اور چمک نہیں۔ اب اس ستارے کو نمودار ہو کر آٹھ راتیں گزر چکی ہیں۔ جب یہ غائب ہو جائے گا تو اس کے متعلق لکھا جائے گا اور اُس کے جو اثرات ہوں گے وہ بھی تحریر کر دیے جائیں گے۔

۱۹ ماہ آبان، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن اسی منزل میں قیام رہا۔

موضع سیتل کھیڑا میں قیام :

۲۰ ماہ آبان، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن یہاں سے کوچ کر کے موضع سیتل کھیڑا میں اترا۔

۲۱ ماہ آبان، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن موضع سیتل کھیڑا میں قیام رہا اور رشید خان افغان کے لیے نیاز خان کے ہاتھ خلعت اور ہاتھی روانہ کیا۔

موضع مدن پور میں قیام :

۲۲ ماہ آبان، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن پرگنہ مدن پور میں شاہی لشکر نے خیمے ڈالے۔

۲۳ ماہ آبان، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن پرگنہ مدن پور میں قیام رہا اور مے نوشی کی محفل منعقد کی۔ داراب خان کو نادری خلعت عنایت کیا۔ جمعہ کے دن یہیں قیام رہا۔

موضع نواڑی میں قیام :

۲۵ ماہ آبان ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پرگنۂ نواڑی میں قیام کیا .

دریائے چنبل کے کنارے قیام :

۲۶ ماہ آبان ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو دریائے چنبل کے کنارے قیام رہا .

دریائے کھہنر کے کنارے قیام :

۲۷ ماہ آبان ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو دریائے کھہنر کے کنارے قیام رہا .

شہر اوجین میں قیام :

۲۸ ماہ آبان ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن مضافات اوجین میں قیام کیا . احمد آباد سے اوجین کا فاصلہ ، جو اٹھالوے کوس ہے ، میں نے یہ مسافت اٹھائیس دن کوچ اور اکتالیس دن قیام کر کے طے کی . اس سفر کی مجموعی مدت دو ماہ اور نو روز ہوتی ہے .

جدروپ دوبارہ ملاقات :

۲۹ ماہ آبان ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن جدروپ [251] سے ملاقات کی جس نے ہندوؤں کے مذہب کے مطابق ریاضت کی ہے ، اور جس کے تفصیلی حالات میں گزشتہ اوراق میں لکھ چکا ہوں . اس کی ملاقات کے بعد میں کالیادہ کی سیر کے لیے گیا . بلاشبہ جدروپ کی صحبت مغتنمات میں سے ہے .

اسی تاریخ میں بہادر خان حاکم قندھار کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ ۱۰۲۶ھ میں یعنی پار سال قندھار اور اس کے نواح میں اس درجہ چوہوں کی کثرت ہوئی کہ انھوں نے تمام فصلیں ، کھیت اور درختوں کے پھل بالکل ضائع و برباد کر دیے . ابھی کھیتیاں کٹی بھی نہیں تھیں کہ انھوں نے ان کی بالیوں کو کتر کر کھا لیا . جب رعایا نے اپنی کھیتیوں کو کاٹ کر ان کے ڈھیر لگائے تو ان چوہوں نے کوٹنے اور صاف کرنے تک اس غلے کا بقیہ حصہ بھی ضائع کر دیا ، جس کی وجہ سے اس مرتبہ شاید چوتھائی محصول وصول کیا جا سکے .

اسی طرح چوہوں نے فالیزوں اور باغات کو بھی تباہ و برباد کر دیا ہے۔ چند دن کے بعد یہ چوہے خود ہی منتشر اور ناپید ہو گئے۔

عالمگیر کا جشنِ ولادت:

چوں کہ شاہجہان نے ابھی تک اپنے بیٹے کی ولادت کا جشن منعقد نہیں کیا تھا، اس لیے اُس نے اُجین میں جو اس کی جاگیر میں واقع ہے، التجا کی کہ مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن ۳۰ آبان ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اپنے بیٹے کی ولادت کا جشن اپنی قیام گاہ پر منعقد کرے۔ میں نے اس کی خواہش کا لحاظ کرتے ہوئے اجازت دے دی۔ اُس نے اس دن اپنی قیام گاہ پر عیش و طرب کی محفل جائی اور اُن خاص ملازمین اور درباریوں کو جو اس قسم کی محفلوں میں بار پاتے ہیں، شراب کے لبریز ساغر عنایت کر کے مسرور و سرشار کیا، اور فرزند شاہجہان نے اس نومولود کو مجھے بھی دکھایا۔ جواہر اور مرصّع آلات سے معمور ایک خوان اور پچاس ہاتھی، تیس نر اور بیس مادہ، بطور پیش کش گزرانے اور اس نومولود کے نام رکھنے کی درخواست کی۔ انشاء اللہ کسی نیک اور مبارک گھڑی میں اس بچّے کا نام رکھا جائے گا۔ ان ہاتھیوں میں سے سات ہاتھی شاہی فیل خانے میں داخل کیے گئے اور بقیہ فوج داروں میں تقسیم کر دیے گئے۔ شاہجہان کے اس پیش کش میں سے جو چیزیں پسند آئیں، ان کی مجموعی مالیت دو لاکھ روپے ہوگی۔

اسی تاریخ عضدالدولہ نے اپنی جاگیر سے آ کر آستاں بوسی کی عزت حاصل کی اور اکیاسی مُہریں بطور نذرانہ اور ایک ہاتھی بطور پیش کش گزرانا۔

قاسم خاں، جسے میں نے حکومتِ بنگال سے معزول کر کے طلب کیا تھا، اُس نے بھی زمین بوسی کی سعادت حاصل کر کے ہزار اشرفیاں نذر گزرانیں۔

یکم آذر، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن باز اور بہری کے ذریعے سے شکار کھیلنے کی خواہش ہوئی۔ چناں چہ میں شکار کے لیے گیا۔ راستے میں ایک جوار کے کھیت پر سے گزر ہوا۔ اس کھیت میں جوار کا ایک پودا ایسا دیکھنے میں آیا کہ جس پر بارہ خوشے لگے ہوئے تھے، حالاں کہ جوار کے پودے پر ایک خوشہ لگتا ہے۔ اس کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی اور ایک بادشاہ و باغبان کی حکایت یاد آ گئی۔

ایک بادشاہ اور باغبان کی حکایت :

ایک بادشاہ ایک باغ میں گیا ، جب کہ گرم لُو چل رہی تھی ۔ جس وقت وہ باغ کے دروازے پر پہنچا تو اس نے بوڑھے باغبان کو دیکھا کہ وہ باغ کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے ۔ بادشاہ نے اس باغبان سے پوچھا کہ اس باغ میں انار ہیں ؟ باغبان نے جواب دیا کہ ہاں ہیں ۔ بادشاہ نے کہا کہ ایک پیالہ انار کے رس سے بھر کر لاؤ۔ باغبان نے اپنی لڑکی کو جو خوب صورت اور خوب سیرت تھی ، اشارہ کیا کہ وہ انار کے رس کا ایک پیالہ لائے ۔ لڑکی گئی اور ایک پیالے میں انار کا رس بھر کر لائی اور چند پتّے اس پیالے میں ڈال دیے ۔ بادشاہ نے وہ پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور لڑکی سے پوچھا کہ اس پیالے میں پتے ڈال دینے سے تمھارا کیا مقصد ہے؟ لڑکی نے فصیح و بلیغ زبان میں جواب دیا کہ آپ ایسی سخت گرم ہوا میں تشریف لا رہے ہیں اور پسینے میں تر بتر ہیں ۔ ایسے میں جب کہ آپ ابھی سواری سے اترے ہیں اور پسینے سے شرابور ہیں ، فوراً ہی اس رس کا پینا طبی اصول [252] کے خلاف ہے ۔ میں نے اس خیال سے یہ پتّے اس پیالے میں ڈال دیے تھے کہ آپ پتّوں کو پیالے میں دیکھ کر اس رس کے پینے میں تھوڑی دیر تامل فرمائیں گے ۔ بادشاہ کو اس لڑکی کی یہ ادا پسند آئی اور اس نے دل میں سوچا کہ وہ اس لڑکی کو شاہی محل کی خادماؤں میں داخل کرے ۔ اس فیصلے کے بعد اس نے باغبان سے پوچھا کہ تجھے ہر سال اس باغ سے کتنی آمدنی ہو جاتی ہے ؟ باغبان نے جواب دیا ''تین سو دینار'' ۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ہر سال اس باغ کا کیا محصول ادا کرتے ہو ؟ باغبان نے جواب دیا کہ بادشاہ درختوں کا کوئی محصول نہیں لیتا ، البتہ کھیتی سے دسواں حصہ وصول کرتا ہے ۔ یہ جواب سن کر بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ میری حکومت میں باغ بہت اور درخت بے شمار ہیں ۔ اگر باغوں سے بھی دسواں حصہ محصول وصول کیا جائے تو خاصی رقم وصول ہوگی ، اور رعیت کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا ۔ یہاں سے جانے کے بعد میں حکم دوں گا کہ باغوں سے بھی محصول وصول کیا جائے ۔ پھر اس نے انار کے عرق کا اور پیالہ منگایا ۔ لڑکی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد آئی اور انار کے رس کا ایک پیالہ لے کر آئی ۔ بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا کہ پہلی مرتبہ جب تو گئی تھی تو جلد ہی واپس آئی تھی ، اور

رس بھی پیالے میں زیادہ تھا ، اس مرتبہ تو دیر میں آئی اور پیالے میں رس بھی کم ہے ؟ لڑکی نے جواب دیا کہ پہلی مرتبہ پیالہ ایک ہی انار کے عرق سے لبریز ہوگیا تھا ، لیکن اس مرتبہ پانچ چھ انار نچوڑنے پڑے ، لیکن اس کے باوجود اُس قدر رس نہیں نکلا ۔ یہ سن کر بادشاہ کو حیرت ہوئی ۔ باغبان نے کہا کہ برکت کا مدار بادشاہ کی نیت پر ہے ۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بادشاہ ہیں ۔ جس وقت آپ نے باغ کے محصول کے متعلق دریافت کیا ، اُسی وقت آپ کی نیت بدل گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میووں سے برکت جاتی رہی ۔ اس بات کو سن کر بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اُس نے باغوں پر محصول لگانے کا خیال دل سے نکال دیا ۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ ایک دفعہ انار کے رس کا ایک اور پیالہ لے کر آؤ ۔ لڑکی پھر گئی اور بہت جلد انار کے رس کا ایک لبریز پیالہ خوش خوش لا کر بادشاہ کو دیا ۔ بادشاہ نے باغبان کی فہم اور فراست کی داد دیتے ہوئے باغبان سے اس لڑکی کی خواست گاری کی ۔ اس رمز شناس بادشاہ کی یہ حکایت صفحہٗ روزگار پر اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے باقی رہ گئی ہے کہ نیک نیتی اور انصاف کا اچھا پھل ضرور ملتا ہے ۔ جس وقت انصاف پسند بادشاہوں کی توجہ مخلوق خدا کی آسودگی اور رعایا کی بھلائی کی طرف منعطف ہوتی ہے تو بھلائیوں اور باغات کے پھلوں اور کھیتوں میں برکت کا ظاہر ہونا بعید از قیاس نہیں ۔ خدا کا شکر ہے ہمارے خاندان کی اس سلطنت میں کبھی پھلوں پر محصول لگانے کی رسم نہ تھی اور نہ ہے ۔ تمام ممالک محروسہ میں ایک دام اور ایک حبّہ بھی اس ضمن میں خزانہٗ عامرہ میں یا دیوان اعلیٰ کے پاس جمع نہیں ہوتا ، بلکہ یہ حکم جاری کیا گیا ہے کہ جو کوئی بھی مزروعہ زمین میں باغ لگائے ، اُس زمین کا محصول معاف کیا جائے ۔ امید ہے کہ حق سبحانہ اس نیاز مند کو بھی ہمیشہ اس نیتِ خیر پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے گا ۔

چوں نیت بخیر است خیرم دہی

۲ ماہ آذر ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو بروز ہفتہ مجھے جدروپ کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا ۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں کشتی میں بیٹھ کر اس کی ملاقات کے لیے گیا تاکہ دن کے آخری حصے میں اُس کے گوشہٗ تنہائی میں بیٹھ کر اس سے باتیں کروں ۔ چنانچہ اس نے بلند پایہ باتیں کیں جو

حقائق و معارف سے پُر تھیں ۔ وہ تصوف (یوگ) کے مسائل اس قدر واضح اور صاف بیان کرتا ہے کہ اس میں مبالغہ نہیں ہوتا اور اس کی ملاقات سے انسان بہت محظوظ ہوتا ہے ۔ اُس کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکی ہے ۔ جب وہ بائیس سال کا تھا تو اُس نے دنیاوی تعلقات منقطع کر کے تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی ، اور اب اڑتیس سال ہوئے ہیں کہ اسی لباس بے لباسی میں زندگی بسر کر رہا ہے ۔ جب میں اس سے رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالٰی کی اس نعمت کا کس زبان سے شکر ادا کروں [253] کہ آپ جیسے انصاف پسند بادشاہ کے عہد حکومت میں میں آرام اور اطمینان کے ساتھ خدا کی عبادت میں مشغول ہوں ، اور کسی طرف سے بھی کوئی پریشانی میرے ارادے کو متزلزل نہیں کرتی ۔

موضع قاسم کھیڑا میں قیام :

۳ ماہ آذر ، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن کالیادہ سے کوچ کر کے موضع قاسم کھیڑا میں قیام کیا ۔ راستے میں باز اور بہری کے ذریعے سے شکار کھیلتا رہا ۔ اتفاق سے ایک بگلا فضا میں اُڑتا ہوا نظر آیا ۔ میں نے اپنا سفید باز جس پر میں خاص توجہ رکھتا ہوں ، اس کے تعاقب میں اُڑا دیا ۔ بگلا اس کے نیچے سے بچ نکلا اور باز فضا میں اس قدر بلند ہوا کہ نظر سے غائب ہو گیا ۔ ہر چند کہ قراول اور میر شکار اس کے پیچھے ہر طرف دوڑے ، لیکن کہیں اس کا پتا نہ چلا اور یہ محال نظر آنے لگا کہ اس جنگل میں وہ باز پھر ہاتھ آئے گا ۔ لشکر میر کشمیری جو کشمیر کے میر شکاروں کا سردار ہے اور یہ باز اُس کے حوالے تھا ، بہت پریشان ہوا اور بغیر کسی سراغ و نشان کے ہر طرف جنگل میں باز کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا ۔ ناگاہ اس نے دور سے ایک درخت دیکھا ۔ جب وہ اس درخت کے قریب پہنچا تو اس نے اُس باز کو درخت پر بیٹھا ہوا پایا ۔ اس نے پالتو مرغ دکھا کر اُس باز کو پکڑ لیا ۔ اُسے گم ہوئے تین گھڑیاں بھی نہ گزریں تھیں کہ وہ اُسے میرے حضور میں لے آیا ۔ یہ عطیۂ غیبی جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا ، میرے لیے موجب مسرت ہوا ۔ میں نے اس خدمت کے صلے میں لشکر میر کشمیری کے منصب میں اضافہ کر کے اُسے گھوڑا اور خلعت عنایت کیا ۔

۴، ۵ اور ۶ ماہ آذر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) پیر، منگل اور بدھ متواتر سفر میں گزرے۔

۷ ماہ آذر، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن قیام کیا اور ایک تالاب کے کنارے جشن نشاط آراستہ کیا گیا۔

حکیم روح اللہ کو چاندی میں تولنے کا حکم:

نور جہاں بیگم ایک مدت سے بیمار تھی۔ ہندو اور مسلمان اطبا نے، جو شاہی خدمات کے لیے مخصوص ہیں، ہر چند علاج و معالجے کیے، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور اُس بیماری کے علاج سے وہ اپنی بے چارگی کا اعتراف کرنے لگے۔ لیکن گزشتہ دنوں حکیم روح اللہ (۱۶) نے شرف حضوری حاصل کیا اور اُس نے نور جہاں بیگم کا علاج اپنے ذمے لے لیا۔ خدائے تعالیٰ کی تائید اور اس کی مدد سے اُس کے علاج سے تھوڑے سے عرصے میں نور جہاں بیگم کو صحت کامل حاصل ہو گئی۔ میں نے اس شاندار خدمت کے صلے میں حکیم روح اللہ کو اس کے مناسب حال منصب سے سرفراز کر کے تین مواضع اُس کے وطن کے قریب بطور ملکیت عطا کیے، اور حکم دیا کہ حکیم موصوف کو چاندی سے تولا جائے اور جو چاندی اُس کے وزن کے برابر ٹھہرے، وہ اسے انعام میں دی جائے۔

۸ ماہ آذر، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) روز جمعہ سے لے کر ۱۳ ماہ آذر، اتوار کے دن تک متواتر کوچ کیا، اور ہر روز قیام ہونے تک باز اور بہری کے ذریعے سے شکار میں مشغول رہا، بے شمار تیتر پکڑے۔

گزشتہ اتوار کو کنور کرن ولد رانا امر سنگھ نے حاضر ہو کر زمیں بوسی کی سعادت حاصل کی اور تسلیمات بجا لا کر فتح دکن کی مبارک باد دی، اور سو مُہریں اور ہزار روپے بطور نذر اور اکیس ہزار روپے کی مالیت کے جڑاؤ ہتھیار اور چند ہاتھی اور گھوڑے پیش کیے۔ میں نے ہاتھی اور گھوڑے اُسے بخش دیے اور بقیہ چیزیں قبول کر لیں۔ دوسرے دن اُسے خلعت عنایت کیا۔

قطب الملک کے وکیل میر شریف کو ایک ہاتھی اور میر سامان ارادت خان کو بھی ایک ہاتھی عنایت کیا۔

سید ہزبر خان کو فوجداریِ سرکار میوات پر سرفراز کیا۔ اس کا منصب

اصل و اضافے کے بعد ہزاری ذات و پانصد سوار مقرر ہوا ۔

سید مبارک کو قلعہ رہتاس کی نگرانی پر مقرر کر کے پانصدی ذات و دو صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

موضع سندھار کے تالاب کے کنارے قیام :

١٤ ماہ آذر ، ١٠٢٧ھ (١٦١٨ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن موضع سندھار کے تالاب کے کنارے قیام کیا ، اور مے نوشی کی محفل جمائی ۔ خاص درباری اور اُمرا نشاط کے ساغروں سے خوش وقت ہوئے ۔

اسی تاریخ میں شکاری جانور ، جو بال و پر جھاڑنے اور نئے پر نکالنے کے لیے آگرہ کے ڈربوں میں رکھے گئے تھے ، خواجہ عبداللطیف قوش بیگی (داروغہ شکار خانہ) نے ان کو لا کر مجھے دکھایا ۔ اُن میں سے جو میری سرکار میں رکھنے کے لائق [254] تھے ، میں نے انہیں انتخاب کر کے رکھ لیا اور بقیہ کو دوسرے اُمرا اور ملازموں میں تقسیم کر دیا ۔

راجا سورج مل کی بغاوت :

اسی تاریخ میں راجا سورج مل ولد راجا باسو کی بغاوت اور کفران نعمت کی خبر سننے میں آئی ۔ راجا باسو کے کئی لڑکے تھے ۔ راجا سورج مل اگرچہ عمر کے اعتبار سے سب سے بڑا تھا ، لیکن اس کا باپ اُسے اُس کی فتنہ پردازی اور شرپسندی کی وجہ سے ہمیشہ قید میں رکھتا تھا ۔ آخر اسی ناراضی اور رنجیدگی میں اُس کے باپ کا انتقال ہو گیا ۔ اس کے انتقال کے بعد چوں کہ یہ بد نصیب سب سے بڑا تھا اور اُس کے دوسرے لڑکے قابل اور نیک نہ تھے ، لہٰذا راجا باسو کے حقوق اور خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے اس بدبخت کو ریاست کے انتظام اور ملک و وطن کی حفاظت کے لیے راجا کے خطاب اور منصب دو ہزاری سے سرفراز کر کے وہ راج اور جاگیر جو اس کے باپ نے حسن خدمت اور سلطنت کی بہی خواہی کی وجہ سے حاصل کی تھی ، اور وہ نقد روپیہ اور جنس جو اُس نے سالہا سال میں جمع کیا تھا ، دے دیا ۔ جن دنوں مرحوم مرتضٰی خاں فتح کانگڑہ کی مہم پر متعین ہوا تھا ، چوں کہ یہ بد بخت اس کوہستان کے عمدہ راجاؤں میں تھا ، اس نے بظاہر سلطنت کی بہی خواہی اور وفادارانہ خدمات کا عہد کیا ۔ اس وجہ سے میں

نے اُسے مرتضیٰ خان کی مدد کے لیے مامور کیا ۔ جب مرتضیٰ خان نے محاصرہ کر کے اہل قلعہ کی زندگی تنگ کر دی ، اور اس بد فطرت نے صورت حال معلوم کر لی کہ قلعہ عنقریب فتح ہو جائے گا تو اس نے اس موقع پر نا اتفاقی اور فتنہ پردازی کی راہ اختیار کی اور بے حیائی کے ساتھ مرتضیٰ خان کے آدمیوں سے جھگڑا کرنے لگا ۔ مرتضیٰ خان کو اس کی حالت سے بے وفائی اور ادبار کے آثار ظاہر ہونے لگے اور ایک عرضداشت میں اس کی شکایت لکھ کر میرے پاس بھیجی ۔ اس میں اُس نے صاف لکھا کہ اُس کے حالات سے بغاوت اور سلطنت کی بد خواہی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ۔ چوں کہ اُس وقت مرتضیٰ خان جیسا عمدہ سردار ایک بڑے لشکر کے ساتھ اس کوہستان میں موجود تھا ، اس لیے اس بدبخت نے یہ سمجھا کہ یہ وقت شورش اور فتنے کے لیے مناسب نہیں ہے اور فرزند شاہجہان کی خدمت میں عرضداشت روانہ کی کہ مرتضیٰ خان خود غرضوں کے بھڑکانے پر مجھ سے بدظن ہو گیا ہے ، اور میری خرابی اور تباہی کے درپے ہے ، اور مجھ پر بغاوت اور نافرمانی کی تہمت لگا رہا ہے ۔ امید ہے کہ آپ میرے لیے سبب نجات اور باعثِ حیات بن کر مجھے اپنے حضور میں طلب فرمائیں گے ۔ اگرچہ میں مرتضیٰ خان کی بات کا بہت اعتبار کرتا ہوں ، لیکن یہ دیکھ کر کہ اُس نے خود ہی دربار میں واپس آنے کی درخواست کی ہے ، مجھے شبہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرتضیٰ خان نے خود غرضوں کے بھڑکانے کی وجہ سے جوش میں آ کر بغیر کسی غور و تامل کے اُس کو متہم کیا ہو ۔ بہرحال فرزند شاہجہان کی التجا پر میں نے اس کے قصور معاف کر کے اُسے دربار میں طلب کر لیا ۔ اسی دوران میں مرتضیٰ خان کا انتقال ہو گیا اور وہ رحمت حق سے جا ملا ، اور اس طرح قلعۂ کانگڑہ کی فتح کسی دوسرے سردار کے بھیجنے تک معرضِ التوا میں پڑ گئی ۔ جب یہ فتنہ پرداز دربار میں پہنچا تو میں نے اس کے حالات پر نظر کر کے اُسے جلد ہی اپنی بے دریغ عنایتوں اور مہربانیوں سے نوازتے ہوئے شاہجہان کی معیت میں فتح دکن کی مہم پر روانہ کر دیا ۔ جب دکن ہماری سلطنت کے اراکین کے قبضے میں آ گیا ، تو سورج مل شاہجہان کے توسط سے سلسلہ جنبانی کر کے قلعۂ کانگڑہ کی فتح پر مامور ہو گیا ۔ اگرچہ اس فتنہ پرداز اور حق نا شناس کو دوبارہ کوہستان میں جگہ دینا احتیاط اور دور اندیشی کے اصول کے خلاف تھا ، لیکن چوں کہ اس خدمت کو فرزند شاہجہان نے اپنے ذمے لے لیا تھا ، اس لیے میں نے مجبوراً یہ معاملہ اس

کی مرضی اور منشا پر چھوڑ دیا ۔ چنانچہ فرزند اقبال مند شاہجہان نے سورج مل کو تقی نامی اپنے ایک ملازم کے ہمراہ اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ ، جس میں احدی اور برق انداز سبھی تھے ، [255] قلعۂ کانگڑہ کی مہم پر متعین کیا ۔ یہ حالات مختصر طور پر گزشتہ اوراق میں بیان کیے جا چکے ہیں ۔ جب سورج مل وہاں پہنچا تو اس نے تقی سے بھی بہانے تلاش کر کے جھگڑنا شروع کر دیا ، اور اپنی بد فطرتی کا اظہار کرتے ہوئے کئی بار تقی کے خلاف شکایتی عرضداشتیں لکھیں ، یہاں تک کے صاف صاف الفاظ میں لکھا کہ تقی سے اس کی نہیں بنتی اور یہ مہم تقی سے سر نہیں ہو سکتی ۔ اگر اس مہم کے لیے کوئی دوسرا سردار مقرر کیا جائے تو یہ قلعہ جلد فتح ہو سکے گا ۔ مجبوراً شاہجہان نے تقی کو طلب کر کے اس کی جگہ راجا بکرماجیت کو ، جو اس کے عمدہ ملازموں میں سے ہے ، ایک تازہ دم فوج کے ساتھ اس مہم پر روانہ کیا ۔ جب اس بدفطرت نے سمجھ لیا کہ اس سے زیادہ حیلہ اور مکاری چلنا ممکن نہیں تو اس نے بکرماجیت کے پہنچنے سے پہلے شاہی ملازمین کی ایک جماعت کو اس بہانے سے کہ وہ طویل محاصرے کی وجہ سے بے سر و سامان ہوگئے ہیں ، انھیں اپنی جاگیروں کی طرف رخصت کر دیا کہ وہ اپنی جاگیروں میں جا کر ساز و سامان فراہم کریں ۔ اس کی اس پر فریب چال کی وجہ سے سلطنت کے بہی خواہوں کی جماعت میں ایک انتشار پیدا ہو گیا اور اکثر ان میں سے اپنی جاگیروں میں واپس چلے گئے ۔ صرف چند معاملہ فہم لوگ وہاں رہ گئے جن پر وہ قابو پانا آسان سمجھتا تھا ۔ اب اس نے موقع پا کر بغاوت اور فساد شروع کر دیا ۔ اس موقع پر سید صفی بارہہ نے کہ جو شجاعت و بہادری کے جوہر سے ممتاز ہے ، اپنے چند بھائیوں اور عزیزوں کے ساتھ کمر ہمت باندھ کر اس سے مقابلہ کیا اور شربت شہادت پیا ۔ اس کے بعض ساتھی جو میدان جنگ میں شیروں کی طرح گام زن تھے ، زخمی ہو کر اس فتنہ پرداز کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ۔ وہ ان کو قید کر کے اپنے ٹھکانے پر لے گیا اور باقی لشکری دوستی کے واسطے سے انحراف کر کے بھاگ گئے اور جان بچائی ۔ پھر اس بدبخت نے ان پرگنوں پر ، جو دامن کوہ میں واقع ہیں اور اعتمادالدولہ کی جاگیر میں ہیں ، ظلم اور دست درازی کر کے ان پر قبضہ کر لیا ، اور لوٹ مار میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ امید ہے کہ وہ اسی طرح جلد ہی اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی سلطنت کی نمک حرامی اپنا اثر

دکھانے گی ۔

۱۷ ماہ آذر، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن چانڈا کی گھاٹی کو عبور کیا۔

خانخاناں سپہ سالار کی حاضری :

۱۸ ماہ آذر، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن جاں نثار اتالیق خانخاناں سپہ سالار نے حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ چوں کہ وہ ایک طویل عرصے سے میرے حضور سے دور تھا ، اور میں نواحِ خاندیس اور برہان پور سے گزر رہا تھا ، اُس نے حاضر خدمت ہونے کی درخواست کی ، جس کے جواب میں میں نے حکم دیا کہ اگر اُسے ہر طرف سے اطمینانِ خاطر حاصل ہو ، تو وہ لشکر میں آئے اور سعادت آستان بوسی حاصل کر کے جلد ہی لوٹ جائے ۔ لٰہذا اُس نے میرے حکم کی بنا پر تیزی سے حاضر ہو کر اسی تاریخ کو آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور مختلف قسم کی شاہانہ نوازشوں اور مہربانیوں سے نوازا گیا ۔ ہزار اشرفیاں اور ہزار روپے اُس نے بطور نذر گزرانے ۔

چوں کہ اس گھاٹی سے گزرنے میں لشکر نے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں ، اس لیے میں نے لوگوں کے آرام کی خاطر ۱۹ ماہ آذر، ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن قیام کیا ۔

روز کم شنبہ (بدھ) کو کوچ کیا ، پھر مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن قیام کیا اور سند دریا کے کنارے محفل مے نوشی جمائی ۔ شاہی گھوڑوں میں سے سمیر نامی گھوڑا ، جو تمام گھوڑوں میں سب سے اول تھا ، میں نے خانخاناں کو عنایت کیا ۔ سمیر اہلِ ہند کی اصطلاح میں سونے کے پہاڑ کو کہتے ہیں ۔ چوں کہ اس گھوڑے کا رنگ سنہرا اور جُثہ بڑا ہے ، اُس مناسبت سے اس گھوڑے کا نام سمیر رکھا گیا ۔

جمعہ ۲۲ آذر ، اور ہفتہ ۲۳ آذر دو یوم متواتر کوچ کیا ۔ اس دن ایک عجیب آبشار دیکھنے میں آئی جس کا بہت ہی صاف ستھرا پانی نہایت جوش و خروش کے ساتھ نیچے گر رہا تھا ۔ اس کے اطراف میں قدرتی نشیمن بنے ہوئے ہیں ۔ میں بے تکلف کہہ سکتا ہوں کہ گزشتہ دنوں میں [256] اس سے بہتر آبشار میرے دیکھنے میں نہیں آیا ۔ ایک نادر سیرگاہ ہے ۔ کچھ دیر تک میں اُس کے نظارے

سے محظوظ ہوتا رہا ۔

۲۴ ماہ آذر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن قیام کیا اور اس تالاب میں ، جو شاہی دولت خانے کے سامنے تھا ، کشتی میں بیٹھ کر مرغابیوں کا شکار کیا ۔

پیر ۲۵ آذر ، منگل ۲۶ آذر اور کم شنبہ (بدھ) ۲۷ آذر کو متواتر کوچ کیا ۔ خانخاناں کو اپنی پوستین اُتار کر ، جو میں پہنے ہوئے تھا ، عنایت کی ۔ اس کے علاوہ شاہی اصطبل سے سات گھوڑے ، جن میں سے ہر ایک پر میں سواری کر چکا تھا ، اسے عنایت کیے ۔

قلعہ رنتھنبور میں نزول اجلال :

۲ ماہ دے ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن قلعہ رنتھنبور میں نزول اجلال کیا ۔ یہ قلعہ ہندوؤں کے بڑے قلعوں میں سے ہے ۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں راے ہتمیر دیو اس قلعے پر قابض تھا ۔ سلطان علاؤ الدین خلجی نے ایک طویل عرصے تک اس قلعے کا محاصرہ کر کے نہایت محنت و جانفشانی سے اسے فتح کیا ۔ حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ کے ابتدائی عہد سلطنت میں اس قلعے پر راے سرجن ہاڈا (۱۷) قابض تھا ، جس کے پاس ہمیشہ چھ سات ہزار سوار ملازم رہتے تھے ۔ حضرت عرش آشیانی نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک ماہ اور بارہ دن کے عرصے میں اس قلعے کو فتح کر لیا اور راے سرجن نے قسمت اور خوش نصیبی کی یاوری سے آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی اور سلطنت کے بہی خواہوں کے سلسلے میں منسلک اور ذی عزت اُمرا اور قابل اعتماد ملازموں میں شامل ہو گیا ۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا راے بھوج بھی اُمراے عظام کے زمرے میں شامل ہو گیا ۔ اب اُس کا پوتا سربلند راے میرے عمدہ ملازموں میں داخل ہے ۔

۳ ماہ دے ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن میں قلعۂ رنتھنبور کی سیر کے لیے گیا ۔ دو پہاڑ ایک دوسرے کے بالمقابل واقع ہیں ۔ ان میں سے ایک پہاڑ کو رن اور دوسرے کو تھنبور کہتے ہیں ۔ یہ قلعہ تھنبور پر تعمیر ہوا ہے ۔ ان دونوں پہاڑوں کے ناموں کو ترکیب دے کر اس قلعے کا نام رن تھنبور رکھ گیا ۔ اگرچہ یہ قلعہ نہایت مضبوط ہے اور اس میں پانی کی کثرت ہے ،

لیکن پہاڑ رن خود ایک مضبوط مورچے کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس قلعے کے فتح کرنے کا انحصار دوسری جانب پر ہے۔ چناں چہ میرے والد بزرگ وار نے حکم دیا تھا کہ توپوں کو رن پہاڑ پر لے جا کر قلعے کی عمارت کو نشانہ بنائیں۔ اس مشورے کے مطابق جب توپ کا پہلا گولا چلا تو رائے سرجن کے محل کی چوکھنڈی تک پہنچا۔ چناں چہ محل گر پڑا اور اس عمارت کے گرنے کی وجہ سے رائے سرجن کی ہمت متزلزل ہو گئی، اور وہ بہت پریشان ہو گیا۔ اُس نے اپنی نجات اسی بات میں دیکھی کہ قلعہ حوالہ کر دے اور اپنی پیشانی نیاز کو اس خطا بخش اور عذر پذیر بادشاہ کی بارگاہ میں جھکا دے۔

مختصر یہ کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ رات اس قلعے میں گزار کر دوسرے دن لشکر میں لوٹ کر آؤں گا، لیکن چوں کہ قلعے کے اندر کی عمارتیں اور محل ہندوانہ وضع کے تھے، نہ ان میں ہوا کا گزر تھا نہ وسعت، اس لیے مجھے وہاں ٹھہرنا پسند نہ آیا اور نہ میرا دل وہاں قیام کرنے پر مطمئن ہوا۔ ایک حمام دیکھنے میں آیا جسے رستم خاں کے ایک نوکر نے قلعے کی چاردیواری کے متصل تعمیر کرایا تھا۔ اس کے ساتھ ایک باغیچہ اور نشیمن ہے، جس کا رخ جنگل کی طرف ہے۔ یہ مقام پُر فضا اور ہوادار ہے۔ سارے قلعے میں اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔ رستم خاں، حضرت عرش آشیانی کے اُمرا میں تھا۔ اس نے بچپن ہی سے ان کی خدمت میں تربیت پائی تھی۔ محرم راز اور مقرب بارگاہ ہونے کی وجہ سے اس پر ان کو بہت اعتماد تھا۔ اُنھوں نے قلعہ رنتھنبور اس کے حوالے کر دیا تھا۔

قلعے اور وہاں کی عمارتوں کی سیر سے فارغ ہو کر میں نے حکم دیا کہ جو مجرم اس قلعے میں قید ہیں ان کو حاضر کیا جائے، تا کہ میں اُن کی حقیقت حال سے صحیح طور پر واقف ہو کر انصاف کے مطابق ان کا فیصلہ کروں۔ مختصر یہ کہ سوائے خونی مجرموں کے اور اُن قیدیوں کے جن کے رہا کرنے سے ملک میں فتنہ و فساد پھیلنے کا اندیشہ تھا، میں نے سب کو قید سے آزاد کر دیا اور ہر ایک کو اس کے حسب حیثیت [257] خرچ اور خلعت عنایت کیا۔

۳ ماہ دے، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کی شب ایک پہر اور دو گھڑی گزرنے کے بعد میں اپنے دولت خانے کو واپس لوٹ آیا۔

■ ماہ دے، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو بدھ کے دن پانچ کوس کی مسافت طے کر کے مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن قیام کیا۔ اسی روز خان خاناں نے اپنا

پیش کش میرے ملاحظے سے گزرانا. جواہرات، مرصع ہتھیاروں، کپڑوں اور ہاتھیوں میں سے جو مجھے پسند آیا، وہ میں نے لے لیا اور بقیہ اس کو واپس کر دیا. مجموعی پیش کش جسے میں نے قبول کیا، اس کی مالیت ایک لاکھ پچاس ہزار روپے تھی.

۷ ماہ دے، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن پانچ کوس کا سفر کیا. میں اس سے قبل سارس کا شکار باز سے کئی مرتبہ کر چکا تھا، لیکن میں نے باز سے کُلنگ کے شکار کا تجربہ ابھی تک نہیں کیا تھا. چوں کہ فرزند شاہجہان باز کے ذریعے سے شکار کا بہت شوقین ہے، اور اُس کے باز شکار میں بہت سدھے ہوئے ہیں، اس فرزند کی التجا پر میں علی الصباح کُلنگ کا شکار کھیلنے کے لیے روانہ ہوا. میرے باز نے ایک کُلنگ اور دوسرا کُلنگ فرزند شاہجہان کے باز نے پکڑا جو اس کے ہاتھ میں تھا. بلاشبہ یہ بہت اچھا شکار ہے. میں اس شکار سے نہایت محظوظ ہوا. اگرچہ سارس باعتبار جُثّے کے بڑا ہوتا ہے لیکن اڑنے میں سست پرندہ ہے. سارس کے شکار کو کلنگ کے شکار سے کوئی نسبت نہیں. باز کے دل و جگر پر آفرین ہے کہ وہ اس قسم کے قوی جُثّہ جانوروں کو پکڑ لیتا ہے اور اپنے پنجۂ ہمت کی طاقت سے انھیں زیر کر لیتا ہے. میں نے اس شکار میں بہتر خدمت بجا لانے کے صلے میں شاہجہان کے قوشچی (میر شکاری) حسن خاں کو ہاتھی، گھوڑے اور خلعت سے سرفراز کیا، اور اس کا بیٹا بھی گھوڑے اور خلعت سے نوازا گیا.

خان‌خاناں کی دکن کی جانب روانگی:

۸ ماہ دے، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو ہفتے کے دن سوا چار کوس کی مسافت طے کی. اور اتوار کے دن ۹ ماہ دے، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو قیام کیا. اسی دن خانخاناں سپہ سالار کو خلعت خاص، مرصع تلوار اور ایک ہاتھی ساز و سامان کے ساتھ عنایت کر کے دوبارہ ملک دکن اور خاندیس کی صوبیداری سے سرفراز کیا، اور اس رُکنِ سلطنت کا منصب بھی اصل و اضافے کے ساتھ ہفت ہزاری ذات و سوار کر دیا.

چوں کہ لشکر خاں سے اس کی بنتی نہیں تھی، اس لیے میں نے اس کی

التیغا پر لشکر خاں کی جگہ عابد خاں دیوان بیوتات[1] کو مقرر کر کے اسے منصب ہزاری ذات و چہار صد سوار عنایت کیا ، اور گھوڑا اور ہاتھی اور خلعت مرحمت کر کے اسے دکن کی طرف روانہ کیا ۔

خان دوراں کی کابل سے آمد :

اسی دن خان دوراں نے صوبۂ کابل سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ، اور ہزار مُہر اور ہزار روپے بطور نذر گزرانے ۔ اس کے علاوہ موتیوں کی ایک تسبیح ، پچاس گھوڑے ، دس قطار ولایتی اونٹ اور اونٹنیاں ، کچھ شکاری پرندے ، اور خطا کے بنے ہوئے چینی کے برتن بطور پیش کش پیش کیے ۔

۱۰ ماہ دے ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن سوا تین کوس کی مسافت طے کی ، اور ۱۱ ماہ دے ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن پونے چھ کوس کا فاصلہ طے کیا ۔

اسی دن خان دوراں نے اپنے لشکر کو فوجی ساز و سامان کے ساتھ آراستہ کر کے میری نظر سے گزارا ۔ یہ لشکر دو ہزار مغل سواروں پر مشتمل تھا ، جن میں سے اکثر کے پاس ترکی گھوڑے ، بعض کے پاس عراقی گھوڑے اور بعض کے پاس مجنّس[2] گھوڑے تھے ۔ اس کے بہت سے لشکری اگرچہ منتشر ہو گئے ہیں ، بعض ان میں سے مہابت خاں کے ملازم ہو کر اسی صوبے میں رہ گئے ہیں ، اور ایک جماعت لاہور سے اس سے جدا ہو کر اطراف ملک میں چلی گئی ہے ، لیکن پھر بھی اس قدر تعداد میں سوار اتنے اچھے گھوڑوں کے ساتھ مجھے غنیمت معلوم ہوئے ۔ بلاشبہ خان دوراں شجاعت و بہادری اور سپہ سالاری میں یگانۂ روزگار لوگوں میں سے ہے ، لیکن افسوس ہے کہ بوڑھا ہونے کی وجہ سے اس کی کمر جھک گئی ہے ، اور پیری نے اسے آ گھیرا ہے ۔ اس کی نظر بہت کمزور ہو چکی ہے اور وہ بے حد کمزور ہو گیا ہے ۔ اس کے دو بیٹے جوان ، نیک اور

۱۔ عابد خاں کے ساتھ دیوان بیوتات غلط لکھا گیا ہے ۔ دیوان بیوتات ، لشکر خاں تھا اور عابد خاں صرف دیوان تھا ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۱۰۶) ۔

۲۔ مجنّس : یہ ایرانی اور ترکی نما آختہ گھوڑے ہوتے تھے (س) ۔

عقل مند ہیں ، لیکن ان دونوں کا اوصاف میں خان دوران کے برابر اپنے آپ کو ثابت کرنا ایک مشکل امر ہے۔ اسی روز میں نے خان دوران اور اس کے بیٹوں کو خلعت اور تلواریں مرحمت کیں۔

۱۲ ماہ دے ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن ساڑھے تین کوس کا فاصلہ طے کر کے ماندو[1] کے تالاب کے کنارے [258] قیام کیا ۔ تالاب کے درمیان پتھر کی ایک نشست گاہ واقع ہے۔ اس کے ایک ستون پر کسی نے یہ رباعی کندہ کی ہے جو میری نظر سے گزری اور جسے پڑھ کر میں اپنی جگہ سے اُچھل پڑا ، بلاشبہ اس رباعی کے شعر خوب ہیں :

یاران موافق همه از دست شدند
در دست اجل یگان یگان پست شدند
بودند تنک شراب در مجلس عمر
یک لحظه ز ما پیشترک مست شدند

اسی وقت اسی قسم کی ایک دوسری رباعی بھی سننے میں آئی۔ چوں کہ وہ بھی نہایت عمدہ ہے ، اس لیے میں اس رباعی کو بھی لکھ رہا ہوں :

افسوس که اهل خرد و هوش شدند
از خاطر همدمان فراموش شدند
آن ها که بصد زبان سخن می گفتند
آیا چه شنیدند که خاموش شدند

۱۳ ماہ دے ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبه (جمعرات) کے دن قیام رہا۔

عبدالعزیز خان نے صوبۂ بنگش سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ اکرام خان جو فتح پور اور اس کے اطراف کی فوجداری پر متعین تھا ، اس نے بھی حاضری کی سعادت حاصل کی ۔

خواجه ابراہیم خان صوبۂ دکن کا بخشی عقیدت خان کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔

۱- یہاں ماندو صحیح نہیں ہے - یہ منداور ہے یا سہندان ہے جو بیانہ سے ۱۲ کوس کے فاصلے پر واقع ہے (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۶۲) ۔

میں خاج جو صوبۂ دکن کی مہم کے مددگاروں اور بہادر نوجوانوں میں سے ہے، اشرزہ خاں کے خطاب اور علم سے سربلند ہوا۔

۱۴ ماہ دے، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن سوا پانچ کوس کا فاصلہ طے کیا۔

۱۵ ماہ دے، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو ہفتے کے دن تین کوس کا فاصلہ طے کر کے بیانہ کے اطراف میں اترا اور اہلِ حرم کے ساتھ قلعے کی سیر کو گیا۔

حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) کے بخشی محمد نے، جو اس قلعے کی حفاظت پر مقرر تھا، جنگل کے رخ پر نہایت بلند اور ہوادار ایک عمارت تعمیر کرائی تھی۔

شیخ بہلول کا مزار:

شیخ بہلول کا مزار بھی اسی کے قرب و جوار میں واقع ہے اور یہ مزار فیض و برکت سے خالی نہیں۔

شیخ بہلول[1]، شیخ محمد غوث کے بڑے بھائی ہیں اور اسمائے الٰہی کے علم اور اُن کے اثرات کی واقفیت میں انھیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ جنت آشیانی کو شیخ موصوف سے بہت گہری محبت و عقیدت تھی۔ جس زمانے میں انھوں نے بنگال کو فتح کر کے وہاں کچھ دن قیام کیا تھا، اور میرزا ہندال شاہی حکم کے مطابق آگرہ میں رہ گیا تھا، قلعے کے محافظوں کی ایک جماعت نے جو روپے کی غلام تھی اور جن کی سرشت میں فتنہ و فساد پیوست تھا، اس جماعت کے بعض لوگوں نے بنگال سے پہنچ کر میرزا ہندال کو خبث باطن پر ابھارا اور اسے بغاوت، کافر نعمتی اور ناحق شناسی کی راہ دکھائی۔ ناعاقبت اندیش میرزا ہندال نے ان کے بہکانے میں آ کر اپنے نام کا خطبہ جاری کر کے کھلم کھلا علم بغاوت و عناد بلند کر دیا۔ جب اس کی اطلاع بہی‌خواہانِ سلطنت کی عرضداشتوں سے شہنشاہ ہمایوں کو ملی تو انھوں نے نصیحت کے لیے شیخ بہلول کو بھیجا کہ وہ میرزا ہندال کو جا کر اس کے باطل ارادے سے روکیں اور اخلاص و اتفاق کی راہ پر لائیں، لیکن چوں کہ سلطنت کے بدخواہ اور فتنہ پرداز، میرزا ہندال کے منہ کو سلطنت کا چٹخارا لگا چکے تھے، اس لیے وہ شیخ بہلول کے مشورے اور ان کی فرماں برداری پر راضی نہ ہوا، اور فتنہ پردازوں

۱- شیخ بہلول کی قبر بیانہ میں موجود ہے (رک: بیورج، ج ۲: ص ۶۳)۔

کی تحریک پر اُس نے شیخ بہلول کو چار باغ میں ، جسے حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ نے دریاے جمنا کے کنارے بنوایا تھا ، نہایت بے باکی سے شہید کرادیا . چونکہ محمد بخشی کو شیخ بہلول سے عقیدت تھی ، اس لیے اس نے ان کی نعش قلعۂ بیانہ میں لا کر دفن کی .

۱۶ ماہ دے ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن ساڑھے چار کوس کا فاصلہ طے کرکے برہ[۱] کی منزل گاہ میں قیام کیا . چونکہ حضرت مریم زمانی[۲] کے حکم سے تعمیر کرایا ہوا باغ اور باولی ، جو پرگنۂ جوست میں ہے ، سر راہ واقع تھی ، اس لیے میں اس کی سیر کے لیے گیا . بلاشبہ [259] یہ باولی نہایت خوبصورت اور عالیشان عمارت ہے . اس باولی پر کام کرنے والوں سے معلوم ہوا کہ اس کی تعمیر پر مبلغ بیس ہزار روپے خرچ ہوئے تھے . چونکہ اس کے نواح میں شکار کثرت سے ہے ، اس لیے پیر کے دن ۱۷ ماہ دے کو میں نے اسی منزل میں قیام کیا .

موضع دائرۂ مئو میں قیام :

۱۸ ماہ دے ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن سوا تین کوس کی مسافت طے کرکے موضع دائرہ مئو[۳] میں قیام کیا .

۱۹ ماہ دے ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن ڈھائی کوس کا فاصلہ طے کرکے فتح پور کے تالاب کے کنارے قیام کیا .

چونکہ مہم دکن کے لیے آگرہ سے دکن روانہ ہوتے وقت رنتھنبور سے اجین تک کی تمام منزلوں کے نام اور اُن کا فاصلہ لکھ دیا گیا تھا ، اب ان کا مکرر لکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا . واپسی میں رنتھنبور سے فتح پور ، جس راستے سے کہ میں آیا ہوں ، اس کی مجموعی مسافت دو سو چونتیس کوس کی تھی ، اس میں تریسٹھ دن کوچ اور چھپن دن مقام ہوا ، جس کے مجموعی ایک سو اُنیس دن ہوتے ہیں ،

۱- یہ برہ نہیں بلکہ برسادہ ہونا چاہیے . یہاں جہانگیر کی والدہ نے باغ بنایا اور باولی تعمیر کی تھی . باغ تو اب باقی نہیں ہے ، البتہ باولی موجود ہے . (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۶۴) .

۲- حضرت مریم زمانی : والدۂ جہانگیر .

۳- دائرۂ مئو : فتح پور سے ۴ کوس کے فاصلے پر واقع ہے (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۶۴) .

اور ان کے مہینے شمسی حساب سے ایک دن کم چار ماہ ، اور قمری حساب سے پورے چار ماہ ہوتے ہیں ۔ اس تاریخ سے جب کہ رانا کی ریاست اور دکن کی فتح کے لیے دارالخلافہ سے روانگی ہوئی ، اب تک ، جب کہ میں فتح و کامرانی کے ساتھ دارالخلافہ واپس آیا ہوں ، اس کی مجموعی مدت پانچ سال اور چار ماہ ہوتی ہے[1] ۔

آگرہ میں طاعون کی وبا :

نجومیوں اور جوتشیوں نے دارالخلافہ آگرہ میں داخل ہونے کی تاریخ مبارک شنبہ (جمعرات) ۲۸ دے ، ماہ الٰہی ، سنہ ۱۳ جلوس ، مطابق یکم محرم ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) پسند کی تھی ، لیکن اس عرصے میں بار بار سلطنت کے بہی خواہوں کی عرضداشتیں پہنچیں کہ آگرہ میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے ۔ چناں‌چہ ہر روز کم و بیش سو آدمی بغل یا بُن ِران یا گلے میں گانٹھ نکل آنے سے مر رہے ہیں ۔ یہ تیسرا سال ہے کہ سردی کے موسم میں یہ وبا زور پکڑتی ہے ، اور گرمی کا موسم شروع ہونے پر نابود ہو جاتی ہے ۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ اس تین سال کے عرصے میں یہ وبا آگرے کے تمام نواحی قصبات اور گاؤں میں پھیلی لیکن فتح پور میں اس کا اثر مطلقاً ظاہر نہیں ہوا ۔ یہاں تک کہ امان آباد سے فتح پور کا فاصلہ صرف دو کوس ہے ، لیکن وہاں کے لوگ بھی اس وبا کے خوف سے ترک وطن کرکے دوسرے مواضعات میں پناہ لینے کے لیے چلے گئے ۔

ان حالات کی بنا پر مجبوراً احتیاط کے پیش نظر میں نے فیصلہ کیا کہ فتح پور ہی میں قیام کیا جائے ، اور جب وبا میں کمی ہو جائے تو کسی مناسب وقت دارالخلافہ آگرہ کی طرف روانہ ہوں ، انشاء اللہ تعالیٰ ۔

۲۰ ماہ دے ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ کا جشن فتح پور کے تالاب کے کنارے منعقد کیا گیا ۔

چونکہ دارالخلافہ آگرہ میں داخل ہونے کی تاریخ ۲۸ ماہ دے قرار پائی

۱- ان تاریخوں میں کچھ غلطی ہوگئی ہے ۔ جہانگیر احمد آباد سے ۲۱ شہریور ۲۲ رمضان کو روانہ ہوا ہے اور فتح پور کے نواح میں وہ ۱۹ دے ، ۲۲ محرم ۱۰۲۸ ہجری ، دسمبر ۱۶۱۸ عیسوی میں پہنچا ہے ۔ وہ ۲۸ دے تک یہاں ٹھہرا رہا (رک : بیوریج ، ج ۲ : ص ۶۴) ۔

تھی، اس لیے آٹھ دن فتح پور میں ہی قیام رہا۔

میں نے حکم دیا کہ فتح پور کے اس تالاب کے اردگرد کی، جس کے کنارے ہمارا قیام تھا، پیمائش کی جائے۔ چناں چہ اس کی پیمائش کی گئی تو اس تالاب کا دور سات کوس نکلا[1]۔ اس منزل میں سوائے حضرت مریم زمانی کے جو قدرے علیل تھیں، باقی تمام بیگمات شاہی، اہل حرم اور امرائے سلطنت نے حاضر ہو کر استقبال کی سعادت حاصل کی۔

وبا کے زمانے کا ایک عجیب واقعہ:

آصف خاں کی بیٹی نے، جو خان اعظم کے بیٹے عبداللہ خاں سے بیاہی ہوئی ہے، ایک نہایت عجیب و غریب واقعہ مجھ سے بیان کیا، اور اس کی صداقت کا ہر طریقے پر مجھے اطمینان دلایا۔ چوں کہ یہ واقعہ عجیب و غریب ہے، اس لیے یہاں نقل کر رہا ہوں۔

اس نے بیان کیا کہ ایک روز مجھے اپنے گھر کے صحن میں ایک چوہا نظر آیا جو پریشان، گرتے پڑتے مستوں کی طرح ادھر اُدھر دوڑ رہا تھا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے۔ میں نے ایک باندی سے کہا کہ اس کی دم پکڑ کر اسے بلی کے سامنے ڈال دے۔ بلی نے بڑے ذوق و شوق اور رغبت سے اپنی جگہ سے جھپٹ کر چوہے کو اپنے منہ میں دبا لیا؛ لیکن فوراً ہی نفرت کے ساتھ چھوڑ دیا۔ [260] تھوڑی دیر کے بعد آہستہ آہستہ بلی کے چہرے سے ملال و آزردگی کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے، یہاں تک کہ دوسرے دن وہ مرنے کے قریب ہو گئی۔ مجھے خیال آیا کہ اسے تھوڑا سا تریاق فاروق[2] دینا چاہیے۔ جب اس

۱۔ یہ تالاب آگرے کے شمال میں واقع تھا، اب خشک ہو گیا ہے (رک: بیورج، ج ۲: ص ۶۵)۔

۲۔ تریاق فاروق: یہ تریاق اب بھی اطبائے یونانی میں مروج ہے، اور اس کا نسخہ بیاض اجملی میں موجود ہے۔ یہ تریاق وبائی نزلہ و زکام، فالج، لقوہ، مرگی، سکتہ، رعشہ، مالیخولیا، استسقاء، یرقان، خناق وغیرہ میں بھی اطبا استعمال کراتے ہیں۔

خیال سے بلی کا منہ کھولا گیا تو اُس کا تالو اور زبان سیاہ ہو چکے تھے ، یہاں تک کہ تین روز اس نے اسی عالم میں گزارے ، چوتھے دن اُسے ہوش آیا . اس کے بعد ایک باندی کے گلٹی نکلی جس کی انتہائی سوزش اور درد کی وجہ سے اُسے ایک دم کو قرار نہ تھا . اُس کا رنگ بدل گیا اور اس کی سیاہ رنگت زردی میں بدل گئی اور بخار نے اُسے جلا ڈالا . دوسرے روز اُس کی حالت حد سے زیادہ خراب ہو گئی ، آخر مر گئی . غرض کہ اسی طرح سات آٹھ آدمی اس گھر میں اس بیماری سے ہلاک ہوئے ، اور کچھ اور بیمار تھے کہ میں اس گھر کو چھوڑ کر باغ میں چلی گئی ، جن میں سے کچھ لوگ باغ میں فوت ہو گئے ، لیکن باغ میں جانے کے بعد کسی دوسرے کو گلٹی نہیں نکلی . مختصر یہ کہ نو دس روز کے عرصے میں سترہ آدمی اس بیماری کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے . پھر اُس نے اس بیماری کی شدت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ جس کسی کے طاعون کی گلٹی نکل آتی ، اگر وہ کسی سے پینے یا غسل کرنے کے لیے پانی مانگتا ، فوراً ہی یہ بیماری اس پانی دینے والے کو بھی لگ جاتی . آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس وہم کی وجہ سے کوئی طاعون کے بیمار کے پاس نہ پھٹکتا تھا .

۲۲ ماہ دے ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو ہفتے کے دن خواجہ جہاں نے ، جو میری غیرحاضری میں آگرے کی حفاظت پر مامور تھا ، حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور پانسو مُہریں بطور نذر اور چار سو روپے صدقے کے طور پر گزرانے .

۲۴ ماہ دے ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن میں نے خواجہ جہاں کو خلعتِ خاص سے سرفراز کیا .

شہر فتح پور میں نزولِ اجلال :

۲۸[1] ماہ دے ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن چار گھڑی گزرنے کے بعد ، یعنی نجوم کے اعتبار سے طلوع آفتاب کے دو گھنٹے بعد :

بساعتی کہ تولا کند بدو تقویم ،

تبریک اور سلامتیوں کے ساتھ فتح پور شہر میں میرا نزولِ اجلال ہوا .

۱- یہاں تاریخ ۲۸ غلط ہے ، ۲۷ ہونی چاہیے (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۶۷) .

شاہجہان کا جشنِ شمسی :

اسی موقع پر فرزند ارجمند شاہجہان کا جشن منعقد کیا اور وہ سونے اور دوسری اجناس سے تولا گیا ۔ شمسی مہینوں کے اعتبار سے اس کی عمر کا اٹھائیسواں سال[1] شروع ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ اپنی عمر طبعی کو پہنچے ۔

اسی تاریخ (۲۸ ماہ دے) کو حضرت مریم زمانی آگرے سے تشریف لائیں اور میں نے ان کی قدم بوسی کی ابدی سعادت حاصل کی ۔ امید ہے کہ ان کا سایۂ تربیت و شفقت اس نیاز مند کے سر پر ہمیشہ قائم رہے گا ۔

چونکہ اکرام خان ولد اسلام خان نے اس علاقے کی فوج داری کی خدمت باحسن وجوہ انجام دی تھی ، میں نے اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و پانصدی ذات و ہزار سوار کر دیا ۔

سہراب خان ولد میرزا رستم صفوی کو منصب ہزاری ذات و سہ صد سوار سے نوازا ۔

شہنشاہ اکبر کے دولت خانے کی سیر :

اسی دن حضرت عرش آشیانی کے دولت خانے کی عمارت کی تفصیل سے سیر کی اور اپنے بیٹے شاہجہان کو بھی اس کی سیر کرائی ۔ اس عمارت کے اندرونی حصے میں ایک نہایت صاف ستھرا بڑا حوض کپور تلاؤ کے نام سے پتھروں سے بنوایا گیا ہے ، یہ مربع شکل کا ہے جس کا رقبہ ۳۶ گز × ۳۶ گز[2] اور عمق ساڑھے چار گز ہے ۔ اُن کے عہدِ حکومت میں خزانۂ عامرہ کے مہتمموں نے اس حوض کو روپے پیسے سے بھر دیا تھا ۔ یہ رقم جو اُس زمانے میں اس حوض میں بھری گئی تھی ، چونتیس کروڑ اڑتالیس لاکھ چھیالیس ہزار دام تھی ، جس کے

۱- شاہجہان : لاہور میں جگت گوسائیں کے بطن سے ۵ جنوری ۱۵۹۲ء کو پیدا ہوا تھا ۔ شمسی اعتبار سے یہ جنوری ۱۶۱۹ء تھی ، گویا اُس نے عمر کے ستائیس سال پورے کر کے اٹھائیسویں سال میں قدم رکھا تھا ۔

۲- درعہ : (گز) ۱۵ جلوس کے واقعات میں جہانگیر نے درعہ کی تفصیلات لکھی ہیں ۔ اسے الٰہی گز بھی کہتے تھے ۔ اس کی لمبائی چالیس انگل ہوتی تھی ۔

ہندوستانی سکے میں ایک کروڑ تین لاکھ روپے اور ایرانی سکے میں تین لاکھ پینتالیس ہزار تومان ہوتے ہیں ، جو مدت تک حاجت مندوں کی تشنگی کو اس چشمۂ فیض سے سیراب کرتے رہے ۔

یکم بہمن ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو اتوار کے دن حافظ یاد علی[۱] گوینده کو ہزار درب بطور انعام دیے ۔

اسی تاریخ کو محب علی ولد بداغ خان چکنی اور ابوالقاسم خان گیلانی نے آگرے سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ ان کی آنکھوں میں شاہِ ایران نے سلائیاں پھرا کر صحرائے آوارگی میں در بدر کر دیا تھا ، اور ایک مدت سے وہ [261] ہندوستان آ کر ہماری سلطنت میں اطمینان سے زندگی بسر کر رہے ہیں ، اور ہر ایک کے مناسب حال وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے ۔ میں نے ان دونوں کو ایک ایک ہزار روپے بطور انعام دیے ۔

۵ ماہ بہمن ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کا جشن نہایت آراستگی کے ساتھ دولت خانے میں منعقد ہوا ، اور خاص ملازم اور درباری ساغرِ نشاط سے مسرور اور بہرہ اندوز ہوئے ۔

نصراللہ کو ، جس کے ہاتھ فرزند سلطان پرویز نے کوہ دمان نامی ہاتھی میری بارگاہ میں بھجوایا تھا ، اسے واپس جانے کی اجازت دی گئی اور فرزند سلطان پرویز کے لیے اس کے ذریعے جہانگیر نامہ کی ایک جلد ، اور پنچاق کا ایک گھوڑا روانہ کیا گیا تاکہ وہ فرزند سلطان پرویز کو دے ۔

کنور کرن کو رانا کے پاس جانے کی اجازت :

۸ ماہ بہمن ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو اتوار کے دن رانا امر سنگھ کے بیٹے کنور کرن کو گھوڑا ، ہاتھی ، خلعت اور کھپوہ مرصع پھول کٹارے کے ساتھ عنایت کر کے اس کی جاگیر کی طرف جانے کی اجازت دی ، اور اس کے ساتھ رانا کے لیے ایک گھوڑا بھجوایا گیا ۔

۱۔ حافظ یاد علی : یہ سہو کتابت ہے ، صحیح نام حافظ ناد علی گوینده ہے (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، ص ۱۳۳ ، مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد) ۔

اُسی دن شکار کے لیے امان آباد کی طرف روانہ ہوا ۔ چوں کہ میرا حکم تھا کہ اس سرزمین میں ہرن کا شکار کوئی نہ کھیلے ، اس لیے یہاں ہرن کثرت سے ہو گئے ہیں اور نہایت مانوس ہو گئے ہیں ۔

۱۲ ماہ بہمن ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن شکار سے دولت خانے کی طرف واپس لوٹا اور اسی دن دستور کے مطابق محفل مے نوشی جمائی ۔

شیخ سلیم چشتی کی کرامت :

۱۳ ماہ بہمن ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو جمعہ کے دن میں نے غفران پناہ شیخ سلیم چشتی کے روضے پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی ۔ اُن کی ظاہری خوبیوں اور باطنی صفات کا کچھ حال میں اس اقبال نامے (تزک جہانگیری) کے دیباچے میں تحریر کر چکا ہوں ۔ اگرچہ کرامات اور خوارق عادات کا اظہار خدا کے برگزیدہ بندوں کے نزدیک پسندیدہ نہیں ، بلکہ وہ کرامات و خوارق عادات کے اظہار کو اپنے مرتبے سے فروتر سمجھتے اور اُس سے پرہیز کرتے ہیں ، لیکن جذب و بستی کے عالم میں لوگوں کی ہدایت کے لیے اُن سے کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے ۔ منجملہ اُن کے ایک یہ کہ انھوں نے میری پیدائش سے پہلے حضرت عرش آشیانی کو میری اور میرے دو بھائیوں کی پیدائش کی خوش خبری دی تھی ۔

دوسرے یہ کہ ایک روز ملاقات کے موقع پر میرے والد نے اُن سے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی باقی ہوگی ؟ اور آپ کا اس دنیائے فانی سے عالم بقا کی طرف رخصت ہونے کا دن کون سا ہوگا ؟ شیخ نے اس کے جواب میں پہلے تو یہ فرمایا کہ غیب کا حال خدائے تعالیٰ ہی جانتا ہے ، پھر مراقبے میں جانے کے بعد میری طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ جب یہ شاہزادہ اپنے معلّم سے تعلیم شروع کرے گا ، یا کسی دوسرے شخص سے کچھ یاد کرکے اُسے دہرائے گا ، تو یہ ہماری وفات کی علامت ہوگی ۔ حضرت شیخ سلیم کا یہ ارشاد سننے کے بعد میرے والد نے ان لوگوں کو ، جو میری خدمت پر مامور تھے ، حکم دیا کہ کوئی شخص شاہزادے کو نظم و نثر کی کوئی چیز نہ پڑھائے ، یہاں تک کہ دو سال سات ماہ اسی طرح گزر گئے ۔ ایک دن ایک غریب عورت ، جو شیخ سلیم کے محلّے میں رہتی

تھی اور ہمیشہ مجھے نظر بد سے بچانے کے لیے اسپند[۱] (ہرمل) کی دھونی دینے کے بہانے سے آتی اور اس طرح صدقات و خیرات سے بہرہ مند ہوتی تھی ۔ اس نے مجھے تنہا پا کر اور شاہی حکیم سے بے خبر ہونے کی وجہ سے یہ شعر پڑھایا :

الٰہی غنچۂ امید بکشای
گلے از روضۂ جاوید بنمای

میں نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ شعر پڑھا ۔ شیخ میرے منہ سے یہ شعر سن کر بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھے اور حضرت عرش آشیانی کے پاس دوڑتے ہوئے گئے اور اس واقعے کی اطلاع ان کو دی ۔ اتفاق سے اسی رات کو انھیں بخار چڑھا ، دوسرے دن صبح کو انھوں نے ایک آدمی کو حضرت عرش آشیانی کے پاس بھیج کر تان سین کلاونت (۱۸) کو طلب کیا ، جو گانے والوں میں بے نظیر تھا ۔ تان سین نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر گانا شروع کیا ۔ پھر انھوں نے ایک آدمی کو حضرت عرش آشیانی [262] کے بلانے کے لیے بھیجا ۔ جب حضرت عرش آشیانی تشریف لے آئے تو شیخ نے ان سے فرمایا کہ میرے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے ، اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں اور اپنے سر سے دستار اتار کر میرے سر پر رکھی ، اور فرمایا کہ ہم سلطان سلیم کو اپنا جانشین مقرر کرتے ہیں ، اور خدائے تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں جو محافظ و ناصر حقیقی ہے ۔ رفتہ رفتہ ان کا ضعف بڑھتا گیا اور موت کے آثار ظاہر ہونے لگے ، یہاں تک کہ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے[۲] ۔

شیخ سلیم کا روضہ اور مسجد :

حضرت عرش آشیانی کی عظیم یادگاروں میں سے ایک عظیم یادگار شیخ سلیم

۱- اسپند : بالفتح و الکسر ، ایک دانہ ہوتا ہے جو نظر کے دور کرنے کے لیے آگ میں جلایا جاتا ہے ۔ (فرہنگ آنند راج) ۔

۲- شیخ سلیم چشتی کا انتقال ۲۹ رمضان ۹۷۹ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۵۷۲ع کو ہوا ہے ، اور اس وقت جہانگیر کی عمر ۲ سال ۷ ماہ ہونی چاہیے ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۷۱) ۔

کا روضہ اور ان کی مسجد بھی ہے ، جو ان کے عہد سلطنت میں تعمیر ہوئی ۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک عالی شان عمارت ہے ۔ اس جیسی مسجد دوسرے شہروں میں نہیں ۔ اس کی تمام عمارت پتھر کی ہے جو نہایت صفائی اور نفاست کے ساتھ بنوائی گئی ہے ۔ اس کی تعمیر پر خزانۂ شاہی سے پانچ لاکھ روپے صرف ہوئے ہیں ۔ اس کثیر خرچ سے اس کی تکمیل ہوئی ہے ۔ قطب الدین خان کوکلتاش نے روضے کی جالیاں ، اس کا دور ، فرش ، گنبد اور مسجد کا پیش طاق سنگ مرمر سے بنوایا ہے ۔ اس تعمیر کے مصارف ان پانچ لاکھ کے علاوہ ہیں ۔ یہ مسجد دو دروازوں پر مشتمل ہے ۔ بڑا دروازہ جنوب کی سمت واقع ہے[1] جو نہایت بلند اور شاندار ہے ۔ پیش طاق عرض میں بارہ گز ، طول میں سولہ گز اور بلندی میں باون گز ہے ۔ اس کی انتہائی بلندی پر پہنچنے کے لیے بتیس سیڑھیاں چڑھنا پڑتا ہے ۔ دوسرا دروازہ اس سے چھوٹا ہے جو مشرق کی سمت واقع ہے ۔ مسجد کا طول مشرقی جانب سے مغربی جانب تک دیواروں کے عرض کے ساتھ دو سو بارہ گز ہے ۔ ان میں سے مقصورہ ساڑھے پچیس گز کا ہے ۔ درمیانی گنبد ۱۵ مکعب گز ہے ، اور سات گز عرض ، چودہ گز طول ، اور پچیس گز بلند پیش طاق ہے ۔ اس بڑے گنبد کے پہلو میں دو ، دس ضرب دس کے اس سے چھوٹے گنبد ہیں ۔ ایوان کا بقیہ حصہ ستون دار تعمیر کیا گیا ہے ۔

مسجد کا عرض شمال سے جنوب کی جانب ایک سو بہتر گز اور اطراف میں نوے ایوان اور چوراسی حجرے بنائے گئے ہیں ۔ ہر ایک حجرے کا عرض چار گز اور طول پانچ گز ہے اور ایوانوں کا عرض ساڑھے سات گز ہے ۔ مسجد کے صحن کا طول ، ایوان ، مقصورہ اور دروازوں کو چھوڑ کر ، ایک سو انہتر گز اور ایک سو تینتالیس گز عرض ہے ، اور ایوانوں کے اوپر در اور مسجد کے اوپر چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے گئے ہیں ، جن میں عرس کی راتوں اور ایام متبرکہ میں روشن شمعیں رکھی جاتی ہیں ، اور ان کو رنگین[2] کپڑوں سے ڈھانپ دیا جاتا ہے ، جس کی وجہ سے

۱- یہ بلند دروازہ ہے (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۷۲) ۔

۲- ایوان : تزک جہانگیری میں یہ لفظ ایوان ہے ، جس کا کوئی مفہوم نہیں بنتا ۔ اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ لفظ الوان ہے جس کا ترجمہ ہم نے رنگین کیا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے : بیورج بھی یہی کہتا ہے ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۷۲) ۔

وہ فانوس کی طرح دکھائی دیتی ہیں ، اور مسجد کے صحن میں ایک حوض بنایا گیا ہے جو بارش کے پانی سے بھرتا ہے ۔ چونکہ فتح پور کا پانی خراب ہے اور پانی کی کمی ہے اس لیے اس حوض کا پانی اس سلسلے کے مریدوں کے لیے، جو ہمیشہ اس مسجد میں رہتے ہیں ، سال بھر کے لیے کافی ہو جاتا ہے ۔

دروازۂ کلاں کے مقابل شمال کی طرف مشرق رویہ شیخ کا روضہ ہے ۔ گنبد کا درمیانی حصہ سات گز کا ہے اور محراب کے گنبد کا دور سنگ مرمر کا ہے ۔ اُس کے آگے بھی سنگ مرمر کا نہایت نفیس کٹھرا بنا ہوا ہے ۔

اس روضے کے سامنے مغربی جانب تھوڑے فاصلے پر دوسرا گنبد واقع ہے ، جس میں شیخ کے بیٹوں اور اہل خاندان کی قبریں ہیں ؛ مثلاً قطب الدین خاں ، اسلام خاں اور معظم خاں[1] وغیرہ جو سب کے سب اس سلسلے میں شریک ہیں ۔ اور چونکہ شیخ کو اس سلطنت پر بہتیرے حقوق حاصل ہیں ، اس لیے یہ لوگ سب بلند مرتبہ اور امارت کو پہنچے ۔ چنانچہ ہر ایک کا حال اپنی جگہ پر لکھا جا چکا ہے ۔

اس وقت اسلام خاں کا بیٹا ، جو اکرام خاں کے خطاب سے سرفراز ہے اور اس درگاہ کا صاحب سجادہ ہے ، اس کے چہرے سے سعادت مندی کے آثار ظاہر ہیں اور میں اس کی تربیت پر خاص توجہ مبذول رکھتا ہوں ۔

۹ ، ماہ بہمن ۲۸ ھ ۱۰ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں نے عبدالعزیز خاں کو منصب دو ہزاری ذات و ہزار سوار [263] سے سرفراز کیا ، جسے میں نے فتح قلعۂ کانگڑہ اور سورج مل نمک حرام کو اُس کے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے متعین کیا تھا ۔ اس کے علاوہ ہاتھی ، گھوڑا اور خلعت بھی اُسے عنایت کیا ۔

ترسون بہادر کو بھی اسی مہم پر متعین کر کے اس کا منصب ہزار دو صدی ذات ، چہار صد و پنجاہ سوار مقرر کیا اور اسے گھوڑا عنایت کر کے رخصت کیا ۔

چونکہ اعتمادالدولہ کی قیام گاہ تالاب کے کنارے واقع تھی جس کی لطافت اور دلکشی کی بہت تعریف سننے میں آئی تھی لہٰذا اعتمادالدولہ کی التجا پر میں نے ۲۶ ماہ بہمن کو جشن مبارک شنبہ اُسی کی قیام گاہ پر منعقد کیا ، اور اس

۱- یہ بایزید ہے جو شیخ کا پوتا تھا ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۷۲) ۔

رکن سلطنت نے میرے قدموں پر نچھاور کرنے اور پیش کش کے لیے تمام لوازم فراہم کیے اور ایک شاندار مجلس آراستہ کی ۔ رات کے کھانے کے بعد دولت خانے کو واپسی ہوئی ۔

۳ ماہ اسفندار ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن سید عبد الوہاب بارہہ کو ، جس نے صوبۂ گجرات میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں ، منصب ہزاری ذات و پانصد سوار سے سرفراز کر کے دلیر خان کا خطاب دے کر اس کی عزت افزائی کی ۔

۱۲ ماہ بہمن ، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو ہفتے کے دن شکار کھیلنے کے لیے امان آباد کی طرف روانہ ہوا ۔ اتوار تک اہل محل کے ساتھ نشاط و کامرانی کے ساتھ شکار کھیلنے میں مشغول رہا ۔ ۲۷ ماہ بہمن[1] مبارک شنبہ (جمعرات) کی رات میں دولت خانے کو واپس لوٹا ۔ اتفاق سے منگل کے دن اثنائے شکار میں نورجہاں بیگم کے ایک موتیوں کے ہار کا ڈورا ٹوٹ گیا اور ایک موتی جس کی قیمت ایک ہزار روپے تھی اور ایک لعل جسے وہ گردن میں پہنے رہتی تھی ، اور جس کی قیمت دس ہزار روپے تھی ، گم ہو گیا ۔ بدھ کے دن ہر چند قراولوں نے ان کی تلاش کی لیکن وہ موتی اور لعل نہ ملا ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس دن کا نام کم شنبہ ہے ، لہذا اس دن ان چیزوں کا ملنا نا ممکن ہے ۔ برخلاف اس کے مبارک شنبہ (جمعرات) کا دن ہمیشہ میرے لیے مبارک و مسعود ثابت ہوا ہے ۔ چناں چہ جمعرات کے دن جب ان چیزوں کی تلاش کی گئی تو تھوڑی ہی جستجو کے بعد قراول ان دونوں چیزوں کو اس لق و دق صحرا میں سے میرے پاس لے کر آئے ۔

حسن اتفاق سے اسی مبارک دن جشن قمری اور بسنت کا تہوار منایا گیا اور قلعہ سوؤ[2] کی فتح اور بد بخت سورج مل کی شکست کی خبر بھی اسی روز ملی ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب راجا بکرماجیت فاتح فوج لے کر اس کی حدود میں گیا تو سورج مل نے ٹال مٹول اور حیلہ بازی میں کچھ دن گزارے ۔ چوں کہ راجا بکرماجیت اس کی بہانہ جوئی سے واقف تھا ، اس نے اس کی بات کی طرف

۱- یہ ۲۷ نہیں بلکہ ۱۷ تاریخ ہونی چاہیے ۔

۲- قلعہ سوؤ ہمالیائی قلعہ ہے ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۷۳) ۔

توجہ نہ کی اور جرأت و بہادری کے ساتھ جنگ کے لیے آگے بڑھا۔ اس بد فطرت انسان سے کوئی تدبیر بن نہ پڑتی تھی۔ نہ تو جنگ کے لیے قدم ہمت آگے بڑھاتا تھا اور نہ قلعے ہی میں محصور ہو کر مدافعت کی تیاری کرتا تھا۔ ہلکی سی جھڑپ میں اس کے بہت سے آدمی مارے گئے اور وہ بھاگ کھڑا ہوا اور قلعہ مئو[1] اور شہنرا، جو اُس بدنصیب کا گڑھ تھا، بغیر کسی جد و جہد کے فتح ہو گیا اور یہ ملک جو اس کے باپ دادا کے زمانے سے اس کے قبضے میں چلا آتا تھا، شاہی لشکر سے پامال ہو گیا۔ اور اب وہ بدبختی اور گمراہی کے عالم میں ذلت اور خواری کے ساتھ بحالِ تباہ ادھر اُدھر بھٹک رہا ہے، اور ذلت و خواری کی خاک اپنے سر پر ڈالے ہوئے ہے۔

راجا بکرماجیت نے اس کی ریاست پر قبضہ کر کے فوجوں کو اُس کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ جب اُس کی بہادری اور شجاعت کی خبر مجھے ملی تو میں نے اُس کی اس بہادرانہ خدمت کے صلے میں اُسے نقارہ عنایت کیا اور اُس کے نام فرمان جاری کیا کہ جو قلعے اور عمارتیں سورج مل اور اُس کے باپ کی بنوائی ہوئی ہیں، انھیں اس طرح ڈھا دیا جائے کہ اُن کا نام و نشان زمین پر باقی نہ رہے۔

اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اس بدنصیب سورج مل [264] کا ایک بھائی جگت سنگھ (۱۰۹) نامی ہے۔ جب میں نے سورج مل کو راجا کا خطاب دے کر مرتبۂ امارت پر پہنچایا اور بلا شرکت غیرے اُسے اُس کے باپ دادا کی ریاست اور سامان و حشم و خدم کا وارث قرار دیا، تو اُس کے پاسِ خاطر کے لیے جگت سنگھ کو، جس سے اُس کی نہیں بنتی تھی، معمولی سا منصب دے کر بنگال بھیج دیا تھا۔ وہ بے چارہ وطن سے دور، تنگ دستی اور نامرادی کی زندگی گزارتے ہوئے کسی غیبی امداد کا منتظر تھا، یہاں تک کہ اُس کی خوش نصیبی سے بدنصیب سورج مل نے بغاوت کر کے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار لی۔ میں نے جگت سنگھ کو فوری طور پر طلب کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو، وہ دربار میں پہنچے۔ چناں چہ اُس کے آنے پر میں نے اُسے راجا کے خطاب اور منصب ہزاری ذات و پانصد سوار سے سرفراز کیا، اور بیس ہزار درب

۱- مئو: مآثرالامرا، ج ۲: ص ۱۷۸ پر اس قلعے کا نام مشہور مہری ہے۔

بطور مدد خرچ کے اُسے شاہی خزانے سے عنایت کیے ۔ اس کے علاوہ کھپوۂ مرصّع ، خلعت ، گھوڑا اور ہاتھی عنایت کر کے اُسے راجا بکرماجیت کے پاس بھیجا ، اور ساتھ ہی راجا بکرماجیت کے نام فرمان جاری کیا کہ اگر جگت سنگھ اپنی خوش قسمتی سے عمدہ خدمات انجام دے ، اور سلطنت کی بہی خواہی اور وفاداری کے امور اس سے سرانجام پائیں ، تو اس خطۂ ملک میں اس کا اقتدار مستحکم کر دے[1] ۔

نور باغ اور دوسرے باغوں کی سیر :

چونکہ نور باغ اور دوسری عمارتوں کی تعریف ، جو نئی تعمیر ہوئی تھیں ، بار بار میرے کانوں میں پہنچ رہی تھی ، لہٰذا میں پیر کے دن بڑے ذوق و شوق سے ان کی سیر کے لیے گیا ، اور باغ بوستان سرا میں مقیم ہوا ۔ منگل کا دن اسی پُر فضا باغ میں عیش و کامرانی سے گزارا ۔

کم شنبہ (بدھ) کی رات کو باغ نور میں قیام کیا ۔ یہ باغ الٰہی گز کے مطابق تین سو تیس جریب پر مشتمل ہے ، اور اس کی چار دیواری نہایت چوڑی اور بلند اینٹوں اور چونے سے تیار کی گئی ہے ۔ باغ کے اندر نہایت عمدہ عمارتیں ، بہترین نشست گاہیں اور عمدہ حوض بنائے گئے ہیں ۔ باغ کے دروازے کے باہر ایک بڑا کنواں ہے جس سے بتیس بیلوں کی جوڑی پانی کھینچتی ہے ، اور وہاں سے پانی مسلسل ایک نالی کے ذریعے حوضوں میں جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ اور کنویں بھی ہیں اور ان کا پانی باغ کے حوضوں اور دوسرے حصوں میں تقسیم ہوتا ہے ۔ انواع و اقسام کے فوارے اور آبشار بھی ہیں جو باغ کی زینت بڑھا رہے ہیں ۔ باغ کے عین درمیان میں ایک تالاب ہے جو بارش کے پانی سے بھرتا ہے ۔ اگر کبھی سخت گرمی کے موسم میں اتفاق سے اس کا پانی کم ہو جاتا ہے تو کنووں سے اس تالاب میں پانی پہنچاتے ہیں ، جس کی وجہ سے یہ تالاب ہمیشہ لب ریز رہتا ہے ۔ تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار روپے اب تک اس باغ پر صرف ہو چکے ہیں ، اور ابھی یہ باغ نامکمل ہے ۔ اس کی روشیں بنانے اور درختوں

۱- جگت سنگھ بعد کو باغی ہو گیا اور شاہجہان کے ساتھ شریک ہو گیا اور اسی طرح بکرماجیت نے بھی بغاوت کی (زک : بیورج ، ج ۲ ، ص ۷۵) ۔

کے لگانے میں ابھی اور روپے صرف ہوں گے ۔ اور یہ طے پایا ہے کہ اس کے اردگرد ایک ایسی نئی چار دیواری[1] بنائی جائے جس سے پانی کے داخل اور خارج ہونے کے مقامات اس طرح مضبوط کیے جائیں کہ وہ ہمیشہ پانی سے بھرا رہے اور پانی کہیں بھی ادھر اُدھر ضائع نہ ہو ۔ اندازہ ہے کہ اس کام کو پورے طور پر تکمیل کو پہنچانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوں گے ۔

۲۴ اسفندار، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن خواجہ جہاں نے اپنا پیش کش میری نظر سے گزارا ۔ جواہرات ، جڑاؤ ہتھیار ، ریشمی اور اونی کپڑے ، ہاتھی ، گھوڑے جن کی مجموعی مالیت ایک لاکھ پچاس ہزار روپے ہوگی ، مجھے پسند آئے ۔ یہ چیزیں قبول کر کے بقیہ چیزیں میں نے اس کو عنایت کر دیں ۔ ہفتے کے دن تک میں نے اس باغ میں عیش و نشاط کے ساتھ وقت گزارا ۔

۲۷ ماہ اسفندار، ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو اتوار کے دن میں باغ اور سے فتح پور لوٹ آیا ، اور حکم دیا کہ اُمرائے عظام حسبِ دستور دولت خانے کو سجائیں ۔

۲۸ ماہ اسفندار ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو پیر کے دن مجھے اپنی آنکھیں دکھتی ہوئی محسوس ہوئیں ۔ چوں کہ یہ آشوب چشم خون کی زیادتی کی وجہ سے تھا ، اس لیے میں نے فوراً علی اکبر جرّاح کو طلب کر کے فصد کھولنے کا حکم دیا ۔ دوسرے روز ہی اس فصد کھولنے سے فائدہ معلوم ہوا ۔ میں نے ہزار روپے علی اکبر جراح کو عنایت کیے ۔

۲۹ ماہ اسفندار ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو منگل [265] کے دن مقرب خاں نے اپنے وطن سے آ کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی اور میں نے اُسے مختلف عنایاتِ خسروانہ سے سرفراز کیا ۔

۱- یہاں لفظ حصور استعمال کیا گیا ہے ، غالباً یہ حفر ہے بمعنی کنواں کھودنا ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۷۶) ۔

حواشی جشن سیزدہم

(۱) میر جملہ : یہ خطاب نہیں بلکہ یہ ایک عہدے کا نام ہے ۔ دکن میں وزیر مالیات کو میر جملہ کہتے تھے ۔ اس میر جملہ کا نام میرزا محمد امین شہرستانی تھا ۔ یہ محمد قلی قطب شاہ والی گولکنڈہ کے عہد میں گوالکنڈہ آیا ۔ ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ء) میر جملہ کی خدمت پر فائز ہوا ۔ نہایت لائق شخص تھا ، اور مالی و ملکی امور میں اس کو بہت دست گاہ حاصل تھی ۔ حسابات کی تنقیح خوب کرتا تھا ۔ حیدر آباد دکن میں اس نے ایک پر فضا باغ لگایا تھا ، جو امین باغ کہلاتا ہے ۔ محمد قلی قطب شاہ کی وفات کے بعد اس کے جانشین سلطان محمد قطب شاہ سے اس کا نباہ نہ ہو سکا ، اس لیے وہ وطن واپس ہو گیا ، لیکن ہندوستان آ کر جہانگیر کی ملازمت اختیار کر لی ۔ شہنشاہ جہانگیر نے اسے پنج ہزاری منصب عطا کیا ۔ ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۷ء) میں اس نے آگرے میں وفات پائی ۔ اس نے نظامی گنجوی کے جواب میں پانچ مثنویاں لکھی تھیں ، منجملہ ان کے چار مثنویاں اب دستیاب ہوتی ہیں ۔

(رک : تاریخ گولکنڈہ ، مولفہ پروفیسر عبدالمجید صدیقی ، ص ۱۵۵ ، ۱۵۶)

اقبال نامۂ جہانگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ شاہ عباس نے اس کی کوئی قدر نہیں کی ، اس لیے وہ ہندوستان آیا (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۲) ۔

(۲) سید ہزار خان بارھہ : ۸ جلوس جہانگیری میں شاہ زادہ سلطان خرم (شاہ جہاں) کے ساتھ مہم رانا پر متعین ہوا ، ۱ جلوس شاہجہانی میں مہابت خاں کے ساتھ نذر محمد خاں والیِ بلخ کی شورش کے روکنے کے لیے کابل کی طرف متعین کیا گیا ، ۳ جلوس شاہجہانی میں یمین الدولہ کے ہمراہ بالا گھاٹ میں مقرر کیا گیا ، ۱۱ جلوس شاہجہانی میں شاہ زادہ سلطان شجاع اس احتمال کی بنا پر کہ شاہ صفی بادشاہ ایران قلعۂ قندھار کو لینے کے لیے آ رہا ہے ، قندھار میں ٹھہرا ہوا تھا ، اس کی امداد کے لیے قندھار بھیجا گیا ۔ اسی زمانے میں اس نے ۱۰۴۷ھ میں وہیں وفات پائی ۔

(رک : مآثر الامرا ، ج ۱ : ص ۲۱۵–۲۱۶) ۔

(۳) زبردست خان : شاہجہاں کے ملازموں میں تھا ، شاہجہاں کے تخت نشین ہونے کے بعد شاہجہاں نے اُسے ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔ ۱۰۵۹ھ میں جب کہ وہ سیوستان کا صوبیدار تھا ، اس نے وفات پائی .
(رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۳۷۲ ، ۳۷۳) .

(۴) میرزا یوسف خان رضوی : مشہد کے سادات کے خاندان سے تھا . یہ اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا ، ۳ جلوس اکبری میں ابتداءً دو ہزار و پانصدی کے منصب سے سرفراز ہوا اور مختلف خدمتوں پر رہا - ۱۰۱۰ھ میں شیخ ابو الفضل اور خانخانان کی کمک کے لیے بالا گھاٹ میں متعین کیا گیا . اس نے جمادی الآخر ۱۰۱۰ھ ، (۱۶۰۱ع) میں درد دنبل میں جالنا پور میں وفات پائی . اس کی لاش مشہد لے جائی گئی .
(رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۳۱۴—۳۲۱) .

(۵) صادق خاں بخشی . (رک : جشن دہم ، حاشیہ نمبر ۲۶) .

(۶) مولانا (نور الدین) عبدالرحمٰن جامی : بن نظام الدین (خرجردی — جام) ولادت : ۸۱۷ھ ، وفات : ۸۹۸ھ ، مدفن : ہرات ، تصانیف : سلسلۃ الذہب سلامان و ابسال ، تحفۃ الاحرار ، سبحۃالابرار ، یوسف زلیخا ، لیلیٰ مجنوں ، خرد نامہ اسکندری ، دیوان ۳ حصوں میں ، نقدالنصوص فی شرح نقش الفصوص ، نفحات الانس ، لوایح ، لوامع ، شواہد النبوۃ ، اشعۃ اللمعات ، بہارستان وغیرہ .
(رک : مقالات الشعرا ، ج ۲ : ص ۵)

(۷) بہزاد : اس کا نام کمال الدین بہزاد تھا ، وہ ہرات کا رہنے والا تھا ، جو دسویں صدی ہجری کا مشہور مصوّر و نقّاش ہے . یہ ۸۵۴ھ میں پیدا ہوا اور اس نے ۹۴۲ھ میں وفات پائی . یہ سلطان حسین بایقرا اور شاہ اسماعیل اول صفوی کے عہد میں زندہ تھا ، اور شاہ طہماسپ صفوی کے اوائل عہد تک زندہ رہا .
(رک : دائرۃالمعارف ، ص ۳۴۱ ، تالیف پرویز اسدی زادہ مطبوعہ طہران) .

(۸) استاد منصور : اُن نقاشوں میں سے ہے جنھوں نے بابر نامہ کو مصوّر کیا تھا . یہ مصوّر بابر نامہ برٹش میوزیم میں موجود ہے ، اور اس کے علاوہ بابر نامہ کی مصوری میں ایک حسین نقاش کا نام بھی آتا ہے .
(رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۲۰)

(۹) امراللہ : ولد میرزا عبدالرحیم خانخانان . یہ خانخانان کا دوسرا بیٹا تھا جو ایک باندی کے بطن سے تھا . یہ بے تربیت رہا اور جوانی ہی میں مر گیا .
(رک : مآثرالامرا ، ج ۱ : ص ۷۱۱)

(۱۰) شیخ محمد غوث گوالیاری : شیخ فریدالدین عطار کی نسل سے تھے . شیخ حاجی حمید گوالیاری نے شیخ محمد غوث گوالیاری اور ان کے بھائی کو اپنی فرزندی میں لیا اور ان دونوں کو سلوک و معرفت کی تعلیم دی . ہمایوں ، شیخ محمد غوث اور ان کے بھائی سے انتہائی عقیدت رکھتا تھا . اس نے طریقۂ دعوت اسماء ان ہی دونوں بزرگوں سے حاصل کیا تھا . ۱۵۳۹ء میں شیرشاہ سوری نے ہندوستان کی حکومت پر قبضہ کیا تو وہ شیخ محمد غوث کے درپئے آزار ہوا . شیخ اس کی مخالفت کا اندازہ کر کے اپنے اہل و عیال کے ساتھ گجرات ہجرت کر گئے اور تقریباً اٹھارہ سال اس علاقے میں گزارے . وہاں انھوں نے بڑا اقتدار حاصل کیا لیکن شیخ علی متقی نے جو بڑے پایے کے عالم تھے ، ان کی تصنیفات کی بنا پر ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا . بادشاہ وقت سلطان محمود گجراتی نے ایک دوسرے عالم شیخ وجیہ الدین سے استصواب کیا ، لیکن وہ شیخ کی روحانیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان سے بیعت ہو گئے . جب دوبارہ مغل حکومت قائم ہوئی تو شیخ نے مغل دربار کا رخ کیا . یہ اکبر کا زمانہ تھا ، لیکن شیخ گدائی نے ان کے رسالۂ معراجیہ کے خلاف بیرم خاں کے کان بھرے جس کی وجہ سے وہ آزردہ ہو کر گوالیار چلے آئے ، لیکن خاندانی تعلقات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اکبر نے ان کے لیے گراں بہا جاگیر مقرر کر دی . شیخ نے سلسلۂ شطاریہ کو غیرمعمولی فروغ بخشا اور ۸۰ سال کی عمر میں ۹۷۰ھ (۱۵۶۲ء) میں وفات پائی . آپ کا مزار گوالیار میں زیارت گاہ خاص و عام ہے . آپ کی تصانیف میں رسالۂ معراجیہ ، جواہر خمسہ ، کلید مخازن ، کنز الوحدۃ ، ضمائر و بصائر مشہور ہیں .
(رک : رود کوثر ، ص ۳۶—۴۰)

(۱۱) سعیدای زرگر باشی : (سعیدای گیلانی) : اپنے وطن میں تعلیم کی تکمیل کر کے جہانگیر کے عہد حکومت میں پہلی بار ہندوستان آیا اور شاہی شعرا کے زمرے میں منسلک ہوا ، مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہونے پر وطن واپس چلا گیا . پھر شاہجہان کے عہد حکومت میں واپس آیا . شاہجہان نے اسے

منصب دے کر شاہی زرگر خانے کا مہتمم یا داروغہ مقرر کیا جو ان دنوں بڑا اہم عہدہ خیال کیا جاتا تھا۔

سعیدای گیلانی ایک خوش فکر شاعر، اعلیٰ درجے کا خوش نویس اور ایک چابک دست حکاک تھا۔ اسی نے تخت طاؤس کی خیالی تصویر، جسے شاہجہان نے اپنے ذہن میں تیار کیا تھا، سات سال کی مدت میں اس حسن و رعنائی کے خیالی پیکر کو تصویر کی شکل میں پیکر مجسم بنا کر پیش کیا تھا۔ تخت طاؤس پر ایک کروڑ روپے جس کے تینتیس ہزار تین سو عراق تومان اور چار کروڑ خانی ہوتے ہیں، لاگت آئی تھی۔ شاہجہان نے اسے بے بدل خاں کا خطاب دیا تھا۔ سعیدای زرگر کو تاریخ گوئی میں بڑا کمال حاصل تھا۔ جب آٹھویں سال کے جشن نوروز (۳ شوال ۱۰۴۴ھ) میں شاہجہان نے اس تخت پر جلوس کیا تو اس نے اس موقع پر ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا، جس کے اشعار کی تعداد ۱۳۴ تھی۔ اس قصیدے کی خصوصیت یہ تھی کہ ابتدائی ۱۲ اشعار کے ہر مصرعے سے شاہجہان کی تاریخ ولادت نکلتی تھی اور ان کے بعد کے بتیس ابیات کے ہر مصرعے سے تاریخ جلوس شاہجہانی نکلتی تھی اور باقی نوے اشعار کے ہر مصرعے سے تاریخ نہضت کشمیر از اکبر آباد (۱۰۴۳ھ) و معاودت آگرہ و جلوس بر تخت طاؤس کی تاریخ نکلتی ہے۔

اس قصیدے کے چند شعر ملا محمد صالح کنبوہ نے اپنی مشہور کتاب عمل صالح میں نقل کیے ہیں جنھیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

خدای واحد بے چون جہان نمود عیان
برای شاہجہان بادشاہ کل جہان

بداد و جود و باحسان شہنشہ آفاق
علیم و عالی و دانا نواز و ملک ستان

ہزار سال بماناد آنکہ ہردم ازو
بود بدور جہان صد ہزار جان شادان

بمدح شاہجہان طبع این دوازدہ بیت
ز قسمت ازل آوردہ از دلم بزبان

از آن دوازدہ ہر مصرعی نگاہ نگار
کند تولد شاہ جہان پناہ بیان

باکبر آباد از جهد کامران بسریر[1]
جلوس کرد ز تائید عالم منّان

ہزار بود و چهل و سہ بسال از ہجرت
کہ شد بہ دہلی با شاہی و سپاه گران

بنوبهار بیاید بگلشن سرہند
گل بہار ابد با ہوا چو گل خندان

ز کامرانی نوروز عزم کرده نمود
سوی مدینۂ لاہور بر جهان شادان

ہزار گونہ بود گل بکوه بر قدمش
ہزار چشمہ ولی بہ ز چشمۂ حیوان

بسوی ہند عنان زد و تاب شد پاچاه
جهالده برق نما ابرشی چو باد وزان

بداد و جود بدار الخلافہ آمد باز
فلک بدور رکاب و ملک بہ دور عنان

ہزار شکر بیفزود باز جشن جهان
ز نوبهار سریر جواہر الوان

بهر زمین کہ ز آن سایۂ فتاد فلک
بداد تا بہ ابد دست گاه پایۂ کان

جمال و رنگ ز اورنگ بادشاه زمن
بہ داد گیتی صد رنگ بر زمین و زمان

خدیو ملک و ملل بادشاه دین و دول
جهان کشاد بہ امداد قوت ایمان

جهان پناہا شاہنشہی و دریا دل
محیطی از کرم و جود لیک بی پایان

ز سهم گرز و سنانت دل عدو جاوید
شود بزیر زمین چون رگ جهنده طپان

۱- یہ مصرع ناقص معلوم ہوتا ہے، لیکن عمل صالح کے تمام نسخوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

از آن بود سر دشمن بزنگ سنگ سیاه
کہ از برای حسامت بود مدام فسان

(رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۵۰۴—۵۰۸ و شاہجہان نامہ ، ج ۲ : ص ۶۹—۷۰) .

(۱۲) سلطان محمود : یہ سلطان محمود سوم ہے جو فروری ۱۵۵۴ع میں مارا گیا . (رک بیورج ، ج ۲ : ص ۳۲) .

(۱۳) سید محمد : حضرت شاہ عالم گجراتی کے پوتے اور ان کے سجادہ نشین تھے . فضل و بزرگی سے متصف اور فقر و توکل میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے . انھوں نے قرآن مجید کا ترجمہ بہت اچھی عبارت میں کیا تھا . یہ عہد شاہجہانی میں بھی حیات تھے . شاہجہان بھی ان سے دو مرتبہ ملا تھا ، ایک مرتبہ ایام شاہزادگی میں احمد آباد میں اور دوسری مرتبہ جب وہ بادشاہ ہو کر جنیر سے آگرہ جا رہا تھا . سید محمد نے ۱۰۴۵ھ عہد شاہجہانی میں وفات پائی . ان کا مزار حضرت شاہ عالم کے روضے کے مغربی دروازے کے قریب واقع ہے . (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۴۴۸) .

(۱۴) سید جلال ولد سید محمد : حسن صورت و حسن سیرت سے آراستہ تھے ، علوم ظاہری اور فنون رسمی میں ماہر تھے اور شعر بہت اچھا کہتے تھے . شاعری میں رضائی تخلص کرتے تھے . ان کی ولادت ۱۵ جمادی الاخری ۱۰۰۳ھ میں ہوئی . ''وارث رسول'' سے ان کی تاریخ ولادت نکلتی ہے - ۷ شعبان ۱۰۵۲ھ کو شاہجہان نے انھیں منصب چہار ہزاری سے نواز کر موسوی خاں کے ہٹنے کی وجہ سے ہندوستان کی صدارت کا عہدہ دیا . سید جلال نے جلوس شاہجہانی کے اکیسویں سال ، یکم جمادی الاولی ۱۰۵۷ھ کو وفات پائی . (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۴۴۸—۴۵۰)

(۱۵) حکیم رکنائے کاشی : علم طب اور معالجات میں ماہر تھا اور پیچیدہ امراض کا بہترین علاج کرتا تھا . عہد شاہجہانی میں وہ دربار کے اطبا میں شامل تھا . آخر عمر میں بوجہ کبر سنی کے اس نے اپنے وطن واپس جانے کی اجازت چاہی . شاہجہان نے اسے داد و دہش سے سرفراز کر کے وطن جانے کی اجازت دے دی . (رک : شاہجہان نامہ ، ج ۳ : ص ۳۸۷)

(۱۶) حکیم روح اللہ : گجرات کاٹھیاواڑ کے ایک مشہور شہر بھڑوچ کا رہنے والا تھا . اس کا خانوادہ بالکل غیر معروف تھا لیکن حکیم روح اللہ نے اپنے علمی و فنی کمالات سے اس غیر معروف خاندان کو عظیم شہرت بخشی . حکیم روح اللہ نے علوم متداولہ کے ساتھ فن طب کی طرف خاص توجہ کی ، اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے اس میں کمال حاصل کر لیا . فن طب میں اس کی شہرت کی بنا پر قلیچ خاں اکبر شاہی نے اُسے اپنی سرپرستی میں لے لیا . وہ کچھ عرصہ قلیچ خاں کی خدمت میں رہا ، بعد ازاں وہ ایک دوسرے امیر صادق خاں کی خدمت میں چلا گیا . یہاں سے وہ شاہزادہ دانیال اور شاہزادہ مراد کے متوسلین میں شامل ہو گیا . ان دونوں کی وفات کے بعد عبدالرّحیم خانخاناں کے دامن دولت سے وابستہ ہو گیا .

آخر میں وہ جہانگیر کی ملازمت میں منسلک ہوا . جب ۱۰۳۰ھ میں جہانگیر ، کشمیر میں بیمار ہوا تو حکیم روح اللہ بھی اطبا کی اس جماعت میں شریک تھا جو بادشاہ کے علاج کے لیے مقرر تھی .

[زک : مآثر رحیمی ، جلد ۳ (س)] .

(۱۷) رائے سرجن ہاڈا : چوہان قوم کی ایک شاخ ہاڈا سے تھا . یہ ابتداً رانا کا ملازم تھا ، لیکن عہد اکبری میں قلعۂ رن تھنبور میں رہتا تھا . قلعۂ چتوڑ کے فتح کرنے کے بعد ۱۳ جلوس اکبری کے آخر میں اکبر نے اس قلعے کا محاصرہ کیا . جب محاصرے سے اہل قلعہ پریشان ہو گئے تو رائے سرجن نے مجبور ہو کر اپنے دو بیٹوں ، دودا اور بھوج کو اکبر کے پاس بھیج کر امان چاہی . اکبر نے ان دونوں کو خلعت سے نواز کر اس کے بیٹوں کو واپس کر دیا . بیٹوں کے واپس آنے کے بعد رائے سرجن نے اکبر سے درخواست کی کہ وہ اپنے کسی معتمد ملازم کو اس کے پاس بھیجے تا کہ وہ اُس کے ساتھ حاضر ہو کر دربار میں حضوری کا شرف حاصل کرے . چناں چہ اکبر نے حسین قلی خاں کو روانہ کیا اور وہ

اس کے ساتھ اکبر کے پاس حاضر ہوا ۔ اکبر اس کے ساتھ نہایت لطف و عنایات کے ساتھ پیش آیا اور تین روز کے بعد اس نے قلعے میں واپس آ کر اور اپنا ضروری سامان لے کر قلعہ اکبر کے ملازموں کے حوالے کر دیا ۔ اکبر نے قلعے کی حکومت کے لیے مہتر خاں کو مقرر کیا اور رائے سرجن کو گڑھ کی جاگیرداری سے سرفراز کیا ۔ ۲۰ جلوس اکبری میں اکبر نے گڑھ کے عوض چناڈہ اس کی جاگیر میں دیا ۔ ۲۲ جلوس اکبری میں وہ زین خاں کوکلتاش کے ساتھ تسخیر بوندی کے لیے مقرر ہوا ، اور بوندی کی تسخیر کے بعد اکبر نے اسے دو ہزاری کے منصب سے سرفراز کیا ۔
۳۰ جلوس اکبری میں اس نے وفات پائی ۔
(رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۱۱۳-۱۱۶ - ذخیرۃالخوانین ، مطبوعہ ، ص ۲۲۸) ۔

(۱۸) تان سین کا اصل نام ترلوچن داس بن مکرند پانڈی تھا ، جو قبیلہ گور برہمن سے تعلق رکھتا تھا ۔ وہ موضع بھینت میں پیدا ہوا جو مضافات گوالیار میں واقع ہے ۔ فن موسیقی میں کمال حاصل ہونے کے بعد اس کا لقب تان سین ہوا ۔

تان سین ۹۳۱ھ اور بعض روایات کے مطابق ۹۳۸ھ میں حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری کی دعا کے اثر سے پیدا ہوا ، اور اس نے شیخ محمد غوث ہی کے پاس نشو و نما پائی ۔ علم موسیقی اس دور کے ماہر اساتذہ سے حاصل کیا ، اور اس فن میں اس قدر صاحب کمال ہوا کہ بقول ابوالفضل کے گذشتہ ہزار سال میں اس کا مثل پیدا نہیں ہوا ۔

ابتداء" راجا رام چندر والی باندھو (ریواں) کے پاس ، جو اس فن کا بے حد قدر دان تھا ، ملازم ہوا ۔ کچھ دنوں اس کے پاس رہا ، یہاں تک کہ ۹۷۰ھ میں راجا بیربر اور زین خاں کی تحریک پر اکبر نے اسے راجا سے طلب کر لیا ، اور اپنے دربار میں جگہ دی ۔ اس نے فن موسیقی میں وہ کار ہائے نمایاں انجام دیے کہ آج تک اس کا نام زندۂ جاوید ہے ۔ آخر

۹۹۸ھ (۲۶ اپریل ۱۵۸۹ء) کو تان سین نے وفات پائی اور حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری کے مزار کے پائین مدفون ہوا۔ (رک: مقالات الشعراء، ص ۱۴۱، ج ۳، مرتبہ سید حسام الدین راشدی، بحوالہ رسالہ "آج کل" دہلی موسیقی نمبر، اگست ۱۹۵۶ء)

(۱۰۹) جگت سنگھ: ولد راجا سورج مل۔ وفات: ۱۰۵۵ھ بمقام پشاور۔ (رک: مآثرالامرا، ج ۲: ص ۲۳۸ تا ۲۴۱)۔

چودھواں جشنِ نوروز

جمعرات کی صبح ۱۴ ماہ ربیع الاول ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) آفتاب جہان تاب کے برج حوت سے خانۂ شرف برج حمل میں تحویل ہونے پر اس نیاز مند بارگاہ الٰہی کی حکومت کا چودھواں سال مبارکیوں اور سلامتیوں کے ساتھ شروع ہوا ۔

شاہجہان کی پیش کش :

مبارک شنبہ (جمعرات) نوروز گیتی افروز کے پہلے دن فرزند سعادت مند شاہجہان نے جس کی پیشانی عقیدت و مراد سے دمک رہی ہے ، اس موقع پر ایک عظیم الشان جشن منعقد کیا اور زمانے بھر کے تحائف ، جو ہر ملک کی نفیس و نادر اشیا پر مشتمل تھے ، بطور پیش کش نظر سے گزرانے ۔

ان میں سے ایک خوش رنگ اور آب دار یاقوت ہے ، جس کا وزن بائیس سرخ ہے ۔ جوہریوں نے اپنے اندازے کے مطابق اس کی قیمت چالیس ہزار روپے لگائی ہے ۔

دوسرا ایک نہایت نفیس قطبی[1] لعل ہے جس کا وزن تین ٹانک ہے ۔ اس کی قیمت کا اندازہ بھی چالیس ہزار روپے کیا گیا ہے ۔

اس کے علاوہ چھ عدد موتی ہیں ، جن میں سے ایک کا وزن ایک ٹانک اور آٹھ سرخ ہے ، جنھیں اس فرزند کے وکلا نے گجرات میں پچیس ہزار روپے میں خریدا تھا ۔

تینتیس ہزار روپے کے پانچ اور موتی ہیں ۔ ایک ہیرا جس کی قیمت اٹھارہ ہزار

۱- بیورج کے خیال میں یہ لفظ قبطی یعنی مصری ہے اور یہ لعل مصر کی پیداوار ہے ۔ (رک) : بیورج ، جلد ۲ : ص ۷۸ ۔

روپے ہے ۔ ایک جڑاؤ پرتلا تلوار سمیت ، جسے شاہجہان کے زرگر خانے میں تیار کیا گیا ہے اور بہت سے جواہر اس میں تراش کر بٹھا گئے ہیں ۔ اور اس کی تیاری میں اس فرزند نے نہایت دقتِ نظر کا ثبوت دیا ہے ۔ اس کی قیمت پچاس ہزار روپے قرار دی گئی ہے ۔ اس پیش کش کی تزئین میں جو تصرفات اس نے کیے ہیں ، اس کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہیں ، جو اب تک کسی کے ذہن میں نہ آئے تھے ، بلاشبہ بہت خوب ہیں ۔

مرسل نواز نقاروں کی ایک جوڑی جس پر سونے کا کام کیا گیا ہے ، چاندی کا بنا ہوا دمامہ ، نقارہ ، بگل ، شہنائی اور وہ تمام سامان جو ذی شوکت بادشاہوں کے نقار خانے کے لوازم ہیں اور جسے چاندی سے بنایا گیا تھا ، یہ نقارے اور باجے اس مبارک اور مسعود گھڑی میں بجائے گئے ، جب کہ میرے تخت پر بیٹھنے کی رسم ادا ہوئی ۔ ان کی مجموعی قیمت پینسٹھ ہزار روپے ہے ۔ اس کے علاوہ ہاتھی کی سواری کا ایک طلائی تخت جسے لوگ ہودہ کہتے ہیں ، جو تیس ہزار روپے میں بنایا گیا ہے ۔ دو بڑے ہاتھی مع طلائی سازوسامان کے ، پانچ ہاتھیوں کے جھول جو قطب الملک[1] حاکم گولکنڈہ نے بطور پیش کش شاہجہان کو پیش کیے تھے ۔ ان میں ایک ہاتھی کا نام داد الٰہی تھا ۔ چونکہ یہ نوروز کے دن فیل خانۂ شاہی میں داخل ہوا تھا ، اس لیے میں نے اس کا نام نور نوروز رکھا ۔ بلاشبہ یہ نہایت شاندار ، قوی ہیکل اور بڑا ہاتھی ہے ، جو اپنے جُثّے ، خوبصورتی اور وقار میں کوئی کمی نہیں رکھتا ۔ چونکہ یہ ہاتھی مجھے بہت پسند آیا ، اس لیے خود میں نے اس پر سوار ہوکر اسے دولت خانے کے صحن میں پھرایا ۔ اس ہاتھی کی قیمت اسّی ہزار روپے لگائی گئی ، اور دوسرے چھ ہاتھیوں کی قیمت بیس ہزار روپے ۔ اس فرزند نے نور نوروز ہاتھی کا جو تمام سازوسامان دیا تھا ، سب سونے کا تھا ، یہاں تک کہ اس کی زنجیر تک سونے کی تھی ۔ اس ساز وسامان کی قیمت کا اندازہ تیس ہزار روپے لگایا گیا ۔ دوسرا ہاتھی چاندی کے ساز و سامان کے ساتھ ہے ۔ اس کے علاوہ دس ہزار مالیت کے دوسرے متفرق پسندیدہ جواہرات بھی تھے اور گجرات کے بنے ہوئے نفیس کپڑے بھی ، جنھیں اس فرزند کے ملازم بافندوں نے بُنا تھا ۔ اگر اس کی تفصیل لکھی جائے تو طوالت

۱- سلطان محمد قطب شاہ (۱۶۱۲ع تا ۱۲۲۶ع) مراد ہے ۔

کا باعث ہوگا۔ مختصر یہ کہ اس کا مجموعی پیش کش چار لاکھ پچاس ہزار روپے کا مالیتی تھا ، اللہ تعالیٰ اس کی عمر اور اقبال میں برکت عطا فرمائے ۔

۲ ماہ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو جمعہ کے دن [266] شجاعت خاں عرب (۱) اور نورالدین قلی کوتوال (۲) نے اپنے پیش کش میرے ملاحظے سے گزرانے ۔

۳ ماہ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن داراب خاں ولد خانخاناں نے اپنا پیش کش میری نظر سے گزرانا ۔

۴ ماہ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو اتوار کے دن خانجہاں نے ضیافت کی التجا کی ، اور اپنا پیش کش میرے ملاحظے سے گزرانا ۔ اس کے پیش کش میں ایک موتی تھا جو چوبیس ہزار روپے میں خریدا گیا تھا ، اور دوسری نفیس چیزیں جن کی مجموعی قیمت ایک لاکھ تیس ہزار روپے تھی ، مجھے پسند آئیں ۔ بقیہ سامان میں نے اس کو بخش دیا ۔

۵ ماہ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو پیر کے دن راجا کشن داس اور حاکم خاں نے ، ۶ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو منگل کے دن سردار خاں نے ، ۷ ماہ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن مصطفیٰ خاں اور امانت خاں نے اپنے اپنے پیش کش نظر سے گزرانے ۔ ان تمام پیش کشوں میں سے صرف چند اشیا میں نے ان کی سرفرازی کے لیے قبول کر لیں ۔

اعتمادالدولہ کا جشن :

۸ ماہ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن اعتماد الدولہ نے اپنے گھر میں ایک جشن شاہانہ منعقد کر کے دعوت کی التجا کی ۔ میں نے اس کی التجا کو قبول کر کے اس کے مرتبے کو بلند کر دیا ۔ بلاشبہ اس نے اپنی مجلس کو آراستہ کرنے اور اپنے پیش کش کو بڑھانے اور پرتکلف بنانے میں خاص توجہ کی تھی ۔ تالاب کے اردگرد جہاں تک نظر کام کرتی تھی ، اور گلی کوچوں کو جہاں تک کہ وہ دور اور نزدیک سے دکھائی دیتے تھے ، قسم قسم کے فانوسوں اور چراغوں سے روشن کیا گیا تھا ۔ اس مدار سلطنت کے پیش کش میں ایک نہایت نفیس تخت ہے ، جو سونے اور چاندی سے بنایا گیا ہے ، اور اس کے بنانے میں نہایت تکلف اور نفاست سے کام

لیا گیا ہے ۔ اس کے پائے شیر کے مشابہ بنائے گئے ہیں ، جو تخت کو اٹھائے ہوئے ہیں ۔ یہ تخت تین سال کی مدت میں مکمل ہوا ہے ، اور چار لاکھ پچاس ہزار روپے اس پر لاگت آئی ہے ۔ اس تخت کو ہنر مند نامی ایک فرنگی کاریگر نے بنایا ہے ، جو زرگری ، نگینہ سازی اور دیگر فنون میں اپنا ثانی نہیں رکھتا ۔ بلاشبہ اس نے یہ تخت نہایت خوب بنایا ہے ۔ میں نے اُسے ہنرمند کا خطاب عطا کیا ہے ۔ اعتماد الدولہ نے اس پیش کش کے علاوہ ، جو وہ میرے لیے لایا تھا ، ایک لاکھ روپے کی قیمت کے مرصع آلات ، اور دوسری نفیس اشیا بھی ، بیگمات اور محل کی خواتین کے لیے پیش کیں ۔ بلا مبالغہ حضرت عرش آشیانی کے ابتدائے عہدِ سلطنت سے لے کر آج تک ، جب کہ میرے عہدِ سلطنت کا چودھواں سال ہے ، بڑے امرا میں سے کسی نے بھی ایسا پیش کش پیش نہیں کیا ۔ فی الواقع دوسروں کو اس سے کوئی نسبت نہیں ۔

اسی دن اکرام خان ولد اسلام خان کو دو ہزاری ذات و ہزار سوار کے منصب سے اصل و اضافے کے ساتھ ترقی دی ۔

انی رائے سنگھ دلن کو دو ہزاری ذات و ہزار و شش صد سوار کے منصب پر اصل و اضافے کے ساتھ سرفراز کیا ۔

۹ ماہ فروردیں ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو جمعہ کے دن اعتبار خان کا پیش کش نظر سے گزرا ۔

خانِ دوراں کو پٹنہ کی حکومت :

اسی تاریخ کو خان دوراں کو گھوڑا اور ہاتھی عنایت کر کے پٹنے[۱] کی حکومت پر روانہ کیا ، اور اس کا منصب حسب سابق شش ہزاری ذات و پنج ہزار سوار برقرار رکھا ۔

۱۰ ماہ فروردیں ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن ، فاضل خان نے ، ۱۱ ماہ فروردیں کو اتوار کے دن میر میراں نے ، ۱۲ فروردیں کو پیر کے دن

---

۱ - پٹنہ کی بجائے ٹھٹھہ ہونا چاہیے ۔ چناں چہ اس سال کے واقعات میں جہاں جہانگیر ، خان دوراں کے استعفٰی کا ذکر کرتا ہے ، وہاں وہ بالکل واضح طور پر اسے ٹھٹھہ (سندھ) کا صوبے دار لکھتا ہے ۔

اعتماد خاں نے ۳ فروردین کو منگل کے دن، تاتار خاں اور انی رائے سنگھ دلن نے اور ۴ فروردین کو بدھ کے دن میرزا راجا بھاؤ سنگھ نے اپنا اپنا پیش کش میرے ملاحظے سے گزرانا۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کے پیش کش میں سے نہایت نفیس اور نادر اشیا قبول کر لیں، باقی ان کو بخش دیں۔

آصف خاں کی عزت افزائی:

۵ ماہ فروردین ۲۸ ہ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن آصف خاں نے اپنے گھر میں، جو نہایت نفیس اور دل کش مقام پر واقع ہے، ایک نہایت شان دار مجلس اور شاہانہ جشن کا اہتمام کر کے مجھ سے ضیافت قبول کرنے کی درخواست کی۔ میں نے اس کی درخواست قبول کر لی اور محل والوں کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ اس رکن سلطنت نے میری شرکت کو عطیۂ غیبی سمجھ کر اپنے پیش کش کے بڑھانے چڑھانے اور آرائش محفل میں بڑے تکلفات کیے تھے۔ میں نے گراں بہا جواہر، زربفت کے نفیس کپڑے اور انواع و اقسام کے وہ تحفے، جو مجھے پسند آئے، لے لیے، بقیہ اس کو واپس کر دیے۔ اس کے قبول کیے ہوئے پیش کش میں ایک لعل ہے، جس کا وزن ساڑھے بارہ ٹانک ہے، جو ایک لاکھ پچیس ہزار روپے میں خریدا [267] گیا تھا۔ اس کے مجموعی پیش کش میں سے جو چیزیں مجھے پسند آئیں، ان سب کی قیمت ایک لاکھ سڑسٹھ ہزار روپے تھی۔

اسی تاریخ خواجہ جہان کو منصب پنج ہزاری ذات و دو ہزار و پانصد سوار سے سرفراز کیا۔ میرے حسب الحکم لشکر خاں نے دکن سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔ میرے دل میں خیال تھا کہ برسات کا موسم گزرنے اور خوش گوار موسم کے شروع ہونے پر کشمیر کے سدا بہار باغوں کی سیر کروں، اور جس طرح اجمیر جاتے ہوئے دستور کے مطابق آگرہ اور آگرے کے قلعے کی حفاظت اور اطراف و نواح کی فوج داری خواجہ جہان کے سپرد کی تھی، اس مرتبہ یہ سارا انتظام لشکر خاں کو تفویض کروں اور یہ انتظام نامناسب نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اس خوش خبری سے لشکر خاں کو آگاہ کر دیا۔

امانت خاں کو میں نے داروغگی داغ[1] اور خود محلہ سواروں کو میری نظر سے گزارنے والوں کا داروغہ مقرر کیا۔

۱۶ ماہ فروردیں ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو جمعہ کے دن خواجہ ابوالحسن میر بخشی کا، ۱۷ ماہ فروردیں کو ہفتے کے دن صادق خاں بخشی کا، ۱۸ فروردیں کو اتوار کے دن ارادت خاں میر سامان کا اور ۱۹ فروردیں کو پیر کے دن، جب کہ جشن شرف کا دن تھا، عضدالدولہ کا پیش کش نظر سے گزرا۔ ان میں سے ہر ایک کے پیش کش میں سے جو چیزیں مجھے پسند آئیں، ان کی دلجوئی کی خاطر میں نے انھیں قبول کر لیا۔ اس نوروز کے موقع پر جو پیش کش امرا اور درباریوں نے پیش کیے اور وہ قبول کیے گئے، ان کی مجموعی مالیت بیس لاکھ روپے لگائی گئی۔

۱۹ ماہ فروردیں ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو شرف کے دن شاہزادہ سلطان پرویز کو اصل و اضافے کے ساتھ منصب بست ہزاری ذات و دہ ہزار سوار عنایت کیا۔

اعتمادالدولہ کو منصب ہفت ہزاری ذات و سوار سے مفتخر کیا۔

عضدالدولہ کو میں نے قرۃ العین خلافت شاہ شجاع کی اتالیقی پر مقرر کیا۔ خدائے تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ عمر طبعی کو پہنچے گا اور خوش نصیب اور صاحب اقبال ہوگا۔

قاسم خاں کو منصب ہزار و پانصدی ذات و پانصد سوار سے اور باقر خاں کو منصب ہزاری ذات و چہار صد سوار سے سرفراز کیا۔

چوں کہ مہابت خاں نے صوبۂ بنگش کی مہم کے لیے کمک کی درخواست کی تھی، میں نے اس کی کمک کے لیے صوبۂ بنگش میں پانسو احدی سوار مقرر کیے۔

عزت خاں کو، جس نے صوبۂ بنگش میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں، ہاتھی اور مرصع کھپوہ سے سرفراز کیا۔

ہمایوں کی ایک خطی کتاب کی پیش کش:

ان ہی دنوں عبدالستار نے ایک مجموعۂ تحریر، جو حضرت جنت آشیانی

۱- داروغگی داغ: گھوڑوں کے داغ دینے والوں کا داروغہ۔

انار اللہ برہانہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور بعض دعاؤں اور نجوم اور دوسرے عجیب و غریب امور پر مشتمل ہے ، بطور پیش کش گزرانا ۔ ان میں سے اکثر اُن کے آزمودہ اور ذاتی تجربے سے صحیح ثابت ہو چکے ہیں ۔ اسی وجہ سے انہوں نے اس مجموعے میں درج کر دیا ہے ۔ حضرت جنت آشیانی کی اس مبارک تحریر کو دیکھ کر میں نے اپنے میں جو مسرت اور ولولہ محسوس کیا ، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اپنی عمر میں ایسا بہت کم محسوس کیا ہے ۔ میں اس مجموعے کو حاصل کر کے بہت محظوظ ہوا ۔ خدا کی قسم ! میرے نزدیک کوئی تحفہ اس تحفے کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ اس خدمت کے صلے میں میں نے اس کے منصب کو اس قدر بڑھا دیا جو اُس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا ۔ اس کے علاوہ ایک ہزار روپے میں نے اس کو بطور انعام دیے ۔

ہنرمند فرنگی کو ، جس نے مرصع تخت بنایا تھا ، تین ہزار درب بطور انعام دیے اور گھوڑے اور ہاتھی سے سرفراز کیا ۔

خواجہ خاوند محمود کو ، جو خواجگان کے سلسلے میں منسلک ہے اور درویشی و فقر سے خالی نظر نہیں آتا ، میں نے ہزار روپے عنایت کیے ۔

لشکر خان نے منصب سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار سے سربلندی حاصل کی ۔

معمور خان نے منصب نہ صدی ذات و چہار صد و پنجاہ سوار ، اور خواجگی طاہر نے منصب ہشت صدی ذات و سہ صد سوار ، اور سید احمد قادری نے منصب ہشت صدی و شصت سوار سے سرفرازی حاصل کی ۔

راجا نرسنگھ دیو نے منصب ہفت صدی ذات و سہ سوار سے ، عضدالدولہ کے بیٹے میر خلیل اللہ نے شش صدی ذات و دو صد و پنجاہ [268] سوار سے ، فیروز خان خواجہ سرا نے منصب شش صدی و یک صد و پنجاہ سوار سے ، خدمت خان نے منصب پانصدی و پنجاہی و یک صد و سی سوار سے ، محرم خان نے منصب پانصدی و یک صد و بست سوار سے ، عزت خان نے منصب شش صدی ذات و یک صد سوار سے ، رائے نیوالی داس داروغۂ فیل خانہ نے منصب شش صدی ذات و یک صد و بست سوار سے ، اور رائے مانی داس داروغۂ محل نے منصب شش صدی ذات و یک صد سوار سے سربلندی حاصل کی ۔

کشن سنگھ کے بیٹوں تتھمل اور جگمل نے منصب پانصدی و دو صد و

بست و پنج سوار کے منصب سے سرفرازی حاصل کی ۔

اگر ان تمام منصب داروں کے اضافے کو شمار کیا جائے جو پانسو یا اس سے کمتر کا منصب رکھتے تھے ، تو بات طویل ہو جائے گی ۔

خضر خان[۱] متعینہ خاندیش کو دو ہزار روپے بطور انعام عنایت کیے ۔

ہانکے کا شکار :

۲۰ ماہ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن شکار کے لیے امان آباد کی طرف روانہ ہوا ۔ اس سے چند روز قبل خواجہ جہان اور قیام خان قراول باشی نے میرے حسب الحکم ہانکے کے شکار کے لیے ایک وسیع و عریض مقام منتخب کرکے اسے سرا پردوں سے گھیر لیا تھا اور بے شمار ہرن جنگل کے اطراف سے اس محصور احاطے میں ہانکے گئے تھے ۔ چوں کہ میں نے عہد کیا تھا کہ اس کے بعد سے کسی جاندار کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گا ، اس لیے میں نے سوچا کہ ان کو زندہ پکڑ کر فتح پور کے میدان چوگان میں رکھا جائے ، اس طرح شکار کا ذوق بھی پورا ہو جائے اور عہد کے مطابق ان میں سے کسی کو آزار بھی نہ پہنچے ۔ اس ارادے کی بنا پر میں نے اپنے سامنے سات سو ہرن پکڑوا کر فتح پور بھجوائے ۔ چوں کہ میرے دارالخلافہ آگرہ میں پہنچنے کا زمانہ قریب تھا ، اس لیے میں نے رائے مان خدمتیہ (۲) کو حکم دیا کہ شکار گاہ سے لے کر فتح پور کے میدان چوگان تک دو رویہ سرا پردے کھینچ کر گلی کی طرح راستہ بنایا جائے ، اور ہرنوں کو اس راستے ہنکا کر میدان تک پہنچایا جائے ۔ چناں چہ تقریباً آٹھ سو ہرن اس طریقے پر وہاں پہنچائے گئے ۔ سابق ہرنوں کو ملا کر ان کی مجموعی تعداد ایک ہزار پانسو ہو گئی ۔

۲۸ ماہ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو کم شنبہ (بدھ) کی رات کو امان آباد سے کوچ کرکے بوستان سرائے میں قیام کیا ۔

۲۹ ماہ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو شب مبارک شنبہ (جمعرات) میں بوستان سرائے سے کوچ کرکے نور باغ میں قیام کیا ۔

۱- خضر خان ، خاندیش کے شاہی خاندان سے متعلق تھا ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۸۳)

شاہجہان کی والدہ کی وفات :

۳۰ ماہ فروردین ۱۰۲۸ھ (۱۹ ۱۶ء) شاہجہان کی والدہ (۲) رخمت حق سے جا ملی ، دوسرے روز میں تعزیت کے لیے فرزند شاہجہان کے گھر گیا ، اور مختلف طریقے پر اس کی دلجوئی کرکے اُسے دلاسہ دیا اور اپنے ہمراہ دولت خانے لے آیا .

دارالخلافہ آگرہ میں ورود :

یکم اردی بہشت ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو اتوار کے دن نجومیوں اور جوتشیوں کی مقرر کردہ مبارک گھڑی کے مطابق دلیر نامی ہاتھی پر سوار ہوکر تبریک و سلامتی کے ساتھ شہر آگرہ میں داخل ہوا . میری آمد کے انتظار میں کوچہ و بازار اور در و دیوار پر لوگ جمع ہوکر میرا انتظار کر رہے تھے . دستور کے مطابق میں دولت خانے تک روپے نچھاور کرتا ہوا گیا .

سلطان پرویز کی طلبی :

اس تاریخ سے ، جب کہ میں فتح دکن کی مہم پر روانہ ہوا تھا ، اب تک جب کہ فتح و کامرانی کے ساتھ لوٹ کر آیا ہوں ، پانچ سال ، سات ماہ اور نو دن کا عرصہ ہوا ہے ، اس لیے میں نے سلطان پرویز کے نام فرمان بھیجا کہ اگر اُسے حاضر خدمت ہونے کی آرزو ہو تو اس فرمان کے پہنچتے ہی میری بارگاہ میں حاضر ہو جائے کیوں کہ وہ ایک مدت سے خدمت میں حاضر ہونے سے محروم ہے ، اور اُسے میری آستان۔ بوسی کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی . اس فرمان کے ملتے ہی پرویز فرمان کو اشارۂ غیبی سمجھتے ہوئے فوراً دربار کی طرف روانہ ہو گیا .

میں نے اس سال مدد معاش کے طور پر فقرا اور مستحقین کو چوالیس ہزار سات سو چھیاسی بیگھہ زمین اور دو سالم گاؤں کا دروبست اور تین سو بیس خروار[1] کشمیر کا غلہ اور سات کابل کے آوزدہ ہل عنایت کیے . امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ لوگوں کی مرادیں پوری کرنے اور خیرخواہی کی توفیق [269] عطا فرمائے گا .

۱- خروار : وہ بوجھ جو گدھا اٹھا سکے یا اتنا بڑا ڈھیر جو گدھے کے قد کے برابر ہو (غیاث) .

اللہ داد پسر جلال خان کی بغاوت کی تفصیل

اس زمانے کے اہم واقعات میں سے جلال خان افغان کے بیٹے اللہ داد کی بغاوت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب صوبہ بنگش کا نظم ونسق درست کرنے اور افغانوں کا قلع قمع کرنے کے لیے مہابت خان کو مقرر کیا گیا، تو اس نے اس بدبخت اللہ داد کو یہ گمان کرکے اپنے ساتھ لے جانے کی استدعا کی کہ شاید یہ بدنصیب ان نوازش شاہانہ و مراحم خسروانہ کی وجہ سے، جو اس کے شامل حال رہی ہیں، قابل قدر خدمات انجام دے گا۔ چنانچہ وہ اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ چونکہ ان نمک حراموں کی سرشت میں ناحق شناسی، نفاق اور بداندیشی مرکوز ہے، اس لیے میں نے حزم اور احتیاط کی بنا پر مہابت خاں کو حکم دیا تھا کہ وہ اس کے بیٹے اور بھائی کو دربار میں بھجوا دے تاکہ وہ بطور یرغمال کے میرے حضور میں رہیں۔ جب وہ دربار میں بھیج دیے گئے، تو میں نے اللہ داد کے اطمینان خاطر اور دلاسے کے لیے ان کو انواع واقسام کی نوازشوں اور مہربانیوں سے نوازا، لیکن کسی نے سچ کہا ہے:

گلیم بخت کسی را کہ بافتند سیاہ
بآب زمزم و کوثر سفید نتوان کرد

جس تاریخ سے یہ بدبخت اس سرزمین میں پہنچا، اس سے بدخواہی، حق ناشناسی اور نفاق کے آثار ظاہر ہونے لگے، لیکن مہابت خاں نے انتظامی مصالح کی بنا پر اس کی مدارات کو ہر موقع پر برقرار رکھا، یہاں تک کہ اسی زمانے میں جب اس نے افغانوں کے ایک سرکش گروہ کے مقابلے کے لیے اپنے بیٹے کی سرداری میں ایک لشکر بھجوایا، تو اللہ داد کو بھی اس کے ہمراہ کیا۔ یہ لشکر منزل پر پہنچ گیا اور ضروری جد و جہد شروع کر دی لیکن اس کی منافقت اور بدخواہی کی وجہ سے یہ یورش کماحقہ انجام کو نہ پہنچ سکی اور یہ لشکر حصول مقصد کے بغیر لوٹ آیا۔ بدفطرت اللہ داد نے یہ سوچ کر کہ کہیں اس مرتبہ ایسا نہ ہو کہ مہابت خاں مدارات کی روش کو ترک کرکے تحقیق اور بازپرس کے طریقے کو اختیار کرے، اور اس طرح وہ اپنے کیے ہوئے پر سزا کی مصیبت بھگتنے میں گرفتار ہو جائے۔ اس لیے اس نے شرم و حیا کے پردے کو بالائے طاق رکھ کر بغاوت اور نمک حرامی کو، جسے وہ اب تک چھپائے ہوئے تھا، بے اختیار ظاہر کر دیا۔

جب مہابت خاں کی عرضداشت سے مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے حکم دیا کہ اس کے بیٹے اور بھائی کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا جائے ۔ اتفاق دیکھیے کہ اس بدبخت اللہ داد کا باپ بھی حضرت عرش آشیانی کے حضور سے بھاگ گیا تھا ، اور سالہا سال چوریاں کر کے اور ڈاکے ڈال کر زندگی بسر کرتا رہا ، یہاں تک کہ اپنی بد اعمالی کی سزا میں گرفتار ہوا ۔ امید ہے کہ یہ بدنصیب بھی جلدی اپنے کیے کی سزا بھگتے گا ۔

۱۵ اردی بہشت ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن رادت شنکر کے بیٹے مان سنگھ کو، جو صوبہ بہار کے متعینہ منصبداروں میں سے ہے ، میں نے منصب ہزاری ذات و شش صد سوار سے سرفراز کیا ۔

عاقل خاں کو بنگش کی مہم پر متعینہ سواروں کے دیکھنے ، اور منصب داروں کی جمعیت کے تحقیق حال کے لیے روانہ کیا ، اور ایک ہاتھی اسے عنایت کیا ۔ مہابت خاں کے لیے دوست بیگ کے ہاتھ ایک مازندرانی طرز کا خنجر بھجوایا ۔

محمود آبدار کو ایک روز کے پیش کش بطور انعام :

۱۹ اردی بہشت ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو پیر کے دن جو پیش کش میرے روبرو گزرانے گئے ، وہ میں نے محمود آبدار کو ، جو میرے بچپن اور شاہزادگی کے زمانے سے میرا خدمت گزار ہے ، بطور انعام کے دے دیے ۔

بیژن[1] کو ، جو پاینده خان مغل کا رشتہ دار ہے ، منصب ہفت صدی ذات و چہار صد و پنجاہ سوار سے ممتاز کیا ۔

خواجہ جہان کے بھائی محمد حسین کو ، جو کانگڑہ کی بخشی گری پر متعین ہے ، منصب شش صدی و چہار صد و پنجاہ سوار عنایت کیا ۔

اسی تاریخ میں تربیت خان[2] نے ، جو اس سلطنت کے موروثی خانہ زادوں میں

۱۔ یہ ناد علی میدانی کا بیٹا ہے ۔ بعضوں نے یہ نام بیزن لکھا ہے اور بعض قیاس کو میران سمجھتے ہیں (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۸۶) ۔

۲۔ تربیت خان کا نام عبدالرحیم ہے اور اس کا باپ قاسم خان تھا اور اس کی بہن صالحہ بانو ، جہانگیر کی بیوی تھی اور نورجہاں سے پہلے خاص محل ہوتی تھی ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۸۶) ۔

تھا اور اپنی نیک نیتی کی وجہ سے امرا کی سلک میں منسلک ہو گیا تھا ، وفات پائی ۔ اس کی زندگی نامرادی اور بے راہ روی سے بھری ہوئی ہے ، عیاش منش نوجوان تھا ، وہ چاہتا تھا کہ تمام عمر عیش و عشرت میں گزارے ۔ ہندوستانی موسیقی کی طرف اس کو بہت رغبت تھی ۔

راجا سورج سنگھ (۵) منصب دو ہزاری ذات و سوار سے سرفراز ہوا ۔

علی‌مردان خاں بہادر (۶) کے بیٹے کرم اللہ (۷) [270] ، باقر خاں فوج دار ملتان ، ملک محب افغان اور مکتوب خاں کو ہاتھی عنایت کیے ۔

سید بایزید بخاری کو بھی جس کے سپرد قلعۂ بکھر کی حفاظت اور وہ اس علاقے کا فوج دار ہے ، ہاتھی عنایت کیا ۔

سہابت خاں کے بیٹے امان اللہ کو بھی مرصع خنجر بطور انعام عطا کیا ۔

شیخ احمد ہانسوی ، شیخ عبداللطیف سنبھلی ، فراست خاں خواجہ سرائے اور رائے کنور چند مستوفی کو ہاتھی عنایت کیے ۔

محمد شفیع بخشی صوبۂ پنجاب کو منصب پانصدی ذات و سہ صد سوار سے سرفراز کیا ۔

مہتر خاں (۸) کے بیٹے مونس (۹) کو جس کے سپرد قلعۂ کالنجر کی حفاظت ہے ، منصب پانصدی ذات و یک صد و پنجاہ سوار عنایت کیا ۔

شاہ نواز خاں کی وفات :

اسی تاریخ [۹ اردی بہشت ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء)] کو سپہ سالار خانخاناں کے بیٹے شاہ نواز خاں کی وفات کی خبر دلی افسردگی کا باعث ہوئی ۔ پچھلی مرتبہ جب خانخاناں مجھ سے رخصت ہوا تھا تو میں نے اسے تاکید سے کہا تھا کہ میرے کان میں بار بار یہ بات پہنچ رہی ہے کہ شاہ نواز خاں شراب کا دل دادہ ہوگیا ہے اور کثرت سے شراب پیتا ہے ۔ اگر واقعی یہ بات سچ ہے تو افسوس ہے کہ وہ اس عمر میں اپنے آپ کو ضائع کر رہا ہے ۔ اسے چاہیے کہ وہ اسے اس حال میں نہ چھوڑے ، اور اس کے حالات کی مناسب نگرانی کرے ۔ اگر وہ خود اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تو پھر صاف صاف اپنی عرضداشت میں لکھے ، تاکہ میں شاہ نواز خاں کو اپنے حضور میں طلب کرکے اس کی اصلاح کی طرف توجہ کروں ۔ جب خانخاناں برہان پور پہنچا تو اس نے شاہ نواز خاں

کو نہایت کمزور اور زبوں حالت میں پایا . اس نے اس کے علاج کی طرف توجہ کی لیکن کچھ دن کے بعد شاہ نواز خان صاحبِ فراش ہو گیا اور بسترِ ناتوانی پر پڑ گیا . ہر چند اطبّاء نے اس کا علاج و معالجہ کیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا . آخر عین جوانی اور خوش حالی کے زمانے میں صرف تینتیس سال کی عمر میں رحمتِ حق سے جا ملا . اس بری خبر سے مجھے نہایت افسوس ہوا . بلاشبہ وہ ایک اچھا خانہ زاد ملازم تھا . کیا اچھا ہوتا کہ وہ زندہ رہتا اور اس سلطنت کی عمدہ خدمات انجام دے کر اپنے گہرے اثرات چھوڑ جاتا . اگرچہ سب کو یہ راہ پیش آنے والی ہے ، اور قضا و قدر کے فرمانِ مرگ سے کس کو چارہ اور جائے مفر ہو سکتا ہے ؟ لیکن اس طرح کی موت افسوس ناک ہے . اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس کی مغفرت فرمائے .

میں نے تعزیت کے لیے راجا سارنگ دیو (۱۰) کو جو میرے مقرب خدمت گاروں اور مزاج داں ملازموں میں ہے ، خانخاناں کے پاس بھجوایا ، اور انواع و اقسام کی نوازشوں سے اس کی دل جوئی کی . شاہ نواز خاں کے منصب پنج ہزاری کو اس کے بھائیوں اور بیٹوں میں تقسیم کر کے ان سب کے مناصب کو بڑھا دیا . اس کے چھوٹے بھائی داراب خاں کو اصل و اضافے کے ساتھ پنج ہزاری ذات و سوار سے سرفراز کر کے خلعت ، ہاتھی ، گھوڑے اور شمشیر مرصع سے امتیاز بخشا ، اور اسے اس کے باپ کے پاس بھجوا دیا کہ وہ اس کو بجائے شاہ نواز خاں کے برار و احمدنگر کا صوبے دار مقرر کرے .

اس کے دوسرے بھائی رحمان داد کو منصب دو ہزاری و ہشت صد سوار سے سر بلند کیا .

منوچہر ولد شاہ نواز خان کو منصب دو ہزاری ذات و ہزار سوار سے سرفراز کیا .

طغرل ولد شاہ نواز خاں کو منصب ہزاری ذات و پانصد سوار سے ممتاز کیا .

۱۲ اردی بہشت ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن اعتمادالدولہ کے رشتہ دار قاسم خاں کو علم سے سرفراز کیا .

سید حاجی کے بیٹے اسد اللہ کو ، جو ملازمت کے لیے آیا تھا ، منصبِ پانصدی ذات و یک صد سوار عنایت کیا .

مرحوم مرتضیٰ خاں کے عزیز صدر جہاں کو منصب ہفت صدی ذات و

شش صد سوار سے نواز کر سنبھل کا فوج دار مقرر کیا اور ہاتھی عنایت کر کے رخصت [271] کیا۔

بھارت بندیلہ (۱۱) کو منصب شش صدی ذات و چہار صد سوار سے ممتاز کیا اور ہاتھی عنایت کیا۔

جموں کے راجا سنگرام (۱۲) کو بھی ہاتھی عنایت کیا۔

میں جس زمانے میں احمد آباد میں تھا، اس زمانے میں میری سرکار میں دو مار خور بکرے تھے۔ چوں کہ ان کی مادہ نہ تھی جس سے جوڑا ملا سکیں، اس لیے مجھے خیال ہوا کہ بربری بکری کے ساتھ ان کا جوڑا ملا کر دیکھا جائے جو عموماً عربستان اور خاص کر شہر درخا[1] کی بندرگاہ سے لائی جاتی ہے کہ ان کی نسل کیسی ہوتی ہے؛ چناں چہ میں نے ان کا سات بربری بکریوں سے جوڑا ملایا۔ چھ ماہ گزرنے کے بعد جب میں فتح پور میں تھا، ہر ایک کے ایک ایک بچہ پیدا ہوا۔ یہ ساتوں بچے، جن میں سے چار مادہ اور تین نر ہیں، نہایت خوبصورت، خوش رنگ اور قوی ہیں۔ ان بچوں میں مار خور بکرے کی جو مشابہت ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی پیٹھ پر سمند گھوڑے کی طرح کالے کالے دھبے ہیں۔ ان کے جسم پر جو سرخ رنگ ہے، وہ دوسرے سرخ رنگوں سے نہایت بہتر ہے۔ اس رنگ میں نہایت آب و تاب ہے اور اس رنگ سے ان میں زیادہ اصالت جھلکتی ہے۔ ان کی شوخیوں اور دوسری دلچسپ حرکتوں اور طرح طرح کی اُچھل کود کے متعلق کیا تحریر کیا جائے۔ یہ ایسی ادائیں دکھاتے ہیں کہ دل بے اختیار ان کے دیکھنے کی طرف رغبت کرتا ہے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ مصور بکریوں کے بچوں کی اچھل کود کی اداؤں کی اچھی طرح تصویر نہیں کھینچ سکتے۔ ان کو دیکھ کر یقین ہوا کہ اگر کسی طرح مصور بکری کے بچوں کی اُچھل کود کی تصویر بنا بھی لے، تب بھی اُسے ان کی اُچھل کود کی اداؤں کی تصویر کشی میں اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

ان میں سے ایک بچہ جو ابھی ایک ماہ بلکہ بیس دن کا ہے، اونچے مقام سے اس طرح زمین پر کودتا ہے کہ اگر اس طرح سے کوئی دوسرا حیوان زمین پر

۱- جنوب عرب کا مشہور شہر ہے۔ اس کا قدیم نام ذفر یا ذوفر تھا۔ اس کو آج کل مربت کہتے ہیں۔ (رک: ہیورج، ج ۲: ص ۸۸)

کود پڑے تو اس کا ایک عضو بھی سلامت نہ رہے ۔ چوں کہ مجھے اس بچے کی ادائیں پسند آئیں ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ اسے ہمیشہ میرے پاس رکھا جائے ۔ میں نے ان بچوں میں سے ہر ایک کا نام اُس کی مناسبت سے رکھا ہے ۔ میں انھیں دیکھ کر نہایت خوش ہوتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ مار خور بکروں اور اصیل بکریوں سے جوڑے ملا کر ان کی نسل بڑھائی جائے ، تا کہ اس قسم کی بکریاں اور بکرے عام لوگوں کو بھی میسر ہوں ۔ ان بچوں کے جوان ہونے پر ، جب ان کے ایک دوسرے سے جوڑے ملائے جائیں گے تو گمان غالب ہے کہ نہایت اچھی نسل پیدا ہوگی ۔ ان بچوں کی خصوصیت و امتیاز میں سے ایک یہ ہے کہ بکریوں کے عام بچے پیدا ہونے کے فوراً بعد ہی اگر ماں کے تھنوں کو منہ نہ لگائیں اور دودھ نہ پئیں تو اُس وقت تک نہایت بے چین و مضطرب رہتے ہیں ، بخلاف ان کے یہ بچے ہرگز آواز نہیں نکالتے اور نہایت استغنا اور بے نیازی کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں ۔ شاید ان کا گوشت بھی لذیذ ہو ۔

مقرب خاں کی صوبہٗ بہار پر نامزدگی :

اس سے قبل میں نے فرمان جاری کیا تھا کہ مقرب خاں کو بہار کا صوبیدار مقرر کیا جاتا ہے اور وہ اس فرمان کے ملتے ہی فوراً اُس طرف روانہ ہو جائے ۔ چناں چہ اس فرمان کے ملتے ہی اس نے بہار کی طرف روانہ ہونے کے لیے میری بارگاہ میں حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ اس بنا پر میں نے اس کو مبارک شنبہ (جمعرات) ۲ خورداد ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ایک ہاتھی مع ساز و سامان کے ، دو گھوڑے اور مرصع کھپوہ عنایت کر کے رخصت کیا اور پچاس ہزار روپے بطور مدد خرچ کے اُسے دیے ۔

اسی تاریخ کو سردار خاں کو خلعت ، گھوڑے اور ہاتھی سے سرفراز کر کے اور مونگیر کا جاگیردار مقرر کر کے ، جو صوبۂ بہار و بنگال میں ہے ، رخصت کیا ۔

قطب الملک کے لیے اپنی تصویر کی روانگی :

قطب الملک کا وکیل میر مشرف[1] جو دربار میں آیا ہوا تھا ، رخصت

۱- میر مشرف : یہ نام بعد میں اسی صفحے پر میر شریف مندرج ہے ، جو صحیح ہے ۔ اس کی تائید اور نسخوں سے بھی ہوتی ہے ۔ (س)

ہونے لگا ۔ فرزند اقبال مند شاہجہان نے اپنے دیوان افضل خاں کے بھائی کو اس کے ہمراہ جانے کے لیے متعین کیا ۔ چوں کہ قطب الملک نے کئی مرتبہ اخلاص و عقیدت کے ساتھ میری تصویر کے لیے خواہش ظاہر کی تھی ، لہٰذا میں نے اس کی التجا پر اپنی تصویر ایک جڑاؤ کھپوہ اور پھول کٹارہ کے ساتھ اس کے لیے میر مشرف کے حوالے کی ، اور چوبیس ہزار درب ، مرصّع خنجر ، گھوڑا اور خلعت میر شریف کو عنایت کیا ۔

فاضل خاں [272] دیوان بیوتات کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

حکیم رگناتھ (۱۳) کو شش صدی ذات و شصت صد سوار کے منصب سے نوازا ۔

حضرت عرش آشیانی کا عرس :

ان ہی دنوں حضرت عرش آشیانی کا عرس تھا ۔ میں نے پانچ ہزار روپے معتبر ملازموں کے حوالے کیے کہ وہ اس موقع پر یہ روپیہ فقرا اور مستحقین میں تقسیم کریں ۔

حسن علی خاں کو جو سرکار مونگیر کا جاگیردار تھا ، دو ہزار و پانصدی ذات و سوار کے منصب سے سرفراز کر کے ابراہیم خاں فتح جنگ ، صوبیدار بنگال کا مددگار مقرر کیا اور ایک تلوار اس کو عنایت کی ۔

چوں کہ میرزا شرف الدین حسین کا شغری مہم بنگش میں اپنی خدمت کو ادا کرتے ہوئے جان نثار کر چکا تھا ، میں نے اس کے بیٹے ابراہیم حسین کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

ان ہی دنوں ابراہیم خاں نے دو کشتیاں ، جنھیں اہل بنگال کی اصطلاح میں کوشہ کہا جاتا ہے ، بطور پیش کش بھجوائیں ، جو میرے ملاحظے سے گزریں ۔ ان میں سے ایک کی نشست گاہ سونے کی اور دوسری کی نشست گاہ چاندی کی بنائی گئی ہے ۔ بلاشبہ یہ اپنی قسم کی اعلیٰ درجے کی کشتیاں ہیں ۔ میں نے ان میں سے ایک فرزند شاہجہان کو عنایت کی ۔

۹ خورداد ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن سادات خاں کو ہزاری ذات و شصت سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

اسی تاریخ میں عضدالدولہ اور شجاعت خان عرب اپنی جاگیر کی طرف روانہ ہوئے۔

مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن آصف خان کو مرصّع کھپوہ مع پھول کٹارے کے عنایت کیا۔

چوں کہ فرزند سعادت مند سلطان پرویز میرے حضور میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو چکا ہے، اس نے التجا کی تھی کہ اُسے خلعت نادری عطا کیا جائے تا کہ وہ باریاب ہوتے وقت اُس کو پہن کر شرف آستان بوسی حاصل کرے۔ میں نے اس کے التماس پر خلعت نادری، دستار اور خاص پٹکا، اس فرزند کے وکیل شریف کے حوالے کیے تا کہ وہ اس کو روانہ کر دے۔

میرزا والی سے دانیال کی لڑکی کی نسبت:

۱۳ بماہ خورداد ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میرے پھوپھی زاد بھائی میرزا والی نے میرے حسب الحکم صوبۂ دکن سے آ کر آستان بوسی کی عزت حاصل کی۔ اس کا باپ خواجہ حسن خالدار نقش بندی خواجہ زادوں میں ہے۔ میرے چچا میرزا محمد حکیم نے اپنی بہن کی شادی خواجہ حسن خالدار سے کی تھی۔ میں نے خواجہ خالدار کی تعریف لوگوں سے بہت سنی ہے اس میں ذاتی بزرگی اور خاندانی شرافت ملی جلی موجود ہیں۔ ایک عرصے تک میرے چچا میرزا محمد حکیم کی سرکار کا نظم و نسق اسے تفویض رہا ہے۔ وہ خواجہ خالدار کی دل جوئی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ میرزا محمد حکیم کی رحلت کے بعد خواجہ خالدار نے وفات پائی اور اپنے بعد دو لڑکے میرزا بدیع الزمان اور میرزا والی چھوڑے۔ میرزا بدیع الزمان میرزا کی وفات کے بعد بھاگ کر ماوراءالنہر چلا گیا اور وہیں غریب الوطنی میں اس نے وفات پائی۔ اُس کی والدہ میرزا والی کے ساتھ حضرت عرش آشیانی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئیں۔ حضرت عرش آشیانی اُن کا بہت خیال رکھتے تھے۔ میرزا والی بھی نہایت سنجیدہ، ذہین اور معقول آدمی ہے، علم موسیقی میں مہارت کامل رکھتا ہے۔ اسی زمانے میں مجھے خیال آیا کہ مرحوم شاہزادہ دانیال کی بیٹی کی نسبت اس سے کی جائے۔ اسی وجہ سے میں نے اُسے اپنے حضور میں طلب کیا تھا۔ دانیال کی یہ بیٹی قلیج محمد خان کی بیٹی کے بطن سے ہے۔ امید ہے کہ وہ رضا جوئی و خدمت گاری کی توفیق سے جو ذریعۂ سعادت مندی

اور کامرانی سے بہرہ ور ہوگا ۔

اسی تاریخ میں سر بلند رائے کو جو صوبہ دکن میں متعین ہے ، دو ہزاری و پانصدی ذات و ہزار و پانصد سوار کے منصب پر فائز کیا ۔

حضرت شیخ احمد سر ہندی (۱۴) پر بعض مصاحبین کی نکتہ چینی :

ان ہی دنوں مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک بدکار سرہند میں مکر و فریب کا جال بچھا کر کئی نادان اور بے سمجھ لوگوں کو اپنے فریب میں پھانسے ہوئے ہے ۔ ہر شہر اور ہر علاقے میں اس نے اپنے مریدوں میں سے ایک ایک کو جو معرفت کی دکانداری ، [273] معرفت فروشی اور لوگوں کو فریب دینے میں پوری مہارت رکھتے ہیں ، خلیفہ کے نام سے مقرر کیا ہے ۔ مذخرفات اور واہیات قسم کے خطوط اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام لکھ کر مکتوبات[1] کے نام سے ایک مجموعہ جمع کیا ہے ۔ اس نے اس مجموعے میں اکثر ایسی فضول اور بیہودہ باتیں لکھی ہیں جو کفر اور زندیقیت تک پہنچتی ہیں ۔ از آنجملہ اس نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے ، میرا گزر مقام ذی النورین میں ہوا ، جو نہایت عالی شان اور پاکیزہ تھا ۔ وہاں سے گزر کر میں مقام فاروق میں پہنچا ، اور مقام فاروق سے مقام صدیق میں آیا ۔ اس نے ہر مقام کی

۱- مکتوبات امام ربانی ، حضرت شیخ مجدد کی زندگی ہی میں مرتب ہو گئے تھے ۔ ان کی تین جلدیں ہیں ۔ دفتر اول کا نام 'درالمعرفت' ہے ، یہ دفتر ۳۱۲ خطوط پر مشتمل ہے ، اسے خواجہ یار محمد بخشی نے آپ کے قید ہونے سے تین سال پہلے ۱۶۱۶ع میں ترتیب دیا تھا ۔ یہ مجموعہ سب سے زیادہ مفصل ہے ۔

آپ کے مکاتیب کے دوسرے دفتر کا نام نورالخلائق ہے ۔ یہ ۹۹ خطوط کا مجموعہ ہے جو آپ کے قید ہونے سے کچھ پہلے خواجہ عبدالحی نے خواجہ محمد معصوم کے ایما پر جمع کیا تھا ۔ آپ کے مکاتیب کے تیسرے دفتر کا نام معرفت الحقائق ہے جس میں آپ کے ۱۲۴ خطوط ہیں ۔ اس کے مرتب خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری ہیں ، یہ دفتر آپ کی وفات سے تین سال پہلے مرتب ہوا ۔

تعریف اُس کے مناسب حال لکھی ہے۔ پھر اُس نے لکھا ہے کہ وہ وہاں سے مقام محبوبیت میں پہنچا جو نہایت منور اور رنگین تھا۔ اس مقام پر میں نے اپنے اندر مختلف انوار اور الوان کو منعکس پایا۔ استغفر اللہ، بزعم خویش وہ خلفاء کے مرتبے سے بھی آگے بڑھ گیا اور اُن سے بھی زیادہ عالی مرتبے پر فائز ہو گیا۔ اس کے علاوہ اُس نے اور بھی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں جن کا تذکرہ طوالت کا باعث ہے، اور ادب کے خلاف ہے۔ اس بنا پر میں نے حکم دیا کہ اُسے ہماری بارگاہ عدالت آئین میں حاضر کیا جائے۔ حسب الحکم وہ حاضر کیا گیا۔ میں نے اُس سے جو بھی پوچھا، وہ اُس کا معقول جواب نہ دے سکا۔ بے وقوف اور کم عقل ہونے کے ساتھ نہایت مغرور اور خود پسند معلوم ہوا۔ میں نے اس کی اصلاح کے لیے یہی مناسب سمجھا کہ اسے چند دن قید رکھا جائے، تاکہ اس کے دماغ کی شوریدگی اور اس کے دماغ کی آشفتگی دور ہو، اور عوام میں اس کے مذخرفات کی وجہ سے جو شورش پھیل رہی ہے، وہ رک جائے۔ چنانچہ میں نے اُسے انی رائے سنگھ دلن کے حوالے کیا کہ وہ اسے قلعۂ گوالیار میں قید کر دے۔

۲۵ خورداد ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن شاہزادہ سلطان پرویز الہ آباد سے پہنچا اور اُس نے میری بارگاہ میں حاضر ہو کر سجدۂ آستان سے اپنی اخلاص کی پیشانی کو منور کیا۔ ادائے رسوم زمیں بوسی کے بعد میں نے اُسے بے انتہا نوازش سے نوازتے ہوئے بیٹھنے کا حکم دیا۔ میری ملاقات کے وقت اُس نے دو ہزار مُہریں اور دو ہزار روپے بطور نذر اور ایک ہیرا بطور پیش کش پیش کیا۔ چونکہ اس کے ہاتھی ابھی تک نہیں پہنچے تھے، اس لیے وہ یہ ہاتھی کسی دوسرے وقت میرے ملاحظے سے گزرانے گا۔

رتن پور کے راجا کلیان نے بھی آستان بوسی کی سعادت حاصل کی، جس پر پرویز نے حسب الحکم فوج کشی کی تھی، اور اسّی ہاتھی اور ایک لاکھ روپے بطور پیشکش حاصل کر کے اُسے اپنے ساتھ لایا تھا۔

پرویز کے دیوان وزیر خان[1] نے بھی، جو اس بارگاہ کے قدیم ملازموں میں سے ہے، کورنش بجا لانے کی سعادت حاصل کر کے اٹھائیس ہاتھی اور ہتھنیاں بطور

۱- وزیر خان مقیم: (رک: مآثر الامرا، ۳: ص ۹۳۲-۹۳۳)۔

پیش کش پیش کیے ۔ اُن میں سے نو ہاتھی مجھے پسند آئے ، بقیہ اُس کو بخش دیے۔

چوں کہ مجھ سے عرض کیا گیا کہ افتخار خان کا بیٹا مروت خان جو اس بارگاہ کا پروردہ اور تربیت یافتہ ہے ، بنگال کے نواحی شہروں میں تگہ[1] قوم سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا ، میں نے اس کے بھائی اللہ یار کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور اس کے دوسرے بھائی کو چہار صدی ذات و سوار سے سر بلند کیا ۔

۳ تیر ماہ الٰہی ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو اطراف شہر میں چار سیاہ ہرن ، ایک ہرنی اور ایک ہرن کا بچہ شکار کیے ۔

چوں کہ مجھے شکار کے وقت فرزند سعادت مند سلطان پرویز کی قیام گاہ کے سامنے سے گزرنے کا اتفاق ہوا ، اس لیے اُس نے دانتوں والے دو ہاتھی مع ساز و سامان کے بطور پیش کش پیش کیے ۔ میں نے دونوں ہاتھیوں کو شاہی ہاتھیوں میں داخل کرنے کا حکم دیا ۔

شاہ ایران کے ایلچی کی حاضری :

۱۳ ماہ تیر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن برادر کا مگار شاہ عباس فرمانروائے ایران کے ایلچی سید حسن نے آستان بوسی کی سعادت حاصل کر کے شاہ کے ایک خط کے ساتھ پانی پینے کا ایک بلوریں کٹورہ ، جس کے سرپوش پر لعل جڑے ہوئے تھے ، پیش کیا ۔ چونکہ یہ خلوص و محبت ، یگانگت و اتحاد کے جذبات کے تحت بھیجا گیا تھا ، اس لیے وہ مزید دوستی اور یگانگت کا باعث ہوا ۔ اسی دن فدائی خان [274] کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

فتح اللہ کے بیٹے نصراللہ کو جس کے سپرد قلعہ انبر کی حفاظت و نگرانی ہے ، ہزار و پانصدی ذات و چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

۲۰ ماہ تیر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن مہابت خان کے بیٹے امان اللہ کو ہزار و پانصدی ذات و ہشت صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

۱۔ تگہ : ایک نسخے میں مگہ بھی ہے ۔ یہ مشرقی بنگال کے وحشی قبائل ہیں ، ان کو اب ناگا اور میزو کہتے ہیں ۔

وزیر خان کو صوبۂ بنگال کا دیوان مقرر کر کے اسے گھوڑا ، مرصع خنجر اور خلعت مرحمت کیا ۔

میر حسام الدین اور زبردست خان کو ہاتھی عنایت کیے ۔

خان عالم کا تحفۃً بھیجا ہوا خنجر :

اسی تاریخ میں خان عالم کا ملازم حافظ حسن ، شاہ عباس کا خط ، اور اس رکن سلطنت (خان عالم) کی عرضداشت لے کر دربار میں حاضر ہوا ۔ خان عالم کا بھیجا ہوا خنجر میری نظر سے گزرا ۔ اس کا قبضہ جوہردار دندان ماہئی سیاہ ابلق کا تھا ۔ یہ خنجر برادرم شاہ عباس نے خان عالم کو عنایت کیا تھا ۔ اس نے اس کی انتہائی نفاست دیکھ کر مجھے بھجوایا تھا ۔ یہ خنجر مجھے بہت پسند آیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہترین اور نادر تحفہ ہے ، اس لیے کہ ابلق دندان ماہی اب تک دیکھنے میں نہیں آیا تھا ۔

۲۳ تیر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میرزا والی کو دو ہزاری ذات و ہزار سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

۲۴ تیر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو جمعہ کے دن سید حسن ایلچی کو چوبیس ہزار درب بطور انعام عطا کیے ۔

عبداللہ خان فیروز جنگ کو ہاتھی عنایت کیا ۔

۳ ماہ امرداد ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کی شب میں شب برات تھی ۔ میرے حسب الحکم دریا کے کنارے کشتیوں میں چراغاں کر کے میری نظر سے گزرانی گئیں ، اور قسم قسم کی آتش بازیاں چھوڑی گئیں ۔ بلاشبہ بہت اچھا چراغاں کیا گیا تھا ، جو بہت بھلا معلوم ہوتا تھا ، جس کے نظارے سے میں بہت محظوظ ہوا ۔

۷ ماہ امرداد ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو نادعلی میدانی کے بیٹے میرن کو جو قابل تربیت خانہ زادوں میں ہے ، ہفت صدی ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

خواجہ زین الدین کو ہفت صدی و سہ صد سوار کا منصب مرحمت کیا ۔

خواجہ محسن کو ہفت صدی ذات و یک صد سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

۹ امرداد ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن شکار کے لیے موضع سمونگر گیا ، اور پیر کے دن تک اس صحرا میں سیر و شکار سے دل بہلاتا رہا ۔ منگل کی شب میں دولت خانے واپس لوٹ آیا ۔

۱۶ امرداد ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن شیخ ابوالفضل کے پوتے بشوتن کو ہفت صدی ذات و سہ صد و پنجاہ سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

۲۳ امرداد ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن "باغ گل افشاں" کی سیر کے لیے گیا ، جو دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے ۔ راستے میں خوب بارش برسی ، اور اس سے چمن کو نہایت تازگی و طراوت حاصل ہوئی ۔ انناس خوب پک چکے تھے ، جی بھر کر کھائے ۔ اس عمارت سے جو دریا کے رخ پر بنی ہوئی ہے ، میں نے نظر دوڑا کر دیکھا ۔ جہاں تک نظر جاتی تھی ، سوائے سبزے کے کچھ نظر نہ آتا تھا ۔ اُس وقت انوری (۱۵) کے یہ اشعار حسب حال معلوم ہوئے :

روز عیش و طرب بستان است   روز بازار گل و ریحان است
تودۂ خاک عبیر آمیز است   دامن باد گلاب افشان است
از ملاقات صبا روئے غدیر   راست چون آژدہ سوہان است

چونکہ یہ باغ خواجہ جہاں کی نگرانی میں ہے ، اس لیے اس نے میرے آنے پر نئے نئے طرز کے بنے ہوئے زربفت کے کپڑے ، جو اس زمانے میں عراق سے اس کے لیے آئے تھے ، بطور پیش کش گزرانے ۔ ان میں سے جو مجھے پسند آئے وہ لے لیے [275] بقیہ اس کو بخش دیے ۔ خواجہ جہاں نے باغ کو بھی بہت اچھی طرح رکھا تھا ۔ میں نے اُس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ پنج ہزاری ذات و دہ ہزار سوار کر دیا ۔

عجیب بات یہ ہے کہ جب سے خان عالم نے شاہ عباس کا عطا کیا ہوا وہ خنجر ، جس کا قبضہ جواہر دار ابلق دندان ماہی کا ہے ، بطور پیش کش مجھے بھجوایا ہے ، اس وقت سے میری طبیعت ابلق دندان ماہی کی طرف اس قدر مائل ہے کہ میں نے چند تجربہ کار اور ماہرین کو ایران و توران میں متعین کیا کہ وہ ابلق دندان ماہی کی تلاش و جستجو کریں ، اور جہاں کہیں اور جس طریقے سے اور جس قیمت پر بھی وہ ملے ، لے لیں ، اور اس میں کوتاہی نہ کریں ۔ میرے بہت

سے مزاج داں ملازم اور عظیم المرتبت امرا میرے اس حکم کی تعمیل میں مسلسل اس کی طلب و تلاش میں لگے رہے ۔ اتفاق سے اسی شہر کے ایک بازار میں ایک اجنبی اور بیوقوف شخص نے نہایت نفیس اور عمدہ ابلق دندان ماہی نہایت کم قیمت میں خریدے ۔ ان کی سیاہی کو دیکھ کر اس کا خیال تھا کہ کسی وقت میں یہ دانت جل گئے ہوں گے ، جس کی وجہ سے اس پر سیاہی کا اثر ہے ۔ ایک مدت کے بعد اس نے فرزند اقبال مند شاہجہاں کے ایک بڑھئی کو یہ دانت دکھا کر کہا کہ اسے ان دانتوں میں سے ایک ٹکڑا مضراب کے لیے چاہیے ، وہ اس کو اس دانت میں سے اس طرح نکالے کہ اس پر جلنے اور سیاہی کے اثرات باقی نہ رہیں ۔ وہ مطلقاً اس سے بے خبر تھا کہ اسی قدرتی سیاہی نے اس کی سپیدی کی قدر و قیمت بڑھائی ہے اور یہ سیاہی تو اس کے وہ خال و خط ہیں جس سے صانع قدرت نے اس کی خوب صورتی کو بڑھا دیا ہے ۔ بڑھئی دوڑ کر داروغۂ کارخانہ کے پاس آیا اور اسے یہ خوش خبری سنائی کہ وہ نادر تحفہ اور کمیاب جنس جس کی تلاش میں دنیا سرگرداں و پریشان ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے لوگ دور دور کا سفر کر رہے ہیں ، اور اطراف و اکناف کے ملکوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں ، وہ ایک جاہل اور ناواقف شخص کے ہاتھ میں پڑ کر ، جو اس کی قدر و قیمت نہیں جانتا ، رائیگاں اور ضائع ہو رہی ہے ۔ یہ اس سے آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ داروغۂ کارخانہ اس بڑھئی کے ساتھ اس آدمی کے ہاں گیا ۔ اور ایک گھنٹے میں یہ دانت اس سے حاصل کر کے اس نے دوسرے دن وہ شاہجہاں کو پیش کر دیے ۔ شاہجہاں میری خدمت میں حاضر ہوا ۔ پہلے وہ بہت دیر تک اظہار مسرت کرتا رہا ، جب اس کا جوش مسرت کم ہوا تو اس نے یہ دانت دکھا کر مجھے نہایت مسرور کیا :

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

میں نے اس کے حق میں اس قدر دعائیں کیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی اس کے حق میں قبول ہو جائے تو اس کی دین و دنیا کی بھلائی کے لیے کافی ہے ۔

اسی تاریخ میں عادل خاں کے عمدہ ملازموں میں سے ایک ملازم بہلیم خاں نے حاضر ہو کر شرف حضوری حاصل کیا ۔ چوں کہ اس سے اخلاص اور بندگی ظاہر ہوئی ، اس لیے میں نے مراحم خسروانہ کی بنا پر بے انتہا لطف و کرم کرتے

ہوئے اسے خلعت، گھوڑے اور شمشیر سے نوازا اور دس ہزار درب بطور انعام دیے۔

خان دوران کی سبکدوشی :

ان ہی دنوں خان دوران (۱۶) کی عرضداشت پہنچی، جس میں لکھا تھا کہ حضور نے کمال مرحمت اور قدردانی سے اپنے غلام کو باوجود بڑھاپے اور ضعف بصارت کے ٹھٹے کی صوبے داری سے سرفراز فرمایا تھا۔ اب یہ بہت بوڑھا اور نحیف ہو گیا ہے، اور اپنے میں سپاہیانہ تگ و دو اور سواری کی قدرت نہیں پاتا، لہٰذا التماس ہے کہ اس فدوی کو سپاہ گرانہ خدمات سے سبکدوش کر کے دعا گوؤں کی صف میں شامل کریں۔ میں نے اس کے التماس پر دیوانیوں کو حکم دیا کہ خوشاب[1] کا پرگنہ جس کے اصلی محاصل تیس لاکھ دام ہیں، اور مدت سے وہ مشار الیہ کی جاگیر میں بطور تنخواہ کے ہے، اور نہایت آباد اور سرسبز و شاداب علاقہ ہے، بطور مدد خرچ کے اس کے پاس رہنے دیا جائے، تاکہ وہ آرام اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ اور اس کے بڑے بیٹے شاہ محمد نامی کو ہزاری ذات [276] و شش صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔ اس کے دوسرے بیٹے یعقوب بیگ کو ہفت صدی ذات سیصد و پنجاہ سوار کے منصب سے نوازا۔ اس کے تیسرے بیٹے اسد بیگ کو سیصدی ذات و پنجاہ سوار کے منصب سے سر بلند کیا۔

یکم شہریور ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو ہفتے کے دن جاں نثار اتالیق خانخاناں سپہ سالار اور دوسرے امرائے عظام کو جو صوبۂ دکن میں مختلف خدمتوں پر مقرر ہیں، بارانی خلعت یزدانی کے ہاتھ روانہ کیے۔

چونکہ اس زمانے میں سدا بہار کشمیر کے باغوں کی سیر کا خیال دل میں پختہ ہو چکا ہے اس لیے میں نے پہلے نور الدین قلی کو روانہ کیا کہ وہ مجھ سے پہلے پہنچ کر پونچھ کے راستے کے نشیب و فراز کو حتی الامکان دور کرے، اور اسے ایسا بنا دے کہ بوجھ اٹھانے والے چوپائے دشوار گزار گھاٹیوں سے آسانی سے گزر سکیں اور لوگوں کو تکلیف و مشقت نہ اٹھانی پڑے۔ میں نے اس کے ساتھ

۱- یہ دریائے جہلم کے قریب ضلع شاہ پور میں واقع ہے۔ (رک: بیورج، ج ۲: ص ۲۷) خان دوران کا نام شاہ بیگ خان ہے۔

بہت سا عملہ اور کام کرنے والے جو اس کام سے متعلق ہیں ، مثلاً سنگ تراش ، بڑھئی اور بیل دار وغیرہ روانہ کیے اور اُسے روانہ کرتے وقت ایک ہاتھی عنایت کیا۔

۱۳ شہریور ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں باغ نور گیا ، اور ۱۹ شہریور اتوار تک اس گلشن نشاط میں عیش و عشرت کے ساتھ وقت گزارا ۔

راجا بکرماجیت بگھیلا نے اپنے وطن مالوف قلعہ ماند پور سے آ کر سعادت آستاں بوسی حاصل کی ۔ ایک ہاتھی اور کلغی بطور پیش کش گزرانی ۔

مقصود خاں کو ہزاری ذات و یک صد و سی سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

۲۰ ماہ شہریور ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن فرزند شاہ پرویز نے دو ہاتھی بہ طور پیش کش پیش کیے ۔ میں نے حکم دیا کہ انھیں شاہی ہاتھیوں میں داخل کیا جائے ۔

جشن شمسی :

۲۴ ماہ شہریور ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو میری عمر کا اکاون واں مبارک سال شمسی اعتبار سے شروع ہونے پر حضرت مریم زمانی کے دولت کدے میں جشن وزن شمسی منعقد ہوا ۔ خدائے تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ میری بقیہ عمر اس کی خوشنودی اور رضاجوئی میں گزرے گی ۔

شاہ عالم بخاری کے پوتے اور سید محمد کے بیٹے سید جلال کو جس کا مختصر حال سفر گجرات کے واقعات میں گزر چکا ہے ، رخصت کی اجازت دی ۔ رخصت کے وقت میں نے اُسے سواری کے لیے ایک ہتھنی ، سفر خرچ کے ساتھ عنایت کی ۔

جشن ماہتابی :

۳۰ شہریور (مطابق ۱۴ شوال) ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کی رات میں جب کہ چاند پورا ہو چکا تھا ، باغ کی اُس عمارت میں جو دریا کے رخ پر واقع ہے ، جشن ماہتابی منایا ، نہایت عمدہ محفل رہی ۔

یکم مہر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو جوہر دار ابلق دندان ماہی ، جو فرزند سعادت مند شاہجہاں نے پیش کیے تھے ، میرے حکم سے اس میں سے خنجروں کے

دو قبضوں اور ایک تیر کے لیے کچھ حصے کاٹے گئے جو نہایت خوش رنگ اور نفیس نکلے ۔ میں نے استاد پورن اور کلیان کو ، جو فنِ خاتم بندی میں اپنی نظیر اور مثال نہیں رکھتے ، حکم دیا کہ وہ دونوں خنجروں کے قبضے ایسے تیار کریں جو اس زمانے میں پسند کیے جائیں ، اور طرز جہانگیری کے نام سے مشہور ہوں ۔ اسی طرح اُن کا پھل ، نیام اور اس کے تسمے بنانے کا کام ایسے ماہرین کے سپرد کیا جو اپنے فن میں یگانۂ روزگار تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسے میرا دل چاہتا تھا ، ویسے ہی عمدہ بنے ۔ ایک قبضہ تو اس قدر عمدہ بنا ہے کہ اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ۔ اس میں سات رنگ محسوس ہوتے ہیں ، اور اُس کے قدرتی خط و خال ایسے دکھائی دیتے ہیں کہ گویا نقاشِ فطرت نے اپنے عجائب نگار قلم سے اس کا دور بنایا ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس حد تک نفیس ہے کہ میں اُسے ایک منٹ کے لیے بھی اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتا ۔ میں اُسے ان تمام گراں قیمت جواہر سے جو میرے خزانے میں ہیں ، عزیز رکھتا ہوں ۔ مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں نے مبارک گھڑی میں اُسے کمر میں باندھا ، اور اُن ماہرین نادر روزگار اُستادوں کو کہ جنھوں نے اُس شاہکار کے بنانے میں نہایت محنت سے کام کر کے فنی مہارت اور کمال کا ثبوت دیا تھا ، انعام سے سرفراز کیا ۔ استاد پورن کو ہاتھی ، [277] خلعت اور ہاتھ میں پہننے کے لیے سونے کا ایک حلقہ ، جسے ہندوستان کے رہنے والے کڑا کہتے ہیں ، دیا اور کلیان کو عجائب دست کے خطاب سے سرفراز کر کے ، اس کے ماہانہ میں اضافہ کرتے ہوئے خلعت اور جڑاؤ پہونچی عنایت کی ۔ اسی طرح ہر ایک کو اس کے مناسب حال اور فن کے مطابق اپنی نوازشوں سے نوازا ۔

احداد پر امان اللہ کی فتح :

جب مجھے اس کی اطلاع ملی کہ مہابت خاں کے بیٹے امان اللہ نے بد فطرت احداد سے جنگ کر کے اس کو شکست دی ہے اور بہت سے روسیاہ افغانوں کو اپنی خون آشام تلوار سے لقمۂ اجل بنایا ہے ، تو میں نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک خاص تلوار بھجوائی ۔

راجا سورج سنگھ کی وفات :

۵ ماہ مہر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن راجا سورج سنگھ کی وفات کی خبر ملی جو دکن میں اپنی طبعی موت سے فوت ہوا تھا ۔ وہ مالدیو کا پوتا[1] تھا جو ہندوستان کے سرکردہ راجاؤں میں سے تھا ۔ یہ وہ راجا تھا کہ رانا کی برابری اور ہمسری کا دعویٰ دار تھا ، بلکہ ایک موقع پر اُس نے رانا سے جنگ کر کے اُس پر غلبہ حاصل کیا تھا ، جس کی تفصیل اکبر نامے میں شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے ۔ راجا سورج سنگھ حضرت عرش آشیانی کی تربیت کی بدولت اور میری عزت افزائی کی وجہ سے اعلیٰ مراتب اور بلند مناصب کو پہنچا ، اور اُس کی ریاست اس کے باپ دادا کے زمانے کے مقابلے میں اور بھی وسیع ہو گئی تھی ۔ اس کا بیٹا گج سنگھ (۱۷) نامی ہے جس کے سپرد اس کے باپ نے اپنی زندگی ہی میں ملکی و مالی معاملات اس کے قبضۂ اقتدار میں دے دیے تھے ۔ چوں کہ میں بھی اس کو قابل تربیت اور نوازش سمجھتا ہوں ، اس لیے میں نے اس کو سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار کے منصب اور علم اور راجا کے خطاب سے سربلند کیا ، اور اس کے چھوٹے بھائی کو پانصدی ذات و دو صد و پنجاہ سوار کے منصب سے سرفراز کر کے اُس کے وطن میں اس کو جاگیر دی ۔

۱۰ ماہ مہر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن آصف خاں کی التجا پر میں اُس کے گھر گیا جو جمنا کے کنارے بنایا گیا ہے ۔ اس گھر میں اُس نے ایک نہایت عمدہ اور نفیس حمام بنوایا ہے جسے دیکھ کر میں بہت محظوظ ہوا ۔ غسل سے فارغ ہونے کے بعد مے نوشی کی محفل جمی ، اور خاص ملازموں کو میں نے جام نشاط عنایت کر کے مسرور کر دیا ۔ آصف خاں کے پیش کش میں سے جو چیزیں مجھے پسند آئیں ، وہ میں نے لے لیں ، بقیہ اُس کو بخش دیں ۔ قبول کی ہوئی چیزوں کی مجموعی مالیت مبلغ تیس ہزار روپے تھی ۔ ملتان کے فوج دار باقر خاں کو علم عنایت کیا ۔

---

۱ - سورج سنگھ یا سور سنگھ ، مالدیو کا پوتا نہیں بلکہ اُس کی پانچویں پشت میں تھا ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۱۰۰) ۔

آگرے سے لاہور تک کنویں اور میناروں کی تعمیر:

اس سے قبل میرے حکم سے دارالخلافہ آگرہ سے دریائے اٹک تک دو طرفہ درخت لگا کر خیابان بنایا گیا ہے، اسی طرح کا خیابان آگرے سے بنگال تک بھی بنایا گیا ہے۔

ان دنوں میں نے حکم دیا کہ آگرے سے لاہور تک ہر کوس پر منارہ تعمیر کیا جائے جو اختتام کوس کی علامت ہو اور ہر تین کوس کے فاصلے پر ایک کنواں کھودا جائے، تاکہ مسافر راحت اور آرام حاصل کر سکیں اور پیاس اور دھوپ کی تپش سے محفوظ رہ سکیں۔

جشن دسہرہ:

۲۴ مہر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن ہندوؤں کے دستور کے مطابق جشن دسہرہ منایا گیا۔ ہندوؤں کے رواج کے مطابق گھوڑے آراستہ کر کے میرے سامنے پیش کیے گئے اور گھوڑوں کے دیکھنے کے بعد چند ہاتھی بھی آراستہ میرے سامنے پیش ہوئے۔

چوں کہ معتمد خان نے گزشتہ نوروز میں اپنا پیش کش میرے ملاحظے سے نہیں گزارا تھا۔ اس جشن میں اس نے سونے کا ایک تخت، یاقوت کی ایک انگشتری، مرجان اور بعض دوسری چیزیں بطور پیش کش گزارائیں۔ تخت عمدہ بنا ہوا ہے۔ اس کی مجموعی قیمت سولہ ہزار روپے ہوگی۔ چوں کہ وہ یہ پیش کش نہایت خلوص اور عقیدت سے لے کر آیا تھا، اس لیے قبول کیا گیا۔

اسی روز زبردست خان کو ہزاری ذات و چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

کشمیر کے لیے روانگی:

چونکہ کشمیر کی روانگی کی گھڑی دسہرے کے دن مقرر کی گئی تھی، اس لیے میں شام کے وقت خیر و سلامتی کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا اور پہلی منزل میں آٹھ روز قیام کیا تاکہ لوگ اطمینان سے اپنا اپنا سامان سفر تیار کر لیں۔

مہابت خاں نے بنگش سے ڈاک چوکی[1] کے ذریعے سیب بھجوائے تھے جو نہایت تر و تازہ حالت میں ملے بہت مزے دار تھے ۔ ان کے کھانے سے بہت محظوظ ہوا ۔ کابل کے سیب جو میں نے وہاں کھائے تھے اور سمرقند کے سیب جو ہر سال یہاں لائے جاتے ہیں ، اگر ایک طرف [278] رکھے جائیں تو مٹھاس ، لطافت اور ذائقے میں ان سیبوں کو بنگش کے سیبوں سے کوئی نسبت نہیں ۔ اب تک اتنے نفیس اور خوش ذائقہ سیب میں نے نہیں کھائے تھے ۔

کہتے ہیں کہ بنگش کے بالائی حصے میں لشکر گاہ سے قریب کے درے میں سیوزان نامی ایک گاؤں ہے ۔ اس گاؤں میں سیب کے تین درخت ہیں ۔ یہ سیب ان ہی درختوں کے ہیں ۔ اگرچہ وہاں بہت کوشش کی گئی لیکن دوسری جگہ اس خوبی کے سیب پیدا نہ ہو سکے ۔

برادرم شاہ عباس کے ایلچی سید حسین کو میں نے اس سیب کا کچھ بچا ہوا حصہ عنایت کیا تاکہ وہ کھا کر معلوم کرے کہ عراق (ایران) میں اس سے بہتر سیب ہوتے ہیں یا نہیں ۔ اس نے عرض کیا کہ پورے ایران میں سب سے بہتر سیب اصفہان کا ہوتا ہے ۔ اصفہان کا بہترین سیب عمدگی ، نفاست اور مزے میں اس کے برابر ہو سکتا ہے ۔

حضرت عرش آشیانی کے روضے پر حاضری :

یکم آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ کے روضے (۱۸) کی زیارت کے لیے گیا اور اس آستان ملائک آشیاں پر جبین نیاز جھکا کر سو مُہریں نذر گزرانیں ۔ تمام بیگمات اور محل

۱۔ ڈاک چوکی کی اصطلاح اکبر کے عہد سے شروع ہوئی ۔ مغلوں سے پہلے اس کے لیے لفظ الاغ استعمال ہوتا تھا ۔ ڈاک چوکی مغل بادشاہوں کی خاص توجہ کا مرکز تھی ، کیوں کہ مغل بادشاہ ملک اور رعایا کے حالات سے باخبر رہنا چاہتے تھے ۔ وہ گھوڑوں ، اونٹوں ، ہرکاروں کے ذریعے ڈاک کا بندوبست کرتے ، راستے میں ڈاک کے لے جانے والوں کے ٹھہرنے کا بندوبست کرتے ، جہاں انھیں آرام لینے کے بعد تازہ دم سواریاں فوراً تیار ملتیں اور اس طرح ڈاک کے روانہ کرنے میں تاخیر نہ ہوتی ۔ (م)

کے لوگوں نے اس آستانے کے، جس کا فرشتے طواف کرتے ہیں، طواف کی سعادت حاصل کر کے نذریں گزرانیں۔

جمعہ کی شب میں کئی مشائخ، علما، حفاظ اور قوالوں کو طلب کر کے وجد و سماع کی محفل آراستہ کی، اور ہر ایک کو اس کے استحقاق اور قابلیت کے مطابق خلعت، فرجی اور شال عنایت کیے۔ حضرت عرش آشیانی کا یہ روضہ اگرچہ نہایت عالی شان تعمیر ہوا ہے۔ اس مرتبہ پھر مجھے خیال آیا کہ اسے موجودہ حالت سے اور بڑھانا چاہیے۔

۳ ماہ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کی شب میں چار گھڑی گزرنے کے بعد اس منزل سے کوچ کیا، اور دریا کے راستے سے ساڑھے پانچ کوس کا سفر طے کر کے جب کہ چار گھڑی دن نکل چکا تھا، منزل پر پہنچ کر قیام کیا۔

دوپہر کے بعد دریا سے گزر کر سات تیتر شکار کیے۔

دن کے آخری حصے میں شاہ ایران کے ایلچی سید حسن کو بیس ہزار روپے انعام دیے۔ اس کے علاوہ زر دوزی خلعت، جڑاو جیغہ اور ہاتھی عنایت کر کے اسے رخصت کیا، اور اس کے ہاتھ برادرم شاہ عباس کے لیے ایک مرصع صراحی جو بہ شکل مرغ بنائی گئی تھی اور جس میں میرے روزانہ پینے کی شراب کی مقدار سما جاتی ہے بطور تحفہ روانہ کی۔ امید ہے کہ منزل مقصود تک یہ صحیح و سلامت پہنچے گی۔

لشکر خاں کو جسے میں نے دارالخلافہ آگرہ کی حفاظت و نگرانی پر مقرر کیا ہے، خلعت، گھوڑا، ہاتھی، نقارہ اور خنجر مرصع عنایت کر کے رخصت کیا۔

اکرام خاں (۱۹) کو دو ہزاری ذات و یک ہزار و پانصد سوار کے منصب اور فوجداری میوات کی خدمت سے سرفراز کیا۔ یہ اسلام خاں کا بیٹا ہے جو شیخ سلیم چشتی کا پوتا اور ان کا سجادہ نشین تھا۔ شیخ سلیم کے ذاتی اوصاف اور باطنی صفات اور ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی نسبت میں گزشتہ اوراق میں لکھ چکا ہوں۔

اسلام خاں کے متعلق ایک حیرت انگیز واقعہ:

اسی زمانے میں اسلام خاں کے متعلق ایک شخص سے، جس کی باتیں

صداقت سے خالی نہیں ہوتیں ، میں نے سنا کہ جس زمانے میں میں اجمیر میں مقیم تھا اور مجھے اعضا شکنی اور ضعف لاحق ہوا تھا ۔ ایک روز اسلام خان تنہائی میں بیٹھا ہوا تھا اور میری نا سازی مزاج کی خبر ابھی بنگال نہیں پہنچی تھی کہ ناگاہ اس پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوئی ۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اس نے اپنے قابل اعتماد ملازم بھکین نامی کو جو اس کا محرم راز تھا ، کہا کہ عالم غیب سے مجھے ایسا بتایا گیا ہے کہ حضرت شہنشاہی کا مزاج کچھ ناساز ہے اور اس کا علاج اس بات پر منحصر ہے کہ بادشاہ پر اپنی سب سے زیادہ عزیز اور پیاری چیز نثار کر دوں ۔ پہلے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اپنے بیٹے ہوشنگ[۱] کو بادشاہ پر تصدق کرے ، لیکن چوں کہ وہ چھوٹا تھا ، اور اس نے اپنی زندگی کا کوئی لطف نہ اٹھایا تھا ، اس لیے اس کو اس کے حال پر رحم آیا ۔ اس کے بعد اس نے طے کیا کہ وہ خود اپنی جان اپنے آقائے ولی نعمت پر نچھاور کر دے ۔ یہ طے کرنے کے بعد اس نے خلوص اور صدق دل سے [279] بارگاہ الٰہی میں اپنی جان مجھ پر نچھاور کر دینے کی نیت کی ۔ فی الفور اس کی دعا قبول ہو گئی ۔ اور اسی وقت اس نے ضعف اور بیماری کو محسوس کیا ۔ آناً فاناً اس کا مرض بڑھتا گیا ، یہاں تک کہ وہ رحمت الٰہی سے جا ملا ۔ ادھر شافی مطلق نے اپنے شفاخانۂ غیب سے اس عاجز بندے کو فوری اور کامل صحت عطا کر دی ۔

اگرچہ عرش آشیانی انار اللہ برہانہ ، شیخ الاسلام (شیخ سلیم) کی اولاد و احفاد کے ساتھ بہت ہمدردی کرتے تھے ، اور ان میں سے ہر ایک کو اس کی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق مراعات سے نوازتے تھے ، لیکن جب سلطنت اور بادشاہت کا سلسلہ اس نیازمند تک پہنچا تو میں نے شیخ کے حقوق ادا کرنے کی خاطر ان کی اولاد کو زبردست رعایتوں سے نوازا ، اور ان میں اکثر کو امارت کے عالی مرتبے پر فائز کیا ، یہاں تک کہ ان لوگوں نے اتنی ترقی کی کہ مختلف صوبوں کے صوبے دار ہو گئے ، چناں چہ ان میں سے ہر ایک کا حال اپنی اپنی جگہ پر لکھا جا چکا ہے ۔

چوں کہ اس منزل میں ہلال خان خواجہ سرا نے ، جو میری شاہزادگی کے

۱۔ ہوشنگ : رک : اکرام خان ، حاشیہ نمبر ۱۸

زمانے سے میرا خدمت گزار ہے ، باغ اور سرائے بنائی تھی اس لیے اس نے میرے وہاں پہنچنے پر اپنا پیش کش گزارنا ۔ میں نے اس کی عزت افزائی کے لیے اس کی پیش کش میں سے چند چیزیں لے لیں ۔

متھرا کے باہر قیام :

اس منزل سے روانہ ہو کر چار مرتبہ کوچ اور قیام کرنے کے بعد متھرا کے باہر قیام کیا ۔

۸ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن بندرابن اور وہاں کے بت خانوں کو دیکھنے کے لیے گیا ۔ اگرچہ حضرت عرش آشیانی کی سلطنت کے زمانے میں راجپوت امرا نے اپنے ہندوانہ طرز کی عمارتیں بنوائی ہیں ، جن کے بیرونی حصوں کو نہایت تکلف سے مزین کیا گیا ہے ، لیکن ان کے اندر ابابیلوں اور چمگادڑوں نے اس قدر گھونسلے بنا دیے ہیں کہ ان کی بدبو سے سانس لینا بھی دشوار ہے :

از برون چون گور کافر پر حلل　　وز درون قہر خدائے عز و جل

اسی روز حسب الحکم ، مخلص خان نے بنگال سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور سو مہریں اور سو روپے بطور نذر پیش کرنے کے علاوہ ایک لعل اور ایک مرصع طرہ بطور پیش کش گزرانا ۔

۹ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کو جمعہ کے دن چھ لاکھ روپے کا خزانہ خانخانان سپہ سالار کے پاس قلعہ اسیر بھیجا تا کہ وہ وہاں محفوظ رکھے ۔

جدروپ سے دوبارہ ملاقات :

میں گزشتہ اوراق میں تقریبات کے ضمن میں گسائیں جد روپ کے حالات اور کیفیات لکھ آیا ہوں ، جو اوجین میں گوشہ نشین تھا ۔ اس زمانے میں وہ اوجین سے منتقل ہو کر متھرا میں دریائے جمنا کے کنارے عبادت الٰہی میں مشغول ہے ۔ چوں کہ اس کی صحبت مجھے پسند ہے ، اس لیے میں اس کی ملاقات کے لیے گیا اور بہت دیر تک تنہائی میں دوسرے شخص کی مداخلت کے بغیر اس کی صحبت رہی ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا وجود مغتنمات میں سے ہے اور اس کی مجلس سے انسان نہایت محظوظ اور مستفید ہو سکتا ہے ۔

۱۰ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن قراولوں نے اطلاع دی کہ یہاں رسے قریب ایک شیر رہتا ہے جو رعیت اور مسافروں کو نہایت تکلیف پہنچاتا ہے ۔ میں نے فوراً حکم دیا کہ بہت سے ہاتھی لے جا کر اُس جنگل کا جس میں وہ شیر رہتا ہے ، اچھی طرح محاصرہ کیا جائے ۔ میں دن کے آخری حصے میں اہل محل کے ساتھ سوار ہو کر وہاں پہنچا ۔

نور جہاں کا بندوق سے شیر کا شکار :

چوں کہ میں نے عہد کیا تھا کہ کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے گزند نہیں پہنچاؤں گا ، اس لیے میں نے نور جہاں بیگم کو حکم دیا کہ وہ اس شیر پر بندوق چلائے ۔ باوجود اس کے کہ جس ہاتھی پر میں سوار تھا ، وہ شیر کی بو کی وجہ سے بدک رہا تھا اور ہر لمحہ حرکت کر رہا تھا ، ایسے موقع پر عماری سے اس طرح بندوق چلانا کہ گولی ٹھیک نشانے پر بیٹھے ، بہت مشکل ہے ۔ چناں چہ میرزا رستم جیسا نشانہ باز ، جس کی بندوق چلانے میں میرے بعد کوئی مثال نہیں ، اس سے بھی بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایسے موقع پر ہاتھی سے شکار کرتے ہوئے اس کے تین تین چار چار نشانے خطا ہو گئے ، لیکن نورجہاں بیگم نے پہلا ہی نشانہ اس قدر ٹھیک لگایا کہ ایک ہی نشانے میں شیر ڈھیر ہو گیا ۔

چد روپ سے ایک اور ملاقات :

۱۲ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو پیر کے دن پھر میری گسائیں چد روپ کی ملاقات کے لیے طبیعت بہت مائل ہوئی ، بے تکلف میں اس کی قیام گاہ پر گیا ، [280] بہت دیر تک اس سے ملاقات رہی ۔ دوران ملاقات میں بہت بلند اور عارفانہ موضوعات پر اس سے گفتگو ہوئی ۔ حق تعالیٰ جلّ شانہ نے اُسے غیر معمولی صلاحیتیں عطا کی ہیں ۔ باوجود اس کے کہ اس کی ذات میں اعلیٰ درجے کی ذہانت ، بلند نظری اور خدا داد عقل کے ساتھ تیز قوت مدرکہ ودیعت ہیں ، لیکن وہ دنیا و ما فیہا کو ٹھکرا کر گوشۂ تنہائی میں مستغنی اور بے نیاز ہو کر بیٹھ گیا ہے ۔ دنیوی سامان میں سے اس نے صرف آدھ گز کھدر جس سے ستر ڈھانکا جا سکے ، اور ایک ٹھیکرا جس میں تھوڑا سا پانی سما سکتا ہے ، بقدر پانی پینے کے اختیار کیا ہے ۔ سردیوں ، گرمیوں اور برسات میں ہمیشہ ننگا

اور سر سے پاؤں تک برہنہ رہتا ہے۔ اپنے رہنے کے لیے نہایت محنت اور کاوش سے ایک ایسا غار بنایا ہے کہ اس میں ایک شیرخوار بچے کو بھی نہایت مشکل سے لے جایا جا سکتا ہے۔

حکیم سنائی (۲۰) کے یہ دو تین شعر اس کے مناسب حال ہیں:

داشت لقمان یکی کریچی تنگ
چون گلو گاہ نای و سینۂ چنگ
بوالفضولی سوال کرد از وی
چیست این خانۂ شش بدست دوپی
با دم گرم و چشم گریان پیر
گفت ھٰذا لمن یموت کثیر

۱۴ ماہ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن میں پھر گسائیں چد روپ کی ملاقات کے لیے گیا اور اس سے رخصت ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی جدائی سے دل نے گرانی محسوس کی۔

بندرا بن میں قیام :

۱۵ ماہ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن کوچ کر کے بندرا بن کے نزدیک قیام کیا۔ اس منزل میں فرزند سعادت مند سلطان پرویز رخصت ہو کر اپنے محال جاگیر اللہ آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ وہ اس سفر میں میری ہمراہی کی سعادت حاصل کرے، لیکن اس نے پہلے ہی اپنی پریشانی کا اظہار کر دیا تھا، لہذا میں نے مجبوراً اس کی جدائی کو گوارا کر کے اسے رخصت کی اجازت دے دی، اور اسے دراز گردن گھوڑا، اور دندان ابلق جوہر دار کے دستے کا کمر خنجر، خاص تلوار اور خاص ڈھال عنایت کی۔ خدائے تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ خیر و خوبی کے ساتھ پھر بہت جلد اس کی ملاقات ہوگی۔

خسرو کی معافی :

چوں کہ خسرو کی قید کا زمانہ طویل ہو چکا تھا، اس لیے مجھے خیال رہا کہ اس سے زیادہ عرصے تک اسے قید رکھنا، اور حاضری کی سعادت سے

محروم کرنا ، لطف و نوازش سے بعید ہے ۔ چناں چہ میں نے اُسے حضور میں طلب کر کے کورنش بجا لانے کا حکم دیا اور پھر نئے سرے سے ایک مرتبہ اس کے جرائم کے نقوش کو عفو و بخشش سے دھو کر ندامت اور لغزشوں کے غبار کو اس کی پیشانی سے صاف کر دیا ۔ اُمید ہے کہ آیندہ رضا جوئی اور سعادت بندگی کی توفیق اس کے شامل حال ہوگی[1] ۔

۱۶ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو جمعہ کے دن مخلص خاں کو میں نے فرزند شاہ پرویز کی سرکار کا دیوان مقرر کرنے کے لیے طلب کیا تھا ۔ اُسے میں نے اس فرزند کی خدمت میں روانہ کیا ، اور اس کا منصب حسب سابق جو بنگال میں تھا یعنی دو ہزاری ذات و ہفت صد سوار عنایت کیا ۔

۱۷ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن بندرابن سے کوچ کر کے

۱- اقبال نامۂ جہانگیری میں لکھا ہے کہ خسرو کی طویل قید کو دیکھ کر خان اعظم نے چد روپ سے کہا تھا کہ وہ جہانگیر سے خسرو کی معافی کی سفارش کرے ۔ چناں چہ معتمد خاں بخشی لکھتا ہے کہ :

> ''چوں کہ خسرو کی معیاد اسیری بہت طویل ہو گئی تھی ، اور خان اعظم کو اس کا بڑا رنج تھا ، اس لیے خان اعظم نے فراست سے سمجھا کہ چد روپ کی باتیں قلب اقدس پر بہت اثر کرتی ہیں ۔ باوجود تعصب مذہبی کے جو خان اعظم کی سرشت میں داخل تھا ، بے اختیار خویش و بیگانہ سے الگ چد روپ کے پاس گیا اور خسرو کی رہائی کے لیے نہایت عجز و انکسار سے درخواست کی ۔ دوسری مرتبہ جب حضرت شاہنشاہی اس کی ملاقات کے لیے گئے تو چد روپ نے خسرو کی رہائی کے لیے نہایت عقلانہ انداز میں دلائل کے ساتھ سفارش کی اور جہاں پناہ کے دل کو اتنا مہربان کر دیا کہ پھر اس بے دانش و کوتاہ اندیش کی خطائیں معاف ہو گئیں ۔ ۔ ۔ اور حکم ہوا کہ قید سے رہا کیا جائے اور کورنش کو آتا رہے'' ۔ (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، ص ۱۳۰-۱۳۹) مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد) ۔

اگلی منزل میں قیام کیا ۔ اس منزل میں میر میراں کے بیٹے سید نظام نے جو سرکار قنوج کا فوجدار ہے ، حاضری کی سعادت حاصل کی اور دو ہاتھی اور چند شکاری جانور بطور پیش کش گزرانے ۔ ان میں سے ایک ہاتھی اور دو باز میں نے لے لیے ۔

۱۸ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو اتوار کے دن اس منزل سے کوچ کیا ۔

ایران کا ایک خوش رنگ عقاب :

ان ہی دنوں شاہ ایران کا بھیجا ہوا عقاب جو انھوں نے پری بیگ میر شکار کے ہاتھ بھیجا تھا ، پہنچا اور ایک دوسرا عقاب بھی خان عالم نے اسی کے ہاتھ میری بارگاہ میں روانہ کیا تھا ، لیکن خان عالم کا بھیجا ہوا عقاب راستے ہی میں مر گیا ، اور شاہ ایران کا بھیجا ہوا عقاب بھی میر شکار کی غفلت سے بلّی کے جھپٹے سے زخمی ہو گیا تھا ۔ اگرچہ وہ زندہ حالت میں مجھ تک پہنچایا گیا لیکن وہ ایک ہفتے سے زیادہ زندہ نہ رہا اور مر گیا ۔ اس کی خوبصورتی اور خوش رنگ ہونے کے متعلق میں کیا لکھوں ۔ اس کا ہر پَر سیاہ تھا اور اس کے پیٹ اور پہلو پر بہت خوش نما سیاہ تل تھے ۔ [281] چونکہ وہ غیر معمولی طور پر خوش رنگ اور خوبصورت واقع ہوا تھا اس لیے میں نے منصور نقاش کو حکم دیا جو نادرالعصر کے خطاب سے سرفراز ہے کہ وہ اس کی تصویر کھینچ کر محفوظ رکھے اور دو ہزار روپے میر شکار کو عنایت کر کے رخصت کیا ۔

اوزان میں تبدیلی کا خیال :

حضرت عرش آشیانی انارالله برہانہ کے زمانے میں ایک سیر کا وزن تیس دام تھا ۔ گزشتہ دنوں مجھے خیال آیا کہ ان کے ضابطے کے خلاف کیوں کیا جائے ۔ بہتر یہ ہے کہ سابقہ طریقے کے مطابق اس کا وزن تیس دام ہی کر دیا جائے ۔ لیکن ایک ملاقات میں گسائیں چد روپ نے مجھ سے کہا کہ وید میں جہاں ہمارے دین کے احکام محفوظ ہیں ، سیر کا وزن چھتیس دام لکھا ہوا ہے ۔ یہ ایک اتفاق غیبی ہے کہ سیر کے وزن کے متعلق آپ کا حکم ہماری کتاب کے مطابق ہے ۔ اگر سیر کا وزن چھتیس دام ہی برقرار رکھا جائے تو بہتر ہوگا ۔ میں نے حکم دیا کہ اس کے بعد سے تمام ممالک محروسہ میں سیر کا وزن چھتیس دام ہی رکھا جائے ۔

۱۹ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو پیر کے دن کوچ کیا ۔

راجا بھاؤ سنگھ کو دکن کے لشکر کی کمک پر متعین کر کے گھوڑا اور خلعت مرحمت کیا ۔

اس تاریخ سے لے کر ۲۸ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کم شنبہ (بدھ) کے دن تک پے درپے کوچ کا اتفاق ہوا ۔

دہلی میں ورود :

۲۹ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن دارالبرکت دہلی میں ورود ہوا ۔ فرزندوں اور اہل محل کے ساتھ میں روضۂ حضرت جنت آشیانی انارالله برہانہ کی زیارت کے لیے گیا ، اور نذریں گزرانیں ۔ وہاں سے حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین چشتی کے روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر اُن کے توسل سے الله تعالیٰ سے عطائے ہمت کی درخواست کی ۔ دن کے آخری حصے میں دولت خانے لوٹ کر آیا جو سلیم گڑھ میں میرے لیے ترتیب دیا گیا تھا ۔

۳۰ آبان ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو جمعہ کے روز دہلی میں قیام رہا ۔

یکم آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن سوار ہو کر چیتے سے شکار کے لیے پالم کی طرف گیا ۔ چونکہ اس مدت میں شکارگاہ پالم کی میرے حکم کی بنا پر کہ کوئی وہاں شکار نہ کھیلے ، حفاظت کی گئی تھی ۔ مجھے اطلاع دی گئی کہ وہاں ہرن کثرت سے جمع ہو گئے ہیں ۔ اثنائے شکار میں دن ڈھلے بہت زیادہ اولے برسے جو سیب کے برابر بڑے تھے ۔ اس ژالہ باری کی وجہ سے ہوا سخت سرد ہو گئی ، اس دن چیتوں سے تین ہرن پکڑے ۔

۲ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو اتوار کے دن چھیالیس ہرن شکار کیے ، اور دو ہرن فرزند شاہجہاں نے بندوق سے شکار کیے ۔

۴ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو منگل کے دن پانچ ہرن پکڑے گئے ۔

۵ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن سید بہوہ بخاری نے جو دارالملک دہلی کی حکومت پر مامور ہے ، تین ہاتھی ، اٹھارہ گھوڑے اور کچھ دوسری چیزیں بطور پیش کش گزرانیں ۔ مجھے ایک ہاتھی اور دوسری کچھ چیزیں پسند آئیں ، بقیہ میں نے اسی کو بخش دیں ۔

ہاشم خاں خوستی جو میوات کے بعض پرگنوں کا فوج دار ہے ، آستاں بوسی

سے سرفراز ہوا ۔

۱۳ آذر تک حدود پالم میں چیتوں کے ذریعے سے شکار میں مشغول رہا ۔ اس بارہ روز کے عرصے میں چار سو چھبیس ہرن پکڑے ، اور ۱۳ آذر کو دہلی واپس آیا ۔

میں نے حضرت عرش آشیانی سے سنا تھا کہ جس ہرن کو چیتے کے ذریعے سے پکڑا جائے ، اس ہرن کو چیتے کے دانتوں یا پنجوں سے خراش نہ لگنی چاہیے ورنہ اس کا زندہ رہنا محالات میں سے ہے ۔ اس شکار میں میں نے مزید احتیاط کے ساتھ چند خوب صورت قوی ہیکل ہرنوں ان کو چیتے کے پنجے یا دانتوں سے کوئی خراش لگنے سے پہلے چیتے سے چھڑوا کر حکم دیا کہ ان کی نگرانی رکھی جائے اور ان کی محافظت اور تیمارداری نہایت اچھے طریقے پر کی جائے ۔ یہ ہرن ایک رات اور ایک دن اچھی حالت میں نہایت آرام و اطمینان سے رہے ، دوسرے دن ان کی حالت میں نمایاں تبدیلی دیکھی گئی ۔ وہ مستوں کی طرح لڑکھڑاتے ، گر پڑتے [282] اور پھر کھڑے ہوتے تھے ۔ انھیں تریاق فاروق اور دوسری مناسب دوائیں دی گئیں لیکن ان کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا ، یہاں تک کہ ایک پہر اسی حالت میں رہ کر مر گئے ۔

سلطان پرویز کے بڑے بیٹے کا انتقال :

اسی دن افسوس ناک خبر ملی کہ سلطان پرویز کے بڑے بیٹے[1] نے آگرے میں وفات پائی ۔ چونکہ وہ پھول کی طرح خوب صورت اور شگفتہ تھا اور فرزند پرویز کو اس سے نہایت محبت اور دل بستگی تھی ، وہ اس سانحہ دل خراش سے بہت متاثر اور ملول ہوا اور اس سے بہت سی اضطراب اور بے چینی کی کیفیات ظاہر ہوئیں ۔ میں نے اس کی دل جوئی اور تسلی کے لیے عنایت نامہ بھیجا ، اور اس طرح اس کے اندرونی ناسور پر لطف و شفقت کا مرہم رکھا ۔ امید ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کو صبر و قرار عنایت فرمائے گا کہ اس قسم کے حادثات آسانی میں تحمل اور بردباری سے بڑھ کر کوئی رفیق و غم گسار نہیں ہو سکتا ۔

۱- اس لڑکے کا نام سلطان دور اندیش تھا ، یہ سنہ ۹ جلوس کے آخری ایام میں پیدا ہوا تھا ۔

آغاے آغایان کی درخواست کو شرف قبولیت :

۱۴ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو جمعہ کے روز آغاے آغایان کے التماس پر میں اس کے گھر گیا ۔ وہ میرے اور میرے عالی شان خاندان کے اولیں اور موروثی خدمت گزاروں میں ہے ۔ حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ نے جب میری شادی کی تھی ، تو آغاے آغایان کو میری بہن شاہزادی خانم کی خدمت سے ہٹا کر میرے محل کی خدمت پر مقرر کیا تھا ۔ اس تاریخ سے لے کر اس وقت تک تینتیس سال ہوئے کہ وہ میری خدمت میں ہے ۔ میں اسے نہایت عزیز رکھتا ہوں اور اس کا لحاظ کرتا ہوں ۔ انھوں نے بھی پورے اخلاص کے ساتھ ہمارے سلسلے کی خدمت کی ہے ۔ کسی سفر اور کسی یورش میں بھی اپنے ارادے اور اختیار سے وہ میری ملازمت سے محروم نہیں ہوئے ۔ اب انھوں نے بڑھاپے کو محسوس کر کے مجھ سے التجا کی ہے کہ اگر اجازت ہو تو میں دہلی میں مقیم رہ کر اپنی بقیہ عمر آپ کی دعا گوئی میں بسر کر دوں کہ اب مجھ میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رہی ، اور آنے جانے میں نہایت تکلیف محسوس کرتا ہوں ۔ مجھ پر ان کی اس خوش نصیبی کا بہت اثر ہے کہ وہ حضرت عرش آشیانی کے ہم عمر[1] ہیں ۔ مختصر یہ کہ میں نے ان کے عیش و آرام کو ملحوظ رکھ کر حکم دیا کہ وہ دہلی میں قیام کریں ۔ انھوں نے پہلے ہی سے دہلی میں اپنے لیے ایک باغ ، سراے اور مقبرے کی تعمیر شروع کرائی ہے اور ایک مدت سے اس کی تکمیل میں مشغول ہیں ۔ قصہ مختصر یہ کہ میں ان کی قدیم خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ، ان کے گھر گیا اور سید بہوہ[2] حاکم شہر دہلی کو حکم دیا کہ وہ اپنے ماتحتوں کو ان کی خدمت گزاری اور دل داری کی اس قدر تاکید کرے کہ کسی طرح بھی کلفت اور تکلیف کا غبار ان کے دل پر نہ بیٹھ سکے ۔

اسی تاریخ میں راجا کشن داس کو دو ہزاری ذات و سیصد سوار کے منصب سے اصل و اضافے کے ساتھ سر بلند کیا ۔

۱- اکبر ۱ کتوبر ۱۵۴۲ع میں پیدا ہوا تھا ، اس طرح اس کی عمر ستر پر میات ہونی چاہیے ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۱۱۱) ۔

۲- رک : حاشیہ نمبر ۱۹ ۔

چوں کہ سید بہوہ (۲۱) نے فوج داری دہلی کی خدمات، جیسا کہ چاہیے اچھی طرح انجام دی تھیں، اور اس علاقے کے لوگ اس کے حسنِ سلوک سے نہایت خوش تھے، اس لیے میں نے حسبِ سابق شہر دہلی کی حفاظت اور نگرانی اور دہلی کے اطراف کی فوج داری پر اس کو بحال رکھا، اور اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزاری ذات و شش صد سوار سے سرفراز کیا، اور ہاتھی عنایت کر کے رخصت کیا۔

۱۵ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن میرزا والی کو دو ہزاری و ہزار سوار کا منصب عنایت کیا، اور جھنڈے اور ہاتھی سے سرفراز کر کے صوبۂ دکن میں متعین کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی حاضری:

اس مرتبہ میرے دہلی آنے پر شیخ عبدالحق دہلوی (۲۲) نے جو اہلِ علم و فضل اور اربابِ سعادت میں ہیں، شرفِ حضوری حاصل کیا۔ انھوں نے ایک کتاب[1] جو ہندوستان کے مشائخ و صوفیا کے حالات پر مشتمل ہے، تصنیف کی ہے۔ ان کی یہ کتاب میری نظر سے گزری۔ انھوں نے اس تصنیف پر بہت محنت کی ہے۔ وہ ایک مدت سے دہلی میں گوشہ نشین ہو کر متوکلانہ اور درویشانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قابلِ قدر انسان ہیں۔ ان کی ملاقات لطف سے خالی نہیں۔ میں نے ان کی گوناگوں الطاف و عنایات سے دل جوئی کر کے رخصت کیا۔

دہلی سے کوچ:

۱۶ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو اتوار کے دن دہلی سے [283] روانہ ہوا۔

کیرانہ میں قیام:

۲۱ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) جمعہ کے دن پرگنۂ کیرانہ میں قیام ہوا۔ یہ پرگنہ مقرب خاں کا وطن ہے۔ یہاں کی آب و ہوا معتدل اور زمین زرخیز ہے۔ مقرب خاں نے یہاں باغات لگائے اور عمارتیں بنوائی ہیں۔ چوں کہ میں نے کئی بار اس کے باغ کی تعریف سنی تھی، اس لیے میرے دل میں اس باغ کی سیر کا شوق تھا۔

۱- اس کتاب کا نام اخبار الاخیار ہے جو صوفیا کا مشہور تذکرہ ہے۔

۲۲ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن میں محل کی خواتین کے ساتھ اس باغ کی سیر سے محظوظ ہوا ۔ بلاشبہ یہ نہایت شاندار اور دل کش باغ ہے اس کے گرد پختہ دیواروں کا احاطہ کھینچا گیا ہے اور اس کی روشوں میں اینٹوں کا فرش لگایا گیا ہے ۔ یہ باغ ایک سو چالیس بیگھے پر ہے ۔ باغ کے درمیان ایک حوض بنایا گیا ہے ۔ اس حوض کا طول دو سو بیس گز اور عرض دو سو گز ہے ۔ حوض کے درمیان ایک ماہتابی چبوترہ بنایا گیا ہے جو بائیس گز مربع ہے ۔ کوئی درخت بھی ایسا نہیں ، خواہ وہ گرم مقامات کا ہو یا سرد مقامات کا ، جو اس باغ میں نہ ہو ۔ تمام درخت میوہ دار جو ولایت ماوراءالنہر میں ہوتے ہیں ، یہاں تک کہ پستے کے درخت بھی اس باغ میں سرسبز ہوئے ہیں ۔ اس باغ میں سرو اس قدر خوش قامت اور خوش نما دیکھنے میں آئے کہ اس سے پہلے میں نے نہیں دیکھے تھے ۔ میں نے حکم دیا کہ سرو کے درختوں کو شمار کیا جائے ، چناں چہ تین سو درخت شمار میں آئے ۔ حوض کے اطراف میں مناسب عمارتیں بنائی گئی ہیں ، جو اب تک کام میں آتی ہیں ۔

۲۴ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو پیر کے دن خنجر خاں کو جو قلعۂ احمد نگر کی حفاظت و نگرانی پر مامور ہے ، دو ہزار و پانصدی ذات و ہزار و شش صد سوار کے منصب سے سربلند کیا ۔

شاہجہان کے لڑکے کی ولادت :

۲۶ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن خدائے تعالیٰ نے فرزند شاہجہان کو آصف خاں کی بیٹی کے بطن سے ایک فرزند[1] عنایت فرمایا ۔ شاہجہان نے میرے حضور میں ہزار مہریں نذر گزران کر اس لڑکے کے نام رکھنے کی استدعا کی ۔ میں نے اس کا نام امید بخش رکھا ۔ امید ہے کہ اس سلطنت کے لیے اس کا قدم مبارک ہوگا ۔

۲۷ آذر ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن کیرالہ میں

---

۱ - یہ بچہ ۱۶۱۹ع میں پیدا ہوا ، اور ۱۶۲۲ع میں برہان پور میں فوت ہو گیا ۔

قیام رہا ۔ یہاں کے ان چند روزہ قیام کے دوران میں توغدری[1] اور جرز[2] کے شکار سے محظوظ ہوا ۔ جرز بور کے متعلق میں نے حکم دیا کہ اس کا وزن کیا جائے ۔ اس کا وزن سوا دو سیر جہانگیری ہوا ، اور ابلق ڈھائی سیر کا نکلا ، اور بڑی توغدری کا وزن جرز بور سے ایک پاؤ زاید نکلا ۔

۵ ماہ دے ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن مقام اکبر پور میں کشتی سے اتر کر خشکی کے راستے سے سفر شروع کیا ۔ آگرے سے لے کر اس منزل تک کہ جہاں سے دو کوس کے فاصلے پر پرگنہ بوڑیہ[3] واقع ہے ، مجموعی فاصلہ ایک سو تیئیس کوس کا ہے ، جس میں دریا کے راستے سے اکیانوے کوس اور خشکی کے راستے سے چونتیس کوس سفر کیا ۔ اس کے طے کرنے میں چونتیس دن سفر اور سترہ دن قیام میں گزرے ۔ اس کے علاوہ ایک ہفتہ شہر آگرہ سے نکلنے میں اور بارہ روز پالم میں شکار میں گزرے ۔ ان کو ملا کر جملہ ستر دن ہوتے ہیں ۔

اسی تاریخ میں جہانگیر قلی خان نے بہار سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور سو مہریں اور سو روپے بطور نذر پیش کیے ۔

گزشتہ مبارک شنبہ (جمعرات) سے کم شنبہ (بدھ) یعنی ۱۱ ماہ آذر تک مسلسل سفر کیا ۔

۱۲ ماہ دے ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن سرہند پہنچ کر سرہند کے باغ کی سیر سے محظوظ ہوا ۔ یہ ایک قدیم باغ ہے اور اس کے درخت پرانے ہیں ۔ ان درختوں میں وہ شادابی جو پہلے نظر آتی تھی ، اب نظر نہیں آتی ، لیکن اس کے باوجود یہ باغ غنیمت ہے ۔ خواجہ اویسی کو

۱- **توغدری :** (ہوبرہ) (ہ - و - ب - ر - ہ) ترکی لفظ سے ماخوذ ہے ۔ ایک وحشی پرندہ ہے جس کا گوشت حلال ہے یہ خانگی مرغ سے بڑا ، لمبی گردن ، زرد پر جس پر چتیاں ہوتی ہیں ۔ یہ پرند بے وقوفی میں ضرب المثل ہے ۔ (رک : فرہنگ نفیسی ، ص ۹۱۶ و فرہنگ عمید ، ص ۱۲۵) ۔

۲- جرز (چرز) : ایک پرندہ ہے ۔ چھوٹا ، خوش آواز ، چڑیا سے مشابہ ۔ اس کے سر پر پروں کا تاج ہوتا ہے ۔ (رک : فرہنگ عمید ، ص ۳۷۸) ۔

۳- یہ سنبھل میں واقع ہے ۔

جو فن زراعت اور فن تعمیر سے خوب واقف ہے ، میں نے محض اس باغ کی درستی کے لیے آگرے سے سرہند کا کروڑی[1] مقرر کر کے بھیجا تھا ۔ اس نے اس باغ کی ایک حد تک تعمیر اور ترمیم کی ہے ۔ میں نے پھر اس کو تاکید کی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پرانے درخت اکھڑوا کر نئے اور تازہ درخت لگائے ، روشوں[2] کو نئے سرے سے صاف ستھرا کر کے قدیم عمارتوں کی ترمیم کرے ، اور دوسری عمارتیں مثلاً حمام وغیرہ مناسب جگہ پر بنائے ۔

[284] اسی تاریخ دوست بیگ کو جو عبداللہ خاں کے مددگاروں میں ہے ہفت صدی ذات و پنجاہ سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

وزیر خاں کے بیٹے مظفر حسین کو شش صدی ذات و سیصد سوار کے منصب سے سربلند کیا ۔

شیخ قاسم کو دکن کی خدمت کی بجا آوری کے لیے رخصت کیا ۔

شاہجہان کے بیٹے کی پیدائش کے جشن میں شرکت :

۱۹ ماہ دے ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن فرزند سعادت مند شاہجہان کی التجا پر اس جشن میں شریک ہونے کے لیے اس کے گھر گیا جو اس نے اپنے بیٹے کی ولادت پر جو حق جل و علیٰ کی نوازش ہے ، منعقد کیا تھا ۔ یہ نہایت شاندار جشن تھا ۔ اس موقع پر اس نے جو پیش کش میرے ملاحظے سے گزرانا ، منجملہ اور اشیاء کے اس میں ایک شمشیر نیمچہ یک آویز[3] ہے جس کے دستے اور دیگر متعلقات کو فرنگ کے تراشے ہوئے لیلم سے

۱۔ کروڑی : ابتداً ایسی زمین یا جاگیر جس کا محصول ایک کروڑ ٹنکہ ہوتا تھا ۔ یہ جاگیر یا زمین جس کو عطا کی جاتی تھی ، اسے کروڑی کہتے تھے ۔ بعد میں یہ لفظ ''محصل اعلیٰ'' کے لیے استعمال ہونے لگا ۔ جس کا محکمۂ مالیات سے تعلق رکھنے کی وجہ سے دیوان کی سفارش پر تقرر کیا جاتا تھا ، کیوں کہ دیوان ہی وزیر مال گزاری و خزانہ ہوتا تھا ۔

۲۔ یہاں عراق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔ یہ عرق ہی ہو سکتا ہے ۔ اس کے معنی روش کے ہوتے ہیں (دیکھئے : بیورج ۲ ، ص ۱۱۲)

۳۔ نیمچہ یک آویز : چھوٹی مڑے پھل کی تلوار کو کہتے ہیں ۔

مرصّع کیا گیا ہے ، بلاشبہ یہ نہایت عمدہ اور پسندیدہ بنایا گیا ہے ، اس کے علاوہ ایک ہاتھی ہے ، جو راجا بکلانہ اور برہان پور نے فرزند شاہجہان کو پیش کیا تھا . چوں کہ یہ ہاتھی خوبصورت اور خوش فعلیاں کرتا ہے اس لیے میں نے حکم دیا کہ اس ہاتھی کو شاہی ہاتھیوں میں شامل کیا جائے . اس کے پیش کش میں سے جو چیزیں پسند آئیں اور قبول کی گئیں ان کی مجموعی قیمت ایک لاکھ تین ہزار روپے ہوگی .

ان ہی دنوں سید بایزید بخاری فوجدار صوبۂ بکھر نے ایک رنگ (پہاڑی بکرا) جسے بچپنے ہی سے اس نے پہاڑ سے لا کر پرورش کیا تھا ، بطور پیش کش بھیجا تھا ، میری نظر سے گزرا . یہ پہاڑی بکرا مجھے نہایت پسند آیا . ایسے مار خور بکرے اور شاخ دار مینڈھے جنھوں نے گھر میں پرورش پائی ہو ، میں نے بہت سے دیکھے ہیں ، لیکن گھریلو پالتو رنگ (پہاڑی بکرا) میرے دیکھنے میں اب تک نہ آیا تھا . میں نے حکم دیا کہ اسے بربری بکری کے ساتھ ملا کر یک جا رکھیں ، تا کہ وہ جفتی کھائیں اور بچّے پیدا ہوں . بلاشبہ یہ مار خور بکرے اور قچقار (پہاڑی سفید بھیڑ) سے کوئی نسبت نہیں رکھتا . سید بایزید کو میں نے ہزاری ذات و ہفت صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا .

۲۳ دے ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو پیر کے روز مقیم خان کو خلعت ، گھوڑے ، ہاتھی اور مرصّع کھپوے سے سرفراز کرکے صوبۂ بہار پر متعین کیا .

۲۹ دے ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو اتوار کے دن دریائے بیاہ کے کنارے فرزند اقبال مند شاہجہان کا جشن وزن منایا گیا .

اسی روز بکرماجیت (۲۳) نے جو محاصرۂ قلعۂ کانگڑہ میں مشغول تھا ، حسب الحکم بعض ضروریات کے عرض کرنے کے لیے میری بارگاہ میں حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی .

۳۰ دے ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو پیر کے دن فرزند شاہجہان رخصت لے کر لاہور گیا تا کہ وہ اُن نئی عمارتوں کو ، جو دولت خانے میں حال ہی میں تعمیر ہوئی تھیں ، دیکھے .

راجا بکرماجیت خاص خنجر ، خلعت اور گھوڑے سے سرفراز ہو کر قلعۂ کانگڑہ کے محاصرے پر واپس گیا .

باغ کلا نور میں نزول :

۲ ماہ بہمن ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن باغ کلانور میں مقام ہوا۔ اسی سرزمین میں حضرت عرش آشیانی نے تخت خلافت پر جلوس فرمایا تھا ۔

خان عالم کی ایران سے واپسی :

جب خان عالم کے (جو ایران کے بادشاہ، شاہ عباس کے پاس بطور ایلچی گیا ہوا تھا) نزدیک پہنچنے کی خبر ملی تو میں ہر روز ایک ملازم کو اس کی قدر افزائی کے لیے روانہ کرتا رہا اور روزانہ اس کو انواع و اقسام کے فرامین نے، جو مراحم خسروانہ اور نوازش شاہانہ پر مشتمل تھے، بھیج کر اس کی عزت و مراتب میں اضافہ کرتا رہا۔ ہر مرتبہ فرامین کے عنوان کو کسی مصرعے یا فی‌البدیہہ شعر سے مناسب و موزوں مقام پر زینت دے کر اسے اپنی عنایتوں سے مسرور و سرشار بناتا رہا۔ منجملہ ان کے ایک مرتبہ اس کو عطر جہانگیری روانہ کیا تو بے اختیار یہ شعر زبان قلم پر آ گیا :

بسویت فرستادہ ام بوے خویش
کہ آرم ترا زود تر سوے خویش

۳ ماہ بہمن ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن خان عالم نے باغ کلانور میں حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔ سو مُہریں اور ایک ہزار روپے بطور نذر گزرانے۔ وہ اپنا پیش کش بھی بعد میں میری نظر سے گزرانے گا۔ اس نے عرض کیا کہ عنقریب برادرم شاہ عباس[1] کا ایلچی زنبیل بیگ شاہ ایران کے مراسلے اور اس ملک کی نفیس اشیاء کے ساتھ جو بطور سوغات آپ کی خدمت میں بھیجی گئی ہیں، پہنچے گا۔ پھر اس نے شاہ ایران کی ان عنایتوں اور مرحمتوں کو بھی بیان کیا جو شاہ ایران نے اس کے لیے روا رکھیں [285]۔ اگر انھیں یہاں تفصیل سے لکھا جائے تو ان کو مبالغے پر محمول کیا جائے گا۔

۱۔ شاہ عباس اول : معروف بہ شاہ عباس کبیر، فرزند سلطان محمد صفوی، معروف بہ خدا بندہ بن شاہ طہماسپ اول۔ ولادت : ۹۷۸ھ۔ اختیار حکومت : ۹۸۸ھ : وفات : شب پنج شنبہ ۲۴ جمادی‌الاول ۱۰۳۸ھ، مازندران۔ (رک : دہ خدا)

شاہ عباس ہمیشہ اس کو گفتگو میں خان عالم سے مخاطب کرتے تھے اور ایک لمحے کے لیے بھی اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔ اتفاق سے اگر کبھی دن یا رات کو وہ گھر میں رہ جاتا تو بے تکلف اس کے گھر جا کر اُسے زیادہ سے زیادہ عنایتوں سے سرفراز کرتے۔ ایک روز فرخ آباد میں ہانکے کا شکار کھیلنے کا انتظام کیا تو انھوں نے تیر اندازی کے لیے سب سے پہلے خان عالم کو حکم دیا۔ خان عالم نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کمان میں دو تیر چڑھا کر اُن کے سامنے پیش کیے۔ شاہ ایران نے شاہی ترکش سے پچاس تیر اسے عنایت کیے۔ اتفاق سے ان تیروں سے پچاس تیر شکار کو لگے اور دو تیر خطا ہوئے۔ اس وقت اُن چند ملازموں میں سے ان کو کہ جو شاہی محفلوں اور مجلسوں میں آمد و رفت رکھتے تھے، تیراندازی کا حکم دیا۔ ان میں سے اکثروں نے خوب تیر چلائے، لیکن محمد یوسف قراول نے ایسا تیر مارا جو دو سوروں کے جسم کو چھیدتا ہوا نکل گیا، جس پر شاہ کے مقربین کے منہ سے بے اختیار صدائے تحسین نکلی۔ جب خان عالم رخصت ہونے لگا تو شاہ نے اس سے بغلگیر ہو کر اس پر انتہائی التفات کا اظہار فرمایا۔ جب وہ شہر سے روانہ ہو کر پہلی منزل میں ٹھہرا تو اُس کو وداع کرنے کے لیے اُس منزل تک تشریف لے گئے اور معذرت کر کے اُسے رخصت کیا۔

ایک نادر و نایاب تحفہ:

خان عالم اپنی خوش نصیبی کی بدولت جو نفیس اور نادر روزگار تحائف اپنے ساتھ لایا ہے، اُن میں صاحب قران (امیر تیمور) (۲۳) کے جنگ کی ایک تصویر ہے جو اُنھوں نے تقتمیش خان کے ساتھ لڑی تھی۔ اس تصویر میں خود امیر تیمور اور ان کی اولاد امجاد اور اُن اُمرائے عظام کی تصویریں ہیں، جو جنگ میں اُن کے ہمراہ تھے۔ ہر تصویر کے نیچے اُس کا نام لکھا ہوا ہے، جس کی وہ تصویر ہے۔ یہ تصویر دو سو چالیس آدمیوں پر مشتمل ہے۔ مصور نے اپنا نام خلیل میرزا شاہ رخی لکھا ہے۔ اس کے فن میں نہایت پختگی اور کمال پایا جاتا ہے۔ اس کا فن استاد بہزاد کے فن سے اس قدر مطابقت اور مشابہت رکھتا ہے کہ اگر اس تصویر پر مصور کا نام لکھا نہ ہوتا تو یہی گمان ہوتا کہ یہ تصویر بہزاد کی بنائی ہوئی ہے، لیکن چوں کہ خلیل میرزا کا زمانہ بہزاد سے پہلے ہے، اس لیے گمان غالب یہ ہے کہ بہزاد اُس کے شاگردوں میں ہوگا، اور

بہزاد نے تصویر کشی میں اس کی روش اختیار کی ہوگی ۔ یہ گراں قدر تحفہ عالی منزلت شاہ اسماعیل اول یا حضرت شاہ طہماسپ کے کتب خانے سے منتقل ہو کر شاہ عباس کے کتب خانے میں پہنچا ۔ وہاں سے صادق نامی کتاب دار نے اسے چرا کر کسی آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیا ۔ اتفاق سے اصفہان میں یہ تصویر خان عالم کے ہاتھ لگی اور اس کی اطلاع شاہ عباس کو بھی ہو گئی کہ خان عالم کے ہاتھ اس قسم کا تحفہ لگا ہے ۔ شاہ نے کسی بہانے سے اس تحفے کو دیکھنے کے لیے طلب فرمایا ۔ خان عالم نے ہر چند چاہا کہ بلطائف الحیل اس کو ٹال دے ، جب بار بار شاہ نے اس کے دیکھنے کے لیے اصرار فرمایا تو مجبوراً اس نے اس تصویر کو شاہ کی خدمت میں بھجوا دیا ۔ شاہ نے دیکھتے ہی اس تصویر کو پہچان لیا کہ یہ وہی تصویر ہے جو اُن کے کتب خانے سے غائب ہو گئی تھی ۔ شاہ نے ایک دن اس تصویر کو اپنے پاس رکھا ۔ چوں کہ وہ جانتے ہیں کہ اس قسم کی نفیس و نادر اشیاء سے مجھے کس قدر دل چسپی ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمیں اس قسم کی چیزوں کے طلب کرنے میں بحمد اللہ تھوڑی یا بہت ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی ، انھوں نے اس حقیقت کو خان عالم پر واضح کرتے ہوئے پھر یہ تصویر خان عالم کو واپس کر دی ۔

جس وقت میں نے خان عالم کو عراق بھیجا تھا تو اس کے ساتھ بشن داس نامی مصور کو بھی روانہ کیا تھا ، جو تصویر کشی میں یکتائے روزگار ہے ، اور اُسے حکم دیا تھا کہ وہ شاہ عباس اور اُن کے عمدہ ارا کین سلطنت کی تصویریں کھینچ کر لائے ۔ چناں چہ اس نے ان میں سے اکثروں کی تصویریں کھینچی تھیں ۔ وہ تصویریں اُس نے میرے ملاحظے میں پیش کیں ۔ خاص طور پر شاہ کی تصویر تو اس نے بہت ہی عمدہ کھینچی ہے ۔ چناں چہ میں نے شاہ کے جس مقرب ملازم کو بھی وہ تصویر دکھائی ۔ ہر ایک نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ بہت خوب ہے ۔

اسی تاریخ قاسم خان نے لاہور کے دیوان اور بخشی کے ساتھ آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

بشن داس مصور کو ہاتھی عنایت کیا ۔

بابا خواجہ کو جو صوبۂ قندھار کے مددگاروں میں [286] ہے ، ہزاری

ذات و پانصد و پنجاه سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

۶ ماہ بہمن ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو منگل کے دن اعتمادالدولہ مدار المہام نے اپنے لشکر کو میرے ملاحظے سے گزرانے کے لیے آراستہ کیا ۔ اگرچہ اس نے صوبۂ پنجاب کا نظم و نسق اپنے وکلا کے سپرد کر دیا ہے اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں اس کی جاگیریں پھیلی ہوئی ہیں ، لیکن اس کے باوجود پانچ ہزار سوار میری نظر سے گزرے ۔

چوں کہ کشمیر کی وسعت اس قدر نہیں کہ اس کے محصول کی آمدنی اس لشکر کو کافی ہو سکے جو میرے ہمراہ ہے ، اس کے علاوہ میری آمد کی خبر کی وجہ سے غلے اور اجناس کا نرخ بہت بڑھ چکا ہے ، اس لیے میں نے رفاہ عامہ کے پیش نظر حکم دیا کہ جو مقربین و اُمرا میرے ہم رکاب ہیں ، وہ اپنے لشکریوں کا انتظام کر کے ان میں سے چند کو ، جن کا ساتھ رکھنا ضروری ہے ، ساتھ رکھیں اور بقیہ کو اپنے اپنے محال جاگیروں میں واپس کر دیں ، اور اسی طرح شاگرد پیشوں اور حیوانات کی کمی میں بھی انتہائی احتیاط ملحوظ رکھیں ۔

۱۰ ماہ بہمن ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن **فرزند اقبال‌مند شاہجہان** نے **لاہور** سے آ کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

جہانگیر قلی خاں کو خلعت ، گھوڑے اور ہاتھی سے سرفراز کر کے اس کو اس کے بھائیوں اور فرزندوں کے ساتھ صوبۂ **دکن** کی طرف رخصت کیا ۔

طالب آملی کو ملک الشعراء کا خطاب :

اسی تاریخ میں **طالب آملی** (۲۵) کو **ملک الشعراء** کا خطاب دے کر خلعت امتیاز پہنایا ۔ وہ **آمل** کا رہنے والا ہے ۔ کچھ دن وہ **اعتماد الدولہ** کے ساتھ رہا ۔ جب شاعری میں وہ اپنے ہم عصروں سے بڑھ گیا تو وہ درباری شعراء کے زمرے میں شامل کیا گیا ۔ یہ چند شعر اس کے ہیں :

ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہاں بر چہرہ زخمے بود بہ شد

عشق در اول و آخر همه ذوق است و سماع
این شرابے است کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است

گر من بجائے جوهر آئینہ بودمے
بے رو نما ترا بتو کے می نمودمے

دو لب دارم، یکے در مے پرستی
یکے در عذر خواہی ہائے مستی

۱۴ ماہ بہمن ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو پیر کے دن سلطان قوام کے بیٹے حسینی نے ذیل کی رباعی کہہ کر پیش کی :

گردے کہ ترا ز طرفِ داماں ریزد
آب از رخِ سرمۂ سلیماں ریزد
گر خاکِ درت باسحاں بفشارند
از وے عرقِ جبینِ شاہاں ریزد

معتمد خاں نے اسی وقت ایک رباعی پڑھی جو مجھے نہایت پسند آئی ، اور جسے میں نے اپنی بیاض میں لکھ لیا :

زیرم بفراقِ خود چشانی کہ چہ شد
خوں ریزی و آستیں فشانی کہ چہ شد
اے غافل از آنکہ تیغِ ہجرِ تو چہ کرد
خاکم بفشار تا بدانی کہ چہ شد[1]

طالب (۲۶) صفاہان کا رہنے والا ہے : عنفوانِ شباب میں درویشی و قلندری و تجرید کے لباس میں اس کا گزر کشمیر میں ہوا ۔ وہاں کی نفاست اور خوش گوار

---

۱ - یہ رباعی بابا طالب اصفہانی کی ہے . ملا عبدالقادر بدایونی نے اس رباعی کو طالب اصفہانی کے حالات میں درج کیا ہے . ابوالفضل نے اکبری شعرا کے ضمن میں بابا طالب کا ذکر کیا ہے اور یہ رباعی بھی درج کی ہے .
(رک : منتخب التواریخ ، ج ۳ : ص ۲۶۵ ، کلکتہ ایڈیشن . و آئین اکبری ، جلد اول) .

آب و ہوا سے متاثر ہو کر اس نے کشمیر ہی کو اپنا وطن بنا لیا اور وہیں شادی کر کے زندگی بسر کرنے لگا۔ کشمیر کے فتح ہونے کے بعد حضرت عرش آشیانی کی خدمت میں حاضر ہو کر اُمرا کے زمرے میں شامل ہو گیا۔ اب اس کی عمر سو سال کے لگ بھگ پہنچ چکی ہے۔ آج کل وہ کشمیر میں اپنے بیٹوں اور متعلقین کے ساتھ نہایت اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہے، اور اس سلطنت ابد مدت کے لیے دست بہ دعا ہے۔

شیخ محمد میر سے ملاقات:

جب مجھے اس کی اطلاع ملی کہ لاہور میں میاں شیخ محمد میر (۲۷) نامی ایک درویش سندھی نژاد ہیں، جو نہایت فاضل، ریاضت کش، مبارک نفس اور صاحبِ حال بزرگ ہیں اور وہ گوشۂ توکل وعزلت میں گوشہ نشین ہو کر فقر کی دولت سے غنی [287] اور دنیا سے بے نیاز ہیں، یہ سن کر میری حق پسند طبیعت ان کی ملاقات کے لیے بے قرار ہوئی اور اُن کے دیکھنے کا جذبہ اشتیاق اور بڑھا۔ چونکہ لاہور جانا مشکل تھا اس لیے میں نے اُن کی خدمت میں ایک رقعہ لکھا اور اس رقعے میں اپنے اشتیاق ملاقات کو ظاہر کیا۔ وہ بزرگ بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود زحمت سفر برداشت کر کے میری ملاقات کے لیے تشریف لائے اور ایک طویل مدت تک تخلیے میں ان کے ساتھ میری صحبت رہی۔ فی الحقیقت وہ نہایت شریف النفس بزرگ ہیں اور اس زمانے میں اُن کا وجود نہایت غنیمت ہے۔ یہ نیاز مند اُن سے والہانہ محبت رکھتا ہے۔ بہت سی حقائق و معارف کی بلند باتیں ان سے سنیں۔ میں نے ہر چند چاہا کہ اُن کے سامنے نذر پیش کروں لیکن اُن کے عزم و حوصلے کو دیکھ کر اور اس سے بلند و بالا پا کر میرے دل نے اس ارادے کو پورا کرنے کی اجازت نہ دی۔ سفید ہرن کی کھال کی جائے نماز ان کی خدمت میں پیش کی۔ وہ ملاقات سے فارغ ہونے کے بعد فوراً لاہور واپس تشریف لے گئے۔

ایک عجیب و غریب مالن:

۲۳ ماہ بہمن ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ء) کم شنبہ (بدھ) کے دن دولت آباد کے قریب نزول اجلال ہوا۔ یہاں ایک باغبان کی لڑکی نظر آئی جس کی مونچھیں اور

یک مشت داڑھی تھی۔ یہ لڑکی مردوں سے مشابہ تھی۔ اس کے سینے پر بھی بال نکلے ہوئے تھے لیکن اس کے چھاتیاں نہ تھیں۔ میں نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ اس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ اُس نے بتایا کہ اُسے اب تک حیض نہیں آیا۔ یہ علامت ہے اولاد نہ ہونے کی۔ اس کے اس بیان پر میں نے چند عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اُسے پردے میں لے جا کر دیکھیں کہ کہیں وہ خنثیٰ تو نہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس میں اور دوسری عورتوں میں بال برابر فرق نہیں۔ چونکہ یہ ایک عجیب و غریب بات تھی اس لیے میں نے یہاں لکھ دی۔

۲۴ ماہ بہمن ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن باقر خاں نے ملتان سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔

الہ داد ولد جلالہ باربکی کا شرف حضوری :

گزشتہ اوراق میں لکھا جا چکا ہے کہ الہ داد ولد جلالہ باربکی[1] نے شاہی لشکر سے فرار ہو کر بد بختی کی راہ اختیار کی تھی۔ اس زمانے میں وہ شرمندہ ہو کر اپنے ایک آشنا باقر خاں کے ذریعے سے اعتمادالدولہ سے ملتجی ہوا کہ وہ اس کے جرم کی معافی کے لیے مجھ سے سفارش کرے۔ میں نے اعتمادالدولہ کی التجا پر حکم دیا کہ اگر الہ داد اپنے کیے پر شرمندہ ہے تو وہ میری بارگاہ میں حاضر ہو، اس کی لغزشوں اور جرائم کو معاف کر دیا جائے گا۔ اس تاریخ میں باقر خاں اس کو میری بارگاہ میں لے کر آیا۔ میں نے اعتمادالدولہ کی مکرر سفارش پر اُسے معاف کر دیا اور خجالت و ندامت کا داغ اس کی پیشانی سے دھو دیا۔

جموں کے راجا سنگرام کو راجگی کے خطاب اور ہزاری ذات و پانصد سوار، اور ہاتھی اور خلعت سے سرفراز کیا۔

سیانہ دو آب کے فوجدار غیرت خاں کو ہشت صدی ذات و پانصد سوار کے منصب سے سر بلند کیا۔

---

[1] باربکی : غالباً یہ لفظ تاریکی ہے، اس لیے کہ پیر با یزید جو الہ داد کے دادا تھے، ان کے معتقدین ان کو پیر روشان اور ان کے مخالفین ان کو پیر تاریک کہا کرتے تھے۔ (رک : تذکرہ صوفیائے سرحد، مؤلفہ اعجاز الحق قدوسی، ص ۷۴)۔

خواجہ قاسم کو ہفت صدی ذات و دو صد و پنجاہ سوار کے منصب سے سر بلند کیا۔

تہمتن بیگ ولد قاسم خان کوکہ کو پانصدی ذات و سیصد سوار کا منصب عنایت کیا۔

خان عالم کو خاص ہاتھی مع ساز و سامان کے عنایت کیا۔

اسی منزل میں باقر خان کو ہزار و پانصدی ذات و پان صد سوار کے منصب سے سرفراز کر کے پھر اُسے صوبے داری پر رخصت کیا۔

۲۸ ماہ بہمن ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) پیر کے دن پرگنۂ کروہی میں جو دریائے بھٹ (جہلم) کے کنارے واقع ہے، نزول اجلال کیا۔

چوں کہ یہ کوہستان میری مقررہ شکارگاہوں میں ہے، اس لیے قراولوں نے میرے حکم کے مطابق پہلے سے یہاں آ کر گھیرا ترتیب دیا تھا۔

یکم اسفندار ماہ الٰہی ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن قراولوں نے چھ کوس کے فاصلے سے شکار کو ہانک کر اس طرف لانا شروع کیا۔

۲ ماہ اسفندار ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن وہ شکار کو حدبندی میں لے آئے۔ چناں چہ ایک سو ایک پہاڑی مینڈھے اور چکارے میں نے شکار کیے۔

چوں کہ مہابت خان ایک طویل مدت سے میری حضوری کی سعادت سے محروم تھا، میں نے اس کی التجا پر حکم دیا تھا کہ اگر وہ اپنی مفوضہ مہم کے نظم و نسق کی طرف سے مطمئن ہو اور اسے کسی طرف سے بھی کوئی خطرہ نہ ہو [288] تو وہ فوجوں کو تھانجات میں مقرر کر کے دربار میں حاضر ہو جائے۔ چناں چہ اس نے اسی روز آستاں بوسی کی سعادت حاصل کر کے سو مُہریں نذر گزرانیں۔

خان عالم کی منصب پنج ہزاری سے سرفرازی:

خان عالم کو پنج ہزاری ذات و سہ ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

اسی زمانے میں نورالدین قلی کی پونچ کے راستے سے عرضداشت پہنچی، جس میں لکھا تھا کہ اس نے راستے کے ٹیلوں کو حتی الامکان دور کر کے ہموار کر دیا ہے، لیکن اتفاق سے چند دن شبانہ روز برف باری ہوئی اور درے کے اوپر تین گز

برف پڑ چکی ہے اور ابھی تک برف باری ہو رہی ہے ۔ اگر پہاڑ سے باہر ایک ماہ توقف فرمایا جائے تو اس راہ سے گزرنا ممکن ہوگا ورنہ اس راستے سے گزرنا سخت دشوار ہے ۔ چوں کہ اس سفر کی غرض و غایت کشمیر کا موسم بہار دیکھنا تھا اور ٹھہرنے سے یہ موقع ہاتھ سے جانے کا اندیشہ تھا ، مجبوراً اس راستے کو چھوڑ کر پکھلی اور دستور کی راہ سے کشمیر روانہ ہوا ۔

دریائے جہلم سے عبور :

۳ ماہ اسفندار ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۹ع) کو جمعہ کے دن دریائے بہٹ (جہلم) کو عبور کیا ۔ باوجود اس کے کہ دریا کا پانی کمر تک تھا ۔ چوں کہ دریا کا پانی نہایت تیز بہہ رہا تھا اور لوگوں کو دریا کے عبور کرنے میں سخت زحمت کا سامنا تھا ، لہٰذا میں نے حکم دیا کہ دو سو ہاتھی گھاٹ پر لے جا کر ان کے ذریعے سے لشکریوں کا سامان و اسباب دوسرے کنارے پر پہنچایا جائے اور لشکر میں جو لوگ ضعیف اور کمزور ہوں ، وہ بھی ہاتھیوں پر سوار ہو کر دریا کو عبور کریں تا کہ کسی قسم کا جانی و مالی نقصان نہ ہو ۔

خواجہ جہان کی وفات :

اسی تاریخ میں خواجہ جہان کی وفات کی خبر پہنچی ۔ وہ میرے قدیم ملازموں اور شہزادگی کے زمانے کے خدمت گاروں میں تھا ۔ اگرچہ آخر میں میری ملازمت سے علیحدہ ہو کر چند روز تک حضرت عرش آشیانی کی ملازمت میں رہا ، لیکن چوں کہ وہ کسی غیر کے پاس نہیں گیا تھا ، اس لیے مجھے اس کی یہ بات زیادہ ناگوار نہ تھی ۔ چناں چہ تخت نشین ہونے کے بعد میں نے اس کے ساتھ وہ رعایتیں کیں جو اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گزری تھیں ، یہاں تک کہ میں نے اسے پنج ہزاری ذات و سہ ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔ اس کے حالات اس کتاب میں مختلف تقاریب کے ضمن میں گزر چکے ہیں ۔ اس نے نہایت عمدہ خدمات انجام دی تھیں ۔ اس کی خدمت گزاری میں ایک جدت تھی ، لیکن حصول صلاحیت اور ذاتی استعداد اور دوسری جزئیات سے ، جو جوہر انسانیت کا خاصہ ہیں ، بے بہرہ تھا ۔ اس سفر کے دوران اسے ضعف قلب کی شکایت ہو گئی ، لیکن وہ کمزوری اور بیماری کے باوجود ہم رکاب رہا ۔ جب اس کی کمزوری زیادہ

بڑھی تو وہ کلانور سے رخصت ہو کر لاہور چلا گیا۔

۴ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن قلعۂ رہتاس میں شاہی لشکر آترا۔

قاسم خان کو گھوڑا، شمشیر اور خاص پرم نرم عنایت کر کے لاہور رخصت کیا۔ راستے میں ایک باغیچہ ملا، میں نے اس باغیچے میں کھلتے ہوئے شگوفوں کا نظارہ کیا۔

اس منزل میں تیھو (لوے) دستیاب ہوئے۔ لوے کا گوشت چکور کے گوشت سے لذیذ ہوتا ہے۔

۱۵ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو اتوار کے دن میرزا رستم کے بیٹے میرزا حسن کو ہزاری ذات و چہار صد سوار سے سربلند کر کے صوبۂ دکن میں متعین کیا۔

خواجہ عبداللطیف قوش بیگی کو بھی ہزاری ذات و چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

اسی منزل میں ایسے پھول نظر آئے جو اندر سے سفید اور باہر سے سرخ، اور بعضے اندر سے سرخ اور باہر سے زرد تھے۔ فارسی میں انھیں لالہ بیگانہ کہتے ہیں، اور ہندی میں تھل کہتے ہیں، جس کے معنی زمین کے ہیں۔ چوں کہ کنول کا پھول پانی کے ساتھ خاص ہے، اس لیے اس کو تھل کنول کہتے ہیں، یعنی کنول صحرائی۔

کشتوار کی فتح کی خبر:

۹ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن دلاور خان حاکم کشمیر کی عرضداشت پہنچی، جس میں فتح کشتوار کی خوش خبری تھی۔ اس فتح کی تفصیل دلاور خان کے آنے کے بعد تحریر میں لائی جائے گی۔ میں نے اسے لطف و عنایت پر مشتمل ایک فرمان، خاص خلعت اور مرصع خنجر کے ساتھ بھیجا۔ اور اس کی اس بہادری پر اس حسن خدمت کے صلے میں اس مفتوحہ علاقے کا ایک سال کا محصول اسے عنایت کیا۔

حسن ابدال میں قیام :

۱۴ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو منگل کے دن [289] حسن ابدال میں نزول اجلال کیا ۔

چوں کہ اس راہ کی کیفیت اور خصوصیات یورش کابل کے ضمن میں پہلے لکھی جا چکی ہیں اس لیے میں نے انھیں مکرر نہیں لکھا ۔ یہاں سے کشمیر تک کے حالات انشاء اللہ منزل بمنزل لکھے جائیں گے ۔ اکبر پور کی منزل سے جس تاریخ سے کہ میں نے سلامتی و خیریت کے ساتھ کشتی سے اُتر کر حسن ابدال تک خشکی کا راستہ اختیار کیا ، یہ ایک سو اٹھتر کوس ہوتا ہے ۔ یہ مسافت میں نے اٹھتر روز میں طے کی ، اس میں اڑتالیس کوچ اور ایک مقام ہوا ۔ اس منزل میں ایک بہتا ہوا چشمہ ، ایک آبشار اور ایک حوض نہایت نفیس واقع ہے ، یہاں دو دن قیام رہا ۔

جشن وزن قمری :

۱۶ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن قمری مہینوں کے حساب سے میری عمر کا ترپن واں سال سلامتیوں اور برکات کے ساتھ شروع ہونے پر میں نے جشن وزن قمری منعقد کیا ۔

چوں کہ اس منزل سے آگے پہاڑ ، گھاٹیاں اور نشیب و فراز بہت سے تھے ، اور بیک وقت اُن سے لشکر کا گزرنا دشوار تھا ، اس لیے طے پایا کہ حضرت مریم زمانی ، دوسری بیگموں کے ساتھ چند دن اور قیام کرکے آرام کے ساتھ تشریف لائیں ۔ اور مدار الملک اعتماد الدولہ خاقانی ، صادق خان بخشی اور ارادت خان میر سامان بیوتات کے عملے اور شاہی کارخانجات کے عملے کے ساتھ عبور کریں ، اور رستم میرزا صفوی اور خان اعظم اور دوسرے ملازمین شاہی کو پونچ کے راستے سے روانگی کی اجازت دی گئی ۔

۱۷ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو شاہی سواری جمعہ کے دن ، چند مقربین بارگاہ اور ضروری ملازموں کے ساتھ ساڑھے سترہ کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع سلطان پور میں اُتری ۔

رانا امر سنگھ کی وفات :

اسی تاریخ کو رانا امر سنگھ کی خبر آئی کہ وہ اودھے پور میں اجل طبعی سے فوت ہو گیا ، جس کی وجہ سے میں نے اس کے پوتے جگت سنگھ اور اس کے بیٹے بھیم کو جو میری ملازمت میں ہیں ، خلعت سے سرفراز کیا ، اور حکم دیا کہ راجا کشن داس ، مرحمت آمیز فرمان رانا کے خطاب کے ساتھ اور خلعت اور گھوڑا اور خاص ہاتھی کنور کرن کے لیے لے جائے ، اور مراسم تعزیت اور تہنیت ادا کرے ۔

اس علاقے کی ایک عجیب و غریب روایت :

اس علاقے کے لوگوں سے سننے میں آیا کہ اس زمانے میں جب کہ موسم برسات نہیں ہوتا ، اور مطلقاً کوئی علامت بادل اور کڑک و چمک کی نہیں ہوتی ، ایسے میں ایک آواز بادلوں کی کڑک کے مانند اس پہاڑ سے سنائی دیتی ہے ، اس لیے اس پہاڑ کو گرج کہتے ہیں ، البتہ ایسی آواز سال دو سال میں آتی ہے ۔ میں نے کئی مرتبہ یہ بات حضرت عرش آشیانی کی محفل میں بھی سنی تھی ۔ چوں کہ یہ بات عجائبات سے خالی نہیں اس لیے میں نے لکھ دی ۔ والعلم عنداللہ ۔

موضع سنجے میں قیام :

۱۸ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن ساڑھے چار کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع سنجے میں قیام کیا ۔ یہ منزل ہزارا قارلغ کے پرگنے کی حد میں ہے ۔

موضع نوشہرہ میں مقام :

۱۹ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو اتوار کے دن پونے چار کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع نوشہرہ میں قیام کیا ۔ یہ جگہ دھنتور کی حد میں داخل ہے ۔ جہاں تک کہ نظر کام کرتی ہے ، ہر جگہ سبزہ اوگا ہوا تھا ، جس میں جا بجا گل تھل کنول اور گل سرشت کھلے ہوئے تھے ، جو نہایت اچھے معلوم ہو رہے تھے ۔

۲۰ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو ساڑھے تین کوس کی مسافت طے

کر کے موضع سلہر میں قیام کیا ۔
مہابت خاں نے جواہر اور مرصّع آلات کی قسم سے ساٹھ ہزار روپے کی مالیتی اشیا بطور پیش کش گزرانیں ۔
اس سر زمین میں ایک پھول نظر آیا جو گل خطمی کی طرح تھا ، لیکن اُس سے کسی قدر چھوٹا اور سرخ و آتشیں پھول تھا ۔ چند پھول یک جا کھلے ہوئے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں ، اور دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پھول ہے ۔ اس کا درخت خوبانی کے برابر ہوتا ہے ۔ اس پہاڑ کے دامن میں خود رو پھول بہ کثرت کھلے ہوئے تھے ۔ ان کی خوش بو تیز تھی اور رنگ بنفشے کے پھولوں سے ہلکا تھا ۔

موضع سانکلی میں نزول :

۲۱ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو منگل کے دن تین کوس کا سفر طے کر کے موضع سانکلی میں قیام کیا ۔

مہابت خاں کو بنگش واپس جانے کی اجازت :

اسی دن مہابت خاں کو میں نے بنگش کی خدمت پر رخصت کیا ۔ [290] اور رخصت کرتے وقت گھوڑا ، خاص ہاتھی اور خلعت پوستیں عنایت کیا ۔
اسی دن بارش شروع ہوئی اور منزل پر پہنچنے تک ہلکی ہلکی بارش برستی رہی ۔
۲۲ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن بھی بارش ہوئی اور صبح کے وقت برف بھی پڑی ، جس سے راستے کا بڑا حصہ بند ہو گیا تھا اور بارش کی وجہ سے پھسلن بھی ہوگئی تھی ۔ اس پھسلن کی وجہ سے کمزور باربردار چوپائے جس جگہ گر پڑتے ، پھر اُٹھ نہ سکتے تھے ۔ اس طرح سرکار خاصہ کے پچیس شاہی ہاتھی تصدق ہوگئے ۔ بارش کی وجہ سے میں نے اس منزل میں دو روز قیام کیا ۔
۲۳ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن سلطان حسین زمیندار پکھلی نے زمیں بوس ہونے کی سعادت حاصل کی ۔ یہ مقام پکھلی کے حدود میں داخل ہے ۔
عجیب اتفاق یہ ہے کہ جب حضرت عرش آشیانی کشمیر جاتے ہوئے اس

منزل سے گزرے تھے تب بھی اس منزل میں برف باری ہوئی تھی ، اور اس کے بعد اب برف پڑی ۔ جب کہ میں اس منزل سے گزر رہا ہوں ، اس کے درمیانی چند سال میں مطلقاً برف نہیں پڑی بلکہ بارش بھی کم ہوئی ۔

موضع سوادنگر میں قیام :

۲۴ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو جمعہ کے دن چار کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع سوادنگر میں مقام کیا ۔ اس راستے میں گھنا جنگل تھا اور خوبانی اور آڑو کے درختوں پر شگوفے پھوٹ کر صحرا کی وسعت کو اپنے دامن میں لیے ہوئے تھے اور صنوبر کے درختوں پر نظروں کو سرو کے درختوں کا دھوکا ہوتا تھا ۔

پکھلی میں قیام :

۲۵ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو ہفتے کے دن ساڑھے تین کوس کی مسافت طے کر کے پکھلی کے سامنے قیام کیا ۔

۲۶ ماہ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو اتوار کے دن چکور کے شکار کے لیے سوار ہو کر گیا ۔ دن کے آخری حصے میں سلطان حسین زمیندار پکھلی کی التجا پر اس کے گھر گیا ، اور اس طرح اس کے پایۂ عزت کو اس کے ہم عصروں میں بڑھا دیا ۔ حضرت عرش آشیانی بھی اُس کے گھر تشریف لے گئے تھے ۔ اُس نے قسم قسم کے گھوڑے ، خنجر ، باز اور بہری بطور پیش کش گزرانے ۔ میں نے گھوڑے اور خنجر اس کو واپس بخش کر اور باز اور بہری قبول کر کے ان کے متعلق حکم دیا کہ یہ تیار رکھے جائیں اور ان سے جو بچے پیدا ہوں ، میرے ملاحظے سے گزرانے جائیں ۔

سرکار پکھلی کا حدود اربعہ :

سرکار پکھلی کا طول پینتیس کوس اور عرض پچیس کوس ہے ۔ اس کے مشرق سمت میں کوہستان کشمیر اور مغربی سمت میں اٹک ، بنارس اور شمالی سمت میں کنور اور جنوبی سمت میں گکھر واقع ہے ۔

جس زمانے میں صاحب قران فاتح جہان (امیر تیمور) نے ہندوستان فتح

کیا تھا اور فتح ہندوستان کے بعد جب وہ توران کے دارالملک کو لوٹے تو کہتے ہیں کہ یہاں کے موجودہ باشندوں کے اجداد کو ، جو اُن کے ساتھ ہم رکاب تھے ، اس علاقے میں جگہ عطا کر کے یہاں چھوڑ گئے تھے ۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ذات قارلغ ہے ، لیکن یہ لوگ صحیح طور پر نہیں جانتے کہ اُس زمانے میں ، جب کہ امیر تیمور نے ان کے آباؤ اجداد کو یہاں آباد کیا تھا ، ان کا سربرآوردہ شخص کون تھا اور اُس کا کیا نام تھا ۔ اب تو یہ لوگ محض لاہوری ہو گئے ہیں ، اور لاہور ہی کی زبان بولتے ہیں ۔ دہنتور کے رہنے والے لوگوں کے حالات بھی اسی قسم کے ہیں ۔

حضرت عرش آشیانی کے زمانے میں شاہ رخ نامی دہنتور کا زمیندار تھا ۔ اب اس کا بیٹا بہادر نامی ہے ۔ اگرچہ پکھلی اور دہنتور کے لوگوں کی آپس میں رشتہ داریاں ہیں لیکن جھگڑا جو زمینداروں کا خاصہ ہے ، وہ ان میں بھی سرحد اور حدود کے بارے میں ہوتا رہتا ہے ۔ یہ سب کے سب ہماری سلطنت کے سلسلہ بہی خواہ چلے آ رہے ہیں ۔

سلطان حسین کا باپ سلطان محمود اور بہادر کا باپ شاہ رخ دونوں کے دونوں میری شاہزادگی کے زمانے میں میری خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔ باوجود اس کے کہ سلطان حسین ستر سال کا ہے لیکن اس کے قوائے ظاہری میں ذرا بھی فرق نہیں آیا ۔ سواری اور سپاہیانہ دوڑ دھوپ کی تاب و توانائی جیسی چاہیے ، اس میں موجود ہے ۔

اس علاقے میں روٹی اور چاول سے بوزہ (شراب) بنائی جاتی ہے ۔ جسے سر کہتے ہیں ۔ یہ بوزہ (شراب) دوسری شرابوں کی بہ نسبت نہایت تند و تیز ہوتی ہے ۔ یہاں کے لوگوں کی روزی کا دار و مدار اسی سر پر ہے ۔ جس قدر بھی یہ پرانی ہوتی ہے ، بہتر ہوتی ہے ۔ یہ لوگ سر کو مٹکے میں رکھ کر اور مٹکے کے منہ کو مضبوط بند کر کے دو تین سال تک گھر میں محفوظ رکھتے ہیں ۔ اس کے بعد مٹکے کے منہ سے پانی نتھار لیتے ہیں ۔ اُسے آچھی کہتے ہیں ۔ آچھی دس سال تک کی بھی پرانی ہوتی ہے ، بلکہ اُس سے بھی پہلے کی ہوتی ہے ۔ یہ جتنی بھی پرانی ہوتی ہے ، اُتنی ہی اچھی ہوتی ہے ۔ اس کی کم از کم مدت ایک سال ہے ۔ سلطان محمود اس سر کا پیالہ بھر کر ایک ہی سانس میں [291] پی جاتا تھا ۔ سلطان حسین بھی اس کا عادی ہے اور میرے لیے سر کی اعلیٰ

قسم لے کر آیا تھا ۔ میں نے بطور آزمائش کے اُسے پیا ۔ اگرچہ میں ایک بار اور بھی اسے پی چکا ہوں ۔ اس کا سرور بھوک لگانے والا ہے لیکن کڑواہٹ سے خالی نہیں ۔ معلوم ہوا کہ اس کے نشے میں اضافہ کرنے کے لیے اس میں تھوڑی سی بھنگ ملاتے ہیں جس سے اس کا نشہ بڑھ جاتا ہے ۔ اگر شراب میسر نہ ہو تو یقیناً یہ شراب کا نعم البدل ہو سکتی ہے ۔

اس علاقے کے میووں میں خوبانی ، آڑو ، اور امرود ہیں ۔ چوں کہ یہ خودرو ہوتے ہیں ، یہاں کے باشندے ان کی کوئی پرداخت نہیں کرتے ، اس لیے یہ سب پھل ترش اور بدمزہ ہوتے ہیں ، البتہ اُن کے شگوفوں سے حظ اٹھایا جا سکتا ہے ۔ یہ لوگ اپنے گھر اور دوسری عمارتیں اہل کشمیر کی وضع پر لکڑی کے بناتے ہیں ۔ یہاں شکاری جانور بھی ملتے ہیں ۔ یہاں کے لوگ گھوڑے ، اونٹ ، گائیں ، اور بھینسیں پالتے ہیں ۔ یہاں بھیڑ ، بکریاں اور مرغ بکثرت ہیں ۔ یہاں خچر چھوٹے قد کے ہوتے ہیں ، جو بہت بوجھ اٹھانے کے لیے کارآمد نہیں ۔

چوں کہ مجھے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ آگے کی چند منزلوں میں کوئی آبادی ایسی نہیں جہاں سے لشکر کے لیے غلہ فراہم ہو سکے ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ ڈیرے اور اسباب کو بقدر ضرورت کم کر دیا جائے ، اور کارخانہ جات بھی وہ ساتھ رکھے جائیں جن کا رکھنا ضروری ہے ، اور ہاتھیوں کی تعداد میں کمی کر دی جائے ۔ اور جو لوگ ہم رکاب ہیں ، اُن میں سے چند منتخب ساتھیوں کو چھوڑ کر باقی تمام ملازم خواجہ ابوالحسن بخشی کی سرکردگی میں چند منزل پیچھے رہ کر آئیں ۔ انتہائی حزم و احتیاط کے باوجود سات سو ہاتھی ، پیش خانہ اور شاہی کارخانہ جات کی بار برداری کے لیے ضروری قرار پائے ، اس سے زیادہ کمی کی گنجائش نہ تھی ۔

سلطان حسین کا منصب سابق میں چہار صدی ذات و سیصد سوار تھا ، اب میں نے اس کو شش صدی ذات و سیصد و پنجاہ سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور اُسے خلعت ، مرصع خنجر اور ہاتھی عنایت کیا ۔

دھنتور کے زمیندار بہادر کے منصب کو جو بنگش کے لشکر کی کمک پر متعین ہے ، میں نے اصل و اضافے کے ساتھ دو صدی ذات و یک صد سوار کر دینے کا حکم دیا ۔

۲۹ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن سوا پانچ کوس

کی مسافت طے کی اور نین سکھ نالے کو عبور کر کے قیام کیا ۔ نین سکھ نالہ شمال سے جنوب کی جانب بہتا ہے اور اس نالے کا منبع کوہ وارو کے درمیان ہے جو ولایت بدخشاں اور تبت کے درمیان واقع ہے ۔ چوں کہ اس جگہ یہ نالہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اس لیے لشکر عبور کرنے کے لیے حسب الحکم دو پل لکڑی کے بنائے گئے تھے ؛ ایک طول میں اٹھارہ گز اور دوسرا طول میں چودہ گز تھا ، عرض میں دونوں پل پانچ گز تھے ۔ اس علاقے میں پل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ شاخ دار درخت پانی میں ڈال دیتے ہیں اور ان کے دونوں سروں کو پتھروں سے باندھ کر مضبوط کرتے ہیں ، اور اس پر لکڑی کے موٹے تختے رکھ کر کیلیں ٹھونک کر رسیوں سے مضبوط باندھ دیتے ہیں ۔ یہ پل کبھی کبھی تھوڑی سی مرمت کر دینے سے سالہا سال اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے ۔ مختصر یہ کہ ہاتھی نالے سے اور سوار و پیادے پل پر سے گزرے ۔ سلطان محمود نے اس نالے کا نام نین سکھ رکھا تھا جس کے معنی ہیں راحت چشم ۔

کوتل پیم درنگ :

۳۰ اسفندار ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو مبارک شنبہ **(جمعرات)** کے دن تقریباً ساڑھے تین کوس کا فاصلہ طے کر کے دریائے کشن گنگا کے کنارے قیام کیا ۔ اس راستے میں ایک اونچا درہ واقع ہے ، جس کی چڑھائی ڈیڑھ کوس ہے ، اور اترائی بھی اسی قدر ہے ۔ اس درے کو پیم درنگ کہتے ہیں ۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کشمیری زبان میں روئی کو پیم کہتے ہیں ۔ چوں کہ کشمیر کے حاکموں نے یہاں ایک داروغہ مقرر کیا تھا ، جو اس علاقے سے روئی لے جانے والوں سے محصول وصول کرتا تھا ، اور یہ اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ محصول کے وصول کرنے میں دیر لگائی جاتی تھی ، اس لیے یہ پیم درنگ سے مشہور ہو گیا ۔

دریا کے عبور کرنے کے بعد ایک نہایت عمدہ آبشار آئی ۔ میں نے روزانہ کی مقدار شراب اس آبشار کے کنارے ایک درخت کے سائے میں پی ۔ شام کے وقت اپنی قیام گاہ پر لوٹ آیا ۔

قدیم سے اس دریا پر ایک پل تھا جو چون گز لمبا اور ڈیڑھ گز چوڑا تھا ۔ [292] اس پر سے لوگ پیدل گزرتے تھے ۔ میرے حکم سے ایک دوسرا

پُل اِن کے برابر بنایا گیا جس کا طول ترپن گز اور عرض تین گز تھا۔ چوں کہ پانی گہرا اور تیز تھا، اس لیے ہاتھیوں کو بغیر ساز و سامان کے بوجھ کے نالے کے اندر سے گزارا گیا، اور سوار، پیادے اور گھوڑے پُل پر سے گزرے۔ یہاں حضرت عرش آشیانی کے حکم سے ایک پشتے پر پتھر اور چونے سے ایک مضبوط سرائے بنی ہوئی ہے، جس کا رخ دریا کی طرف ہے۔ چوں کہ سورج کی تحویل میں ایک دن باقی رہ گیا تھا، اس لیے میں نے معتمد خاں کو بھیجا کہ وہ تخت نشینی اور جشن نوروز کے لیے کسی مرتفع زمین کا انتخاب کرے۔ اتفاقاً اسے پُل سے گزرتے ہی دریا کے رخ پر یہ سرسبز و شاداب پشتہ مل گیا، جس کے اوپر پچاس گز کا مسطح رقبہ تھا، گویا کارفرمایانِ قضا و قدر نے اُسے اسی روز کے لیے اس غرض سے بنایا تھا۔

معتمد خاں نے جشن نوروز کا انتظام اس پشتے کی بلندی پر کیا تھا۔ مجھے اس کا یہ انتظام اور جگہ کا انتخاب بہت پسند آیا جس کی وجہ سے میں نے اس کو تحسین و آفرین سے نوازا۔ دریائے کشن گنگا جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے، اور دریائے بھٹ (جہلم) مشرق سے آ کر کشن گنگا میں مل کر شمال کی طرف بہتا ہے۔

حواشی جشن چہاردہم

(۱) شجاعت خان عرب : مبارک عرب کا بھتیجا تھا - ۲ جلوس جہانگیری میں چہار صدی دویست سے سرفراز ہوا اور خان جہان لودھی کے ساتھ دکن میں متعین ہوا - ۱۰ جلوس جہانگیری میں اضافہ پانصدی و دو صد سوار سے سرفراز ہوا - ۱۱ جلوس جہانگیری میں شجاعت خان کے خطاب سے سربلند ہوا . اس کی جاگیر صوبہ گجرات میں تھی اور وہیں رہتا تھا ، اس نے وہیں وفات پائی . (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۶۴۱ - ۶۴۲) .

(۲) نورالدین قلی کوتوال : عہد جہانگیری میں دارالخلافہ آگرہ کی کوتوالی سے سرفراز ہوا - ۲۲ جلوس جہانگیری میں ہزار و سہ صد کے منصب سے سرفراز ہوا . مہابت خان کی بغاوت اور فراری کے بعد اُس فوج میں جو اُس کے تعاقب میں روانہ کی گئی تھی ، اجمیر پہنچ کر وہیں جہانگیر کی وفات تک مقیم رہا . جب شاہجہان اجمیر پہنچا تو اس نے اس کا سابق منصب دو ہزاری و ہفت صد سوار بحال رکھا - ۲۵ جلوس شاہجہانی ۱۰۶۱ھ میں جب کہ وہ دربار برخاست کر کے اپنے گھر جا رہا تھا ، جسونت راٹھور کے بیٹے کشن سنگھ نے اُس کینے کی بنا پر کہ جہانگیر کے زمانے میں نورالدین قلی کے لوگوں نے اس کے باپ کو مار ڈالا تھا ، شدید زخمی کرکے اُس کا کام تمام کر دیا . (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۸۱۷ - ۸۱۸) .

(۳) خدمتیہ : یہ پیادوں میں شمار ہوتے تھے . ابوالفضل کہتا ہے کہ یہ دولت خانے کے گرد "چشم آگہی" وا کیے پڑے رہتے تھے . وہ دولت خانہ شاہی کے محافظ ہوتے تھے اور اُن کے ذمے یہ بات ہوتی تھی کہ وہ دیکھیں کہ شاہی احکام کی تعمیل پورے طور پر ہو رہی ہے یا نہیں . ان کا مشاہرہ معقول ہوتا تھا . (س)

(۴) شاہجہان کی والدہ : عام مورخین اس کا نام مان متی جودھ بائی بیان کرتے ہیں مگر اس کا صحیح نام جو معاصرین نے لکھا ہے ، جگت گوسائیں (مان متی)

ہے . وہ راجا مالدیو کی پوتی تھی اور راجا اودے سنگھ راٹھور عرف موٹا راجا فرمانروائے جودھ پور کی بیٹی تھی - ۱۹ رجب ۹۹۳ھ کو شہزادہ سلیم (جہانگیر) کے ساتھ بیاہی گئی - ۳۰ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ ۳۶ جلوس اکبری میں اس کے بطن سے شاہزادہ خرم (شاہجہاں) پیدا ہوا . خرم ، اکبر اعظم کا تجویز کردہ نام ہے .

جگت گوسائیں نہایت حسین ، دانش‌مند ، نیک طینت اور باسلیقہ خاتون تھی . اس نے ۳۰ جمادی الثانی ۱۰۲۸ھ بروز جمعہ وفات پائی . وفات کے بعد آل بابر کے دستور کے مطابق اس کا خطاب بلقیس مکانی قرار پایا . اس کی وصیت کے مطابق اُسے نور منزل کے قریب باغ دہرہ میں دفن کیا گیا ، جو آگرے کے مشہور گاؤں خواجہ سرائے کے پاس واقع ہے . اس کے ایک طرف مال پورہ اور دوسری طرف فتح پور سیکری ہے . (رک : فرزندان ہند ، ج ۱ : ص ۸۹ ، (س) . شاہجہاں نامہ ، ۱ : ص ۹۸) .

(۵) راجا سورج سنگھ (راٹھور) : ولد راجا اودے سنگھ ، عرف موٹا راجہ . وفات : ۱۴ جلوس جہانگیری ، مطابق ۱۰۲۸ھ (رک : مآثرالامرا ، ص ۱۷۹-۱۸۳)

(۶) علی مردان بہادر : اکبر کے امرا میں سے تھا . یہ عہد جہانگیری میں بھی موجود تھا - ۷ جلوس جہانگیری میں یہ عبداللہ خان فیروزجنگ کے ساتھ متعین تھا . علی مردان نے ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ۲ : ص ۷۷۳ - ۷۷۵) .

(۷) کرم اللہ : ولد علی مردان . یہ فردوس آشیانی (شاہجہاں) کے عہد میں ہزاری ہزار سوار کے منصب پر فائز تھا . کچھ دنوں دکن کے علاقے میں اودگیر کا قلعہ‌دار رہا - ۲۱ جلوس شاہجہانی میں اس نے وفات پائی . (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۷۷۵) .

(۸) مہتر خان : کا نام انیس تھا جو ہمایوں کا غلام تھا اور کڑہ مانک پور سے قیدیوں میں آیا تھا . پھر یہ دربانی خادمان محل کے زمرے میں تقرر ہوا . جب ہمایوں عراق کی طرف روانہ ہوا تو یہ بھی اس کے ہم رکاب تھا . اُس وقت یہ اُس کا خزانہ دار تھا . اکبر کے عہد میں جب قلعۂ

رن تھنبور فتح ہوا تو اکبر نے اسے وہاں کا قلعہ دار مقرر کیا ۔ ۲۱ جلوس اکبری میں جب کنور مان سنگھ ، رانا پرتاپ زمیندار میواڑ کی تنبیہ پر مامور کیا گیا تو اس کا نام بھی اس کے ہمراہیوں میں تھا ۔ اس نے سہ ہزاری ذات و سوار کے منصب تک ترقی کی ۔ وفات ۳ جلوس جہانگیری مطابق ۱۰۱۷ھ بہ عمر ۸۴ سال ۔ (رک : ماثرالامرا ، ص ۳۴۴) ۔

(۹) مونس خان : عہد جہانگیری میں پانصد ذات و یک صد وسی سوار کا منصب رکھتا تھا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۳۴۵) ۔

(۱۰) راجا سارنگ دیو : امرائے عہد جہانگیری میں سے تھا ۔ ۱۴ جلوس جہانگیری میں منصب ہفت صدی سے سرفراز ہوا ۔ ۱۷ جلوس جہانگیری میں راجا کے خطاب اور منصب ہزار و پانصدی و شش صد سوار سے متفخر ہوا ۔ ۹ جلوس شاہجہانی میں قلعہ عنبر کوٹ کی مہم میں بہادری کے جوہر دکھائے اور قلعے میں داخل ہو گیا ۔ ۸ جلوس شاہجہانی میں ججھار سنگھ بندیلہ کی سرکوبی کے لیے مامور ہوا ۔ (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۶۳ - ۲۶۴) ۔

(۱۱) بھارت بندیلہ : رام چند پسر راجا مدھکر کا پوتا تھا ۔ ۸ جلوس جہانگیری میں رام چند کے انتقال کے بعد راؤ بھارت منصب عمدہ اور خطاب راجگی سے سرفراز ہوا ۔ ۱۴ جلوس جہانگیری میں منصب شش صدی و چہار صد سوار سے سرفراز ہو کر ہاتھی مرحمت ہوا ۔ آخر عہد جہانگیری تک منصب دو ہزار و پانصدی ذات و دو ہزار سوار تک ترقی پائی ۔

عہد شاہجہانی میں فوجدار اٹاوہ مقرر ہوا ۔ ۹ جلوس شاہجہانی میں قصبہ دکلور فتح کیا ، اور اس حسن خدمت کے صلے میں منصب چہار ہزاری ذات ، سہ ہزار و پانصد سوار سے سربلند ہوا اور وہیں فوت ہوا ۔ (رک : امرائے ہنود ، ص ۹۹ - ۱۰۰) ۔

(۱۲) راجا سنگرام : جموں کا راجا تھا ۔ ۱۴ جلوس جہانگیری میں راجا کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ ۱۵ جلوس جہانگیری میں اسے جموں جاگیر میں عطا ہوا اور منصب ہزار و پانصدی ذات و ہزار سوار سے سربلند ہو کر قاسم خان کے ساتھ کانگڑے میں متعین ہوا ۔

۲ جلوس شاہجہانی میں اس نے قلعہ پرینڈہ کی تسخیر میں غیرمعمولی کام انجام دیے ۔ (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۶۴) ۔

(۱۳) حکیم رگھناتھ : (رک : اُمرائے ہنود ص ۳۶۶)

(۱۴) شیخ احمد سرہندی : (حضرت مجدد الف ثانی) کا نام احمد، لقب بدرالدین، کنیت ابوالبرکات اور عرف امام ربّانی ہے۔ آپ کی ولادت ۴ شوال ۹۷۱ھ مطابق ۲۶ جون ۱۵۶۲ع کو سرہند میں ہوئی۔ آپ نے درسی کتب اپنے والد شیخ عبدالاحد سے پڑھیں۔ ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں شیخ یعقوب صرفی، مولانا قاضی ابدال بدخشانی اور مولانا کمال کشمیری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کر کے سرہند واپس آ کر اپنے والد کی سرپرستی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

پھر آپ حضرت شیخ باقی باللہ کی خدمت میں ۱۰۰۸ھ میں حاضر ہوئے اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ کچھ عرصے کے بعد آپ اپنے مرشد کے حکم سے سرہند واپس آئے۔ پھر دو مرتبہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آخری مرتبہ آپ کے مرشد نے حکم دیا کہ آپ لاہور تشریف لے جائیں۔ ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ کو حضرت باقی باللہ کا وصال ہوا تو اُس وقت آپ لاہور ہی میں مقیم تھے۔ ان کی وفات کی خبر ملتے ہی آپ دہلی تشریف لائے۔ پھر سرہند تشریف لے جا کر رشد وہدایت اور اصلاح خلق میں مصروف ہوگئے، خصوصاً آپ نے اکبر کی پیدا کردہ لادینی فضا کے خلاف جہاد شروع کیا۔ آپ نے جہانگیر کے عہد میں شیخ فرید بخاری جیسے متقی اور خدا پرست امیر کے توسط سے اس دور کے دوسرے اُمرا سے ربط پیدا کیا اور اپنے مکاتیب اور خطوط کے ذریعے سے ان گمراہیوں کی بیخ کنی کی طرف توجہ دلائی جن کو اکبر نے پیدا کیا تھا، اور جہانگیر کے عہد میں بھی وہ گھن کی طرح لگی ہوئی تھیں۔ انھیں دنوں آپ کے مکاتیب مرتب ہوئے جن میں آپ کے دفتر اول کے مکتوب گیارہ پر بعض مخالفین کو اس کی عبارتوں اور خیالات پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا۔ اس خط کی وہ عبارت جس پر اعتراض کیا گیا، اُس کا ترجمہ حسب ذیل ہے، حضرت مجدد الف ثانی نے اس خط میں اپنے روحانی عروج کا ذکر کیا ہے : (ترجمہ)

> ''دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کے ملاحظے کے وقت اور بہت سے مقام ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے۔ نیاز و عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اُس پہلے مقام سے اوپر کے مقام

میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ذی النورین رض کا مقام ہے ، اور دوسرے خلفا کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے ، اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے ، اور ایسے ہی اس مقام سے اوپر کے دو مقام بھی ، جن کا اب ذکر ہوتا ہے ، تکمیل و ارشاد کے مقام ہیں اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا . جب اس مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروق اعظم رض کا مقام ہے ، اور دوسرے خلفا کا بھی وہاں عبور واقع ہوا ہے . اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا . بندہ اس مقام پر بھی پہنچا اور اپنے مشائخ میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ پاتا تھا ، اور دوسرے خلفا کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے . سوائے عبور اور مقام اور مرور اور اثبات کے کچھ فرق نہیں ہے ، اور اس مقام سے اوپر سوائے آنحضرت صلعم کے اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا ، اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام ہے کہ اس جیسا کبھی نظر نہ آیا تھا ، ظاہر ہوا . وہ مقام محبوبیت کا مقام ہے ، اور وہ مقام رنگین اور منقش تھا . اپنے آپ کو بھی اس مقام کے عکس سے رنگین معلوم کیا .''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خط سے بعض آپ کے مریدوں کو بھی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں . شیخ بدیع الدین ، جو آپ کے ایک مرید تھے ، ان پر اعتراض کیا گیا کہ تمھارا پیر تو اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رض سے بھی افضل سمجھتا ہے ، تو انھوں نے ایک عریضہ اپنے مرشد کی خدمت میں لکھ کر اس خط کی عبارتوں کی توضیح طلب کی . چنان چہ حضرت مجدد صاحب نے اس کے جواب میں جو توضیحات لکھیں ، وہ مکاتیب کے دفتر اول کے ایک مکتوب نمبر ۲۰۲ میں مندرج ہیں . لیکن معترضین کی اس سے تشفی نہیں ہوئی اور آپ کے کئی مریدوں ، مثلاً میرزا فتح اللہ گیلانی اور قاضی سنام نے مکتوب نمبر ۱۱ کی بنا پر آپ کے طریقے سے علیحدگی اختیار کرلی . اس پر آپ نے ایک اور مفصل مکتوب میرزا فتح اللہ گیلانی کو لکھا ،

جس میں تحریر فرمایا کہ میں قطعاً اپنے تئیں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے افضل نہیں سمجھتا ۔ اس خط میں لکھا کہ :

''وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیق رضؓ سے افضل جانے ، اس کا حال دو امر سے خالی نہیں ؛ یا وہ زندیق محض ہے یا جاہل ۔ وہ شخص جو حضرت امیر رضؓ کو حضرت صدیق رضؓ سے افضل کہے ، اہل سنت و جماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے ، تو پھر اس شخص کا کیا حال ہے ، جو اپنے آپ کو افضل جانے ۔''

حضرت مجدد کی اس تشریح کے بعد جو بالکل واضح اور صاف تھی ، لوگوں کا اطمینان ہو جانا چاہیے تھا ، لیکن نہیں معلوم کہ ان کی کیوں تشفی نہیں ہوئی ۔ بعض لوگوں نے اس کی شکایت جہانگیر تک پہنچائی ۔ چناں چہ جہانگیر نے حاکم سرہند کی معرفت حضرت مجدد کو بلوایا ۔ پھر جو کچھ ہوا ، اس کی تفصیل توزک کے متن میں موجود ہے ۔

توزک کے علاوہ اس واقعے کی کچھ اور تفصیلات آزاد بلگرامی کی کتاب سبحۃ المرجان میں ملتی ہیں ۔ سبحۃ المرجان میں ہے کہ :

''علماء نے جہانگیر کے پاس شکایت کی کہ شیخ مجدد کا دعویٰ ہے کہ ان کا مقام حضرت صدیق اکبر رضؓ کے مقام سے بالا ہے ۔ بادشاہ نے شیخ کو بلا بھیجا اور استفسار حال کیا ۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم اپنے ایک ادنیٰ خادم کو اپنے پاس بلاؤ اور از راہ مہربانی اس سے راز کی بات کہو ، تو ضرور ہے کہ وہ ادنیٰ خادم امرائے عالی درجہ کے مقامات سے گزر کر تمھارے پاس پہنچے گا ، اور پھر اپنے مقام پر واپس جا کھڑا ہوگا ۔ اس آمد و رفت میں یہ نہیں ہوتا کہ اس ادنیٰ خادم کا مرتبہ امرائے نامدار سے زیادہ ہو گیا ۔ اس پر بادشاہ خاموش رہا ، اور عتاب سے روگردانی کی ، لیکن اتنے میں کسی نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ شیخ کا تکبر تو دیکھیے کہ آپ کو سجدہ نہیں کیا ، حالاں کہ آپ ظل اللہ اور

خلیفۃ الٰہی ہیں ۔ اس پر بادشاہ غضبناک ہوا اور شیخ کو قلعہ گوالیار میں قید رکھنے کا حکم دے دیا ۔"

سبحۃ المرجان میں یہ بھی تحریر ہے کہ شاہزادہ خرم آپ کا معتقد تھا ۔ اس نے آپ کے دربار میں آنے سے پہلے کہلا بھیجا کہ علماء نے بادشاہ کو سجدۂ تحیت جائز قرار دیا ہے ۔ آپ بھی ملاقات کے وقت بادشاہ کو سجدہ کریں اور میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو ضرر نہ پہنچے گا ۔ حضرت مجدد نے جواب دیا کہ علماء کا فتویٰ تو ایک اجازت ہے معذوروں اور کمزوروں کے لیے ، لیکن عزیمت یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کو سجدہ نہ کیا جائے ۔

توزک میں آپ کا تذکرہ صرف تین جگہ مذکور ہے ۔ ان میں سے ایک مقام تو وہ ہے جس پر ہم یہ نوٹ لکھ رہے ہیں ، دوسرے پندرھویں جلوس ص ۳۰۸ میں ہے ، جب کہ جہانگیر نے حضرت مجدد کو قید خانے سے رہا کیا ۔ آپ کی رہائی کے متعلق جہانگیر نے لکھا کہ :

"دریں ایام شیخ سرہندی را کہ بجہت دکان آرائی و بے صرفہ گوئی روزے چند در زندان ادب محبوس بود ، بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم ، خلعت و ہزار روپیہ خرچ عنایت نمودہ رفتن و بودن مختار گردانیدم ، او از روئے انصاف معروض داشت کہ ایں تنبیہ و تادیب در حقیقت ہدایتے و کفایتے بود ۔ نقش مراد در ملازمت خواہد بود ۔" (توزک ، جشن ۱۵ ، ص ۳۰۸)

تیسرے جشن میں ہے ، جب کہ جہانگیر نے دو ہزار روپے آپ کو بھجوائے ۔ وہ لکھتا ہے :

"بدستور ہر سال خود را بہ طلا و اجناس وزن فرمودہ در وجہ مستحقان مقرر فرمودم ، از آنجملہ شیخ احمد سرہندی را دو ہزار روپیہ عنایت شد ۔"

ان تین مقامات کے علاوہ توزک میں آپ کا تذکرہ ہمیں کہیں اور نہیں ملتا ، لیکن خود مجدد صاحب کے بعض مکاتیب سے اس کا پتا چلتا ہے کہ وہ رہائی کے بعد تین سال تک شاہی لشکر میں رہے ، اور آپ لشکر میں

بلکہ جہاں جہاں لشکر جاتا ان مقامات پر رشد و ہدایت فرماتے تھے ۔ بلکہ جب آپ قید تھے ، تو آپ نے جیل خانے میں بھی اپنے ساتھ کے کئی قیدیوں کو تبلیغ سے مسلمان کیا تھا ۔ لشکر کے قیام کے دوران میں آپ کو بادشاہ کو بھی تلقین کرنے کے مواقع ملتے ۔ چنانچہ مکاتیب کے دفتر سوم میں ایک خط بادشاہ کے نام ہے اور ایک خط میں اس گفتگو کا تذکرہ ہے ، جو آپ نے مجلس شاہی میں کی تھی ۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر آپ کا بڑا معتقد ہو گیا تھا ۔ تحریر فرماتے ہیں : (ترجمہ)

"عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان گفتگوؤں میں امور دینیہ اور اصول اسلامیہ میں ذرا بھی سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی ۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں ۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے ۔ خاص کر آج ماہ رمضان کی سترھویں رات کو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمان اور اس کے عذاب و ثواب اور رؤیت و دیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسل کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتدا اور تراویح کی سنت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جنوں اور جنیّوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا ۔ بادشاہ بڑی خوشی سے سنتا رہا ۔ اس اثنا میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا اور اقطاب و اوتاد اور ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیتوں وغیرہ کا بیان ہوا ۔ ان واقعات اور ملاقات میں شاید کوئی اللہ کی پوشیدہ حکمت اور خفیہ راز ہوگا ۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مجدد کی تبلیغ اور نصائح نے جہانگیر کی زندگی پر بڑا خوش گوار اثر ڈالا تھا ، اور اس زمانے میں جب کہ حضرت شیخ مجدد شاہی لشکر میں تھے ، اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش اور

آپ سے ترویج شریعت کا خاص خیال ہو گیا تھا ۔ چناں چہ حضرت مجدد کی رہائی کے بعد قلعۂ کانگڑہ میں گیا تو اس نے توزک میں اس کے متعلق لکھا کہ :

"میں نے قاضی ، میر عدل اور دوسرے علمائے اسلام کو جو میرے ہم رکاب تھے ، حکم دیا کہ وہ قلعے میں شعار اسلامی اور شرائط دینِ محمدی کو عمل میں لائیں ، اور خدائے تعالیٰ کی توفیق سے ، اذان ، نماز ، خطبہ اور ذبیحۂ گاؤ وغیرہ ، جو اس قلعے کی ابتدائے تعمیر سے آج تک نہ ہوا تھا ، میں نے اس پر عمل کرایا ۔ اور میں اس نعمت پر خدا کا شکر بجا لایا کہ کسی بادشاہ کو اس کی توفیق نہیں ہوئی تھی جو مجھے بخشی گئی ۔ میں نے حکم دیا کہ قلعے میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کی جائے ۔"

حضرت مجدد الف ثانی نے ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ ، مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ع کو وفات پائی ۔ مزار مبارک سرہند میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ (رک : رود کوثر ، ص ۲۰۹—۲۳۰)

(۱۵) انوری : اوحد الدین انوری ، لقب حجۃ الحق ۔ چھٹی صدی ہجری کا مشہور فارسی گو شاعر ۔ ولادت : ۵۲۰ھ ، مقام قریہ بدنہ علاقہ خراسان ۔ ابتداءً خاوری تخلص کرتا تھا لیکن اپنے استاد کے کہنے پر انوری تخلص اختیار کیا ۔ سنجر کے عہد حکومت میں اس نے بہت عزت و اقتدار حاصل کیا ۔ انوری نے ۵۸۷ھ میں وفات پائی ۔ (رک : دائرۃ المعارف ، ص ۲۵ ، مطبوعہ تہران ، مولفہ پرویز اسدی زادہ) ۔

(۱۶) خان دوران : ابراہیم بیگ چربک کا بیٹا تھا ۔ ابتدا میں میرزا محمد حکیم کا ملازم تھا اور حکومت پشاور پر مقرر تھا ۔ میرزا محمد حکیم کی وفات کے بعد اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا ، اور حسب حیثیت منصب کے ساتھ خوشاب اس کو جاگیر میں ملا ۔ مہم ٹھٹہ کے موقع پر یہ خان خاناں کے ساتھ تھا ۔ ۳۹ جلوس اکبری میں اکبر نے اسے حکومت قندھار پر متعین کیا ۔ ۱ جلوس جہانگیری میں یہ قندھار میں تھا ۔ ۱۰۱۹ھ میں جہانگیر نے اسے منصب پنج ہزاری اور خطاب خان دوران سے نوازا اور کابل کا

صوبے دار مقرر کیا ۔ وہ ایک مدت تک وہاں رہا ۔ جب بوڑھا ہو گیا اور وہاں کے امور بسبب ضعف و کمزوری انجام نہ دے سکا تو جہانگیر نے اسے اپنے حضور میں طلب کر کے ٹھٹہ کا صوبے دار مقرر کیا (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۶۴۴ - ۶۴۵) ۔

(۱۷) گج سنگھ پسر راجا سورج سنگھ : ۱۸ جلوس جہانگیری میں جب شاہجہان اور جہانگیر کے درمیان فوج کشی کی نوبت آئی اور سلطان پرویز ، مہابت خاں کے ساتھ صوبۂ دکن پر متعین ہوا تو یہ سلطان پرویز کے ساتھ تھا ۔ جہانگیر کے آخری عہد میں دکن میں تھا ۔ جب خانجہاں لودھی نے دریائے نربدا کو عبور کر کے صوبۂ مالوہ کے بعض محالات پر قبضہ کیا ، تو یہ بھی اس کے ساتھ مالوے میں آیا ۔ گج سنگھ ، عہد شاہجہانی میں محرم ۱۰۴۸ھ میں فوت ہوا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۲۱۳-۲۲۶) ۔

(۱۸) روضہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) : ولادت : شب یک شنبہ ۵ رجب ۹۴۹ھ (۱۵۴۲ع) مقام امر کوٹ ، ضلع تھرپارکر (سندھ) ، تخت نشینی : جمعہ ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ (۱۵۵۵ع بمقام کلانور) ، مدت حکومت : اکیاون سال دو ماہ گیارہ یوم ۔ وفات : ۱۳ جمادی الثانی بروز چہار شنبہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ع) ۔ عمر ۶۳ سال ۱۱ ماہ ۸ یوم ۔ مقام وفات : آگرہ ۔

اکبر کا مقبرہ دہلی اور متھرا کی پختہ سڑک پر آگرہ سے ٹھیک ۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ پختہ سڑک اور چبوترے کے سنگین دروازے کے درمیان سبزہ زار ہے جو تار سے محصور ہے ۔ اس کے بعد ۸ فیٹ بلند سنگین ترجمہ ہے ، جس کا ہر ضلع ۳۴۲ فیٹ ہے ۔ یہ مقبرہ ایک بلند کنگورہ دار چہار دیواری سے محصور ہے ، جس کا کل رقبہ ۹۹-۲-۶ بسوے ہے ۔ ہر ضلع کے وسط میں دروازہ ہے ۔ ان میں جنوبی ضلع کا دروازہ صدر دروازہ ہے اور نہایت شاندار ہے ۔ صدر دروازے کی عمارت نہایت بلند اور خوش نما ہے ۔ اس کے اندر متعدد صفہ ، شہ نشین بنے ہوئے ہیں جو سہ منزلہ چہار منزلہ بنتے چلے گئے ہیں ۔ بالائی منزل کے گوشوں پر چار بلند سنگ مرمر کے مینار ہیں ، یہ مینار کئی کوس سے نظر آتے ہیں ۔ بیرونی جانب یہ اشعار نہایت

خوش خط کندہ ہیں :

مرحبا خرّم فضائے خوش تر از باغ بہشت
مرحبا عالی بنائے برتر از عرش بریں
جشتے او را ہزاران روضۂ رضوان غلام
روضۂ او را ہزاران جنت الماوی زمیں
کلک معمار قضا بنوشت بر درگاہ او
ھٰذہٖ جنّٰتُ عَدْنٍ فادخلوھا خالدین

(کتبہ عبدالحق شیرازی ۱۰۴۲ھ)

اندرونی جانب یہ اشعار تحریر ہیں :

شاہ اکبر ز روئے دانائی
گو بظاہر ز دھر فانی رفت
دولتش بود بے زوال از آن
دل بہ دنیائے با زوال نہ بست
مرغ روحش چو بود طائر عرش
رفت بر آشیان خویش نشست

اسی جانب پیش طاق پر یہ رباعی کندہ ہے :

طاقیکہ از رواق نُہ چرخ برتر است
روشن ز سایہ اش رخ تابندہ اختر است
ایں طاق زیب نہ فلک و ہفت کشور است
از روضۂ منورہ شاہ اکبر است

دروازے کے اندر محرابوں کے اطراف میں یہ اشعار کندہ ہیں ۔ یہ سب اشعار عبدالحق شیرازی کے قلم کی بہترین یادگار ہیں ۔ یہ وہی عبدالحق ہیں جنھوں نے شاہجہان کے عہد میں امانت خاں کا خطاب پایا :

بفرمان شاہنشہ ذوالجلال
کہ باشد شہنشاہیش بے زوال
شد آراستہ آن چنان روزگار
کہ حیران شد اندیشۂ ہوشیار

بہ گیتی ز فیضِ ازل بادشاہ
بود سایۂ نورِ ذاتِ الٰہ

چو از دہر آں سایہ گردد نہاں
فتد سایۂ دیگر اندر جہاں

بدینساں بود تا سرانجام کار
بنزدِ خرد گردشِ روزگار

زمانہ دگر گوں شود ہر نفس
نگردد بیک گونہ با ہیچ کس

فلک رتبہ شاہ اکبر عرش گاہ
کہ از پیشش کوہ گشتی چو کاہ

نشستے چو بر تختِ شاہنشہی
گرفتے جہاں فیّز ظل اللہی

فروزندۂ افسر و تخت بود
کریم و رحیم و جواں بخت بود

دلِ روشن و جان آگاہ داشت
جہاں خورد و داد و گرفت و گزاشت

بباغِ جہان تخمِ نیکی بکشت
برِ آں گرفت از ریاض بہشت

ردایش چو انوار خورشید و ماہ
فروزندہ بادا ز نور الٰہ

خاص روضے کی عمارت پانچ منزل کی ہے جس کا طرزِ تعمیر بودھ اور جینی عمارتوں سے ملتا جلتا ہے (رک بمرقع اکبر آباد ، تاریخ آگرہ ، مؤلفہ سعید احمد مارہروی ، مطبوعہ ابوالعلائی پریس ، آگرہ ، ص ۱۵۵-۱۵۷) ۔

(۱۹) اکرام خان : ولد اسلام خان چشتی کا نام ہوشنگ تھا ۔ یہ ابوالفضل کا بھانجا تھا ۔ مدتوں دکن میں مامور رہا ۔ آخر عہد جہانگیری میں قلعہ اسیر پر مامور ہوا ۔ اپنی خاندانی شرافت کے باوجود ظالم طبیعت انسان تھا ۔ شاہجہاں کے دورِ حکومت کے وسط میں بعض وجوہ کی بنا پر جاگیر اور

منصب دو ہزاری سوار سے گرا کر اس کی تنخواہ نقد مقرر کر دی گئی ۔ آخر میں فتح پور میں گوشہ گیر ہو گیا تھا ۔ ۳۲ جلوس شاہجہانی میں اس نے وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۲۰) ۔

(۲۰) حکیم سنائی : حکیم ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی غزنوی ۔ یہ چھٹی صدی کے مشہور شاعر اور اُستاد تھے ۔ پانچویں صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہوئے ۔ ابتداءً مسعود بن ابراہیم غزنوی کے درباری شعرا میں شامل ہوئے ، پھر یمین‌الدولہ بہرام شاہ بن مسعود کے درباری شعرا میں شامل رہے ۔ حکیم سنائی نے بروز یکشنبہ ۱۱ ماہ شعبان ۵۲۵ھ میں غزنی میں وفات پائی ۔ ان کی مشہور کتاب حدیقة الحقیقة ہے ، جو ان کی وفات کے سال ہی میں مکمل ہوئی اور جسے ان کی وفات کے بعد محمد بن علی الرفا نے بہرام شاہ غزنوی کے حکم سے ترتیب دیا کیونکہ یہ پراگندہ تھی ۔ اس کے علاوہ ان کی دو کتابیں طریق‌التحقیق اور سیر العباد الی المعاد مشہور ہیں ۔ (رک : دائرۃالمعارف ، ص ۹۳ ، مطبوعہ طہران) ۔

(۲۱) سید بھوہ بخاری : سید بھوہ نام اور دین دار خاں خطاب تھا ۔ یہ شیخ فرید مرتضیٰ خاں بخاری کے رشتے داروں میں تھا ۔ ۱۸ جلوس جہانگیری میں اسے دہلی کی حکومت تفویض ہوئی ۔ مہابت خاں کی شورش کے زمانے میں وہ شاہ پسندوں کے ساتھ تھا ۔ جو فوج مہابت خاں کے تعاقب میں متعین کی گئی ، یہ اس کے ساتھ تھا ۔ یہ فوج اجمیر میں جا کر ٹھہر گئی ۔ اسی زمانے میں جہانگیر نے وفات پائی ۔ شاہجہاں کے تخت نشین ہونے کے بعد یہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور ۱ جلوس شاہجہانی میں اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری ہزار و دویست سوار اور دین دار خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ ۸ جلوس شاہجہانی میں اسلام خاں کے ساتھ دوآبہ کے درمیان مفسدین کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا ۔ پھر اسی سال اورنگ زیب کے تحت اس لشکر کے ساتھ جو ججھار سنگھ بندیلہ کی مہم پر بھیجا گیا تھا ، روانہ کیا گیا ۔ سید بھوہ بخاری نے ۱۰۴۵ھ میں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ۲ : ص ۲۳-۲۴) ۔

(۲۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی : بن مولانا سیف الدین بن سعد اللہ بن

الزک الدہلوی بخاری ، کنیت ابوالمجد تھی ۔ آپ کے بزرگ بخارا سے آ کر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے ۔ آپ کی ولادت ماہ محرم ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ع) میں ہوئی ۔ آپ نے ابتداءً تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ۔ پندرہ سولہ برس کی عمر ہوگی کہ مختصر و مطول سے فارغ ہو گئے ۔ اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عقلی و نقلی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا کہ جس کی آپ سیر نہ کر چکے ہوں ۔ عربی میں کامل دست گاہ اور علم کلام و منطق پر پورا عبور حاصل کرنے کے بعد شیخ محدث نے دانش مندان ماوراءالنہر سے بھی اکتساب علم کیا ۔ ۹۹۶ھ (۸۸-۱۵۸۷ع) میں حرمین شریفین حاضر ہوئے ۔ حرمین شریفین جاتے ہوئے احمد آباد کے مشہور بزرگ شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے ۔ حجاز پہنچ کر وہاں کے جن علماء سے آپ نے استفادہ کیا ، ان میں شیخ عبدالوہاب متقی خلیفہ و جانشین ، شیخ علی متقی بھی شامل ہیں ۔ شیخ عبدالوہاب متقی نے آپ کو علم حدیث کا وہ بیش بہا حصہ عنایت فرمایا جس کی شہرت سے مصر و عرب کے علمی حلقے گونج رہے تھے ۔ علم و عمل کی سب وادیوں کی سیر کرانے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقی نے آپ کو ہندوستان واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور آپ ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱ع) میں ہندوستان واپس آئے ، اور دہلی میں مسند درس و ارشاد بچھائی ۔ آپ کا یہ مدرسہ سارے شمالی ہندوستان میں ایک امتیازی شان رکھتا تھا ۔ اس میں سینکڑوں کی تعداد میں طلبا استفادے کے لیے جمع ہوتے تھے ۔ آپ شاعر بھی تھے اور ''حقی'' تخلص فرماتے تھے ۔ حضرت شیخ نے سب سے پہلے اپنے والد ماجد سے بیعت کی تھی ۔ پھر آپ کے والد نے حکم دیا کہ وہ حضرت سید موسیٰ گیلانی کے مرید ہوں ، جو قادریہ سلسلے کے ایک مشہور و معروف بزرگ تھے ، اور مخدوم سید حامد معروف بہ حامد گنج بخش متوفی ۹۷۹ھ (۱۵۰۷ع) کے فرزند اور خلیفہ تھے ۔ چناں چہ آپ نے ان سے مرید ہو کر خلافت حاصل کی ۔ آپ نے ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ (۴۳-۱۶۴۲ع) ۹۴ سال کی عمر میں دہلی میں وفات پائی ۔ آپ کی قبر قطب صاحب میں حوض شمسی کے کنارے واقع ہے ۔

وفات سے پہلے وصیت فرمائی تھی کہ فقیر کی تمنا بارگاہ الٰہی میں یہ ہے کہ مجھے شہادت کا مرتبہ نصیب ہو ۔ اگر یہ دعا قبول ہو جائے تو پھر

کسی دوسری وصیت کی حاجت نہیں ، اور اگر میں اسی جگہ وفات پاؤں تو مجھے حوض شمسی کے کنارے دفن کیا جائے ، جو بزرگوں اور نیکوں کا مدفن ہے . میری قبر کو وسیع بنانا لیکن حد سے تجاوز نہ کرنا اور اندرون قبر گچ نہ کرنا . اس کی دیواریں کچی اینٹوں کی رکھنا اور قبر کے بالین ایک طاق بنانا . اس میں پیروں کا شجرہ رکھنا .

اس کے بعد لکھا کہ شیخ سیف الدین کے کفن پر جو عبارت لکھی گئی تھی ، وہی عبارت جلی حروف میں میری قبر پر بھی لکھ دی جائے اور اگر مناسب ہو تو قبر پر ایک لوح لگائی جائے جس میں میری تاریخ ولادت ، اور کچھ حالات میرے تحصیل علم و سفر وغیرہ کے لکھے جائیں .

آپ کی وصیت کے مطابق شیخ نورالحق نے نماز جنازہ پڑھائی اور یہ کتبہ نصب کرایا :

کتبہ قبر شیخ عبدالحق محدث دہلوی :

"مجملے از احوال کرامت منوال ایں شیخ وقت ، مقتدائے زمان ، صاحب المفاخر ابوالمجد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً آنکہ از مبادی شعور بطاعت حق و طلب علم کمر بستہ نزدیک باوان بلوغ اکثر علوم دین تحصیل کرد ، و در سن بست و دو سالگی از ہمہ آں فارغ شدہ ، و کلام مجید ازبر گرفتہ بر مسند افادہ نشست . و ہم در عنفوان جوانی جاذبۂ الٰہی در رسید ، بیک بار دل از یار و دیار بر کندہ متوجہ حرمین محترمین گشت . مدتے مدید بآں مقامات شریفہ اقامت ورزیدہ باقطاب زمان و اولیائے کبار صحبتہا داشتہ بوداع ارجمند و رخصت ارشاد طالبان اختصاص یافت ، و علاوہ آں تکمیل فن حدیث نمودہ با برکات فراواں بوطن مالوف مراجعت فرمودہ ، و مدت پنجاہ و دو سال بجمعیت ظاہر و باطن تمکن یافتہ تکمیل فرزندان و طالبان بجا آورد . و بنشر علوم سیما بعلم شریف حدیث پرداختہ بنہجے کہ در دیار عجم احدے را از علمائے متقدمین و متاخرین دست ندادہ است ، ممتاز و مستثنٰی گردید ، و در

فنون علمیہ خاصۃ فن حدیث کتب معتبرہ تصنیف کرد، چنانکہ علمائے زمان اعتنا باں ورزیدہ دستور العمل خود دارند، و اہل دانش از خواص و عوام بجان خریداری می نمایند۔ تصانیف ایں فیاض والا گہر از صغیر و کبیر بصد مجلد بحسب شمار ابیات پانصد ہزار رسیدہ است۔"

در محرم ۹۵۸ھ ایں نور اتم پرتو ظہور العالم عنصری داد، و در ۱۰۲۱ھ بتام آگہی کشادہ پیشانی بعالم قدس خرامید۔ تاریخ ولادت شیخ اولیا (۹۵۸ھ) و تاریخ رحلت فخر عالم (۱۰۲۱ھ) است۔"

آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۰۰ بتائی جاتی ہے لیکن مشہور کتابیں یہ ہیں: (۱) لمعات، شرح مشکٰوۃ (فارسی) (۲) شرح سفر السعادت (۳) شرح فتوح الغیب (۴) مدارج النبوۃ (۵) شرح اسماء الرجال بخاری (۶) اخبار الاخیار (۷) جذب القلوب (۸) زبدۃ الآثار (۹) جامع البرکات (۱۰) مجمع البحرین (۱۱) زاد المتقین (۱۲) فتح المنان فی مناقب النعمان (۱۳) ماثبت بالسنہ (۱۴) حلیہ سید المرسلین (۱۵) چہل رسالہ (۱۶) رسالہ شب براۃ (۱۷) رسالہ اقسام حدیث (۱۸) ہدایت الناسک الی طریق المناسک وغیرہم۔

(رک: تذکرۂ علمائے ہند، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی)۔

(۲۳) راجا بکرماجیت: (رائے رایاں) کا نام سندر داس تھا، جو ذات کا برہمن تھا۔ یہ ابتداءً ولی عہد شاہجہان کے زمرۂ اہل قلم میں شامل تھا۔ پھر اپنی استعداد و تجربہ کاری کی بنا پر میر سامان مقرر ہوا۔ رانا کی مہم میں بھی اس نے کارہائے نمایاں انجام دیے بلکہ رانا اسی کی وجہ سے گردن اطاعت خم کر کے ملازمت شاہی میں داخل ہوا۔ اس حسن خدمت کے صلے میں جہانگیر نے اس کا منصب بڑھا کر اسے رائے رایاں کا خطاب دیا۔ جب شاہزادہ شاہجہان مہم دکن پر متعین ہوا تو وہاں بھی اس نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۰۲۶ھ میں گجرات اس کی جاگیر میں دیا گیا۔ مہم کانگڑہ کے بعد ۱۰۳۰ھ میں جب شاہزادہ شاہجہان کو دکن کی مہم

پر روانہ کیا گیا تو یہ بھی دوسرے امرا کے ساتھ شاہزادے کے ساتھ متعین ہوا۔ وہاں بھی اس نے نمایاں خدمات انجام دیں ۔ اُس بغاوت میں جو نور جہاں بیگم کی وجہ سے شاہزادہ شاہجہان نے جہانگیر سے کی تھی راجا بکرماجیت مارا گیا۔ (رک : ماثرالامراء ج ۳ : ص ۱۸۳ - ۱۹۵)

(۲۰۴) امیر تیمور : ولادت : ۷۳۶ھ (۹ اپریل ۱۳۳۶ع) وفات : شب چہار شنبہ ۱۷ شعبان ۸۰۸ھ (۱۸ فروری ۱۴۰۵ع) ، عمر ۷۱ سال ۔ (رک : شجرۂ (۱) بشمولہ ترخان نامہ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی)

(۲۰۵) طالب آملی : مازندران کے ایک قصبے آمل کا رہنے والا تھا اور فارسی کا بلند پایہ شاعر تھا ۔ ابتداءً وہ میر ابوالقاسم والی مازندران کے دربار سے وابستہ ہوا ، پھر کاشان آیا اور وہیں آباد ہو گیا ۔ وہاں کے گورنر سلکش خاں کی خدمت میں رہا اور اس کی مدح خوانی کی ، مگر ہندوستان کی کشش نے اسے چین نہ لینے دیا ۔ سلکش خاں سے وطن جانے کی اجازت لے کر سیدھا ہندوستان آیا ۔ جب وہ ہندوستان آیا تو اس وقت جہانگیر کا دور حکومت تھا ۔ اس نے دربار شاہی میں رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ، مگر کامیاب نہ ہو سکا ۔ اسی بے سرو سامانی کے عالم میں وہ دہلی ، آگرہ ، ملتان اور لاہور مارا مارا پھرتا رہا ۔ اس آوارگی میں اسے لاہور پسند آیا ۔ یہاں اس نے زیادہ عرصے تک قیام کیا اور یہیں اس نے حضرت شاہ ابوالمعالی کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ ایک قصیدے میں وہ لاہور اور اپنے پیرو مرشد کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :

کنم زاں رو مرید آسا شب و روز
کرامتہا بیاں در باب لاہور
کہ پیر و دستگیر و مرشد من
یکی قطب است از اقطاب لاہور

طالب نے ایران واپس جانے کا ارادہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ جہانگیر نے غازی خاں وقاری کو قندھار کا گورنر مقرر کیا ہے ، اور وہ شعرا اور اہل کمال کا بے حد قدردان ہے ۔ طالب آملی نے قندھار کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر غازی خاں کی مدح میں قصیدہ پیش کیا ۔ غازی خاں نے اس کی نہایت عزت و قدر کی اور اپنے خاص ندیموں میں جگہ دی ۔ اس کی بدقسمتی

سے غازی خاں نے عین عالم جوانی میں ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی ۔ اب اُس نے دوبارہ ہندوستان کا رخ کیا ۔ آگرہ پہنچ کر دیانت خاں کے دامن دولت سے وابستہ ہو گیا ۔ اس نے اس کی سفارش عبداللہ خاں فیروز جنگ سے کی ، جو اس زمانے میں گجرات کا گورنر مقرر ہوا تھا ۔ عبداللہ خاں فیروز جنگ نے اسے اپنے پاس بلوا لیا ۔ طالب آملی کی خواہش تھی کہ عبداللہ خاں فیروز جنگ اسے جہانگیر کی خدمت میں پیش کرے ۔ لیکن اسے اس میں کامیابی نہ ہو سکی ۔ اب اُس نے شاہ پور طہرانی کے وسیلے سے اعتماد الدولہ کے دربار میں رسائی حاصل کی ۔ اس نے طالب آملی کی بڑی قدردانی کی اور اعتماد الدولہ نے اسے جہانگیر کے حضور میں پیش کیا اور وہ جہانگیر کے درباری شعرا میں شامل ہو گیا اور آخر دم تک عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا رہا ۔ آخر میں اُس پر جنون طاری ہو گیا تھا ۔ جہانگیر کی وفات سے ایک سال پیشتر ۱۰۳۶ھ میں اس نے وفات پائی ۔ (رک : مے خانۂ عبدالنبی ، سرو آزاد ، نگارستان فارس ، شعرالعجم ، ج ۳ ، خزانۂ عامرہ ، ریاض الشعرا ، سفینہ خوشگو ، کلمات الشعرا ، مقالات الشعرا ، ص ۸۲۸ – ۸۳۷)

(۲۶) طالب صفاہانی (بابا) : مشہور شاعر اصفہان کا رہنے والا تھا ۔ وہ ایران سے نکل کر ادھر ادھر گھومتا ہوا کشمیر پہنچا ، جہاں وہ تیس برس تک چک بادشاہوں کی صحبت میں رہا (ہفت اقلیم خطی) ۔ جب اکبر نے کشمیر پر قبضہ کیا تو ہندوستان چلا آیا اور اکبر کے دربار سے منسلک ہو گیا ۔ وہ ہندوستان میں بابا طالب کے نام سے مشہور ہوا ۔ صاحب ماثر رحیمی کے قول کے مطابق وہ حکیم ابوالفتح ، زین خاں کوکہ ، شیخ ابوالفضل ، فیضی اور بعض دوسرے اکابر کے ساتھ رہا ۔ جب جہانگیر بادشاہ ہوا تو اُس نے میرزا غازی کے طلب کرنے پر اُسے اس کے پاس بھجوا دیا ، جسے اُس نے حجابت کے عہدے کے لیے بلایا تھا ۔ ۱۰۲۵ھ میں یہ گجرات کا صدر مقرر کیا گیا ۔ شاعری اور نکتہ دانی اور انشا میں بڑی مہارت رکھتا تھا اور ہمیشہ مولانا قاسم اور نظیری کے ہم مجلس رہتا تھا ۔ وہ سو برس سے زیادہ عمر پا کر جہانگیر کے آخری ایام میں فوت ہوا ۔ (رک : ماثر رحیمی ، جلد ۳)

(۲۷) شیخ محمد میر : معروف بہ میاں میر ، بن قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر فاروقی ۔ آپ کا وطن سندھ کا مشہور شہر سیوہن ہے جو اس وقت مغربی پاکستان کے

ضلع دادو میں واقع ہے ۔ آپ کی ولادت بقول صاحب سکینۃ الاولیا ۹۳۸ھ میں اور بقول صاحب تحفۃ الکرام ۹۵۷ھ میں ہوئی ۔ دینی علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے سلسلۂ قادریہ میں حضرت شیخ خضر قادری سیوستانی سے بیعت کرکے خلافت حاصل کی ۔ اپنے شیخ کی اجازت کے بعد پچیس سال کی عمر میں آپ لاہور تشریف لائے ۔ لاہور پہنچ کر آپ مولانا سعداللہ کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے ۔ پھر کچھ سال مولانا نعمت اللہ اور مفتی عبدالسلام لاہوری سے بھی تعلیم حاصل کی ۔ لاہور میں ساٹھ سال سے زیادہ مقیم رہ کر رشد و ہدایت میں مصروف رہے ۔ آپ نے اٹھاسی سال کی عمر میں ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ع) میں لاہور میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار ہاشم پورہ (لاہور) میں ، جو اب میاں میر کے نام سے مشہور ہے ، زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ علامہ اقبال نے آپ کی عظمت و جلالت شان کو سراہتے ہوئے کہا تھا :

حضرتِ شیخِ میاں میرِ ولی
ہر خفی از نورِ جانِ او جلی
بر طریقِ مصطفیٰ محکم پئے
نغمۂ عشق و محبت را نئے
تربتش ایمانِ خاکِ شہرِ ما
مشعلِ نورِ ہدایت بہرِ ما

(رک : تذکرۂ صوفیائے پنجاب ، مؤلفہ اعجاز الحق قدوسی ، ص ۵۶۳—۵۸۷)

پندرهوان جشن نوروز

۱۵ ربیع الثانی ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو جمعہ کے دن طلوع آفتاب کے بعد ساڑھے بارہ گھڑی گزرتے ہی، جس کے پانچ گھنٹے نجومی ہوتے ہیں، اس نیاز مند درگاہ الٰہی کا پندرھواں سال تبریک و تہنیت کے ساتھ شروع ہوا۔

۲ ماہ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو ہفتے کے دن چار کوس اور آدھ پاؤ کی مسافت طے کر کے موضع پکر میں قیام کیا۔ اس راستے میں کوئی درہ اور گھاٹی نہیں تھی لیکن زمین سنگلاخ تھی۔ سور، سیاہ تیتر اور لنگور، جو گرم علاقوں میں ہوتے ہیں، دیکھنے میں آئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ سرد علاقوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔ یہاں سے کشمیر تک راستہ دریائے بھٹ (جہلم) کے کنارے ہوتا ہوا جاتا ہے اور دریا کے دونوں جانب پہاڑ واقع ہیں۔ دریا نیچے سے نہایت تند و تیز موجیں مارتا ہوا بہتا ہے۔ ایک ہاتھی بھی خواہ وہ کتنا بڑا کیوں نہ ہو، پانی کی اس تیزی میں اپنے پاؤں قائم نہیں رکھ سکتا اور فوراً ہی بہہ جاتا ہے۔ اس میں سگ آبی[1] بھی موجود ہے۔

موسراں میں نزول :

۳ ماہ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو اتوار کے دن ساڑھے چار کوس کی مسافت طے کر کے موسراں میں نزول اجلال کیا۔

بارہ مولہ کی وجہ تسمیہ :

جمعہ کی شب میں بارہ مولہ کے رہنے والے تاجروں نے آ کر شرف حضوری حاصل کیا۔ میں نے اُن سے بارہ مولہ کی وجہ تسمیہ پوچھی، انھوں نے بتایا کہ بارہ ہندی زبان میں سُوَر کو اور مولہ جگہ کو کہتے ہیں، جس کے معنی ہوئے ''سوروں کی جگہ'' اور ہندوؤں کے اوتاروں میں ایک اوتار کا نام بھی باراہ ہے۔

---

۱ یہ پانی کا جانور ہے جس کو اردو میں اودبلاؤ کہتے ہیں۔

باراہ مولہ کثرت استعمال سے بارہ مولہ ہوگیا ۔

معتمد خان کے ڈیرے میں قیام :

نم ماہ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو پیر کے دن ڈھائی کوس کی مسافت طے کر کے بھولباس[1] میں مقام کیا ۔ چوں کہ اس پہاڑی راستے کو نہایت تنگ اور دشوار گزار بتایا جاتا ہے ، اور لوگوں کی کثرت زحمت اور دقت کا باعث تھی ، اس لیے میں نے معتمد خان کو حکم دیا کہ سوائے آصف خان اور چند ضروری خدمت گزاروں کے کسی کو میرے ساتھ سفر نہ کرنے دیا جائے ، اور لشکر کو بھی ایک منزل پیچھے رکھا جائے ۔ اتفاق سے وہ میرے اس حکم سے پہلے اپنا ڈیرہ روانہ کر چکا تھا ۔ اس حکم کے ملتے ہی اس نے اپنے آدمیوں کو لکھا کہ ایسا حکم [293] شرف صدور لایا ہے ، لہذا تم جہاں پہنچ چکے ہو ، وہیں ٹھہر جاؤ ۔ یہ رقعہ جب اس کے بھائیوں کو ملا ، تو وہ بھو لباس کی گھاٹی کے نیچے پہنچ چکے تھے ۔ انھوں نے وہیں ڈیرا لگا دیا ۔ جس وقت میری سواری اس منزل میں پہنچی تو برف باری شروع ہو گئی تھی ۔ ابھی ایک میدان راستہ طے نہ کیا تھا کہ اس کا ڈیرہ دکھائی دیا ۔ میں اس عطیے کو اتفاقات غیبی سمجھا اور اہل محل کے ساتھ اس ڈیرے میں مقیم ہو گیا ۔ اس طرح سردی اور برف و بارش کی زحمت سے محفوظ ہو گیا ۔ اس کے بھائیوں نے میرے حکم سے معتمد خان کو لانے کے لیے آدمی دوڑائے ۔ جس وقت اس کو یہ خوش خبری ملی کہ پیش‌خانہ اور ہاتھی گھاٹی پر پہنچ چکے ہیں ، اور ان کی وجہ سے راستہ تنگ ہو گیا ہے اور وہاں سے سوار ہو کر گزرنا مشکل ہے تو وہ انتہائی شوق و ذوق کے عالم میں پیادہ ، سر اور پیر سے بے نیاز ، دو گھنٹے میں ڈھائی کوس کا فاصلہ طے کر کے میری خدمت میں حاضر ہو گیا ۔ گویا زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہا تھا :

آمد خیالت نیم شب ، جان دادم و گشتم خجل
خجلت بود درویش را ناگہ چو مہمان در رسد

جو کچھ اس کی بساط میں تھا ، از قسم نقد و جنس ناطق اور صامت تفصیل سے

۱- بھولباس : یہ دراصل بلیاسا ہے ۔ (رک : بیورج ج ۲ : ص ۱۳۱) ۔

برسم پا انداز پیش کر دیے ۔ میں نے یہ سب چیزیں اس کو بخش دیں اور اُس سے کہا کہ ہماری بلند نگاہ میں دنیاوی مال و متاع کی کوئی قدر و قیمت نہیں ، ہم تو اخلاص کے جوہر گراں بہا کے خریدار ہیں ۔ اس حسن اتفاق کو بھی اُس کے سچے خلوص اور خوش نصیبی پر محمول کرنا چاہیے کہ مجھ جیسا جلیل القدر بادشاہ اپنے اہل محل کے ساتھ اُس کے ڈیرے میں ایک دن اور ایک رات اطمینان و آرام سے ٹھہر گیا ، جس کی بدولت اُسے اپنے ہم عصروں اور ہم جنسوں میں غیر معمولی عزت نصیب ہوئی ۔

۵ ماہ فروردیں ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو منگل کے دن دو کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع کھائی میں قیام کیا ۔

میں نے اپنا سر وپا جو میں اس وقت پہنے ہوئے تھا ، آتار کر معتمد خان کو عنایت کیا ، اور اس کے علاوہ اس کو اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و پانصدی ذات و ہزار و پانصد سوار کے منصب پر ترقی دی ۔ اس منزل سے کشمیر کی سرحد شروع ہوتی ہے ۔

بھولباس کی اس گھاٹی میں یعقوب (۱) ولد یوسف خان کشمیری (۲) کی حضرت عرش آشیانی کی فوج سے لڑائی[1] ہوئی تھی ۔ جس کا سپہ سالار راجا مان سنگھ ولد راجا بھگوان داس تھا ۔

سہراب کی دریائے جہلم میں غرقابی :

اسی روز خبر آئی کہ سہراب خان ولد رستم میرزا دریائے جہلم میں غرق

۱- شہنشاہ اکبر نے ۹۹۴ھ (۱۵۸۰ع) میں کشمیر کو فتح کیا تھا ۔ جب مغل فوجیں حملے کے لیے آگے بڑھیں تو یوسف شاہ نے جو کشمیر کا آخری حکمران تھا ، ہتھیار ڈال دیے اور اکبر کے پاس پہنچ گیا ، لیکن اس کے بیٹے یعقوب اور کشمیری اُمرا نے چند روز جنگ جاری رکھی ، اور مغل فوجوں کا مقابلہ کیا ۔ بالآخر ان لوگوں نے بھی ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ع) کو اطاعت قبول کر لی ۔ یوسف شاہ اور اس کے بیٹے یعقوب کو اکبر نے بہار میں رکھا تھا ، اور وہیں یہ فوت ہوئے ۔ پرگنہ بسوک میں ان کو جاگیر دی گئی تھی ۔ یوسف شاہ کا انتقال ۱۵۹۲ع میں ہوا تھا ۔

ہو گیا ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وہ میرے حکم کے مطابق ایک منزل پیچھے آ رہا تھا ۔ راستے میں اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ دریا میں غسل کرے ، حالاں کہ اسے گرم پانی میسر تھا ۔ ہر چند لوگ اسے منع کرتے رہے کہ ایسی سرد ہوا میں بے ضرورت ایسے طوفانی اور جان لیوا دریا میں جو مست ہاتھی کو بھی بہا کر لے جاتا ہے ، اترنا اور غسل کرنا حزم و احتیاط کے خلاف ہے ، لیکن اس نے اپنے ساتھیوں میں کسی کی بات نہ سنی ۔ چوں کہ اس کا مقررہ وقت آ چکا تھا ، انتہائی خود رائی ، غرور اور جہالت میں پھنس گیا ۔ اور چوں کہ اس کو پیراکی میں غیرمعمولی کمال حاصل تھا ، اس لیے اپنے فن پر غیر ضروری اعتماد کر گیا اور اپنے ایک ملازم اور ایک دوسرے شخص کے ساتھ جو پیراکی جانتے تھے ، ایک پتھر پر چڑھ کر جو دریا کے کنارے تھا ، چھلانگ لگا دی ۔ گرتے ہی وہ دریا کی موجوں کی لپیٹ میں آ گیا ۔ اس نے اپنے ہوش و حواس کو جمع کر کے تیرنے کی بہتیری کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور گرتے ہی ڈوب گیا ۔ اور اس کا خادم بھی سیل فنا میں بہہ گیا ۔ اس کا دوسرا ساتھی جو ملاح تھا ، بصد مشکل اپنی کشتی حیات کو کنارے تک سلامت لے کر آیا ۔ میرزا رستم کو اپنے اس بیٹے سے نہایت الفت و محبت اور تعلق خاطر تھا ۔ جب اس نے پونچھ کے راستے میں یہ خبر جاں کاہ سنی تو اس کا صبر و قرار جاتا رہا ، اور اس نے بیتاب ہو کر انتہائی رنج و غم کا اظہار [294] کیا اور اپنے متعلقین کے ساتھ ننگے پاؤں ننگے سر میری خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس کی ماں کے رنج و غم کی کیفیت حد تحریر سے باہر ہے ۔ اگرچہ میرزا کے اور بھی بیٹے ہیں ، لیکن اس بیٹے سے اسے گہرا تعلق تھا ۔ وفات کے وقت اس کی عمر چھبیس سال کی تھی ۔ بندوق کے نشانے میں اپنے باپ کا شاگرد رشید تھا ۔ ہاتھی اور گاڑی کی سواری خوب جانتا تھا ۔ یورش گجرات کے وقت اکثر میرے حکم سے شاہی ہاتھی کے سامنے گھوڑے پر چلتا تھا ، سپاہ گری میں بہت دل چسپی لیتا تھا ۔

---

۱ - اس حادثے کو پرائس نے صفحہ ۲۸ پر بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے ۔ جہانگیر اور پرائس کی جزئیات میں بڑا فرق ہے : مثلاً پرائس کا بیان ہے کہ میرزا سہراب کی شادی ہوئے ابھی چھ ماہ ہوئے تھے کہ اسے یہ حادثہ پیش آیا اور اس کے گھر میں اعتمادالدولہ کی لڑکی تھی ۔ (س)

۶ ماہ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن تین کوس کی مسافت طے کر کے موضع ریوند میں قیام کیا۔

۷ ماہ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن کوارست کی گھاٹی کو عبور کیا۔ یہ دوسری گھاٹیوں سے سخت گھاٹی ہے اور اس راستے کی آخری گھاٹی ہے۔

۸ ماہ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو جمعہ کے دن تقریباً چار کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع بلتار[1] میں قیام کیا۔ اس راستے میں کوئی گھاٹی نہ تھی، بلکہ وسیع میدان تھے جہاں شگوفوں کے جنگل کے جنگل اور چمن کے چمن تھے۔ طرح طرح کے پھول از قسم نرگس و بنفشہ اور عجیب و غریب پھول جو اس ملک کے ساتھ خاص ہیں، دیکھنے میں آئے۔ ان پھولوں میں ایک پھول النناس کی قسم کا نظر پڑا جو عجیب و غریب شکل و صورت میں رنگ برنگ کے پانچ چھ گل نارنجی کی طرح سر نگوں تھا، اور پھولوں میں چند سبز پتے نکلے ہوئے تھے۔ اس پھول کو بولالیک کہتے ہیں۔ ایک اور قسم کے پھول بھی دیکھنے میں آئے، جو بوٹی کے پھولوں کی طرح ہیں، لیکن ان سے چھوٹے ہیں۔ بعضوں کا رنگ چنبیلی کی طرح بعضوں کا آسمانی اور بعضوں کا سرخ ہے۔ ان کے درمیان میں زرد زرد نقطے ہیں۔ یہ پھول نہایت خوش نما اور خوش وضع ہیں ان کا نام لدرپوش ہے اور عام طور پر ان کو پوش[2] بھی کہہ دیتے ہیں۔

زرد رنگ کے گل ارغوان بھی اس راستے میں کثرت سے ہیں۔ کشمیر میں پھولوں کے اقسام حد شمار و حساب سے باہر ہیں۔ کس کس پھول کو لکھا جائے اور کہاں تک لکھا جائے۔ جو پھول امتیازی درجہ رکھتے ہیں میں نے ان کو لکھ دیا ہے۔

اس راستے میں ایک آبشار سر راہ واقع ہے، نہایت عالی شان اور نفیس، جو بہت بلند اور اونچی جگہ سے گرتا ہے۔ اس راہ میں اتنی خوب صورت اور کوئی آبشار نہیں۔ میں تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا، اور بلندی پر سے میں نے اپنی آنکھوں اور دل کو اس کے نظارے سے سیراب کیا۔

۱- بیورج کی تحقیق میں یہ بھنیار ہے (رک: بیورج، ج ۲: ص ۱۳۳)۔

۲- پوش کشمیری زبان میں پھول کو کہتے ہیں۔ (بیورج ۱۳۴)۔

۹ ماہ فروردیں ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو ہفتے کے دن پونے پانچ کوس کا فاصلہ طے کر کے بارہ مولہ پہنچا۔ بارہ مولہ کشمیر کے مشہور قصبوں میں سے ہے اور اس جگہ سے شہر کا فاصلہ چودہ کوس ہے۱۔ یہ قصبہ دریائے بہٹ (جہلم) کے کنارے واقع ہے۔ کشمیر کے سوداگروں کی ایک جماعت اس قصبے میں رہتی ہے جنھوں نے دریا کے رخ پر مکانات اور مسجدیں تعمیر کی ہیں۔ یہ لوگ نہایت آسودہ اور مرفہ الحال زندگی بسر کرتے ہیں۔ میرے حکم کے مطابق وابستگان دولت میرے آنے سے پہلے سفر کے لیے کشتیاں سجا کر اس مقام پر موجود تھے۔ چوں کہ میرے آنے کا وقت پیر کا روز مقرر کیا گیا تھا اس لیے ۱۰ فروردیں ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو اتوار کی دوپہر کو سفر کر کے شہاب الدین پور پہنچا۔

دلاور خاں حاکم کشمیر کی آمد :

اسی روز دلاور خاں کاکڑ حاکم کشمیر نے کشتوار سے آ کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی اور گونا گوں الطاف شاہانہ اور نوازش خسروانہ سے سرفراز ہوا۔ بلاشبہ اس نے فتح کشتوار کی خدمت کو جیسا کہ چاہیے، انجام دے کر اختتام کو پہنچایا۔ امید ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کی طرح تمام بندگان درگاہ کی پیشانیوں کو اخلاص کے نور سے منور کرے گا۔

کشتوار، کشمیر کے جنوب میں واقع ہے۔ اسے کشمیر سے جو کشتوار کے حاکم کا مستقر ہے، شہاب الدین پور تک ساٹھ کوس کا فاصلہ طے کرنا پڑا۔

فتح کشتوار کے حالات :

۱۰ شہریور ماہ الٰہی، سنہ جلوس ۱۴، ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو دلاورخاں کاکڑ نے دس ہزار جنگ جُو سوار اور پیادوں کے ساتھ فتح کشتوار کا عزم کر کے اپنے بیٹے حسن نامی کو گرد علی میر بحر کے ساتھ شہر کی محافظت [295] اور سرحدات کی نگرانی پر مقرر کیا۔

۱۔ بارہ مولہ : دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر واقع ہے لیکن نقشوں میں اس کو دائیں کنارے پر دکھایا گیا ہے۔ سری نگر سے اس کا فاصلہ ۳۲ یا ۳۱ میل ہے، ۱۴ میل صحیح نہیں ہے۔ (رک : بیورج، ج ۲ : ص ۱۳۴)

چون کہ گوہر چک و ایبہ چک وراثت کشمیر کے دعوے کے ساتھ کشتوار اور اس کے نواح میں فساد پھیلاتے ہوئے گمراہی اور ادبار کی وادی میں ادھر ادھر سرگشتہ و حیران پھر رہے تھے ، اس لیے دلاورخاں نے اپنے بھائیوں میں سے ایک بھائی ہیبت خاں کو ایک گروہ کے ساتھ مقام دیسو میں جو درۂ پیر پنجال سے متصل ہے ، بہ نظر احتیاط متعین کیا اور منزل مذکور میں فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اور خود ایک دستہ فوج کے ساتھ سنگین پور کے راستے سے روانہ ہوا اور اپنے بیٹے جلال (۳) کو نصراللہ عرب اور علی ملک کشمیری اور چند بندگان جہانگیری کے ساتھ دوسرے راستے پر متعین کیا ، اور اپنے بڑے بیٹے جمال (۴) کو تجربہ کار جوانوں کے ایک گروہ کے ساتھ اپنی فوج کی ہراولی پر مقرر کیا ۔ اسی طرح دو فوجیں اپنے دائیں اور بائیں ترتیب دے کر آگے بڑھا ۔ چوں کہ راستے کے تنگ ہونے کی وجہ سے گھوڑوں کا گزرنا تقریباً ناممکن تھا ، اس لیے چند گھوڑے احتیاطاً اپنے ساتھ رکھ لیے اور باقی تمام سواروں کو پیچھے چھوڑ دیا اور وہیں سے کشمیر واپس بھیج دیا ۔ جوانان کار آزما کمر خدمت باندھ کر اور جان کو ہتھیلی پر رکھ کر پیدل پہاڑ کے اوپر آ گئے اور غازیان لشکر اسلام ، بد انجام کافروں کے ساتھ منزل بمنزل جنگ کرتے ہوئے ارکوٹ تک ، جو دشمن کا ایک مضبوط مورچہ تھا ، پہنچ گئے ۔ اس جگہ جلال اور جمال کا لشکر جو دوسرے مختلف راستوں سے آ رہا تھا ، مل گئے ۔ بدنصیب دشمن مقابلے کی تاب نہ لا کر فرار ہوگئے ۔ جاں نثار بہادر راستے کی ناہمواریوں کی پروا نہ کرتے ہوئے ، ہمت و پامردی کے ساتھ قدم آگے بڑھاتے ہوئے دریائے مرو کے کنارے تک پہنچ گئے ۔ دریائے مرو کے کنارے ایک مرتبہ اور جنگ و جدال کی آگ بھڑک اٹھی ، اور لشکر اسلام کے غازیوں نے خوب شجاعت کے جوہر دکھائے ۔ بدبخت ایبہ چک اپنے بے شمار بدنصیب سپاہیوں کے ساتھ مارا گیا ۔ ایبہ چک کے مارے جانے کی وجہ سے راجا نے دست و پاو بد دل ہو کر بھاگا اور پل سے گزر کر بھندر کوٹ[۱] میں ، جو دریا کے دوسری طرف واقع ہے ، مقیم ہو گیا ۔ بہادروں کی ایک جماعت نے اس کے تعاقب میں پل کو عبور کرنا چاہا ، تو پل پر سخت لڑائی ہوئی ، اور ان میں سے چند جوان شہادت پا گئے ۔ بندگان درگاہ پل کو عبور کرنے کی کوشش میں شبانہ روز

۱- بھندر کوٹ : (رک : بیورج ۲، ۲ : ۱۹۳)

کوشش کرتے رہے اور بد بخت کافر ہجوم کرکے مقابلے اور مدافعت میں کوئی کمی نہ کرتے تھے، یہاں تک کہ دلاور خاں فوجی چوکیوں کو مستحکم کر کے اور رسد کا انتظام خاطر خواہ کر کے فتح مند لشکر میں مل گیا۔ اس مرحلے پر راجا نے مکاری اور حیلہ سازی سے اپنے وکلا دلاور خاں کے پاس بھیج کر التماس کی کہ میں اپنے بھائی کے ہاتھ شاہی دربار میں پیش کش روانہ کرنا چاہتا ہوں۔ جب میرا گناہ معاف ہو جائے گا اور میرے دل سے خوف و ہراس دور ہو جائے گا، میں خود بھی درگاہ گیتی پناہ میں حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کروں گا۔ دلاور خاں نے اس کی ان مکارانہ باتوں پر کوئی توجہ نہیں کی اور جنگ کے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس نے راجا کے قاصدوں کو بے نیل مرام واپس کر دیا اور دریا سے گزرنے کا معقول انتظام کرنے لگا۔ اس کا بڑا بیٹا جلال، بہادر اور دلیر سپاہیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اس خطرناک دریا کے بالائی حصے پر پہنچ گیا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیرتے ہوئے دریا پار کر لیا اور مخالفوں کے ساتھ سخت جنگ شروع کر دی۔ دریا کے دوسرے حصے میں بھی شاہی لشکر کے جانبازوں نے ہجوم کر کے مخالفین پر عرصۂ حیات کو تنگ کر دیا۔ جب مخالفین نے اندازہ کر لیا کہ ان میں اب مقابلے کی باقی طاقت نہیں ہے تو انھوں نے پل کے تختوں کو توڑ کر راہ فرار اختیار کی، شاہی لشکر نے از سر نو پل کی مرمت کی اور باقی لشکر کو پل پر سے پار کر دیا اور اس کے بعد شاہی لشکر سهندر کوٹ میں مقیم ہو گیا۔ یہاں دلاور خاں نے لشکر کو نئے سرے سے آراستہ کیا اور دریائے مرو سے دریائے چناب تک جو ان سیاہ بختوں کا سب سے بڑا مدافعانہ مرکز (مورچہ) ہے اور جس کی مسافت دو تیر اندازی کی ہوگی۔ اس کے علاوہ دریائے چناب کے کنارے ایک بڑا اونچا پہاڑ ہے [296] جس کی وجہ سے دریا کے عبور کرنے میں بڑی مشکل ہوتی ہے۔ پیادوں کی آمد و رفت کے لیے موٹی موٹی رسیاں لگا کر دو رسیوں کے درمیان ایک بالشت کی لکڑیاں برابر رکھ کر مضبوط باندھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان رسیوں کو ایک طرف پہاڑ کی چوٹی سے، اور دوسری دریا کے اس طرف کسی چیز سے مضبوط باندھ دیتے ہیں، اور دو رسیاں اس سے ایک گز اوپر اور باندھ دی جاتی ہیں، تاکہ پیادے ان لکڑیوں پر پاؤں رکھ کر دونوں ہاتھوں سے اوپر کی رسیوں کو پکڑے ہوئے اوپر سے نیچے اتر سکیں، اور دریا کو عبور کر سکیں۔

اس طریقے کو کوہستانی لوگوں کی اصطلاح میں زمپہ کہتے ہیں ۔ دشمن کو جن مقامات پر یہ گمان تھا کہ یہاں زمپہ باندھا جائے گا ، اس نے اس اس جگہ پر اپنے بندوقچی ، تیر انداز اور جنگ جُو جوان متعین کر کے اپنا دلی اطمینان کر لیا تھا ۔

جب دلاور خان نے دیکھا کہ زمپہ بنانا ناممکن ہے ، اس نے کئی جالے بنائے اور ان میں اسّی بہادر اور جنگ جُو سپاہیوں کو بٹھا کر دریا کو عبور کرنا چاہا ۔ چوں کہ دریا کا پانی نہایت تیزی و تندی سے بہہ رہا تھا اس لیے جالے تباہ ہو گئے اور اس کے آدمیوں نے غرق ہو کر شہادت کا مرتبہ پایا ، تاہم دس آدمی تیر کر سلامت ساحل تک پہنچے ، اور دو آدمی دوسرے کنارے پر جا پڑنے کی وجہ سے دشمن کے چنگل میں گرفتار ہو گئے ۔

القصہ دلاور خان چار ماہ دس روز تک بھندر کوٹ میں ہمت و عزم کے ساتھ دریا کے پار کرنے کی کوشش کرتا رہا ، لیکن تدبیر کا تیر مقصد کے نشانے پر نہیں بیٹھتا تھا ۔ یہاں تک کہ ایک زمیندار نے اس کی راہبری کی اور ایسی جگہ جہاں دشمنوں کو زمپہ باندھنے کا گمان تک نہ تھا ، زمپہ بندھوا دیا ۔ آدھی رات کے وقت دلاور خان کے بیٹے جلال نے چند بندگان درگاہ اور تقریباً سو افغانوں کے ساتھ اس راستے سے سلامتی کے ساتھ دریا عبور کر لیا اور سحر کے وقت راجا کے سر پر پہنچ کر فتح کا بگل بجا دیا ۔ جو لوگ راجا کے گرد و پیش تھے ، نیم بیداری اور نیم خوابی کی حالت میں ہڑ بڑا کر اٹھے ۔ ان میں سے اکثر تلواروں کا لقمہ بن گئے اور بقیۃ السیف اپنی جان درجۂ ہلاکت سے بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔ اس شورش و ہنگامے کے درمیان ایک سپاہی نے راجا کے پاس پہنچ کر چاہا کہ تلوار کے ساتھ اس کا کام تمام کر دے ، راجا چلّایا کہ میں راجا ہوں ، مجھے زندہ حالت میں دلاور خان کے پاس لے چلو ۔ سپاہیوں نے اس پر ہجوم کر کے اسے قید کر لیا ۔ راجا کے گرفتار ہونے کے بعد اس کے متوسلین میں

۱۔ جالہ : دریا کو عبور کرنے کے لیے بعض حالات میں چند لکڑیاں ایک دوسرے سے جوڑ کر رسیوں سے باندھ دی جاتی ہیں اور ان پر گھاس وغیرہ ڈال دی جاتی ہے ، پھر چند مشکوں کو ہوا بھر کر ان کے ساتھ کس دیا جاتا ہے ۔ اس قسم کی کشتی جالہ کہلاتی ہے ۔ کشمیر میں اس کا رواج عام ہے ۔

جو جہاں تھا ، وہیں ایک گوشے میں چھپ گیا ۔

دلاور خاں فتح و فیروزی کا مژدہ سن کر سجدہ شکر بجا لایا اور فتح یاب لشکر کے ساتھ دریا عبور کر کے منڈل بدر میں آیا جو اس ملک کا دارالسلطنت ہے ۔ دریا کے کنارے سے لے کر اس جگہ تک تین کوس کا فاصلہ تھا ۔

جموں کے راجا سنگرام کی بیٹی اور مردود راجا سورج مل ولد راجا باسو کی لڑکیاں اس کے گھر میں ہیں اور سنگرام کی لڑکی سے اس کے اولاد نرینہ بھی ہوئی ہے ۔ قبل اس کے کہ دلاور خاں کو فتح حاصل ہو ، اس نے احتیاط کے مدنظر اپنے اہل و عیال کو راجا جسوال اور دوسرے زمینداروں کے ہاں پناہ لینے بھیج دیا تھا ۔ جب میں کشمیر کے نزدیک پہنچا تو میرے حکم سے دلاورخاں ، راجا کو ہمراہ لے کر آستاں بوسی کے لیے آیا ، اور اپنی جگہ نصراللہ عرب کو سوار اور پیادوں کی ایک جماعت کے ساتھ اس ملک کی حفاظت کے لیے چھوڑ آیا ۔

کشتوار میں گیہوں ، جو ، مسور ، ماش اور باجرہ کثرت سے ہوتا ہے ۔ بخلاف کشمیر کے یہاں اون کم ہوتی ہے ۔ یہاں کی زعفران کشمیر کی زعفران سے بہت بہتر ہے اور ہر سال تقریباً سو بھری یہاں پکڑے جاتے ہیں ۔ یہاں نارنگی ، بڑے لیمو اور تربوز اعلیٰ قسم کے ہوتے ہیں ۔ یہاں کا خربوزہ کشمیر کے خربوزے کی طرح ہے ۔ یہاں کے دوسرے میوے انگور ، آڑو ، خوبانی اور امرود ترش ہوتے ہیں ۔ اگر ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جائے تو ممکن ہے کہ یہ پھل بہتر ہو جائیں ۔ یہاں کشمیر کے سابقہ حکمرانوں کا ڈھالا ہوا سکہ [297] سنہسی رائج ہے ۔ ایک روپے میں ڈیڑھ سنہسی ملتی ہیں ، اور گرد و نواح میں پندرہ سنہسی جو دس روپے کی ہوتی ہیں ، ایک شاہی مُہر کے برابر سمجھی جاتی ہیں ۔ یہ ہندوستان کے دو سیر کے وزن کو ایک من کہتے ہیں ۔ یہاں کوئی قاعدہ ہی نہیں کہ راجا فصلوں کی پیداوار سے کس قسم کا خراج وصول کرے ۔ ہر گھر سے سالانہ چھ سنہسی جس کے چار روپے ہوتے ہیں ، وصول کرتا ہے ۔ زعفران کے کھیتوں کو اپنے راجپوت لشکریوں کے ایک گروہ اور سات سو توپچیوں میں جو قدیم ملازم ہیں ، بطور تنخواہ کے تقسیم کر دیا ہے ۔ زعفران کی فروخت کے وقت خریداروں سے ہر من پر جو دو سیر کا ہوتا ہے ، چار روپے محصول لیتا ہے ۔ راجا کی اصل آمدنی جرمانوں پر موقوف ہے ۔ وہ تھوڑی سی خطا پر بھی بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا ہے ۔ اس کے گماشتے جس کسی کو متمول اور صاحب جمعیت

پاتے ہیں، مختلف حیلوں بہانوں سے اس کی دولت صاف کر دیتے ہیں۔ اس قسم کی تمام آمدنیوں کو ملا کر اس کی کل آمدنی ایک لاکھ روپے ہوگی۔ یہاں ضرورت کے وقت چھ سات ہزار پیادے جمع ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس گھوڑے بہت کم ہیں۔ تقریباً پچاس گھوڑے راجا اور اس کے ملازموں کے پاس ہوں گے۔ میں نے اس ریاست کا ایک سال کا محصول بطور انعام دلاور خاں کو عنایت کر دیا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اس کی جاگیر جہانگیری ضابطے کے مطابق ہزاری ذات و ہزار سوار کے برابر ہوگی۔ چونکہ دیوانیان حساب کتاب کے بعد جاگیردار کی تنخواہ مقرر کرتی ہیں، اس لیے صحیح صورت حال تنقیح حساب کے بعد ہی معلوم ہوگی۔

۱۱ ماہ فروردیں ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو پیر کے دن دوپہر چار گھڑی دن میں تبریک اور تہنیتوں کے ساتھ اس عمارت میں جو تال[1] کے کنارے نئی بنائی گئی تھی، اترا۔ یہاں حضرت عرش آشیانی کے حکم سے پتھر اور چونے سے ایک نہایت مضبوط قلعہ بنا ہوا ہے، جو ابھی تک ناتمام ہے۔ اس کے ایک حصے کی تعمیر ابھی باقی ہے۔ امید ہے کہ اب تھوڑے ہی عرصے میں مکمل ہو جائے گا۔ حسن ابدال سے کشمیر تک جس راستے سے میں آیا ہوں، پچھتر کوس کی مسافت ہے۔ میں نے یہ مسافت انیس دن مسلسل کوچ اور چھ دن قیام کرکے جو مجموعی طور پر پچیس دن ہوتے ہیں، طے کی۔ دارالخلافہ آگرہ سے کشمیر تک مجموعی مسافت تین سو چھہتر کوس ہے۔ میں نے اس مسافت کو ایک سو دو دن مسلسل کوچ اور تریسٹھ دن قیام کرکے، ایک سو اڑسٹھ دن میں طے کیا۔ لیکن کشمیر تک جو خشکی کا عام اور معروف راستہ ہے، اس کی مسافت تین سو ساڑھے چار کوس ہے۔

راجا کشتوار کی حاضری:

۱۲ ماہ فروردیں ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو منگل کے دن، حسب الحکم دلاور خاں، راجا کشتوار کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے میرے حضور میں لایا گیا اور اس نے آستاں بوسی کا شرف حاصل کیا۔ راجا وجاہت سے خالی نہیں۔ اس کا لباس

۱۔ تال: سے مراد جھیل ڈل ہے جو شہر کے پاس صاف و شفاف پانی کی جھیل ہے۔

اہل ہندوستان کی طرح ہے ۔ وہ کشمیری اور ہندی دونوں زبانیں جانتا ہے ۔ وہ اس علاقے کے دوسرے زمینداروں کے بر خلاف زیادہ متمدن اور شہری معلوم ہوا ، میں نے حکم دیا کہ باوجود قصور اور گناہوں کے اگر وہ اپنے بیٹوں کو میری بارگاہ میں لائے تو وہ قید و حبس سے نجات پا کر ہمارے سایۂ دولت میں آسودہ اور فارغ البال زندگی بسر کر سکتا ہے ورنہ ہندوستان کے کسی قلعے میں ہمیشہ کے لیے قید کر دیا جائے گا ۔ اس نے عرض کیا کہ وہ اپنے اہل و عیال اور بیٹوں کو حضور میں لے آئے گا ۔ وہ ہر حال میں شاہی عنایت کا امید وار ہے ، جو بھی حکم ہو ۔

کشمیر کے لوگوں کی وضع قطع :

کشمیر اقلیم چہارم[1] میں سے ہے ۔ اس کا عرض خط استوا کے پینتیس درجہ اور طول جزائر سفید[2] سے ایک سو پانچ درجے ہے ۔ قدیم سے یہ ملک راجاؤں کے قبضے میں تھا ۔ ان راجاؤں کی حکومت کی مدت چار ہزار سال ہے اور ان کے حالات اور نام تاریخ راج ترنگ (۵) میں تفصیل سے درج ہیں ، جو حضرت عرش آشیانی کے حکم سے ہندی زبان سے فارسی میں ترجمہ ہوئی تھی ۔ سنہ ۷۱۲ھ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے پر اس خطے میں پھر اسلام کی روشنی اور رونق پھیلی [298] جس کے بعد بتیس مسلمان فرمانرواؤں نے دو سو بیاسی سال تک اس ملک پر حکومت کی (۶) ۔ یہاں تک کہ ۹۹۴ھ میں حضرت عرش آشیانی نے اس ملک کو فتح کر لیا اور اس تاریخ سے آج تک جب کہ پینتیس سال کا عرصہ ہوتا ہے ، یہ ملک ہماری سلطنت کے زیر نگیں ہے ۔ اس کا طول بھلو ایاس گھاٹی سے فروتر[3] تک چھپن کوس جہانگیری ہے ، اور عرض ستائیس کوس سے زیادہ نہیں ۔ شیخ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں محض تخمین اور قیاس سے لکھا ہے کہ ملک کشمیر کا طول دریائے کشن گنگا سے فروتر تک ایک سو بیس کوس ہے اور

۱۔ ابوالفضل نے کشمیر کو کہیں اقلیم سوم اور کہیں اقلیم چہارم لکھا ہے ۔
(رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۱۴۰)

۲۔ اقبال نامہ میں جزائر سفید کی جگہ جزائر سعدۂ لکھا ہے ۔

۳۔ اقبال نامہ میں یہ نام قمبر بار ہے ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۱۴۰)

عرض دس کوس سے کم اور پچیس کوس سے زیادہ نہیں ۔ میں نے بہ نظر احتیاط تجربہ کار لوگوں کی ایک جماعت مقرر کی کہ اس کے طول و عرض کی پیمائش کریں تاکہ صحیح حقیقت واضح ہو سکے ۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ طول جس کو شیخ ابوالفضل نے ایک سو بیس کوس لکھا ہے ، وہ سڑسٹھ کوس ہے ۔ لیکن چونکہ یہ قاعدہ مقررہ ہے کہ ہر ملک کی حد وہاں تک ہوتی ہے ، جہاں تک لوگ اس ملک کی زبان بولتے ہیں ۔ اس اصول کے مطابق بھلو لباس[1] سے جو کشن گنگا سے اس طرف گیارہ کوس کے فاصلے پر واقع ہے ، کشمیر کی سرحد مقرر کی گئی ۔ اس لحاظ سے چھپن کوس ہوتے ہیں ۔ اب رہا عرض تو اس میں شیخ ابوالفضل کی پیمائش سے دو کوس سے زیادہ کا فرق نہیں ہے ، اور کوس کی مسافت جو میرے عہد حکومت میں رائج ہے ، وہ وہی ہے جو حضرت عرش آشیانی نے مقرر کیا تھا ، یعنی ایک کوس ، پانچ ہزار ایک گز اور دو گز شرعی کے برابر ہوتا ہے[2] اور ہر گز چوبیس انگل کا ہوتا ہے ۔ جہاں کہیں کوس یا گز کا ذکر آتا ہے ، اس سے مراد یہی کوس اور گز ہے ، جو رائج ہے ۔

شہر کا نام سری نگر ہے ۔ دریائے بھٹ (جہلم) اس کے درمیان سے گزرتا ہے ۔ اس دریا کے سر چشمے کو[3] ویر ناگ کہتے ہیں ، جو شہر سے چار کوس کے فاصلے پر جانب جنوب واقع ہے ۔ میرے حکم سے اس سرچشمے کے کنارے پر ایک باغ اور ایک عمارت تعمیر کی گئی ہے ۔ اس دریا پر شہر میں چار پل لکڑی اور پتھر سے نہایت مضبوط بنائے گئے ہیں ، جن پر سے لوگ آسانی سے گزرتے ہیں ۔ پل کو اس ملک کی اصطلاح میں کدل کہتے ہیں ، شہر میں ایک عالیشان مسجد[4] (۷) ہے جو سلطان سکندر کی بنائی ہوئی ہے[5] ۔ یہ مسجد اس نے ۷۹۵ھ میں

۱۔ بعض نقشوں میں اس کو بلیاسا لکھا گیا ہے ۔ (رک : بیورج ، ج ۲ : ص ۱۴۰)

۲۔ گز کے لیے جہانگیر نے جو لفظ استعمال کیا ہے ، وہ ذرع ہے ۔ یہ عربی لفظ ہے جس کے معنی گز کے ہیں ۔ جشن سوم صفحہ ۴۲ میں جہانگیر نے گز الٰہی کا طول ۴۰ انگل لکھا ہے ۔ (رک : بیورج ۲ : ص ۱۴۱)

۳۔ ویر بید کو کہتے ہیں اور ناگ چشمے کو ۔

۴۔ اس مسجد کا نام جامع سکندری ہے ۔

۵۔ یہ مسجد زین العابدین کی بنائی ہوئی ہے ۔ (رک : بیورج ۲ : ص ۱۴۲) ۔

بنائی تھی اور یہ ایک عرصے کے بعد جل گئی تھی ۔ پھر اسے سلطان حسین نے بنانا شروع کیا تھا ، لیکن ابھی مسجد مکمل نہ ہوئی تھی کہ اس نے وفات پائی ۔ ۹۰۹ھ میں سلطان حسین کے وزیر ابراہیم باکری نے اس مسجد کی عمارت و آرائش کی تکمیل کی ۔ اس وقت سے لے کر آج تک ایک سو بیس سال گزر چکے ہیں ، ابھی تک یہ مسجد اپنی جگہ پر مستحکم حالت میں موجود ہے ۔ اس مسجد کا طول محراب سے لے کر مشرقی دیوار تک ایک سو پینتالیس گز ، اور عرض ایک سو چوالیس گز ہے ۔ جو چار طاقوں پر مشتمل ہے ۔ ایوان کے چاروں طرف اور بڑے بڑے ستونوں پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ حکام کشمیر کی اس سے بہتر اب کوئی یادگار باقی نہیں رہی ۔

میر سید علی ہمدانی قدس سرہ (۸) نے چند روز تک اس شہر میں اقامت کی تھی ۔ چنانچہ ایک خانقاہ اُن کی یادگار ہے ۔

شہر سے متصل دو بڑے تالاب ہیں جو تمام سال پانی سے لبریز رہتے ہیں اور اُن کے پانی کا مزہ تبدیل نہیں ہوتا ۔ لوگوں کی آمد و رفت اور غلے اور لکڑی کے نقل و حمل کا دار و مدار کشتیوں پر ہے ۔ شہر اور پرگنوں میں پانچ ہزار سات سو کشتیاں اور سات ہزار[1] چار سو ملاح شمار میں آئے ہیں ۔

ولایت کشمیر اڑتیس پرگنوں پر مشتمل ہے جسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ دریا کے بالائی حصے کو آمراج اور زیریں حصے کو کامراج کہتے ہیں ۔ لین دین میں روپے اور اشرفی کے کام میں لانے کا عام رواج نہیں مگر جزوی طور پر تمام اشیاء اور اجناس کی قیمت کا تعین [299] دھان کے ڈھیروں سے کیا جاتا ہے ۔ ہر ڈھیر (خروار) موجودہ وزن کے مطابق تین من آٹھ سیر کا ہوتا ہے ۔ کشمیری دو سیر کو ایک من کہتے ہیں اور چار من کو جو آٹھ سیر ہوتے ہیں ، ایک ترک کہتے ہیں ۔ تمام ولایت کشمیر کی مجموعی آمدنی تیس لاکھ تریسٹھ ہزار پچاس خروار اور گیارہ ترک ہے جس کے نقدی کے حساب سے سات کروڑ چھیالیس لاکھ ستر ہزار چار سو دام ہوتے ہیں[2] اور موجودہ ضابطے کے

۱- ملاحوں کی تعداد کشتیوں سے کم ہے ۔ بیورج کا خیال ہے کہ ملاح ستائیس ہزار ہونے چاہئیں (ص ۱۴۲) ۔

۲- کشمیر کی آمدنی جو جہانگیر نے لکھی ہے ، آئین اکبری کے مطابق ہے ۔ (بیورج ، ج ۲ ، ص ۱۴۳)

مطابق یہ آٹھ ہزار و پانسو سواروں کے منصب کی جاگیر ہے ۔

کشمیر کے آمدورفت کے راستے دشوار گزار ہیں ، مگر سب سے بہترین راستے بھیمر اور پکھلی پر سے گزرتے ہیں ۔ اگرچہ بھیمر کا راستہ قریب تر ہے ، لیکن اگر کوئی کشمیر کی بہار سے لطف اٹھانا چاہے ، تو یہ لطف پکھلی ہی کے راستے سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ دوسرے راستے موسم بہار میں برف سے پٹ جاتے ہیں ۔ اگر میں کشمیر ہی کی تعریف و توصیف کرنے بیٹھ جاؤں ، تو اس کے لکھنے کے لیے کئی دفتر چاہئیں : مختصر طور پر اس کے اوضاع و اطوار اور خصوصیات کی کیفیت لکھی جاتی ہے ۔

کشمیر ایک سدا بہار اور مضبوط ترین قلعہ ہے ۔ بادشاہوں کے لیے ایک عشرت افزا گلشن اور درویشوں کے لیے ایک دل کشا خلوت کدہ ہے ۔ اس کے خوش نما چمن اور دل کش آبشار شرح و بیان سے باہر اور آب رواں اور دریائی چشمے حد و شمار سے متجاوز ہیں ۔ جہاں تک نظر جاتی ہے ، سبزہ ہی سبزہ اور آب رواں دکھائی دیتا ہے ۔ گل سرخ ، بنفشہ ، خود رو نرگس ، صحرا صحرا کھلے ہوئے ہیں ۔ قسم قسم کے پھول اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا ، موسم بہار میں پہاڑ اور جنگل ، قسم قسم کے شگوفوں سے مالا مال اور مکانوں کے در و دیوار اور صحن و بام لالہ کی مشعلوں سے جگمگا رہے ہیں ۔ مسطح مرغزار اور تین شاخہ پھول کی کیا تعریف کی جائے :

شدہ جلوہ گر نازنینان باغ
رخ آراستہ ہر یکی چوں چراغ

شدہ مشک بو غنچہ در زیر پوست
چو تعویذ مشکیں ببازوے دوست

غزل خوانی بلبل صبح خیز
تمنائے میخوارگاں کردہ تیز

بہر چشمہ منقار بط آب گیر
چو مقراض زریں بقطع حریر

بساط گل و سبزہ گلشن شدہ
چراغ گل از باد روشن شدہ

بنفشہ سر زلف را خم زدہ
گرہ در دل غنچہ محکم زدہ

شگوفوں کے اقسام میں سب سے بہتر بادام اور آڑو کے شگوفے ہیں ۔ بیرون کوہستان شگوفوں کی ابتدا ماہ اسفندار کی پہلی تاریخ سے ہوتی ہے ، لیکن کشمیر میں ماہ فروردین کے اوائل میں ، اور شہر کے باغات میں ماہ مذکور کی نویں دسویں تاریخ کو ان شگوفوں کا موسم ختم ہوتا ہے اور اسی وقت یاسمین کبود (آسمانی چنبیلی) کے کھلنے کا موسم شروع ہوتا ہے ۔ میں نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ متعدد مرتبہ کشمیر کے زعفران زاروں کی موسم خزاں میں سیر کی ہے ۔ بحمداللہ اس مرتبہ بہار کو اس کے شباب میں دیکھنے کا موقع ملا ، یہاں کے موسم خزاں کی خوبیاں اپنے موقع پر لکھی جائیں گی ۔

کشمیر کی عمارتیں سب کی سب لکڑی کی بنی ہوئی ہیں ، یہ عمارتیں دو دو ، تین تین ، چار چار منزلہ بنائی جاتی ہیں ۔ ان کی چھت پر مٹی ڈال کر لالہ چوغاشی[1] اگاتے ہیں ، جو ہر سال موسم بہار میں کھلتا ہے ، اور نہایت خوش نما ہوتا ہے ، یاسمن کبود (آسمانی چنبیلی) یہاں کے باغوں میں کثرت سے ہے ، اور یاسمن سفید جسے ہندوستان کے لوگ چنبیلی کہتے ہیں ، حد درجہ خوش‌بودار ہوتی ہے ، اس کی ایک اور قسم صندلی رنگ والی ہے ، وہ بھی نہایت خوش‌بودار ہوتی ہے اور اہل کشمیر کے ساتھ مخصوص ہے ۔

یہاں چند قسم کے گلاب کے پھول نظر آئے ۔ لیکن خاص طور پر ایک قسم ان میں بہت خوشبودار ہے ، گلاب کی طرح کا ایک اور پھول دیکھنے میں آیا ، اس کا رنگ صندلی ہے ، اور رنگ اور خوشبو نہایت [300] لطیف و نازک گلاب کی طرح ہوتی ہے ۔ اس کا تنا بھی گلاب کے تنے کی مانند ہوتا ہے ۔

گل سوسن بھی دو طرح کا ہوتا ہے ۔ ایک تو وہ جو باغات میں ہوتا ہے ۔ یہ نہایت شاداب اور رنگ میں سبز ہوتا ہے ۔ دوسری قسم صحرائی ہے ، اس کا رنگ اگرچہ ہلکا ہوتا ہے لیکن اس میں خوشبو بہت ہوتی ہے ۔

گل جعفری بڑا ہوتا ہے اور خوشبودار ہوتا ہے ۔ اس کا تنا آدمی کے قد سے بڑا ہوتا ہے لیکن بعض ایام میں جب کہ گل جعفری کا پودا بڑا ہو کر پھلتا ہے ، تو اس میں ایک قسم کا کیڑا پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے پھولوں پر مکڑی کی طرح کا ایک جالا تن کر ان کو ضائع کر دیتا ہے ، اور اس کے تنے کو

۱۔ لالہ چوغاشی : گل لالہ کی ایک قسم ہے جس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے ۔

خشک کر دیتا ہے ۔ چناں چہ امسال ایسا ہی ہوا ہے ۔

جو پھول کشمیر کے گرمائی مستقروں میں نظر آئے ، وہ حد و شمار سے باہر ہیں۔ ان میں سے نادرالعصر استاد منصور نقاش نے جن کی تصویریں کھینچی ہیں، وہ ایک سو سے متجاوز ہیں۔

حضرت عرش آشیانی کی حکومت کے زمانے سے پہلے شاہ آلو قطعاً نہیں ہوتا تھا۔ محمد قلی شاہ افشار نے اسے کابل سے لا کر پیوند کیا ۔ اس وقت تک دس پندرہ درخت بار آور ہو چکے ہیں ۔

زرد آلو پیوندی (خوبانی) کے بھی چند درخت تھے ۔ موصوف نے پیوند لگانے کے طریقے کو اس ملک میں عام کیا ہے، اب کشمیر میں خوبانیاں کثرت سے ہوتی ہیں اور فی الواقع بہت اچھی ہوتی ہیں ۔

کابل کے باغ شہر آرا میں میرزائی نام کا (خوبانی) ایک درخت تھا ۔ میں نے اس کی خوبانی سے بہتر خوبانی نہیں کھائی تھی لیکن کشمیر کے باغوں میں اُس جیسے کتنے ہی درخت ہیں ۔ یہاں کی ناشپاتی عمدہ اور اعلیٰ قسم کی ہوتی ہے ۔ کابل اور بدخشاں سے بہتر ۔ تقریباً سمرقند کی ناشپاتی کے برابر ہے ۔ یہاں کا سیب اپنی خوبی میں مشہور ہے اور امرود درمیانے درجے کا ہوتا ہے ۔ انگور کثرت سے ہوتے ہیں ، جن میں سے اکثر ترش اور ادنیٰ درجے کے ہوتے ہیں ۔ اناروں کی کثرت نہیں ۔ تربوز اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے ۔ خربوزے نہایت شیریں اور نقش دار و ملائم ہوتے ہیں ، لیکن اکثر ان میں سے جب پک جاتے ہیں تو ان میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور ان کیڑوں کی وجہ سے خربوزے ضائع ہو جاتے ہیں ۔ اگر کبھی کیڑوں کی خرابی سے بچ جاتے ہیں تو نہایت عمدہ اور مزے دار ہوتے ہیں ۔ یہاں شہتوت نہیں ہوتا ۔ البتہ توت کی دوسری تمام اقسام جن کے تنوں کا سہارا لے کر انگور کی بیلیں اوپر چڑھتی ہیں ۔ ہر جنگل میں کثرت سے ہیں لیکن یہ توت کھانے کے قابل نہیں ۔ سوائے چند درختوں کے جن کے باغوں میں قلم لگائے گئے ہیں ۔ توت کے پتے ریشم کے کیڑوں کے پالنے کے کام آتے ہیں اور ریشم کے کیڑوں کے تخم (انڈے) گلگت اور تبت سے لائے جاتے ہیں ۔ یہاں شراب اور سرکہ کثرت سے ہوتا ہے ، لیکن یہاں کی شراب ترش اور ادنیٰ درجے کی ہوتی ہے ۔ اس کو کشمیری زبان میں مس کہتے ہیں ۔ کئی پیالے پینے کے بعد یہ شراب سرور پیدا کرتی ہے ۔ سرکے سے کئی قسم کے آچار بنائے جاتے ہیں ۔ چوں کہ لہسن کشمیر میں بہت

ہوتا ہے ۔ اس لیے یہاں کا بہترین آچار لہسن کا آچار ہے ۔ سوائے چنے کے یہاں دوسری قسم کے غلے کثرت سے پیدا ہوتے ہیں ۔ اگر چنا بویا جائے تو پہلے سال اچھا پیدا ہوتا ہے ۔ دوسرے سال ادنٰی درجے کا اور تیسرے سال مٹر کی طرح ہو جاتا ہے ۔ غلوں میں چاول کی پیداوار سب سے زیادہ ہوتی ہے بلکہ ممکن ہے کہ اوسطاً یہاں تین حصے چاول اور ایک حصہ دوسرے اناج پیدا ہوتے ہوں ۔ اہل کشمیر کی غذا کا مدار چاول پر ہے لیکن یہاں چاول ادنٰی قسم کا ہوتا ہے ، اور اس کا خشکہ پکاتے ہیں ، اور ٹھنڈا کر کے کھاتے ہیں ۔ اس کو بھتہ کہتے ہیں ۔ یہاں گرم کھانے کا رواج نہیں ۔ بلکہ غریب لوگ رات کے پکے ہوئے بھتے کو محفوظ رکھتے ہیں اور دوسرے دن کھاتے ہیں ۔ نمک ہندوستان سے آتا ہے ۔ بھتے میں نمک ڈالنے کا قاعدہ نہیں ۔ البتہ سبزی کو اُبال کر تھوڑا سا نمک مزہ بدلنے کے لیے اس میں ڈالتے ہیں ، اور بھتے کے ساتھ کھاتے ہیں ۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ اُسے اور زیادہ مزے دار بنائیں ، وہ اس سبزی میں چار مغز کا تیل ڈال دیتے ہیں ، لیکن چار مغز کا تیل جلد ہی کڑوا اور بدمزہ ہو جاتا ہے ، بلکہ گائے کا گھی بھی خراب ہو جاتا ہے ۔ بجز اس کے کہ تازہ تازہ گھی مسکے سے نکال کر [301] کھانے میں ڈالا جائے ۔ اس تازے گھی کو کشمیری اپنی زبان میں سدا پاک کہتے ہیں ۔ چوں کہ یہاں کی ہوا سرد اور مرطوب ہے ، اس لیے یہ گھی تین چار روز کے بعد خراب ہو جاتا ہے ۔ یہاں بھینس نہیں ہوتی ، اور گائے بھی چھوٹی اور ادنٰی قسم کی ہوتی ہے ۔ یہاں کے گیہوں بھی چھوٹے اور کم مغز ہوتے ہیں ۔ روٹی کھانے کا یہاں رواج نہیں ۔ یہاں بکریوں کی دُلم نہیں ہوتی اور یہ پہاڑی بکریوں کی طرح ہوتے ہیں ۔ ہندوستانی اس کو ہندو کہتے ہیں ۔ اس کا گوشت لطیف اور خوش ذائقہ ہوتا ہے ۔ مرغ ، قاز ، مرغابی اور سوہہ کثرت سے ہوتا ہے ، ہر قسم کی مچھلی فلوس دار اور بغیر فلوس کے یہاں ہوتی ہے ۔ یہاں پشمینے کے کپڑے عام ہیں ۔ عورت و مرد پشمینے کے کُرتے پہنتے ہیں جسے پٹو کہتے ہیں ۔ پٹو کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر پٹو نہ پہنا جائے تو ہوا بُرا اثر کرتی ہے بلکہ اس کے بغیر کھانا ہضم نہیں ہوتا ۔ کشمیری شال کا نام حضرت عرش آشیانی نے پرم نرم رکھا تھا ۔ یہ انتہائی مشہور ہونے کی وجہ سے کسی تعریف کی محتاج نہیں ۔ شال کی دوسری قسم نہرمہ (موجدار) ہے جو شال سے دبیز اور نرم ہوتی ہے اور ایک قسم درمہ ہے جو گدھوں اور کتوں کا جھول بنانے اور فرش پر ڈالنے کے کام

آتا ہے۔ علاوہ شال کے دوسری اقسام کا پشمینہ تبت میں بہتر ہوتا ہے۔ باوجودیکہ شال کا پشمینہ تبت سے آتا ہے لیکن وہاں شال نہیں بنا سکتے۔ شال کا اون ان بکریوں سے حاصل کیا جاتا ہے جو تبت ہی میں پائی جاتی ہیں اور کشمیر میں شال کے اون سے پٹو بھی بنتے ہیں اور دو شالوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر بانات کی طرح ملتے ہیں۔ یہ بارش کے لباس کے لیے برا نہیں ہوتا۔ کشمیر کے لوگ سر کے بال منڈواتے ہیں اور پگڑی باندھتے ہیں۔ عوام کی عورتوں میں صاف اور دھلا ہوا لباس پہننے کا رواج نہیں۔ وہ پٹو کا ایک کُرتا بنوا کر تین تین چار چار سال پہنتی ہیں۔ پٹو کو بغیر دھوئے جلاہے کے گھر سے لاتی ہیں اور کُرتا سیتی ہیں۔ پھر وہ پارہ پارہ ہونے تک پانی کی صورت نہیں دیکھتا۔ یہاں پاجامہ پہننا عیب میں شمار ہوتا ہے۔ صرف ایک لمبا چوڑا کرتا جو سر سے لے کر پاؤں تک ڈھانپ لیتا ہے، پہنتی ہیں۔ اور کمر کو باندھ لیتی ہیں۔ اکثر لوگوں کے گھر دریا کے کنارے ہیں۔ لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی ان کے بدن کو نہیں لگتا۔ مختصر یہ کہ ان کا ظاہر ان کے باطن کی طرح میلا ہے۔

میرزا حیدر (۹) کے زمانے میں یہاں بے شمار ہنر مند آئے اور آباد ہو گئے، موسیقی کی رونق بڑھی، کمانچہ، جنتر، قانون، چنگ، دف اور بانسری کا رواج ہوا۔ اس سے پہلے کمانچے کی طرح کے ایک ساز کا یہاں رواج تھا۔ کشمیری زبان کے گیت ہندی راگوں میں گاتے تھے۔ وہ بھی دو تین سروں میں، بلکہ اکثر ایک ہی راگ میں گاتے تھے۔ بلا شبہ کشمیر کی رونق بڑھانے میں میرزا حیدر نے جو خدمات انجام دی ہیں، اس کی وجہ سے اس کے کشمیر پر بہت سے احسانات ہیں۔

حضرت عرش آشیانی کی حکومت سے پہلے یہاں کے لوگوں کی سواری کا انحصار گونٹ (ٹٹو) پر تھا۔ ان کے پاس بڑے گھوڑے نہیں تھے مگر عراقی اور ترکی گھوڑے یہاں کے حکام کے لیے بہ طور تحفہ باہر سے لائے جاتے تھے۔ گونٹ سے مراد وہ چارشانہ پستہ قد یابو ہے جو ہندوستان کے دور و نزدیک تمام پہاڑی علاقوں میں کثرت سے ہوتا ہے، خصوصاً اس کی شکل بے ڈول اور بد وضع ہوتی ہے۔ جب یہ سرزمین، گلشن خدا آفریں اکبر شاہی دولت اور خاقانی تربیت سے ہمیشہ کے لیے پر رونق ہوئی، اور اکثر خاندانوں کو اس صوبے میں جاگیریں عطا کر کے عراقی اور ترکی گھوڑوں کے گلّے نسل بڑھانے کے لیے عطا کیے گئے، اور ان کے سپاہیوں نے بھی اپنی طرف سے ایسے انتظام کیے، اور ایلچیوں نے بھی ایسے

سامان کیے تو تھوڑے ہی عرصے میں یہاں اچھے گھوڑے ملنے لگے ، چنانچہ اب کشمیری گھوڑے یہاں دو تین سو روپے میں بہت فروخت ہوتے ہیں ، کبھی ہزار روپے کی قیمت کا گھوڑا بھی یہاں مل جاتا ہے ۔

اس ملک کے لوگ تاجر اور اہل حرفہ ہیں ۔ ان میں اکثر سُنّی ہیں ، اور سپاہی پیشہ لوگ شیعہ امامیہ ہیں ۔ ایک گروہ نور بخشی (۱۰) [302] فرقے سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہاں فقرا کا طبقہ بھی پایا جاتا ہے ، جنھیں ریشی[۱] کہتے ہیں ۔ اگرچہ ان میں کوئی علم و معرفت نہیں ، لیکن یہ لوگ سادہ اور بے تکلف زندگی بسر کرتے ہیں اور کسی کو برا نہیں کہتے ۔ زبان ، خواہش اور پائے طلب کوتاہ رکھتے ہیں ۔ گوشت نہیں کھاتے ، شادی نہیں کرتے ، اور ہمیشہ میوے دار درخت جنگلوں میں اس نیت سے لگاتے ہیں کہ لوگ ان درختوں سے فائدہ اٹھائیں ، خود اُن سے فائدہ حاصل نہیں کرتے ۔ اس گروہ کے لوگ تقریباً دو ہزار ہوں گے ۔

ایک جماعت برہمنوں کی قدیم سے اس ملک میں آباد ہے ۔ یہ کشمیریوں کی زبان میں بات چیت کرتے ہیں ۔ بظاہر ان میں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا ، لیکن اُن کی کتابیں سنسکرت زبان میں ہیں ، جنھیں وہ پڑھتے ہیں ، اور بُت پرستی کے تمام رسوم بجا لاتے ہیں ۔

سنسکرت ہندوستان کی بڑی زبان ہے جس میں دانشوران ہند نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں ، اور یہ کتابیں نہایت معتبر ہیں ۔

بڑے بڑے بُت خانے جو ظہور اسلام سے پہلے تعمیر ہوئے تھے ، اپنی جگہ پر قائم ہیں ۔ ان کی عمارتیں تمام کی تمام پتھر کی ہیں ۔ بنیاد سے چھت تک تیس تیس چالیس چالیس من کے تراشیدہ پتھر ایک دوسرے پر رکھے گئے ہیں ۔

شہر کے متصل ایک پہاڑی ہے جس کو کوہ ماران کہتے ہیں اور ہری پربت بھی اس کا نام ہے ۔ اس کے مشرقی جانب کوہ ڈل ہے جس کا گھیر ساڑھے چھ

۱- ریشی : حقیقت میں سنسکرت کے لفظ رکھی کی ایک صورت ہے ۔ رکھی سے مراد وہ شخص ہے جو ترک دنیا کر چکا ہو اور خدا کی یاد میں مشغول رہتا ہو ۔ مختصر یہ کہ زمانۂ قدیم میں ان کا نام رکھی تھا ۔ جب انھوں نے اسلام کی دولت پائی تو ریشی کہلائے ۔ (س)

کوس سے کچھ زائد ہے۔

حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ نے اپنے عہد میں حکم دیا تھا کہ اس مقام پر ایک مضبوط قلعہ (۱۱) پتھر اور چونے سے بنایا جائے۔ یہ قلعہ میری حکومت کے زمانے میں اختتام کو پہنچ گیا ہے۔ یہ قلعہ اتنا بڑا ہے کہ مذکورہ پہاڑی اس قلعے کے اندر آ گئی ہے، اور قلعہ اردگرد کی دیواروں میں محصور ہے۔

اس پہاڑ کے گرد جو تالاب تھا وہ اب قلعے سے مل گیا ہے اور دولت خانہ پانی کے اوپر ہے۔

دولت خانے کے اندر باغیچہ لگایا گیا ہے جس کے بیچ میں ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس میں میرے والد بزرگوار اکثر بیٹھتے تھے۔

اس مرتبہ یہ عمارت اور باغیچہ غیر شاداب اور بے رونق نظر آیا۔ چوں کہ یہ قبلۂ حقیقی اور خدائے مجازی کی نشیمن گاہ ہے، اور حقیقت میں اس نیاز مند کے لیے سجدہ گاہ کا حکم رکھتی ہے، اس لیے میرے حق شناس دل کو یہ بے رونقی پسند نہ آئی۔ میں نے معتمد خاں کو جو میرے مزاج داں ملازموں میں سے ہے، حکم دیا کہ وہ باغیچے کی ترتیب اور مکانات کی مرمت کرانے میں انتہائی جد و جہد عمل میں لائے۔ چناں چہ تھوڑی سی مدت میں اس کے حسن اہتمام سے باغیچے اور عمارتوں میں ایک نئی رونق آ گئی۔ باغیچے کے وسط میں ایک عالی شان چبوترا بتیس مربع گز، جو تین قطعات پر مشتمل ہے، تیار کیا گیا، اور عمارتوں کو نئے سرے سے تعمیر کر کے نادرۂ روزگار نقاشوں کی نقاشی سے ان عمارتوں کو رشک نگار خانۂ چین بنا دیا گیا۔ میں نے اس باغیچے کا نام نور افزا رکھا۔

۱۵ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو تبت کے راجا کی طرف سے دو قسطاس گائیں بطور پیش کش میرے سامنے لائی گئیں۔ صورت اور جثے میں یہ بھینس سے زیادہ مشابہت اور مناسبت رکھتی ہیں۔ ان کے تمام اعضا بالوں سے بھرے ہوئے ہیں جو سرد مقامات کے حیوانوں کا خاصہ ہے۔ چناں چہ رنگ بکرا جو ولایت بکر اور گرم علاقے کے پہاڑی مقامات سے لایا جاتا ہے، نہایت خوب صورت اور کم بالوں والا ہوتا ہے، اور اس کوہستان میں جو جانور ملتے ہیں، وہ سرما اور برف باری کی وجہ سے بالوں سے بھرے ہوئے اور بد شکل ہوتے ہیں۔ کشمیری رنگ کو کپل کہتے ہیں

ان ہی دنوں ایک مشکیں ہرن بھی بطور پیشکش لایا گیا ۔ چوں کہ میں نے اس قسم کے گوشت کا ہرن اس سے پہلے نہیں کھایا تھا اس لیے میں نے حکم دیا کہ اس کا کھانا پکایا جائے ۔ سخت بے مزہ کھانا پکا ۔ صحرائی چار پایہ حیوانات میں کسی کا گوشت اتنا بدمزہ اور خراب نہیں ہوتا ۔ بالکل تازہ نافہ خوشبو نہیں دیتا ، کچھ دن رکھنے کے بعد جب خشک ہو جاتا ہے ، تو اس میں خوشبو پیدا ہوتی ہے ، ہرنی میں نافہ نہیں ہوتا ۔

ان دو تین دنوں میں اکثر اوقات کشتی میں بیٹھ کر [303] پھا گ اور شالامار کے شگوفہ زاروں سے لطف اندوز ہوتا رہا ۔

پھاگ ایک پرگنے کا نام ہے جو کوہ ڈل کے اطراف میں واقع ہے ۔ اسی طرح شالامار بھی کوہ ڈل سے متصل ہے جہاں ایک پانی کی نہایت خوش نما نہر ہے ، جو پہاڑ سے نکل کر ڈل کے تالاب میں گرتی ہے ۔

میرے حکم سے فرزند خرم نے نہر کے راستے میں ایک بند بندھوا دیا ہے جس کی وجہ سے اس نہر نے ایک آبشار کی صورت اختیار کر لی ہے ، جس کے نظارے سے انسان خوش ہوتا ہے ۔ یہ مقام کشمیر کی مشہور سیرگاہوں میں سے ہے ۔

شاہزادہ شاہ شجاع کا گرنا :

۱۷ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو اتوار کے دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا ۔ شاہ شجاع دولت خانے کی عمارتوں میں کھیل رہا تھا ۔ اتفاقاً دریا کے جانب ایک دریچہ تھا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا اور اس کھڑکی کا دروازہ کھلا ہوا تھا ۔ شاہزادہ کھیلتا ہوا کھڑکی کی طرف گیا تاکہ وہ کھڑکی سے دریا کا نظارہ کرے ۔ جیسے ہی اس نے کھڑکی سے دریا کی طرف جھانکا تو وہ سر کے بل نیچے گر پڑا ۔ حسن اتفاق سے ٹاٹ کا فرش تہ کیا ہوا دیوار کے نیچے رکھا ہوا تھا اور فراش اس کے پاس ہی بیٹھا تھا ۔ اس کا سر ٹاٹ سے لگا اور اس کے پاؤں فراش کی پشت اور کندھے سے لگے ۔ اور وہ زمین پر گر پڑا ۔ اگرچہ اس کی بلندی سات گز ہے مگر خدائے تعالیٰ کا لطف و کرم اس کے شامل حال تھا ، اس لیے یہ فراش اور لپٹا ہوا فرش اس کی زندگی کا سبب بن گیا ۔ عیاذاً باللہ اگر ایسا نہ ہوتا تو سخت مشکل کا سامنا ہوتا ۔ اس وقت خدمتی پیادوں کا داروغہ رائے مان اتفاق سے کھڑکی کے نیچے کھڑا تھا ۔ وہ فی الفور دوڑتا ہوا گیا اور

اس نے شاہزادے کو اٹھا لیا اور گود میں لے کر اوپر لے آیا ۔ شاہزادہ اس حالت میں اس سے باربار پوچھتا تھا کہ مجھے کہاں لیے جا رہے ہو ۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت (جہانگیر) کی خدمت میں ۔ ضعف کے غالب آجانے کی وجہ سے کوئی اور بات نہ پوچھ سکا ۔ میں اس وقت آرام کر رہا تھا کہ یہ وحشت ناک خبر میرے کان میں پہنچی ۔ میں حیران و پریشان ہوکر باہر کی طرف دوڑا ۔ جب میں نے شاہزادے کو اس عالم میں دیکھا تو میرے ہوش و حواس جاتے رہے اور اس کے بچ جانے پر دیر تک اسے آغوش شفقت میں دبا کر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا شکر بجا لاتا رہا ۔ واقعی مقام تعجب ہے کہ چار سال کا بچہ جو سر کے بل دس گز شرعی کی بلندی سے نیچے گرے ، اور اس کے اعضا پر کوئی صدمہ نہ پہنچے ۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے اس لطف و کرم پر شکر کے سجدے ادا کیے اور صدقہ دینے کے علاوہ حکم دیا کہ اس شہر میں جو مستحقین اور فقرا رہتے ہیں ، انھیں میرے پاس لایا جائے تاکہ میں ان کے مناسب حال اسباب معیشت فراہم کروں ۔

جوتک رائے منجم کی پیشین گوئی :

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس واقعے سے چار ماہ پہلے جوتک رائے نجومی نے ، جو فن نجوم میں ماہر اور اپنے زمانے کے نجومیوں کا سرگروہ ہے ، مجھ سے براہ راست عرض کیا تھا کہ شاہزادہ شجاع کے زائچے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنے والے تین چار ماہ شاہزادے کے لیے بھاری ہوں گے ۔ ممکن ہے کہ وہ کسی بلند جگہ سے گرے اور ذرا سی بھی خراش اس کو نہ آئے ۔ چوں کہ اس کی کئی پیشین گوئیاں صحیح ثابت ہوچکی تھیں ، اس لیے یہ وہم میرے دل میں بیٹھ چکا تھا اور ان خطرناک راستوں اور دشوار گزار پہاڑوں سے گزرتے ہوئے چمن اقبال کے اس نونہال سے میں ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہتا تھا اور ہمیشہ اس کو نظر میں رکھتا ، اور اس کی نہایت حفاظت اور احتیاط کرتا تھا ، یہاں تک کہ کشمیر پہنچ گیا ۔ چوں کہ اس واقعے کا پیش آنا ناگزیر تھا لہٰذا اس کی داؤں اور اناؤں سے اس کی حفاظت اور نگرانی میں غفلت سرزد ہوگئی ، لیکن الحمد للہ خیریت گزر گئی ۔

باغ عیش آباد میں ایک سیب کا درخت دیکھنے میں آیا جس کے شگوفے میں سو پنکھڑیاں تھیں ۔ یہ درخت نہایت شاداب اور خوش نما تھا لیکن نسبتاً

اس کے سیبوں کا ذائقہ کھٹا بتایا جاتا ہے۔

چوں کہ دلاور خاں کاکڑ نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس لیے میں نے اس کو چار ہزاری ذات و سہ ہزار کے منصب سے سرفراز کیا، اور اس کے بیٹوں کو بھی متناسب منصبوں سے امتیاز بخشا۔

قطب الدین خاں کے بیٹے شیخ فرید کو ہزاری ذات و چہار صد سوار کے منصب سے نوازا۔

سربراہ خاں کو میں نے ہفت صدی [304] ذات و دو صد سوار کے منصب پر ترقی دی۔

نوراللہ کرکیراق کو شش صدی ذات و یک صد سوار کے منصب سے سرفراز کرکے تشریف خاں کا خطاب بھی عنایت کیا۔

۲۱ ماہ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن جو پیشکش آئے، وہ سب بطور انعام کے قیام خاں قراول باشی کو عنایت کردیے۔

چوں کہ الہداد افغان ولد جلالہ باربکی[1] اپنے برے کردار اور اپنی خطاؤں پر ندامت کا اظہار کرنے کے لیے دربار میں حاضر ہوا تھا، اس لیے میں نے اعتماد الدولہ کے التماس پر اس کی خطاؤں کو معاف کر دیا۔ شرمندگی اور ندامت کے آثار اس کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ میں نے حسب سابق اس کا منصب دو ہزار و پانصدی و یک ہزار و دو یست سوار اس کو عنایت کر دیا۔

میرک جلائر جو صوبے دار بنگال کے مددگاروں میں سے ہے، میں نے اسے ہزاری ذات و چہار صد سوار سے سرفراز کیا۔

جب مجھے اطلاع ملی کہ لالہ جوغاشی جامع مسجد کی چھت پر خوب کھلے ہوئے ہیں، میں ۲۳ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو ہفتے کے دن ان کی سیر کے لیے گیا۔ بلاشبہ اس کا ایک گوشہ تو گلزار بنا ہوا تھا۔

۱- باربکی: غالباً یہ لفظ تاریکی ہے۔ چوں کہ اس کے دادا پیر روشان کو ان کے مخالفین پیر تاریک کہتے تھے، شاید اسی نسبت سے جہانگیر نے یہاں یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

سود مہری[1] کا پرگنہ جو اس سے پہلے راجا باسو کو عنایت کیا گیا تھا، اور اس کے بعد اس کے ذلیل بیٹے سورج مل کو دیا گیا تھا، اس زمانے میں میں نے یہ پرگنہ اس کے بھائی جگت سنگھ کو، جسے اس کے باپ نے ٹیکہ نہیں دیا تھا، عنایت کیا، اور جموں کا پرگنہ راجا سنگرام کو عنایت کیا۔

شاہجہان کے گھر میں غسل :

یکم ماہ اردی بہشت ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو پیر کے دن خرم (شاہجہاں) کے گھر گیا اور حمام میں نہایا۔ حمام سے نکلنے کے بعد اس نے اپنا پیش کش میرے ملاحظے سے گزرانا۔ میں نے اس کی دل داری کی خاطر اس میں سے تھوڑا سا قبول کر لیا۔

۴ ماہ اردی بہشت ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن سر جملہ کو دو ہزاری ذات و سیصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

۷ ماہ اردی بہشت ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو اتوار کے دن میں چکور کے شکار کے ارادے سے سوار ہو کر موضع چار درہ کی طرف گیا، جو حیدر ملک[2] کا وطن ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک اچھی سر زمین اور دل کش سیرگاہ ہے۔ اس میں نہریں جاری ہیں اور چنار کے اعلیٰ درخت ہیں۔ میں نے حیدر ملک کے التماس پر اس کا نام نور پور رکھا۔

ہل تہل کا درخت اور چنار کا درخت :

سر راہ ایک درخت ہے، جس کا نام ہل تہل ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جب اس کی شاخ کو پکڑ کر ہلاتے ہیں تو تمام درخت حرکت میں آ جاتا

۱- بیورج کی رائے میں یہ نام ماونابہہ ہے اور بعض جگہ ماوشہرا لکھا ہے۔ (رک : بیورج : ۲، ص ۱۵۴)

۲- حیدر ملک نے کشمیر کی تاریخ لکھی تھی اور یہ وہ شخص ہے جس نے نور جہاں کی اس کے پہلے شوہر کے مارے جانے کے بعد حفاظت کی تھی۔ (رک : بیورج ۲، ۲ : ص ۱۵۴)

ہے ۔ عوام کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ حرکت اسی درخت کے ساتھ مخصوص ہے ۔ اتفاقاً اسی گاؤں میں ایک دوسرا درخت بھی نظر آیا جو اسی طرح متحرک تھا ۔ معلوم ہوا کہ یہ حرکت کسی ایک درخت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس قسم کے تمام درختوں میں ہوتی ہے ۔

موضع راول پور میں شہر سے ڈھائی کوس کے فاصلے پر ہندوستان کی سمت میں ایک چنار کا درخت ہے ، جو درمیان سے جلا ہوا ہے ۔ آج سے بیس سال قبل میں گھوڑے پر سوار ، پانچ زین دار گھوڑے ، سواروں اور دو خواجہ سراؤں کے ساتھ اس کے اندر داخل ہوا تھا ۔ میں جب کبھی کسی موقع پر لوگوں سے اس واقعے کا ذکر کرتا تو لوگ اسے بعید از عقل سمجھتے تھے ۔ اس مرتبہ پھر میں نے حکم دیا کہ چند آدمی اس کے اندر داخل ہوں ۔ چنانچہ جو میں بیان کرتا تھا اور جو میرے دل میں تھا ، وہ صحیح ثابت ہوا ۔ اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ حضرت عرش آشیانی نے چونتیس آدمیوں کو اس کے اندر لا کر ایک دوسرے سے متصل بٹھایا تھا ۔

اسی تاریخ میں خبر ملی کہ رائے منوہر کا بیٹا پرتھی چند نے ، جو مہم کانگڑہ کے متعینہ لشکر کے مددگاروں میں تھا ، مخالفین سے بےموقع جنگ کرکے اپنی جان نثار کر دی ۔

۱۱ ماہ اردی بہشت ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن اس شرح کے مطابق امرائے دربار اضافہ منصب سے سرفراز ہوئے :

تاتار خاں : دو ہزاری ذات و پانصد سوار ۔

عبدالعزیز خاں : دو ہزاری ذات و ہزار سوار ۔

دیبی چند گوالیاری : ہزار و پانصدی ذات و یک ہزار سوار ۔

میر خاں ولد ابوالقاسم خاں نمکی : ہزاری ذات و شش صد سوار ۔

میرزا محمد : ہفت صدی ذات و سیصد سوار ۔

لطف اللہ : سیصدی ذات و پانصد سوار ۔

نصراللہ عرب : پانصدی ذات و دویست و پنجاہ سوار ۔

تہوّر خاں کو سرکار میوات کی فوجداری پر متعین کیا ۔ [305]

سید بایزید بخاری کا ٹھٹے کی صوبیداری پر تقرر :

۲۵ ماہ فروردین ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن سید بایزید بخاری کو ، جو صوبۂ بکھر کا فوجدار تھا ، صوبۂ ٹھٹھ کی صوبیداری پر مقرر کر کے دو ہزار و پانصدی ذات و دو ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور علم بھی عنایت کیا .

شجاعت خان عرب کو دو ہزار و پانصدی ذات و دو ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا .

انی راے سنگھ دلن کو مہابت خان کے التماس پر صوبۂ بنگش پر متعین کیا .
جان سپار خان کو دو ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا .

عنبر کی عہد شکنی :

ان ہی دنوں سپہ سالار خان خاناں اور سلطنت کے دوسرے ہی خواہوں کی عرضیوں سے معلوم ہوا کہ عنبر بدبخت پھر حد ادب سے باہر قدم نکال رہا ہے اور فتنہ و فساد شروع کرنا چاہتا ہے جو اس بد ذات کی سرشت ہے . اس کو یہ معلوم ہے کہ سواری شاہانہ دور دراز ملکوں میں رونق افروز ہے ، اس لیے وہ اس موقع کو غنیمت سمجھ رہا ہے اور اُس نے عہد و پیمان کو توڑ کر ، جو وہ بندگان شاہی سے کر چکا تھا ، شاہی علاقوں پر دست درازی شروع کر دی ہے . امید ہے کہ وہ عنقریب اپنی شامت اعمال میں گرفتار ہوگا .

چونکہ خانخاناں نے خزانے کے لیے التجا کی تھی ، اس لیے میں نے دارالخلافہ آگرہ کے متصدیوں کو حکم دیا کہ مبلغ بیس لاکھ روپے خان خاناں کے لیے روانہ کریں .

اس حکم کی روانگی کے ساتھ ہی خبر ملی کہ اُمراے شاہی تھانوں کو چھوڑ کر داراب خان کے پاس جمع ہو گئے ہیں اور عنبر کے تُرک[1] لشکری صف بستہ اُن کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں . خنجر خان احمد نگر میں قلعہ بند ہے ،

---

[1] ملک عنبر کی فوج میں ترک نہیں بلکہ برگی یعنی مرہٹے تھے . ترک سہو کتابت ہے : (رک : بیورج ، ۲ : ص ۱۵۶) .

اب تک دو تین مرتبہ بندگانِ شاہی کی ان ذلیل دشمنوں کے ساتھ جھڑپیں ہو چکی ہیں اور ہر مرتبہ ان مخالفوں نے شکست کھا کر اپنی ایک جماعت کو قتل کرایا ہے ۔ آخر داراب خاں نے اپنے عمدہ نوجوان سواروں کو ساتھ لے کر دشمن کے ٹھکانوں پر سخت حملے کیے اور انھیں شکست دے کر فرار ہونے پر مجبور کر دیا اور اس طرح اُن کے ٹھکانے برباد ہوگئے ہیں ۔ اور لشکر شاہی سلامتی کے ساتھ مال غنیمت لے کر اپنے مرکز کو واپس ہوا ۔ لیکن غلے کی کمی اور نایابی کی وجہ سے بہی خواہانِ سلطنت نے مشورہ کر کے بھلائی اس میں دیکھی کہ روھن گڑھ کی گھاٹی سے اتر کر گھاٹ پر ٹھہریں تاکہ غلے کی رسد آسانی سے پہنچتی رہے ، اور لوگ زحمت و تکالیف نہ اٹھائیں ۔ مجبوراً بالاپور میں قیام کیا ۔ ادھر بدبخت اور مقہور دشمنوں کا لشکر شوخی اور بے حیائی کے ساتھ اطرافِ بالاپور میں نمایاں ہوا ۔ راجا نرسنگ دیو چند جاں نثار ملازموں کے ساتھ ہمت کر کے دشمن کی مدافعت کے لیے بڑھا اور بہت سے مخالفوں کو قتل کر کے منصور نامی حبشی کو جو دشمنوں کی فوج میں تھا ، زندہ گرفتار کر لیا ۔ اس نے ہر چند چاہا کہ اسے ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوائے ، مگر ضد اور جہالت سے وہ اس پر راضی نہ ہوا اور اس نے مزاحمت کی ۔ آخر راجا نرسنگ دیو نے اس کا سر کاٹنے کا حکم دیا ۔ امید ہے کہ گردشِ فلک ان تمام ناحق شناسوں کو کیفر کردار تک پہنچائے گی ۔

۳ اردی بہشت ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو سکہ ناک[1] آبشار کی سیر کے لیے گیا ۔ یہ نہایت عمدہ گرسائی مقام ہے ۔ یہ آبشار درے کے درمیان واقع ہے اور بلندی سے نیچے گرتا ہے ۔ ابھی اس کے اطراف میں برف تھا ۔ مبارک شنبہ (جمعرات) کا جشن اسی باغ و بہار سر زمین میں منایا اور معمول کے مطابق معتاد شراب کے جام اسی کے کنارے پی کر لطف اندوز ہوا ۔

اس پانی میں ایک جانور ساج[2] کی قسم کا نظر آیا ۔ ساج تو سیاہ رنگ کا

۱۔ سکہ ناک کو بعضوں نے شکر ناگ لکھا ہے ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۱۵۷)

۲۔ ساج : گلابی رنگ کا پرندہ ہوتا ہے لیکن جہانگیر نے جس پرندے کا ذکر کیا ہے وہ ایک چھوٹا خوشنما پرندہ ہے جس کو انگریزی میں ڈپر (Dippor) کہتے ہیں ۔ (رک : بیورج ، ۲ ، ص ۱۵۷)

ہوتا ہے اور اس پر سفید چتّیاں ہوتی ہیں ، لیکن یہ بلبل کے ہم رنگ ہے اور اس پر سفید چتّیاں ہیں . پانی میں غوطہ لگاتا ہے اور دیر تک پانی میں رہ کر دوسرے مقام سے سر نکالتا ہے . میں نے حکم دیا کہ اس قسم کے دو تین پرندے پکڑے جائیں تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ کیا یہ مرغابی کی قسم سے ہے ؟ اور اس کے پنجوں کے درمیان مرغابی کی طرح جھلی موجود اور ملی ہوئی ہے ؟ [306] یا صحرائی جانوروں کی طرح اس کی انگلیاں علیحدہ علیحدہ ہیں ؟ چنانچہ ان میں سے دو پکڑ کر لائے گئے جن میں سے ایک تو فوراً مر گیا اور دوسرا ایک دن زندہ رہا . اس کے پنجے مرغابی کی طرح ملے ہوئے نہ تھے . میں نے نادرالعصر استاد منصور نقاش کو حکم دیا کہ اس جانور کی تصویر کھینچے . کشمیری اس جانور کو گلکر کہتے ہیں ، یعنی پانی کا جانور .

ایک اُلجھے ہوئے دعوے کی چھان بین :

ان ہی دنوں قاضی اور میر عدل نے عرض کیا کہ حکیم علی کا بیٹا عبدالوہاب[1] سادات کی ایک جماعت پر ، جو لاہور کی رہنے والی ہے ، اسی ہزار روپے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس دعوے کے ثبوت میں اس نے قاضی نور اللہ کا مُہر کیا ہوا ایک خط پیش کیا ہے ، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے یہ روپیہ بطور امانت ان کے باپ سید ولی کے سپرد کیا تھا ، لیکن یہ سادات اس سے انکار کرتے ہیں . اگر حکم ہو تو حکیم علی کے بیٹے کو مزید احتیاط کے طور پر قرآن مجید کی قسم دے کر اس کا حق ان سادات سے دلا دیا جائے ؟ میں نے انھیں جواب دیا کہ اس بارے میں جو شریعت کا حکم ہو ، اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے . دوسرے دن معتمد خان نے عرض کیا کہ سادات نہایت آہ و زاری کر رہے ہیں . یہ معاملہ اہم ہے ، اس معاملے میں جتنا غور و فکر کیا جائے گا ، اسی قدر بہتر ہوگا . اس بنا پر میں نے حکم دیا کہ آصف خان اس مقدمے کی تحقیق میں نہایت غور و فکر اور دور اندیشی سے کام لے کر اس کا فیصلہ اس طرح کرے کہ کسی شک و شبہ کا گمان باقی نہ رہے . اگر اس کے باوجود اس مقدمے کا

۱- (رک : مآثرالامرا ، ۱ ، ص ۵۷۳) .

ہر پہلو واضح نہ ہو تو اس کی تحقیق ہم اپنے حضور میں کرائیں گے ۔

اس بات کے سنتے ہی حکیم علی کا بیٹا سخت پریشان ہو گیا اور کچھ اپنے لوگوں کو سفارشی بنا کر صلح و صفائی کی گفتگو شروع کر دی ، اور کہا کہ اگر یہ قضیہ آصف خاں کے سپرد نہ کیا جائے تو میں اپنے حق سے دست‌بردار ہونے کی تحریر لکھ دیتا ہوں ۔ آصف خاں لوگوں کو اس کے بلانے کے لیے بھیجتا رہا ، لیکن وہ خائن ہونے کی وجہ سے خائف تھا اس لیے بہانوں اور ٹال مٹول میں وقت گزارتا رہا اور حاضر نہیں ہوا ، یہاں تک کہ اس نے رقم سے دست‌بردار ہونے کی تحریر اپنے ایک دوست کو لکھ کر دے دی ۔ جب اس کی خبر آصف خاں کو ہوئی تو اس نے حکیم کے بیٹے کو زبردستی طلب کر کے اس سے پوچھ گچھ کی ۔ مجبور ہو کر اس نے اعتراف کیا کہ یہ دستاویز جعلی ہے ، جسے اس کے ایک ملازم نے بنایا تھا اور وہ خود اس کا گواہ بن گیا تھا ، اور اس نے مجھے اس بے ایمانی کے لیے ورغلایا تھا ۔ اس نے تحریری طور پر بھی یہ بات آصف خاں کو لکھ کر دے دی ۔ جب آصف خاں نے حقیقت حال سے مجھے باخبر کیا تو میں نے اس کے منصب و جاگیر میں تبدیلی کر کے اس کو خفیف کر دیا اور سادات کو عزت و آبرو کے ساتھ لاہور جانے کی اجازت دے دی[1] ۔

۸ ماہ خور داد ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن اعتقاد خاں کو چار ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

صادق خاں کو دو ہزار و پانصدی ذات و ہزار و چہار صد سوار کے منصب سے ممتاز کیا ۔

زین العابدین ولد آصف خاں مرحوم احدیوں کی بخشیگری کی خدمت سے سرفراز ہوا ۔ راجا نرسنگھ دیو بندیلا کو پنج ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

اشکن کی تعریف :

کشمیر میں سب سے پہلے پکنے والا پھل اشکن ہوتا ہے ۔ یہ مزے میں

---

۱ - اس واقعے کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے اقبال نامۂ جہانگیری ، ص ۱۲۴-۱۲۶ مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد ۔

خوش ذائقہ اور آلو بالو سے بہت چھوٹا ہوتا ہے ، اور چاشنی و نزاکت میں اس سے بہت بہتر ہوتا ہے ، شراب پینے کی حالت میں تین چار آلو بالو سے زیادہ نہیں کھائے جا سکتے ، اور اشکن کے پھل گزک کے طور پر رات اور دن میں سو سے زیادہ کھائے جا سکتے ہیں ، خصوصاً پیوندی اشکن ۔

میں نے حکم دیا کہ آج کے بعد سے اشکن کو خوش کن کہا جائے ۔ یہ پھل عام طور پر بدخشان اور خراسان کے کوہستانی علاقوں میں ہوتا ہے ؛ وہاں کے لوگ اس کو بجمد کہتے ہیں ۔ اس کا بڑے سے بڑا پھل جب میں نے تلوایا تو آدھے مثقال[1] کا نکلا ۔

۴ ماہ اردی بہشت کو شاہ آلو ، چنے کے دانے کی برابر درختوں پر نمایاں ہوئے ۔ ۲۷ اردی بہشت کو ان میں رنگ آنا شروع ہوا اور ۱۵ خورداد کو پک کر تیار ہوئے اور تازہ پھلوں میں شامل کیے گئے ۔ شاہ آلو مجھے اکثر پھلوں سے زیادہ مزے دار معلوم ہوتا ہے ۔ اس کے چار درخت [307] نور افزا باغ میں لگائے گئے تھے ۔ ان میں سے ایک درخت کا نام شیریں بار ، دوسرے کا نام خوشگوار ، تیسرے کا نام ، جس پر سب سے زیادہ پھل لگے ہوئے تھے ، پُربار اور چوتھے کا نام جس پر کم پھل تھے ، کم بار رکھا ۔ اس کے ایک درخت پر جو خرم کے باغیچے میں تھا ؛ پھل آئے ہوئے تھے ۔ میں نے اس کا نام شاہ وار رکھا ۔ اس باغیچے میں شاہ آلو کا ایک پودا بھی لگا ہوا تھا ، میں نے اس کا نام نوبار رکھا ۔

میں ہر روز اس پھل کے دانے اس تعداد میں جو شراب کے ساتھ بطور نُقل کے کھائے جا سکیں ، اپنے ہاتھ سے چنتا ہوں ۔ اگرچہ یہ پھل ڈاک چوکی کے ذریعے سے بھی کابل سے پہنچ رہے ہیں لیکن گھر کے باغیچے سے تازہ تازہ پھل چننے کا کچھ اور ہی لطف ہے ۔

کشمیر کا شاہ آلو کابل کے شاہ آلو سے کم نہیں ہوتا ، بلکہ اس سے زیادہ بڑا اور شاداب ہوتا ہے ۔ ان میں سے جو پھل سب سے زیادہ بڑا تھا ، اس کا وزن کیا گیا تو ایک ٹانک اور پانچ سرخ وزن نکلا ۔

۱۔ نصف مثقال : سوا دو ماشے کا ہوتا ہے ۔

بادشاہ بانو بیگم کی وفات :

۲ ماہ خورداد ۱۰۲۹ھ (۱٦۲۰ء) کو منگل کے دن بادشاہ بانو بیگم (۱۲) راہیِ ملکِ بقا ہوئی . اس دل خراش واقعے سے میرے دل پر بہت اثر ہوا . امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے گا . اس سلسلے میں عجیب بات یہ ہے کہ اس کی وفات سے دو ماہ پہلے جوتک رائے منجم بعض میرے مقرب ملازمین کو اس بات سے آگاہ کر چکا تھا کہ حرم شاہی میں سے کسی ایک کا انتقال ہونے والا ہے . اس نے یہ بات میرے زائچے سے معلوم کی تھی .

سید عزت خاں کی شہادت :

اس زمانے کے واقعات میں سید عزت خاں اور جلال خاں ککھڑ کی شہادت بھی ہے . اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب غلے کی فصلوں کی کٹائی اور اس کے اٹھانے کا وقت آیا تو مہابت خاں نے ایک لشکر متعین کیا کہ وہ کوہستانِ بنگش میں جا کر افغانوں کے غلے کے کھلیانوں کو مویشیوں کو کھلا دیں ، اور ان کے تاخت و تاراج ، قتل اور قید کرنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھیں . جب اس لشکر کے لوگ پہاڑ کے نیچے پہنچے ، تو بد نصیب افغانوں نے ہر طرف سے ہجوم کر کے پہاڑ کے بالائی حصے پر قبضہ کر لیا اور اپنے مورچے مضبوط کر لیے . جلال خاں نے ، جو ایک تجربہ کار السان اور زمانے کے سرد و گرم سے واقف تھا ، مصلحت اسی میں دیکھی کہ دو تین روز توقف کیا جائے ، یہاں تک کہ یہ مقہور ، جو چند روز کا غلہ اپنی پیٹھوں پر بار کر کے لائے ہیں ، صرف ہو جائے ، پھر یہ خود بخود ہی منتشر ہونے پر مجبور ہو جائیں گے . اس وقت آسانی سے ہمارے لشکر کے لوگ اس دشوار گزار گھاٹی کو عبور کر سکیں گے . جب ہم اس گھاٹی سے گزر جائیں گے ، تو پھر یہ ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور انجام کار اپنے کیے کی سزا کو پہنچیں گے . عزت خاں ، جو ایک شعلۂ رزم افروز اور برقِ دشمن سوز تھا ، وہ جلال خاں کی اس رائے سے متفق نہیں ہوا اور برہنہ پا چند سادات بارہہ کو لے کر ہمت کے ساتھ بڑھا . ادھر افغانوں نے بھی چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح ہر طرف سے ہجوم کر کے اُسے گھیرے میں لے لیا . اگرچہ یہ زمین گھوڑوں کے تگ و تاز کے قابل نہ تھی ، پھر بھی اس کے شعلۂ غضب

نے جس طرف رخ کیا ، بہت سے دشمنوں کے خرمن ہستی کو اپنی تیغ آتش فشاں سے بھسم کر دیا . اس جنگ و جدل میں افغانوں نے اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں . وہ اپنے رفیقوں کے ساتھ گھوڑے سے اُتر کر اس وقت تک پیدل لڑتا رہا جب تک کہ اس میں جان باقی تھی .

جس وقت عزت خاں لڑ رہا تھا ، جلال خاں ککھڑ ، مسعود ولد احمد بیگ خاں اور بیژن ولد ناد علی میدانی اور دوسرے ملازمین شاہی بے اختیار گھاٹی کے اطراف دوڑے ، لیکن دشمن گھاٹی کے اوپر مورچے بنا کر پتھر اور تیروں سے ان پر وار کرنے لگے . جان نثار جوانوں نے ، خواہ وہ شاہی لشکر کے ہوں ، خواہ وہ مہابت خاں کے آدمی ہوں ، اس جنگ میں خوب داد شجاعت و بہادری دی اور بہت سے افغانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا . اسی دار و گیر میں جلال خاں اور مسعود نے اکثر جوانوں کے ساتھ اپنی جان نثار کر دی . عزت خاں کی اس جلد بازی کی وجہ سے فتح یاب لشکر کو زک اٹھانی پڑی .

مہابت خاں نے اس وحشت اثر خبر کے سنتے ہی تازہ دم کمک بھیج دی تاکہ وہ تھالوں کو از سر نو مستحکم کریں اور جہاں کہیں بھی [308] ان سیاہ بختوں کا نشان پائیں ، ان کے قتل کرنے اور قید کرنے میں دریغ نہ کریں .

جب اس واقعے کی خبر مجھے ملی تو جلال خاں کے بیٹے اکبر قلی کو ، جو قلعہ کانگڑہ کی فتح پر مقرر تھا ، میں نے اپنے حضور میں طلب کر کے ہزاری ذات و ہزار سوار کے منصب سے سربلند کیا ، اور اس کے موروثی ملک کو حسب دستور قدیم اس کی جاگیر میں شامل کر دیا اور گھوڑے و خلعت سے نواز کر بنگش کے لشکر کی مدد کے لیے بھیجا .

باوجود اس کے کہ عزت خاں کا لڑکا بہت کمسن تھا ، لیکن میں نے عزت خاں کی جاں فشانی اور جان نثاری کا لحاظ کر کے اس کے لڑکے کو منصب و جاگیر عطا کی تاکہ اس کے خاندان کے بقیہ افراد منتشر نہ ہوں ، اور یہ امر دوسروں کے لیے امید کا سبب بنے .

حضرت شیخ احمد سرہندی کی قید سے رہائی :

اسی تاریخ میں میں نے شیخ احمد سرہندی (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کو جو

اپنی دکان کو خود فروشی اور بیہودہ گوئی سے سجانے کی وجہ سے بہ غرض تادیب چند روز سے قید میں تھا ، اپنے حضور میں طلب کر کے رہا کر دیا اور اسے خلعت اور ہزار روپے بطور خرچ عنایت کر کے جانے اور رہنے کا اختیار دیا : شیخ نے از روئے انصاف کہا کہ یہ تنبیہ و تادیب در حقیقت ایک طرح کی ہدایت اور سبق ہے ، میرا نقش مراد آپ کی خدمت میں رہنے ہی سے جلی ہوگا۔

۲۷ ماہ خور داد ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ء) کو زرد آلو پہنچے ۔

باغ میں جو نگار خانہ واقع ہے اور جس کی تعمیر کے لیے میں نے حکم دیا تھا ، نادر روزگار نقاشوں کی نقاشی سے آراستہ ہو گیا ۔ اس عمارت میں سب سے اوپر جنت آشیانی اور عرش آشیانی کی تصویریں ہیں اور ان کے مقابل میں میری اور برادرم شاہ عباس کی تصویریں کھینچی گئی ہیں ۔ ان کے بعد میرزا کامران ، میرزا محمد حکیم ، شاہ مراد اور سلطان دانیال کی تصویریں ہیں ، ان کے نیچے امرا اور خاص ملازمین کی تصویریں کھینچی گئی ہیں ۔ بیرونی عمارت کے اطراف یعنی دیواروں میں کشمیر کی اس گزرگاہ کی منزلیں دکھائی گئیں ہیں جن سے میری آمد و رفت ہوتی ہے ۔ ایک شاعر نے اس نگار خانے کی تعمیر کی تاریخ اس مصرع میں کہی ہے :

مجلسِ شاہانِ سلیمان حشم

۴ ماہ تیر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن جشن بوریا کوبی (یعنی گھر بھروائی) منعقد ہوا ۔ اس دن کشمیر کے شاہ آلو ختم ہو گئے ۔ باغِ نور افزا کے چار درختوں سے ڈیڑھ ہزار اور دوسرے تمام درختوں سے پانسو عدد شاہ آلو چنے گئے ، کشمیر کے متصدیوں کو میں نے تاکیدی حکم دیا کہ شاہ آلو کے درخت کے اکثر باغات میں پیوند لگائیں ، اور اس کے درختوں کی تعداد کو زیادہ بڑھائیں ۔

ان ہی دنوں رانا امر سنگھ کے بیٹے بھیم کو راجا کے خطاب سے سر فراز

۱- رک : جشن چہاردہم ، حاشیہ نمبر ۱۴ ۔
۲- رک : جشن چہاردہم ، حاشیہ نمبر ۱۳ ۔

کیا۔ عزت خان کے بھائی دلیر خان کو ہزاری ذات و ہشت صد سوار کے منصب سے سر فراز کیا ۔

احمد بیگ خان کے بیٹے محمد سعید کو شش صدی ذات و چار صد سوار سے اور اس کے بھائی مخلص اللہ کو پانصدی ذات و دویست و پنجاہ سوار کے منصب سے نوازا ۔

سعید احمد صدر کو ہزاری کا منصب عنایت کیا ۔

میرزا رستم صفوی کے بیٹے میرزا حسین کو ہزاری ذات و پانصد سوار کا منصب مرحمت کیا اور دکن کی خدمت پر رخصت کیا ۔

حسن علی خان کا صوبیداری اوڑیسہ پر تقرر :

۱۴ ماہ تیر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو اتوار کے دن حسن علی خان ترکمان کو صوبۂ اوڑیسہ پر صوبیدار مقرر کر کے سہ ہزاری ذات کے منصب سے سرفراز کیا ۔

اسی تاریخ بہادر خان حاکم قندھار نے نو گھوڑے عراق اور کچھ تھان زربفت اور زر دوز مخمل اور چند عدد کیش بطور پیشکش بھیجے جو میری نظر سے گزرے ۔

۱۵ ماہ تیر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) مبارک شنبہ (جمعرات) کو ایلاق توسی مرک[1] کی سیر کے لیے سوار ہو کر گیا ، دو کوچ کا فاصلہ طے کر کے گھاٹی کے نیچے پہنچا اور ۱۷ ماہ تیر کو گھاٹی کی دو کوس کی سخت چڑھائی طے کر کے بمشکل تمام اوپر پہنچا ۔ گھاٹی کی [309] چڑھائی سے ایک کوس تک زمین پست و بلند تھی ، اگرچہ جگہ جگہ مختلف قسم کے پھولوں کے قطعے کے قطعے کھلے ہوئے تھے ، لیکن جس قدر اس کی تعریف کی جاتی تھی اور جتنا کہ میرے تصور میں تھا ، اتنا شگفتہ و شاداب نظر نہیں آیا ، اس کے قریب ایک درہ ہے جو نہایت شگفتہ و شاداب ہے ۔

۱۸ ماہ تیر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں اس درے کی سیر کے لیے گیا ۔ بلا شبہ جس قدر بھی مبالغہ اس پر بہار زمین کی تعریف میں کیا جائے ، وہ کم ہے ۔ جہاں تک نظر جاتی تھی ، قسم قسم کے پھول کھلے ہوئے تھے ۔ پچاس قسم کے پھول میرے حضور میں چن کر پیش کیے گئے ، ممکن ہے کہ پھولوں کی چند قسمیں اور بھی ہوں جو میری نظر میں نہ آئی ہوں ۔ دن کے آخری حصے میں میں وہاں سے لوٹا ۔

۱- ایلاق توسی مرک : آج کل اسے توش میدان کہتے ہیں ۔ (س)

محاصرۂ احمد نگر کا ایک عجیب واقعہ :

اس رات کی مجلس میں میرے سامنے محاصرۂ احمد نگر کا ذکر ہوا ۔ خان جہان نے ایک عجیب و غریب واقعہ سنایا ۔ چونکہ اس سے پہلے بھی یہ واقعہ میرے کان میں پڑ چکا تھا اس لیے اس کے عجیب و غریب ہونے کی بنا پر یہاں لکھا جاتا ہے ۔

جس زمانے میں میرا بھائی شاہزادہ دانیال قلعۂ احمد نگر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا ، ایک دن اہل قلعہ نے ملک میدان توپ کو شاہزادہ دانیال کے لشکر کی طرف رخ کر کے داغ دیا ۔ اس کا گولہ شاہزادے کی رہائش گاہ کے احاطے میں پڑا ۔ وہاں سے چرخ کھا کر قاضی بایزید کے گھر میں جو شاہزادہ دانیال کے مصاحبوں میں تھا گرا ۔ اتفاق سے قاضی بایزید کا گھوڑا تین چار گز کے فاصلے پر بندھا ہوا تھا ۔ زمین پر گولہ گرتے ہی قاضی کے گھوڑے کی ران جڑ سے اکھڑ کر زمین پر جا پڑی ۔ یہ گولہ پتھر کا تھا جو ہندوستان کے وزن کے مطابق دس من کا اور خراسان کے وزن کے مطابق اسّی من کا تھا ۔ یہ توپ اتنی بڑی ہے کہ اس کے دہانے کے اندر ایک آدمی اچھی طرح بیٹھ سکتا ہے ۔

اسی تاریخ میں خواجہ ابوالحسن میر بخشی کو پنج ہزاری ذات و دو ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

مبارز خان کو دو ہزاری ذات و ہزار و ہفت صد سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔ لاد علی کے بیٹے بیژن کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے ممتاز کیا ۔ امانت خان کو دو ہزاری ذات و چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

۲۵ ماہ تیر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کو سعید خان کے بیٹے نوازش خان کو سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار سے ، اور سید کمال بخاری کے بیٹے میر یعقوب خان کو ہشت صدی ذات و پانصد سوار کے منصب سے سربلند کیا ۔ میر علی اکبر موسوی کے بیٹے میر علی عسکر[1] کو موسوی خان کے خطاب سے نوازا ۔

چونکہ ایلاق کوری[2] مرک کی تعریف کئی مرتبہ سن چکا تھا ، اس زمانے

۱- اور نسخوں میں یہ نام علی اصغر پایا جاتا ہے ۔

۲- بعض نسخوں میں اسے غوری لکھا گیا ہے (رک : بیورج ، ۲ ، ص ۱۶۴) ۔

میں اس کے دیکھنے کا شوق بہت بڑھا ، لہٰذا ۸ امرداد کو اس کی سیر کے لیے روانہ ہوا ۔ اس کی تعریف میں کیا لکھوں ۔ جہاں تک کہ نظر جاتی تھی ، قسم قسم کے پھول کھلے ہوئے نظر آتے تھے ، اور اس سبزہ زار اور پھولوں کے درمیان صاف پانی کی نہریں جاری تھیں ۔ اس کی لطافت و نفاست کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تصویر کا ایک صفحہ ہے ، جس پر نقاشِ فطرت نے اپنے سحر نگار قلم سے ایسی تصویر بنائی ہے کہ جس کو دیکھ کر دل کی کلی کھل جاتی ہے ، بلاشبہ اس ایلاق سے دوسرے ایلاقوں کو کوئی نسبت نہیں ، اور اسے کشمیر کی بہترین سیرگاہ کہا جا سکتا ہے ۔

ہندوستان میں پپیہا نام کا ایک خوش آواز جانور ہے ، جو برسات کے موسم میں جان سوز نالے نکالتا ہے اور کوئل کی طرح اپنے انڈے کوّوے کے گھونسلے میں رکھ دیتا ہے ، اور کوّوے اس کے انڈے سیتے ہیں ، اور اس کے بچوں کو پرورش کرتے ہیں ۔ کشمیر میں دیکھا گیا کہ پپیہے نے اپنے انڈے ڈومنی کے گھونسلے میں رکھے اور ڈومنی اس کے بچوں کو پرورش کرتی ہے ۔

۱۲ ماہ امرداد ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن فدائی خاں کو ہزار و پانصدی ذات و ہفت صد سوار کے منصب سے سر فراز کیا گیا ۔

محمد زاہد کا شرفِ حضوری :

اسی تاریخ میں عزت خاں حاکم اورگنج کا ایلچی محمد زاہد نامی میری بارگاہ میں پہنچا [310] اور معمولی تحفوں کے ساتھ ایک عریضہ میرے ملاحظے میں پیش کیا ، جس میں حاکم اورگنج[1] نے ہمارے خاندان سے اپنے قدیمی اور موروثی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے تجدید تعلقات کی خواہش کی ہے ۔ میں نے فی الفور ایلچی کو دس ہزار درب بطور انعام عطا کیے اور بیوتات کے متصدیوں کو حکم دیا کہ یہ ایلچی حاکمِ اورگنج کے لیے جن چیزوں کے بھیجنے کی فرمائش کرے وہ فوراً مہیا کر دی جائیں ۔

۱۔ اورگنج ، خیوا میں واقع ہے ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۱۶۵) ۔

اسی زمانے میں خان جہان کے فرزند کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب و غریب توفیق نصیب ہوئی ؛ یعنی وہ شراب نوشی کی لت کی وجہ سے نہایت زار و نحیف ہو چکا تھا اور اس مرد افگن نشے کی کثرت کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اپنی جان عزیز سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔ ناگاہ وہ اپنی حالت کی طرف متوجہ ہوا اور حق سبحانہ تعالیٰ نے اسے توفیق دی ، اور اس نے عہد کیا کہ اس کے بعد سے وہ اپنے ہونٹوں کو شراب سے آلودہ نہ ہونے دے گا ، اگرچہ میں نے اس کو بہت نصیحت کی کہ ایک دم شراب کا چھوڑ دینا مناسب نہیں اور طبی نقطۂ نظر اور مصلحت کی بنا پر اسے آہستہ آہستہ چھوڑنا چاہیے ، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا اور مردانہ وار اس نے یک دم شراب چھوڑ دی ۔

۲۵ ماہ امرداد ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو بہادر خان صوبیدار قندھار کو پنج ہزاری ذات و چہار ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

۲ شہریور ماہ الٰہی ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مان سنگھ کے بیٹے راوت شنکر کو ہزار و پانصدی و ہشت صد سوار کے منصب سے اور میر حسام الدین کو ہزار و پانصدی و پانصد سوار کے منصب سے ، اور علی مردان خان بہادر کے بیٹے کرم اللہ کو شش صدی و سیصد سوار کے منصب سے نوازا ۔

خواجگانِ جوئباری کا ابلق دندانِ ماہی کا تحفہ :

چونکہ اس زمانے میں میری توجہ ابلق دندانِ ماہی جوہر دار کے حصول کی طرف بہت ہے ، اس لیے امرائے عظام اس کی تلاش و جستجو میں نہایت کوشش اور جد و جہد کرتے رہتے ہیں ۔ ان ہی میں سے عبدالعزیز خان نقشبندی نے اپنے ملازم عبداللہ نامی کو خواجۂ کلاں جوئباری کے بیٹوں خواجہ حسن اور خواجہ عبدالرحیم کے پاس بھجوایا ، جو آج کل ولایت ماوراءالنہر کے مقتدا ہیں اور ایک خط ان کو لکھا جس میں ابلق دندان ماہی کی خواہش کی گئی تھی ۔ اتفاق سے خواجہ حسن کے پاس اس قسم کا ایک دانت جو نہایت عمدہ حالت میں تھا ، موجود تھا ۔ اس نے وہ فوراً ہی میرے حضور میں بھیج دیا اور وہ اس تاریخ کو میرے پاس پہنچا اور میرے لیے مسرت کا باعث ہوا ۔ میں نے حکم دیا کہ تیس ہزار روپے کی مالیتی نفیس مختلف اشیاء دونوں خواجاؤں کو روانہ کی جائیں ، اور اس خدمت کے لیے میں ترکۂ بخاری مامور ہوا ۔

۱۲ ماہ شہر یور ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں میراں کو سرکار میوات کی فوجداری پر متعین کیا اور اس کے منصب کو اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری و یک ہزار و پانصد سوار کر دینے کا حکم دیا۔ اور خاص گھوڑا، خلعت اور شمشیر کے ساتھ عنایت کیا۔

ان ہی دنوں سندر[1] کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ جوہر مل مردود واصل جہنم ہو گیا، اور نیز یہ اطلاع بھی ملی کہ شاہی فوج کے امرا نے یہاں کے راجاؤں میں سے ایک راجا پر حملہ کرنے کے لیے فوج بھیجنے میں احتیاط نہیں برتی۔ بغیر اس کے کہ وہ آنے جانے کے راستے کو مضبوط و محکم کریں اور دمدموں کو ساتھ لیں، پہاڑ کی تنگنائی میں داخل ہو کر انھوں نے دشمن سے بے مصرف مقابلہ کر دیا، جس کی پاداش میں دن ڈھلے انھیں ناکام لوٹنا پڑا۔ واپس کی بھگدڑ میں بہت سے لوگ مارے گئے، خصوصاً وہ لوگ جنھوں نے بھاگنے کی ذلت ناپسند کی اور جان دے کر شہادت خرید لی۔ منجملہ ان کے شہباز خان دلومانی، جو افغان لودھیوں کی ایک شاخ ہے، اپنے نوکروں کی ایک جمعیت اور اپنی اقوام کے افراد کے ساتھ جان نثار ہو گیا۔ بلا شبہ وہ نہایت عمدہ ملازم تھا۔ اس کی ذات میں عقلمندی اور سلامت روی کے جوہر جمع تھے۔

اس کے علاوہ جمال خان افغان، اور اس کا بھائی رستم اور سید نصیب بارھہ، اور چند دوسرے آدمی زخمی ہو گئے۔

نیز اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ شاہی فوجوں نے محاصرے کو اس قدر تنگ کر دیا تھا کہ محصورین پر زندگی دشوار ہو گئی اور محصورین، لوگوں کو بیچ میں ڈال کر پناہ گزین ہو رہے ہیں۔ امید ہے کہ حضور کے روز افزوں اقبال کی بدولت [311] قلعہ جلد ہی فتح ہو جائے گا۔

دلاور خاں کاکڑ کی وفات :

۱۸ ماہ امرداد ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن دلاور خاں کاکڑ نے اجل طبعی سے وفات پائی۔ وہ صاحب قبیلہ امرا میں سے تھا اور سرداری

۱- سندر : بکرماجیت کا دوسرا نام ہے، اور جوہر مل راجا باسو کا بیٹا ہے۔
(رک : بیورج، ۲، ص ۱۶۶)

کے ساتھ تجربہ کاری کے جوہر بھی رکھتا تھا ۔ وہ میرے زمانۂ شاہزادگی ہی سے میری خدمت میں منسلک ہو کر اپنے حسن خلوص اور جوہر قابلیت کی بدولت اپنے ہم عصروں سے بہت آگے بڑھ گیا اور امارت کے مرتبے کو پہنچا تھا ۔ آخر عمر میں حق تعالیٰ نے اسے حق نمک ادا کرنے کی توفیق مقدر فرمائی تھی اور کشتوار کی فتح ، جو نہایت اہم خدمت تھی ، اس کے عزم و ہمت کی بدولت میسر ہوئی ۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا ۔ میں نے اس کے بیٹوں اور اس کے خاندان کے بقیہ لوگوں کو بھی انواع و اقسام کے مراحم و نوازش سے سرفراز کیا ، اور اس کے لوگوں میں سے جو منصب کے قابل تھے انھیں ملازمین بارگاہ شاہی میں منسلک کر لیا ۔ دوسرے لوگوں کو حکم دیا کہ جس طرح وہ اس کے باپ سے وابستہ تھے ، اسی طرح وہ اس کے بیٹوں کے ساتھ وابستہ رہیں تاکہ اس کی جمعیت منتشر نہ ہونے پائے ۔

اسی دن قوری ساول اس الماس کو لے کر ، جو ابراہیم خاں فتح جنگ نے بنگال کی کان سے نکلوا کر بھیجا تھا اور وہ اس کان کا حاصل تھا ، میرے دربار میں آیا اور شرف حضوری حاصل کر کے وہ الماس پیش کیا ۔

وزیر خاں دیوان بنگال نے ، جو اس درگاہ کے قدیم ملازموں میں سے تھا ، اجل طبعی سے وفات پائی ۔

۱۹ ماہ شہریور ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کی رات میں کشمیریوں نے دریائے بہت (جہلم) کے دو رویہ چراغاں کیا تھا ۔ یہ رسم ان میں بہت پرانی ہے ۔ وہ ہر سال اسی تاریخ میں خواہ وہ مالدار ہوں یا فقیر جن کے گھر دریا کے کنارے ہیں یہ رسم انجام دیتے ہیں ، اور شب برات کی طرح چراغ روشن کرتے ہیں ۔ میں نے برہمنوں سے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ اسی تاریخ کو دریا کا سرچشمہ ظاہر ہوا تھا اور چراغاں کی یہ رسم قدیم سے چلی آ رہی ہے ۔ اس دن کشمیری جشن دھتہ تراوہ کرتے ہیں ۔ دھتہ کے معنی بہت (جہلم) کے ہیں اور تراوہ تیرہ کو کہتے ہیں ۔ چونکہ ۱۳ شوال کو یہ جشن مناتے ہیں ، اس اعتبار سے اس کو دھتہ تراوہ کہتے ہیں ۔ بلا شبہ بہت خوب چراغاں ہوا ۔ میں نے کشتی میں سوار ہو کر سیر و تفریح کی ۔

اس تاریخ یعنی ۱۳ شوال ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو نیا سال شمسی شروع

ہونے پر میں نے جشن وزن شمسی منعقد کیا اور قدیم دستور کے مطابق خود کو سونے اور دوسری اجناس سے وزن کیا ، اور مذکورہ اشیا مستحقین میں تقسیم کیں . اکیاون سال اس نیازمندِ درگاہِ الٰہی کے پورے ہوئے اور میری عمر کا باونواں سال شروع ہوا . امید ہے کہ بقیہ عمر بھی خدا کی رضا اور خوشنودی میں صرف ہوگی .

اس مرتبہ جشن مبارک شنبہ ۲۵ ماہ شہریور ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو آصف خاں کے گھر میں منایا اور اس نے لوازم نیاز اور پیش کش بجا لا کر سعادت جاوید حاصل کی .

یکم شہریور کو الرہ تالاب میں مرغابیاں نمودار ہوئیں اور ۲۴ ماہ شہریور کو ڈل کے تالاب میں بھی نظر آئیں .

وہ پرندے جو کشمیر میں ہوتے ہیں :

وہ پرندے جانور جو کشمیر میں ہوتے ہیں ، ان کی تفصیل یہ ہے : کانگ ، سارس ، مور ، چرز ، لگلگ ، تغدری ، تغداغ ، بگلا ، زردتلک ، لقرہ پاچرم ، لیلورہ ، حواصل ، مکشہ ، تقلہ ، قاز ، کونکلہ ، تیتر ، شارک ، نونسرج ، موسیچہ ، پڑیل ، دھیک ، کوئل ، شکرخوارہ ، مہوکہ ، مہولات ، ھنس ، کلچڑی ، ٹٹیری جس کا نام میں نے بدآواز رکھا ہے . چونکہ ان میں سے بعض کے نام فارسی میں معلوم نہ تھے ، بلکہ یہ ولایت میں ہوتے ہی نہیں ، اس لیے یہ نام ہندی میں ہی لکھے گئے .

وہ جانور جو کشمیر میں نہیں ہوتے :

درندوں اور چرندوں میں سے جو جانور کشمیر میں نہیں ہوتے ، ان کی تفصیل یہ ہے : شیر زرد ، چیتا ، بھیڑیا ، جنگلی بھینس ، سیاہ ہرن ، چکارہ ، کوتہ پاچہ ، نیل گائے ، گورخر ، خرگوش ، سیاہ گوش (بن بلاؤ) ، جنگلی بلی ، موشک کربلائی (چھچھوندر) ، گوہ ، خار پشت (سیہہ) .

اسی دن کابل سے آڑو بذریعہ ڈاک چوکی پہنچے . ان میں سے جو سب سے بڑا آڑو تھا ، اس کا وزن چھبیس تولے نکلا ، جس کے پینسٹھ مثقال ہوتے ہیں .

[312] آڑو کے موسم میں کابل سے اس قدر آڑو پہنچتے رہے کہ میں بچے کھچے آڑو اکثر امرا اور ملازمینِ خاص کو عنایت کرتا رہا۔

ویرناک کی سیر :

۲۷ ماہ شہریور ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو جمعہ کے دن میں ویرناک کی سیر کے لیے گیا جو دریائے بہت (جہلم) کا سر چشمہ ہے۔ پانچ کوس تک کشتی میں سوار ہو کر پانی میں گیا۔ اس کے بعد موضع بان پور میں نزولِ اجلال کیا۔

ایک افسوس ناک خبر :

اسی روز ایک ناخوشگوار خبر کشتوار سے ملی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب دلاور خان کشتوار فتح کر کے میرے حضور میں حاضر ہوا۔ تو وہ نصراللہ عرب کو چند لوگوں کے ساتھ وہاں کی حفاظت کے لیے چھوڑ آیا تھا۔ اس سے رائے قائم کرنے میں دو غلطیاں ہو گئیں؛ ایک یہ کہ اس نے وہاں کے لوگوں کے ساتھ نہایت سختیاں اور ناروا سلوک کیا۔ دوسرے یہ کہ جب اس جمعیت نے جو وہاں اس کی مدد کے لیے متعین تھی، اپنے مناصب کے اضافے کی ہوس میں جانے کی رخصت چاہی، تاکہ وہ دربار میں حاضر ہو کر اپنے مناصب کے اضافے کی کوشش کریں تو نصراللہ عرب نے ان کی تجویز منظور کر کے اکثر لوگوں کو جانے کی اجازت دے دی۔ جب اس کے پاس جمعیت کم رہ گئی تو وہاں کے راجاؤں نے، جن کے دل کا زخم ابھی ہرا تھا اور وہ شورش و فساد کی گھات میں لگے ہوئے تھے، اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اطراف سے یورش کر کے اس پل کو، جس پر سے لشکر کے گزرنے اور رسد کے پہنچنے کا انحصار تھا، جلا دیا اور آتش فتنہ و فساد بھڑکا دی۔ نصراللہ عرب نے قلعہ بند ہو کر اور جان کو جوکھوں میں ڈال کر قلعے کی حفاظت کی۔ چونکہ قلعے میں غلّہ نہ تھا اور رسد کی آمد و رفت کا راستہ انھوں نے مسدود کر دیا تھا، مجبوراً وہ مردانہ وار لڑ کر شہادت کے لیے تیار ہو گیا۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جو اس کے ساتھ تھے، بڑی بہادری سے دشمنوں کے مقابلے میں لڑتا رہا، یہاں تک کہ اکثر ان میں سے شہید ہو گئے اور بعض ان میں سے قید ہو گئے۔ جب یہ خبر میرے

کان میں پہنچی تو میں نے **دلاور خاں** کے بیٹے **جلال خاں** کو، جس کی پیشانی سے تجربہ‌کاری اور صلاحیت کے آثار ظاہر تھے، اور وہ فتح **کشتوار** میں نمایاں خدمات انجام دے چکا تھا، ہزاری ذات و ششصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا، اور اس کے باپ کے ملازموں کو، جو شاہی ملازمین کے سلسلے میں منسلک تھے، اور **کشمیر** کا ایک دستۂ فوج بہت سے زمینداروں، پیادوں، برقندازوں کے ساتھ اس کی کمک پر مقرر کر دیا تا کہ وہ بد انجام باغیوں کا قلع قمع کریں۔

نیز **جموں** کے **راجا سنگرام** کو بھی حکم دیا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ **جموں** کے پہاڑی راستے سے **کشتوار** پہنچ جائے۔ امید ہے کہ باغی بہت جلد اپنے کیے کی سزا بھگتیں گے۔

۲۸ ماہ شہریور ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو ہفتے کے دن ساڑھے چار کوس کی مسافت طے کر کے موضع **کاکا پور** سے ایک کوس آگے گیا اور دریا کے کنارے مقام کیا۔ **کاکا پور** کا بھنگ مشہور ہے۔ دریا کے کنارے جنگل کے جنگل بھنگ کے پودوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

۲۹ ماہ شہریور ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو اتوار کے دن موضع **پنج ہزارہ**[1] میں قیام ہوا۔ یہ موضع فرزند اقبال مند **شاہزادہ پرویز** کو عنایت کیا گیا ہے۔ اس کے وکلا نے دریا کے رخ پر باغیچہ اور مختصر عمارتیں بنوائی ہیں۔ **پنج ہزارہ** کے نواح میں ایک سبزہ زار[2] واقع ہے، نہایت پر فضا اور نفیس، چنار کے سات عالی شان درخت اس سبزہ زار کے وسط میں ہیں اور اس کے ارد گرد ایک ندی بہتی ہے جسے کشمیری **ستھا بھولی** کہتے ہیں۔ یہ کشمیر کی مشہور سیر گاہوں میں سے ہے۔

۱- بعض جگہ اس کو **پنج ہزارہ** اور **ونچ ہرارہ** لکھا گیا ہے۔ (رک: **بیورج**، ۲، ص ۱۷۱)۔

۲- **آئین اکبری** میں اس کا نام **نندی مرگ** لکھا ہے اور اس کے قریب سات چشموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ **ستھا بھولی** کے معنی سات چشمے ہیں۔ (رک: **بیورج**، ۲، ص ۱۷۲)۔

خان دوراں کی وفات :

اسی دن خان دوراں کی وفات کی خبر پہنچی کہ اس نے لاہور میں اجل طبعی سے وفات پائی . اس کی عمر تقریباً نوے سال کو پہنچ چکی تھی ، وہ اپنے زمانے کا مشہور بہادر اور مرد میدان تھا . اس کی ذات میں شجاعت اور سرداری کے اوصاف جمع تھے . اس سلطنت پر اس کے بہت حقوق ہیں . مجھے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کو اہل مغفرت کے زمرے میں شامل کرے گا .

اس نے چار لڑکے چھوڑے ہیں ، لیکن ان میں سے کوئی بیٹا بھی اس کی فرزندی کی صلاحیت نہیں رکھتا . تقریباً چار لاکھ روپے نقد و جنس سے اس کے ترکے سے برآمد ہوئے اور یہ اس کے فرزندوں کو عنایت کیے گئے .

۳۰ ماہ شہریور ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو پیر کے دن سب سے پہلے میں نے سرچشمہ اچ کا نظارہ کیا . یہ موضع حضرت عرش آشیانی نے رام داس کچھواھہ [313] کو عنایت کیا تھا . رام داس کچھواھہ نے پہاڑ کے دامن میں اور چشمے کے اوپر کئی عمارتیں اور حوض بنائے تھے . بلاشبہ یہ نہایت عمدہ اور نفیس مقام ہے . چشمہ نہایت لطیف و نفیس ، اس کا پانی نہایت مصفّا اور شیریں ہے . اس میں بہت سی مچھلیاں تیرتی رہتی ہیں .

در تہ آبش ز صفا ریگ خورد
کور تواند بدل شب شمرد

چونکہ میں نے یہ موضع فرزند خان جہاں کو عنایت کیا تھا اس لیے اس نے یہاں دعوت کا انتظام کیا اور پیش کش پیش کیا . میں نے اس کی خاطر سے اس کے پیش کش میں سے چند چیزیں قبول کر لیں .

اس چشمے سے آدھے کوس کے فاصلے پر مچھی بھون نامی ایک سر چشمہ ہے جس کے اوپری حصے پر رائے بہاری چند نے ، جو حضرت عرش آشیانی کے ملازموں میں تھا ، ایک مندر بنایا تھا . اس کا پانی اس قدر شیریں ہے کہ بیان میں نہیں آ سکتا . اس چشمے کے اردگرد پرانے بلند درخت چنار اور بید مجنوں کے کھڑے ہیں . یہ ایک دلکش قیام گاہ ہے . میں نے رات یہیں گزاری .

۳۱ شہریور ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو منگل کے دن اچھول (چول) کے سرچشمے پر قیام کیا . اس سرچشمے کا پانی مچھی بھون کے چشمے سے زیادہ شیریں ہے .

یہاں ایک عمدہ آبشار بھی ہے۔ اس کے اطراف میں چنار اور بید مجنوں کے عمدہ اور موزوں درخت کھڑے ہیں۔ جن کی شاخیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں یہاں موقع بموقع دلکش نشیمن بنائے گئے ہیں، سامنے ایک خوبصورت باغیچہ ہے جس میں گل جعفری کھلے ہوئے ہیں، گویا یہ جنت کا ایک قطعہ معلوم ہوتا ہے۔

یکم ماہ مہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن اچھول (چول) سے کوچ کر کے ویرناک کے چشمے کے قریب ٹھہرا۔

۲ ماہ مہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن ویرناک کے چشمے پر شراب کی محفل منعقد کی۔ خاص ملازموں کو بیٹھنے کا حکم دیا اور شراب کے جاموں سے سرشار کیا اور شراب نوشی کے درمیان کابل کے آڑو بطور گزک انہیں عنایت کیے۔ سب لوگ شام کے وقت مست ہو کر اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ یہ چشمہ دریائے بھت (جہلم) کا منبع ہے۔ اور ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، جو گھنے درختوں، سبزے اور گھاس سے ڈھکا ہوا ہے، جس کی وجہ سے چشمے کا موقع و محل نظر نہیں آتا۔ میں نے اپنی شاہزادگی کے زمانے میں حکم دیا تھا کہ اس چشمے پر اس موقع کے شایان شان عمارت تعمیر کی جائے۔ یہ عمارت اس زمانے میں تکمیل کو پہنچی۔ اس کا حوض ہشت پہلو اور ہر پہلو بیالیس گز کا ہے۔ اس کی گہرائی چودہ گز کی ہے۔ پہاڑ کے اوپر جو پھول اور پودے اُگے ہوئے ہیں ان کی بدولت پانی زنگاری دکھائی دیتا ہے۔ اس میں بے شمار مچھلیاں تیر رہی ہیں۔ حوض کے اردگرد محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ اس عمارت کے آگے ایک باغ ہے، لب حوض سے باغ کی انتہائی حد تک ایک نہر جاری ہے جو چار گز چوڑی، ایک سو چھیاسی گز لمبی اور دو گز گہری ہے۔ نہر کے اطراف میں سنگ بستہ گزر گاہیں بنائی گئی ہیں۔ نہر کا پانی اس قدر شفاف ہے کہ اگر اس میں چنے کا دانہ گر جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے، نہر کی نفاست اور سبزہ زیر آب کی کیا تعریف لکھوں۔ قسم قسم کے سبزے اور پھول قریب قریب اُگے ہوئے، اور ان میں ایک پودا ایسا ہے جو بالکل مور کی دم کی طرح منقش ہے اور پانی کی موجوں سے ہلتا رہتا ہے اور اس میں کہیں کہیں ایک رنگی پھول ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام کشمیر میں اتنی خوبصورت اور دلفریب کوئی سیر گاہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ خوبصورتی، شادابی اور سرسبزی میں کشمیر کے دریا کے بالائی حصے کو دریا کے زیریں حصے سے کوئی نسبت نہیں۔ میرے لیے مناسب تھا کہ کچھ دن اس

علاقے میں رہ کر سیر و تفریح کرتا اور داد عیش و کامرانی دیتا ، لیکن چونکہ سفر کی گھڑی قریب آ چکی تھی اور گھاٹی کے اوپر برف باری شروع ہو چکی تھی ، اور ٹھہرنے کا کوئی موقع نہ تھا ، مجبوراً میں شہر (سری نگر) کی طرف لوٹ گیا ۔ میں نے حکم دیا کہ نہر کے کنارے دو رویہ درخت لگائے جائیں ۔

۴ ماہ سہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو منگل کے دن لوکا بھون کے چشمے کے قریب قیام کیا ۔ یہ چشمہ بھی دیکھنے کے قابل ہے ۔ اگرچہ فی الحال یہ چشمہ دوسرے چشموں کے برابر نہیں ، لیکن اگر اس کی مرمت کی جائے تو یہ جگہ بہت اچھی ہو جائے گی ۔ میں نے حکم دیا کہ اس مقام کے مناسب حال عمارت تعمیر کی جائے [314] اور چشمے کے سامنے جو حوض ہے اس کی مرمت کی جائے ۔

کشمیر کا ایک چشمہ جس کی مچھلیاں اندھی ہوتی ہیں :

راستے میں ایک اور چشمے پر گزر ہوا جسے اندھہ ناک کہتے ہیں ۔ مشہور ہے کہ اس چشمے کی مچھلیاں اندھی ہوتی ہیں ۔ میں تھوڑی دیر اس چشمے کے قریب ٹھہرا اور جال ڈلوایا ، بارہ مچھلیاں جال میں آئیں ۔ ان میں سے تین مچھلیاں اندھی اور نو آنکھوں والی تھیں ۔ یہ اس چشمے کے پانی کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ مچھلیوں کو اندھا کر دیتا ہے ۔ بہر حال یہ بات تعجب سے خالی نہیں ہے ۔

۵ ماہ سہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو منگل کے دن پھر واپس ہوتے ہوئے مچھی بھون اور اچھ کے چشموں پر سے گزر ہوا ۔ اس کے بعد میں شہر (سری نگر) کی طرف روانہ ہو گیا ۔

ہاشم خاں ولد قاسم خاں کی وفات :

۸ ماہ سہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن ہاشم خاں (۱۲) ولد قاسم خاں کی وفات کی خبر پہنچی ۔

ارادت خاں کا کشمیر کی صوبیداری پر تقرر :

۹ ماہ سہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن ارادت خاں کو کشمیر کی صوبیداری سے سرفراز کیا ، اور میر جملہ کو ارادت خاں کے تبادلے کی وجہ سے خدمتِ خانسامانی پر مامور کیا اور معتمد خاں کو عرض مکرر

کی خدمت پر ترقی دی[1] ۔

میر جملہ کے منصب کو دو ہزاری ذات و پانصد سوار کر دینے کا حکم دیا ۔

۱۱ ماہ مہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو ہفتے کی رات میں شہر میں نزول اجلال کیا ، آصف خاں کو صوبۂ گجرات کی دیوانی کی خدمت سے ممتاز کیا ۔

جموں کے راجا سنگرام کو ہزار و پانصدی ذات و ہزار سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

مچھلی کے شکار کا ایک نیا طریقہ :

اسی روز کشمیر کے ماہی گیروں کے شکار کرنے کا ایک نیا طریقہ دیکھنے میں آیا ، جو اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا ۔ وہ یہ کہ جس جگہ پانی آدمی کے سینے کی برابر ہوتا ہے ، وہ دو کشتیاں ایک دوسرے کے محاذی اس طرح لے جاتے ہیں کہ ایک سرا دونوں کا ایک دوسرے سے ملا ہوا رہتا ہے اور دوسرا سرا ایک دوسرے سے چودہ پندرہ گز کے فاصلے پر ہوتا ہے ، اور دو ملاح دونوں کشتیوں کے بیرونی جانب لمبی لمبی لکڑیاں ہاتھ میں لیے ہوئے ایسا بیٹھتے ہیں کہ یہ فاصلہ زیادہ اور کم نہ ہو ، اور دونوں کشتیاں برابر چلیں ، اور دس بارہ ملاح کشتیوں کے ملے ہوئے سروں کو پکڑ کر پانی میں پاؤں زمین پر مارتے ہوئے چلتے ہیں ۔ وہ مچھلیاں جو ان دونوں کشتیوں کے درمیان آتی ہیں ، وہ اس تنگ راستے سے باہر نکلنا چاہتی ہیں مگر ملاحوں کے پاؤں کے نیچے آ جاتی ہیں ، ملاح اُسے پکڑنے کے لیے فوراً ہی پانی میں غوطہ لگا کر پانی کی گہرائی میں پہنچ جاتا ہے ؛ اور دوسرا ملاح اس کی پیٹھ پر دونوں ہاتھوں سے بوجھ ڈال کر زور لگاتا ہے تاکہ پانی اُسے اوپر نہ لے آئے ۔ وہ مچھلی کو ہاتھ میں پکڑ کر پانی کے باہر لے آتا ہے ۔ ان میں سے بعض جو اس فن میں مہارت رکھتے ہیں ، وہ دو دو مچھلیاں ہاتھوں میں پکڑ کر باہر نکلتے ہیں ۔

ان میں ایک بوڑھا ملاح تھا کہ وہ ہر غوطہ لگانے میں دو مچھلیاں پکڑتا

۱۔ عرض مکرر کا کام تنقیح عرضداشت ہوتا تھا ۔ (رک : بیورج ، ۲ ، ص ۱۲۵) ۔

تھا ۔ شکار کا یہ طریقہ پنج ہزارہ[1] میں رائج ہے اور دریائے بہت (جہلم) کے ساتھ مخصوص ہے ، دوسرے تالابوں اور ندیوں میں ایسا شکار نہیں ہوتا اور یہ طریقہ شکار موسم بہار پر منحصر ہے ، جب کہ دریا کا پانی سرد اور تکلیف دہ نہیں ہوتا ۔

جشنِ دسہرہ :

۱۳ ماہ سہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو پیر کے دن جشنِ دسہرہ منایا گیا ۔ ہر سال کے دستور کے مطابق شاہی اصطبل اور اُمرا کے مفوضہ گھوڑے سجا کر میرے سلاحظے میں لائے گئے ۔

ان دنوں میں نے سانس کی گھٹن اور ضیق النفس (دمے) کی تکلیف محسوس کی ۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ تکلیف دور ہو جائے گی ۔

۱۵ ماہ سہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن موسمِ خزاں سے لطف اندوز ہونے کے لیے صفاپور[2] اور درۂ لارکہ کی طرف گیا جو دریا کے انتہا میں واقع ہیں ۔

صفا پور میں ایک خوبصورت تالاب ہے ۔ اور اس کے شمالی جانب ایک پہاڑ درختوں سے بھرپور اور ہرا بھرا ہے ، باوجود اس کے کہ موسمِ خزاں شروع ہو چکا تھا مگر منظر بے حد دل کش تھا ۔ چنار ، زرد آلو ، اور دوسرے رنگا رنگ درختوں کا عکس تالاب میں عجیب دل کشی پیدا کر رہا تھا ۔ بلا شبہ یہاں خزاں کی خوبیاں بھی بہار سے کم نہیں ہیں :

ذوقِ فنا نیافتہ ورنہ در نظر
رنگین تر از بہار بود موسمِ خزاں

۱- پنج ہزارہ کوئی جگہ نہیں ۔ شاید یہ بیج بہارہ ہو جو ایک نہایت آباد قصبہ ہے ۔ کسی زمانے میں شاہزادہ دارا شکوہ کی جاگیر میں تھا ۔ اس کے تعمیر کردہ کئی محل ، حمام اور باغ یہاں پر تھے ، مگر اب اُن کے کھنڈر باقی رہ گئے ہیں ۔ یہاں سب سے بڑا چنار موجود ہے ، اس کا دور ساڑھے چون فٹ ہے ۔ یہ قصبہ دریائے جہلم کے کنارے جموں بانہال کشمیر شاہراہ پر واقع ہے ۔ (س)

۲- صفا پور کو آج کل مانس بل کہتے ہیں ۔ یہاں ایک چھوٹی سی جھیل ہے ۔ نور جہاں کو یہ مقام بہت پسند تھا ۔ اُس نے یہاں ایک باغ بنوایا تھا ۔ (س)

چونکہ وقت تنگ تھا اور سفر کی گھڑی نزدیک تھی اس لیے سرسری سیر کرکے لوٹ آیا ۔

ان چند دنوں میں مرغابیوں کے مسلسل شکار سے بڑی مسرت حاصل ہوئی ۔ ایک دن شکار کے دوران ایک ملاح [315] قرقرہ[1] کا بچہ پکڑ کر لایا ، جو نہایت دُبلا اور کمزور تھا ۔ یہ ایک رات سے زیادہ زندہ نہ رہا ۔ قرقرہ کشمیر میں نہیں ہوتا ۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہندوستان سے آتے ہوئے کمزوری اور بیماری کی وجہ سے یہاں گر پڑا ہوگا ۔

رحمان داد کی وفات :-

اسی زمانے میں جمعہ کے دن خان خاناں کے بیٹے میرزا رحمان داد کی وفات کی خبر پہنچی کہ اُس نے بالا پور میں اجل طبعی سے وفات پائی ۔ بظاہر اُسے کچھ دن بخار آیا تھا ۔ بخار اُترنے کے بعد ابھی کمزوری باقی تھی کہ ایک روز دکنی فوج مقابلے میں آ گئی اور اس سے جنگ کے لیے اُس کا بڑا بھائی داراب خان گھوڑے پر پہنچ گیا ۔ جب یہ خبر رحمان داد کو ملی ، وہ اپنی فطری شجاعت و بہادری سے مجبور ہو گیا اور باوجود نہایت کمزوری اور نقاہت کے سوار ہو گیا اور اپنے بھائی کی مدد کے لیے گیا ۔ دشمن کو زیر کرنے کے بعد لوٹتے ہوئے اُس نے جنگی لباس کے اُتارنے میں احتیاط نہیں برتی اور اُسے فوراً ہی ہوا لگ گئی ۔ وہ تشنج میں مبتلا ہو گیا اور اُس کی زبان بند ہو گئی ۔ دو تین روز اسی حالت میں گزرے ، اسی حالت میں اُس نے وفات پائی ۔ نہایت سعادت مند جوان تھا ۔ شمشیرزنی اور جنگ و جدل کا شائق تھا ۔ اس کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ہر جگہ شمشیرزنی کے جوہر دکھائے ۔ اگرچہ موت کی آگ خشک و تر ہر چیز کو جلا کر خاک کر دیتی ہے ، لیکن اس کی موت سے مجھے بہت دکھ ہوا ۔ جب میری یہ حالت ہے تو اس کے شکستہ دل اور بوڑھے باپ پر کیا گزری ہوگی - ابھی اس کے دوسرے بیٹے شاہ نواز خان کی مصیبت کا زخم بھرنے نہیں پایا تھا کہ ایک اور

۱- قرقرہ : اس کو کرکرا بھی کہتے ہیں ۔ یہ کونج کی شکل کا ہوتا ہے ۔ قد میں کونج کی سب قسموں سے چھوٹا ہوتا ہے ۔ (رک : سیر پرند ، از قطب الدین) ۔

تازہ زخم آسے پہنچا ۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ان مصائب کے برداشت کرنے کا صبر و حوصلہ عطا فرمائے گا ۔

۱۶ ماہ مہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں نے خنجر خاں کو سہ ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

قاسم خاں کو دو ہزاری ذات و ہزار سوار کے منصب سے ممتاز کیا ۔

خواجہ جہاں کے بھائی محمد حسین کو کانگڑا کے لشکر کی بخشی گری پر متعین کرکے ہشت صدی ذات و سوار کا منصب عنایت کیا ۔

ہندوستان کو واپسی :

۲۷ ماہ الٰہی مہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو ایک پہر اور سات گھڑی گزرنے کے بعد رات گئے تبریک اور سلامتیوں کے ساتھ شاہی افواج کے علم ہندوستان کی طرف حرکت میں آئے ۔ چونکہ زعفران کے پھول کھلنے شروع ہو گئے تھے ، اس لیے شہر کے مضافات سے کوچ کرکے موضع پنپر[1] کی طرف روانہ ہوا ۔ سارے ملک کشمیر میں سوائے اس گاؤں کے دوسری جگہ زعفران پیدا نہیں ہوتا ۔

۳۰ ماہ مہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں نے زعفران زار میں مجلس مے نوشی منعقد کی ۔ چمن چمن صحرا صحرا جہاں تک نظر کام کرتی تھی ، زعفران شگفتہ تھا ۔ وہاں کی ہوا دماغوں کو معطر کر رہی تھی ، زعفران کے پودوں کا تنہ زمین سے ملا ہوا ہوتا ہے ۔ اس کے پھول کی چار پنکھڑیاں ہوتی ہیں ، یہ پھول بنفشئی رنگ کا ہوتا ہے اور چمپا کے پھول کے برابر ہوتا ہے ۔ اس پھول کے بیچ میں سے زعفران کی تین شاخیں نکلتی ہیں ۔ زعفران کے پودے کی گانٹھیں لگائی جاتی ہیں ۔ جس سال اس کی پیداوار خوب ہوتی ہے ، تو موجودہ وزن کے لحاظ سے چار سو من زعفران ہوتا ہے ، جو خراسان کے وزن کے مطابق تین ہزار دو من ہوتا ہے ۔ اس کی پیداوار کا نصف حصہ خالصہ (حکومت کا) اور نصف حصہ رعایا کے لینے کا معمول ہے ۔ عام طور پر اس کی خرید و فروخت دس روپے فی سیر ہوتی ہے ، لیکن کبھی کبھی اس کے نرخ میں کمی زیادتی بھی ہوتی رہتی ہے ۔ قاعدہ یہ ہے کہ زعفران کے پھول زعفران زار سے

۱- صحیح نام پدما پور ہے ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۱۷۷) ۔

چن کر لاتے ہیں اور ان پھولوں سے زعفران نکالتے ہیں ۔ لانے والے قدیم دستور کے مطابق ، جو بندھا ہوا ہے ، اجرت میں اس کے نصف حصے کے برابر نمک لیتے ہیں ۔ نمک کشمیر میں نہیں ہوتا ۔ یہ ہندوستان سے فراہم کیا جاتا ہے ۔

کشمیر کے تحائف میں سے ایک تحفہ کلغی کے پر بھی ہیں ۔ یہاں ہر سال جو جانور شکار ہوتے ہیں ، اُن سے جو پر حاصل کیے جاتے ہیں ، ان کی تعداد دس ہزار سات سو تک پہنچتی ہے ۔ ہر سال دو سو ساٹھ باز اور بھری جال میں پکڑے جاتے ہیں ۔ یہاں آشیاں باستہ (یعنی آزاد بھری) بھی دستیاب ہوتے ہیں اور آزاد بھری برے نہیں ہوتے ۔

یکم ابان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو موضع پنپو سے کوچ کرکے خان پور میں قیام کیا ۔ یہاں اطلاع ملی کہ برادرم شاہ عباس کا ایلچی زنبیل بیگ لاہور کے قرب و جوار میں پہنچ گیا ہے ۔ میں نے اُسے میر [316] حسام الدین ولد عضدالدولہ انجو[1] کے ہاتھ خلعت اور تیس ہزار روپے خرچ کے لیے بھجوائے ، اور حکم دیا کہ سفیر مذکور کی ضیافت میں جو وہ خرچ کرے گا ، اس کے لیے پانچ ہزار روپیوں کی حد تک اس کے ہاں مزید بھیجے جائیں ۔

اس سے پہلے میں نے حکم دیا تھا کہ کشمیر سے لے کر انتہائے کوہستان تک ہر منزل میں میرے اور بیگمات کے قیام کے لیے عمارتیں بنائی جائیں کیونکہ موسم سرما اور برف باری میں خیموں میں گزارہ نہیں ہو سکتا ۔ اگرچہ اس منزل کی عمارت مکمل ہو چکی تھی ، لیکن چونکہ ابھی اس عمارت میں نمی تھی ، اور چونے کی بو آتی تھی اس لیے میں نے خیمے میں قیام کیا ۔

۲ ماہ مہر ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو ہفتے کے دن کلم پور میں قیام کیا ۔ مجھے کئی بار اس بات کی اطلاع مل چکی تھی کہ ہیرا پور[2] کے قرب و جوار میں ایک بہت بلند اور بے نظیر آبشار واقع ہے ۔ اگرچہ وہ میرے راستے سے دور

۱۔ اس کا نام جمال الدین ہے جو سفیر انگلستان سرطامس او کا دوست تھا اور ایک لغت بھی تصنیف کی تھی ۔ (رک : بیورج ، ۲ ، ص ۱۷۸) ۔

۲۔ یہ ہورا پور ہے اور قدیم زمانے میں اس کو سورا پور بھی کہتے تھے ۔ (رک : بیورج ، ۲ ، ص ۱۷۹) ۔

چار کوس کے فاصلے پر بائیں جانب واقع تھی ، لیکن میں تنہا اس کے دیکھنے کے لیے چلا گیا . اس کی تعریف و توصیف کیا لکھی جائے . پانی تین چار مقامات پر گرتے ہوئے نیچے آتا ہے . آج تک اتنی اچھی اور خوبصورت آبشار میری نظر سے نہیں گزری . فی الحقیقت یہ نہایت عجیب و غریب سیرگاہ ہے[1] . سہ پہر تک میں وہاں سیر و تفریح میں مشغول رہا اور اپنی آنکھوں اور دل کو اس کے نظارے سے سرشار کرتا رہا . ابر و باران کے وقت اس کا منظر وحشت ناک ہو جاتا ہے . سہ پہر کے وقت وہاں سے روانہ ہو کر شام کو ہیرا پور پہنچا ، رات اسی منزل میں بسر کی .

۴ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو پیر کے دن باڑی براری کی گھاٹی کو عبور کرکے پیر پنجال کی گھاٹی کے اوپر قیام کیا ۔ اس دشوار گزار گھاٹی اور اس راہ کی دشواریوں کی تکلیف کو کیا لکھا جائے ، جو تصور میں نہیں آ سکتیں . ان چند دنوں میں کئی مرتبہ اتنی برف باری ہوئی کہ برف کی وجہ سے پہاڑ سفید ہو گئے تھے . راستے کے درمیان بھی کئی جگہ برف جمی ہوئی تھی ، برف کی وجہ سے گھوڑوں کے سم رپٹتے تھے اور سوار کو سفر طے کرنے میں بہت زحمت اٹھانی پڑتی تھی . آج خدائے تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم فرمایا ہے کہ برف نہیں پڑی ، حالانکہ جو لوگ پہلے چلے گئے اور جو بعد کو آئے ، ان دونوں کو برف باری کی تکلیف اٹھانی پڑی .

۵ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو منگل کے دن پیر پنجال کی گھاٹی سے اتر کر پوشانہ میں قیام کیا . باوجود اس کے کہ یہ راستہ نشیب میں ہے لیکن بہت بلندی سے نشیب کی طرف اترنے میں اکثر لوگوں کو پیدل چلنا پڑا .

۶ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن بیرم کلہ میں نزول اجلال کیا . اس موضع کے قریب ایک آبشار اور نہایت عمدہ چشمہ ہے ، میرے حکم پر یہاں ایک چبوترہ بیٹھنے کے لیے تعمیر کیا گیا تھا ، بلاشبہ یہ بہت خوب تفریح گاہ ہے . میں نے حکم دیا کہ میرے یہاں سے گزرنے کی تاریخ

۱- فرانسیسی سیاح برنیر نے اپنے سفر نامے میں اس آبشار کا ذکر بھی کیا ہے .
(رک : بیورج ، ۲ ، ص ۱۷۸)

کا کتبہ پتھر کی تختی پر کندہ کر کے چبوترے پر نصب کریں ۔ بے بدل خاں[1] نے اس کتبے کے لیے چند اشعار موزوں کر دیے جو لوحِ روزگار پر میری سلطنت کی یادگار کے طور پر باقی رہ جائیں گے ۔

اس علاقے میں راستے کی آمد و رفت اور یہاں کا بندوبست دو زمینداروں کے قبضۂ اختیار میں ہے اور حقیقت میں یہی ملک کشمیر کی کنجی ہیں ۔ ان میں سے ایک کا نام مہدی نائک اور دوسرے کا نام حسین نائک بتاتے ہیں ۔ ہیرا پور سے لے کر بیرم کلہ تک کے راستے کا انتظام ان کے سپرد ہے ۔ مہندی نائک کا باپ بہرام نائک کشمیریوں کی حکومت کے زمانے میں معتبر زمینداروں میں شمار ہوتا تھا ، جب میری حکومت کا زمانہ آیا تو میرزا یوسف خاں نے اپنی حکومت کے زمانے میں بہرام نائک کو قتل کرا دیا ۔ اب یہ علاقہ ان دونوں کے مساوی تصرف و اختیار میں ہے ۔ اگرچہ یہ دونوں بھائی بظاہر یگانگت و محبت رکھتے ہیں ، لیکن بہ باطن ایک دوسرے کے نہایت دشمن ہیں ۔

اسی دن شیخ ابن یمین نے ، جو میرے قدیم اور قابل اعتماد ملازموں میں تھا ، وفات پائی ۔ چونکہ وہ نیک فطرت اور بے نظیر تھا اور مجھے اس پر بہت اعتماد تھا اس لیے میں نے شاہی افیون دینے اور پانی پلانے کی خدمت اس کے سپرد کر رکھی تھی ۔ جس رات پیر پنجال کی گھاٹی پر قیام تھا اور خیمہ و اسباب [317] وہاں نہ پہنچ سکا تھا ، ضعف کی وجہ سے وہ سردی سے متاثر ہوگیا اور فوراً تشنج میں مبتلا ہوگیا اور زبان بند ہو گئی ۔ وہ دو روز تک اسی عالم میں زندہ رہا ، پھر وفات پا گیا ۔ اس کے بعد افیون دینے کی خدمت میں نے خواص خاں کے سپرد کی اور آب دار خانے کی خدمت موسوی خاں (۱۴) کے حوالے کی ۔

۷ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن موضع تھانہ میں شاہی خیمے نصب ہوئے ۔ بیرم کلہ میں بندر بہت نظر آتے تھے لیکن اس منزل سے ہوا ، زبان ، لباس ، معاشرت اور حیوانات میں نمایاں فرق محسوس ہونے لگا اور وہ خصوصیات جو گرم علاقوں میں پائی جاتی ہیں ، واضح

---

[1] یہ صدرِ سنار تھا اور اس کا اصلی نام سعیدا یا شیدا تھا ۔ بے بدل خاں اس کا خطاب ہے ۔ (رک : تیورج ۲ ، ص ۱۷۹) ۔

طور پر نظر آئیں۔ یہاں کے لوگ فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں باتیں کرتے ہیں۔ بظاہر ہندی اُن کی اصل زبان ہے۔ کشمیر کی قربت کی وجہ سے وہ کشمیری زبان بھی سیکھ لیتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہاں سے ہندوستان کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، عورتیں اونی لباس نہیں پہنتیں اور ہندوستان کے رواج کے مطابق ناک میں نتھ پہنتی ہیں۔

راجور کی بدعتیں اور ان کی اصلاح :

۸ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ء) کو جمعہ کے دن راجور میں نزول اجلال ہوا، یہاں کے لوگ قدیم زمانے میں ہندو تھے اور یہاں کے زمیندار کو راجا کہتے تھے۔ سلطان فیروز نے یہاں کے لوگوں کو مسلمان کیا، لیکن اس کے باوجود یہاں کے زمیندار آپ کو راجا کہلاتے ہیں۔ اب بھی زمانہ جاہلیت کی بدعتیں اُن میں جاری ہیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ جس طرح ہندوؤں کی عورتیں اپنے شوہر کے ساتھ ستی ہوتی ہیں، یہاں کی عورتوں کو بھی زندہ شوہروں کے ساتھ قبر میں دفن کر دیتے ہیں۔

سننے میں آیا کہ ان ہی دنوں ایک بارہ سالہ لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ جو اس کا ہم عمر تھا، زندہ قبر میں دفن کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ ان کے یہاں یہ رسم بھی ہے کہ بعض غریب لوگ جب اُن کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے، اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالتے ہیں۔ ہندوؤں سے رشتہ داریاں کرتے ہیں، ان کو لڑکیاں دیتے ہیں اور ان کی لڑکیاں لیتے ہیں۔ لڑکیاں لینا تو برا نہیں لیکن لڑکیاں دینا بہت برا ہے، معاذاللہ۔

میں نے فرمان جاری کیا کہ آیندہ ان رسوم و رواج پر عمل نہ کیا جائے، اور جو کوئی بھی ان بدعتوں کا مرتکب ہو، اس کو سزا دی جائے۔

راجور میں ایک پہاڑی نالہ ہے۔ اس کا پانی برسات میں نہایت زہریلا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگوں کے گلے کے نیچے گلٹیاں نکل آتی ہیں۔ اس کے علاوہ لوگ زرد اور کمزور بھی ہو جاتے ہیں۔ راجور کے چاول، کشمیر کے چاولوں سے بہتر ہیں اور اس کے پہاڑ کے دامن میں خوشبودار خود رو بنفشہ اُگتا ہے۔

۱۰ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو اتوار کے دن نوشہرہ میں قیام ہوا . اس مقام پر حضرت عرش آشیانی کے حکم سے پتھروں سے ایک قلعہ بنایا گیا ہے . یہاں ہمیشہ حاکم کشمیر کی جانب سے ایک جمعیت بطریق تھانے کے رہتی ہے .

۱۱ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو پیر کے دن چوکی ہٹی میں قیام ہوا . اس منزل کی عمارت مراد نامی چیلہ کے اہتمام میں تعمیر اور تکمیل کو پہنچی . دولت خانے کے وسط میں ایک نفیس چبوترہ بنا ہوا ہے ، جو اسے دوسری منزلوں کی عمارتوں سے ممتاز کرتا ہے ، میں نے مراد چیلہ کے منصب میں اضافہ کر دیا .

۱۲ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو پیر کے دن تھتھر[1] میں قیام کیا . آج کے دن میں نے گھاٹیوں اور پہاڑوں سے گزر کر ہندوستان کی میدانی اور وسیع سرزمین پر قدم رکھا .

ہالکے کا شکار :

یہاں قراولوں کو پہلے ہی سے بھیج دیا گیا تھا کہ تھتھر ، گرچھاک[2] اور لکتھالہ[3] میں شکار کے حلقے بنائیں . کم شنبہ (بدھ) کے دن اور مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن زندہ شکار کو ہالک کر لایا گیا .

جمعہ کے دن میں شکار سے لطف اندوز ہوا اور چھپن پہاڑی مینڈھے وغیرہ شکار ہوئے .

اسی تاریخ میں راجا سارنگ دیو کو ، جو میرے قریبی خدمت‌گاروں میں ہے ، ہشت صدی ذات و چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا .

۱۶ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو ہفتے کے دن گرچھاک کی طرف روانہ ہوا ، اور پانچ مرتبہ کوچ کرنے کے بعد دریائے بہت (جہلم) کے کنارے قیام کیا .

۱- تھتھر : اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام بھنبر ہے اور یہ صحیح معلوم ہوتا ہے . (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، ص ۱۸۴ ، مطبوعہ شانتی پریس الہ‌آباد)

۲- یہ نام اصل میں جلال پور ہے . ہندو اس کو گرچھاک کہتے ہیں . (رک : بیورج ۲ ، ص ۱۸۱) .

۳- یہ نام کلھیالہ ہے . یہاں بدھ متیوں کا مندر تھا . (رک : بیورج ۲ ، ص ۱۸۱) .

۲۱ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو جمعرات کے دن گرچھاک میں شکار کھیلا ۔ لیکن اس سے قبل جتنی مرتبہ میں یہاں شکار کھیل چکا ہوں ، اس کی بہ نسبت اس مرتبہ شکار کم ہوا ، اس لیے اس شکار سے جس قدر میرا دل چاہتا تھا ، اتنا لطف اندوز نہ ہو سکا ۔

۲۵ ماہ آبان ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ع) کو پیر کے دن لکتھالہ میں میں نے مسرت کے ساتھ شکار کھیلا ۔

پھر یہاں سے روانہ ہو کر دس منزل کی مسافت طے کرنے کے بعد جہانگیر آباد میں قیام کیا ۔ [318] یہ سر زمین شاہزادگی کے زمانے میں میری شکار گاہ تھی ، میں نے یہاں اپنے نام کا ایک گاؤں آباد کر کے ایک مختصر عمارت تعمیر کرائی تھی اور سکندر معین کو جو میرے قریبی قراولوں میں تھا ، یہ عمارت حوالے کر دی تھی ۔ اپنی تخت نشینی کے بعد اسے پرگنہ قرار دے کر میں نے یہ پرگنہ اس کی جاگیر میں دے دیا اور حکم دیا کہ وہ یہاں ایک دولت خانہ اور تالاب اور ایک منارہ تعمیر کرائے ۔ اس کی وفات کے بعد یہ پرگنہ ارادت خاں کی جاگیر میں دے دیا گیا اور عمارت کی تکمیل کی سربراہی اس کے سپرد کی گئی ۔ ان ہی دنوں یہ عمارت مکمل ہو گئی ۔ یہ نہایت وسیع تالاب ہے اور تالاب کے درمیان جو ایک دل نشیں عمارت تعمیر کرائی گئی ہے اس پر ہر حیثیت سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپے صرف ہوئے ہوں گے ۔ بلاشبہ یہ ایک شاہی شکار گاہ ہے ۔ مبارک شنبہ (جمعرات) اور جمعہ کے دن یہاں قیام رہا اور مختلف قسم کے شکار سے لطف اندوز ہوا ۔

قاسم خاں نے ، جو لاہور کی حفاظت و نگرانی سے سرفراز ہے ، حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور پچاس اشرفیاں نذر گزرانیں ۔

پھر یہاں سے کوچ کر کے ایک منزل اس طرف باغ مومن عشق باز[1] میں ، جو دریائے لاہور کے کنارے ہے ، قیام کیا ۔ اس باغ میں چنار کے عالی شان درخت اور سرو کے خوش قامت درخت ہیں ۔ فی الحقیقت یہ ایک بہترین باغیچہ ہے ۔

۱- مومن : ہرات کا رہنے والا تھا اور کبوتروں کا شائق تھا ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۱۸۲)۔

سال ۹، ماہ آذر ۱۰۳۰ھ مطابق ۵ محرم ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) اکو پیر کے دن باغ سوہن سے اندر نامی ہاتھی پر سوار ہو کر روپے نچھاور کرتا ہوا شہر لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ سہ پہر کے دو گھڑی گزرنے کے بعد جب کہ دو بجے تھے نیک اور مبارک ساعت میں دولت خانے میں داخل ہوا، اور تبریک و سلامتی کے ساتھ اس عمارت میں، جو نئے سرے سے معمور خاں کے اہتمام میں تکمیل کو پہنچی تھی، قیام کیا۔ محلات بہت دلکش اور نشیمن بہت فرحت بخش ہیں جو لطافت و نزاہت میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ نادر روزگار مصوروں نے نہایت نفاست اور عمدگی سے ان عمارتوں کو منقش و مصوّر کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں سر سبز باغ بھی ہیں، جن کے انواع و اقسام کے پھول بے حد جاذب نظر ہیں:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست

اس عمارت پر بالجملہ سات لاکھ روپے، جو کہ ایران کے رائج الوقت تیئس ہزار تومان کے برابر ہوتے ہیں، خرچ ہوئے ہیں۔

قلعہٴ کانگڑہ کی فتح کی خبر:

اسی دن فتح قلعہ کانگڑہ کی مسرت افزا خبر میرے اور امرائے لشکر کے لیے شادمانی اور خوشی کا باعث ہوئی۔ اس عظیم نعمت اور شاندار فتح پر جو، خدائے تعالیٰ کے تازہ عطیات میں سے ہے، اس کی بارگاہ میں سر نیاز خم کر کے شکر بجا لایا اور فتح و شادمانی کے نقارے بجائے گئے۔

کانگڑہ، لاہور کی شمالی جانب ایک قدیم قلعہ ہے اور کوہستان کے درمیان واقع ہے۔ یہ قلعہ استحکام اور مضبوطی میں مشہور ہے۔ اس قلعے کی تعمیر کب ہوئی؟ سوائے خدا کے کسی کو علم نہیں۔ پنجاب کے زمینداروں کا نظریہ یہ ہے کہ جب سے یہ قلعہ تعمیر ہوا ہے، اس وقت سے آج تک کسی دوسری قوم کے

۱- سر سید ایڈیشن میں یہ سنہ یک ہزار و سی و یک (۱۰۳۱ھ) درج ہے، لیکن صحیح سنہ ۱۰۳۰ھ ہے۔ (رک: اقبالنامہٴ جہانگیری، ص ۱۸۵، مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد)۔

قبضے میں نہیں گیا اور کسی دوسرے نے اس پر تسلط حاصل نہیں کیا ۔ بہرحال صحیح علم اللہ ہی کو ہے ۔

بہرحال جب سے ہندوستان میں صدائے اسلام بلند ہوئی اور ہندوستان میں دین مستقیم پہنچا ، تو مسلمانوں کے والا شکوہ بادشاہوں میں سے کسی کو اس کی فتح میسر نہیں ہوئی ۔ سلطان فیروز شاہ خود اس قلعے کی تسخیر کے لیے گیا تھا اور مدتوں تک اس کا محاصرہ کیے رہا ۔ آخر اپنی شان و شوکت و قوت کے باوجود اس نے محسوس کر لیا کہ قلعہ اتنا مضبوط اور سنگین ہے کہ جب تک محاصرین کے پاس قلعے کی حفاظت کا سامان اور رسد موجود ہے ، یہ قلعہ فتح نہیں ہو سکتا ۔ وہ شاد و ناشاد اس پر راضی ہو گیا کہ یہاں کا راجا اس کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف حضوری بجا لائے اور وہ محاصرے سے ہاتھ اٹھا لے ۔ کہتے ہیں کہ راجا نے اس کو منظور کر لیا اور اس کی آستان بوسی کے بعد اس نے پیش کش ترتیب دے کر سلطان فیروز کی دعوت کا انتظام کیا اور سلطان فیروز کو قلعے میں لے گیا ۔ سلطان فیروز نے قلعے کی سیر و تماشا سے فارغ ہونے کے بعد راجا سے کہا کہ تمہارا مجھ جیسے بادشاہ کو [319] قلعے میں لانا حزم و احتیاط کے خلاف تھا ۔ اگر بالفرض وہ لشکر جو میرے ساتھ ہے ، تم پر حملہ کر دے اور قلعے پر قبضہ کر لے تو تم کیا کر سکتے ہو ؟ راجا نے یہ سن کر اپنے لوگوں کو اشارہ کیا ۔ اشارے کے ساتھ ہی بہادروں اور دلاوروں کی مسلح لیس فوج چھپے ہوئے مقامات سے نکل آئی اور سلطان کے سامنے کورنش بجا لائی ۔ سلطان فیروز لوگوں کے اس ہجوم کو دیکھ کر حیران و متفکر ہوا اور سوچنے لگا کہ کہیں یہ غداری نہ کر بیٹھیں ۔ راجا یہ سمجھ گیا اور سامنے آ کر قدم بوسی کرتے ہوئے کہا کہ اطاعت و بندگی کے سوا ہمارا کوئی اور خیال نہیں ، لیکن چونکہ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا تھا ، اس لیے مجھے یہ دکھانا مقصود تھا کہ ہم احتیاط اور دور اندیشی کو ہر وقت پیش نظر رکھتے ہیں ، کیوں کہ جانتے ہیں کہ تمام وقت یکساں نہیں ہوتے ۔ سلطان نے اس کی اس دور اندیشی کی تعریف کی ، اور واپس لوٹ آیا ۔ راجا کئی منزل تک سلطان کو رخصت کرنے کے لیے ہمرکاب تھا اور اجازت کے بعد واپس ہو گیا ۔

اس کے بعد جو کوئی بادشاہ بھی تخت سلطنت دہلی پر بیٹھا ، اس نے قلعہ کانگڑہ کی فتح کے لیے لشکر بھیجا لیکن کسی کو کامیابی نہ ہوئی ۔

میرے والد بزرگوار نے بھی ایک مرتبہ حسین قلی خاں (۱۵) کی سرداری میں، جسے پسندیدہ خدمات کے صلے میں خان جہاں کا خطاب عطا ہوا تھا، ایک بڑی فوج کے ساتھ فتح کانگڑہ کی مہم پر متعین کیا تھا۔ اس نے وہاں پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اثنائے محاصرہ میں ابراہیم حسین میرزا کی شورش برپا ہو گئی۔ اس حق ناشناس نے گجرات سے بھاگ کر پنجاب میں فتنہ و فساد کا علم بلند کر دیا۔ مجبوراً خانجہاں قلعے کا محاصرہ چھوڑ کر اس فتنہ و فساد کی آگ کو بجھانے کی طرف متوجہ ہو گیا اور قلعے کی فتح کا مسئلہ تعویق میں پڑ گیا۔ ہمیشہ میرے والد کو اس قلعے کے فتح کرنے کا خیال رہتا تھا، لیکن تقدیر کے سامنے کچھ نہ چلتی تھی۔

جب تخت سلطنت اس نیاز مند کے وجود سے آراستہ ہوا تو میں نے فتوحات کے سلسلے میں جن لڑائیوں کا منصوبہ بنایا تھا، ان میں سے ایک قلعۂ کانگڑہ کی تسخیر کی مہم بھی تھی۔ میں نے سب سے پہلے مرتضیٰ خان کو، جو پنجاب کی صوبیداری پر مامور تھا، نبرد آزما اور جنگ جو فوج کے ساتھ اس قلعے کے فتح کرنے کے لیے بھیجا، لیکن ابھی یہ مہم تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ مرتضیٰ خان رحمت حق سے جا ملا۔ پھر اس مہم کی ذمہ داری راجا باسو کے بیٹے جوہر مل[1] نے لی۔ میں نے اسے اس لشکر کا سردار بنا کر بھیجا مگر یہ بد سرشت بغاوت، کفران نعمت اور سرکشی میں پڑ گیا جس کی وجہ سے اس لشکر میں بڑا تفرقہ پیدا ہو گیا اور اس قلعے کی فتح معرض التوا میں پڑ گئی۔ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ یہ ناحق شناس اپنے کیے کی سزا میں گرفتار ہو کر جہنم واصل ہو گیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل اپنے مقام پر گزر چکی ہے۔

بالآخر اس زمانے میں خرم (شاہ جہاں) نے اس خدمت کی ذمہ داری قبول کر کے اپنے ملازم سندر[2] کو پوری تیاریوں کے ساتھ روانہ کیا۔ شاہی امرا میں سے

۱۔ جوہر مل: اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام سورج مل ہے اور یہی صحیح ہے۔ (رک: اقبال نامۂ جہانگیری، مطبوعہ شانتی پریس، الہ آباد)۔

۲۔ اقبال نامۂ جہانگیری میں بجائے سندر کے راجا بکرماجیت کا نام ہے۔ (رک: اقبال نامۂ جہانگیری)۔

بہت سے لوگ اس کی نندد کے لیے متعین کیے گئے ۔ ۲۹ شوال ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) کو اس لشکر نے قلعے کا محاصرہ کر کے قلعے کے اردگرد مورچے قائم کر لیے، اور قلعے کی تمام آمد و رفت کے راستے غور سے دیکھے اور اس کے بعد قلعے کی آمد و رفت اور رسد مسدود کر دی ۔ چنانچہ رفتہ رفتہ محصورین کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور جب غلے کی قسم سے کوئی چیز، جو غذا کا کام دیتی ہے، قلعے میں نہ رہی، تو وہ چار ماہ تک خشک غلے کو نمک کے ساتھ ابال کر کھاتے رہے ۔ آخر جب بھوک سے ہلاکت کی نوبت پہنچی اور راستوں کے مسدود ہونے کی وجہ سے کوئی امید نجات باقی نہ رہی، تو محصورین نے امان طلب کر کے قلعہ شاہی لشکر کے حوالے کر دیا اور یکم محرم ۱۰۳۰ھ[1] (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن وہ فتح حاصل ہوئی، جو اب تک کسی ذی سطوت بادشاہ کو میسر نہ ہوئی تھی، اور جو کوتاہ بینوں اور ظاہر پرستوں کی نظر میں بعید معلوم ہوتی تھی ۔ یہ فتح اللہ تعالیٰ نے محض اپنے لطف و کرم سے اس نیاز مند کو عطا فرمائی ۔ جن لوگوں نے اس مہم میں کارہائے نمایاں انجام دیے تھے، وہ اپنی استعداد [320] اور قابلیت کے مطابق اضافۂ منصب و مراتب سے سرفراز ہوئے ۔

۱۱ ماہ آذر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن خرم کی التجا پر میں اس کے گھر گیا جو اس نے نیا بنایا تھا ۔ اس کی پیش کش میں سے جو چیزیں مجھے پسند آئیں، وہ میں نے لے لیں، جن میں سے تین ہاتھی شاہی فیل خانے میں داخل کیے گئے ۔

عبدالعزیز خاں نقش بندی کا فوج داری کانگڑہ پر تقرر :

اسی دن میں نے عبدالعزیز خاں نقش بندی کو قلعۂ کانگڑہ کے نواحی علاقوں کی فوج داری پر مامور کیا اور اس کا منصب دو ہزاری ذات و پانصدی سوار کرنے کا حکم دیا ۔

۱- سرسید ایڈیشن میں یہ سنہ ۱۰۳۱ھ مندرج ہے، لیکن یہ سہو کتابت ہے ۔ فتح کانگڑہ کا صحیح سنہ ۱۰۳۰ھ ہے، وہی ہم نے متن میں درست کر دیا ہے ۔

اعتقاد خاں کو شاہی ہاتھی عنایت کیا۔

الف خاں قیام خانی کو کانگڑے کے قلعے کی حفاظت اور نگرانی پر مامور کیا اور اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و پانصدی ذات و ہزار سوار کر دیا اور مرتضیٰ خاں کے رشتے دار شیخ فیض اللہ کو اس کا نائب مقرر کیا کہ وہ قلعے کے بالائی حصے پر مقیم رہے۔

۱۳ ماہ آذر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو ہفتے کی رات کو چاند گرہن ہوا! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بکمال عقیدت شرائط نیاز مندی بجا لا کر وقت کی مناسبت سے فقرا، مساکین اور مستحقین میں نقد و جنس بطور خیرات و صدقہ تقسیم کیے۔

زنبل بیگ کا شرفِ حضوری :

اسی زمانے میں شاہ ایران کے ایلچی زنبل بیگ دولت آستاں بوسی سے سر بلند ہوا اور کورنش بجا لا کر شرف حضوری حاصل کیا اور اس برادر والا قدر کا خط پیش کیا جو یگانگت و کمال محبت کے جذبات پر مشتمل تھا۔ اس نے بارہ عباسی[۱] نذر کرنے کے علاوہ چار گھوڑے مع ساز و سامان، تین سفید باز، پانچ خچر، پانچ اونٹ، نو کمانیں اور نو تلواریں نذر دیں۔ شاہ ایران نے اسے خان عالم کے ساتھ روانہ کیا تھا، لیکن وہ بعض ضروری امور کی وجہ سے اس کے ہمراہ نہ رہ سکا، اور آج کی تاریخ وہ دربار میں حاضر ہوا۔ میں نے اسے خلعت فاخرہ، جیغہ اور طرۂ مرصع اور خنجر مرصع عنایت کیا۔ وصال بیگ اور حاجی بیگ نے جو اس کے ساتھ آئے تھے، حاضری کی سعادت حاصل کی۔

مہابت خاں کے بیٹے امان اللہ کو اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری و ہزار و ششصد سوار کے منصب سے سر بلند کیا۔

مہابت خاں کے التماس پر مبارز خاں افغان کا منصب بڑھا کر اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری ذات و ہزار و ہفت صد سوار کر دیا۔

کبک[۲] کے منصب میں بھی سو سواروں کا مزید اضافہ کیا۔

۱- عباسی: شاہ عباس کے زمانے کا ایرانی سکہ۔
۲- بیورج کا خیال ہے کہ یہ نام کتک ہے۔ (رک: بیورج، ۲، ص ۱۸۷)

عبداللہ خان اور لشکر خان کو موسم سرما کے خلعت عنایت کیے۔

قاسم خان کی التجا پر میں اس کے باغ میں گیا، جو سوادِ شہر میں واقع ہے اور راستے میں دو ہزار چرن[1] نچھاور کیے۔ اس کے پیش کش میں سے ایک عدد لعل، ایک عدد ہیرا اور بعض کپڑے جو مجھے پسند آئے لے لیے۔

آگرے کی طرف روانگی:

۲۱ ماہ آذر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو اتوار کی شب میں فتح و کامرانی کے ساتھ پیش خانہ دارالخلافہ آگرہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ برقنداز خان کو دکن کے لشکر کے توپ خانے کا داروغہ مقرر کیا گیا۔ شیخ اسحاق کو کانگڑے کی خدمت سے سرفراز کیا گیا۔

الہداد افغان کے بھائی کو قید سے نکال کر دس ہزار روپے بطور انعام دیے اور ایک سفید باز خرم کو عنایت کیا۔

۲۶ ماہ آذر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کو دستور کے مطابق جشن منعقد کیا۔ شاہ ایران کے تحائف جو انہوں نے زابل بیگ ایلچی کے ہاتھ بھیجے تھے، نظر سے گزرے۔

سلطان حسین کو ہاتھی عنایت کیا۔

ملا محمد کشمیری کو ہزار روپے بطور انعام عنایت کیے۔

مہابت خان کی سفارش پر سردار خان افغان کا منصب ہزاری ذات و چہار صد سوار مقرر کر دیا۔

چونکہ راجا روپ چند گوالیری نے کانگڑے کی مہم میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں، میں نے دیوانیوں کو حکم دیا کہ اس کے وطن کے نصف حصے کو بطور انعام اور بقیہ حصے کو اس کی جاگیر تنخواہ قرار دیں۔

۳ ماہ دے ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو مدار الملک اعتماد الدولہ کی نواسی[2] کا رشتہ فرزند شہریار [321] سے طے کر دیا، اور ایک لاکھ روپے کا نقد و جنس

۱- چرن: چونی"۔

۲- اس کا نام مہرالنساء لاڈلی بیگم تھا، جو نور جہاں کے بطن سے علی قلی استاجلو المخاطب بہ شیر افگن کی بیٹی تھی۔

بطور ساچق کے اس کے گھر بھجوایا . بڑے بڑے امرا اور اکثر عالی مرتبہ ملازمین ساچق کے ہمراہ اعتماد الدولہ کے گھر گئے . اعتماد الدولہ نے ایک شان دار جشن ترتیب دے کر اس میں حد سے زیادہ تکلفات کیے . امید ہے کہ یہ رشتہ مبارک ثابت ہوگا .

چونکہ اعتماد الدولہ نے اپنے گھر کے حدود میں عالی شان عمارتیں اور پُر تکلف نشیمن تعمیر کرائے تھے ، اس لیے اس نے مجھ سے دعوت قبول کرنے کی درخواست کی . میں اس کی دعوت قبول کرکے اہل محل کے ساتھ اس کے گھر گیا . اس نے نہایت عالی شان جشن ترتیب دیا اور ایک پیش کش سلاحظے میں پیش کیا ، جس میں ہر قسم کی اشیا تھیں . میں نے اس کی دلداری کے لیے ان میں سے جو چیزیں پسند آئیں ، لے لیں .

اسی روز پچاس ہزار روپے شاہ ایران کے ایلچی زنبل بیگ کو عطا کیے .

زبردست خان کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزاری ذات و پانصد سوار کر دیا .

قاسم خان کے بھائی مقصود کو پانصدی و سیصد سوار کے منصب سے اور میرزا رستم کے بیٹے میرزا دکنی کو پانصدی و دویست سوار کے منصب سے سرفراز کیا .

دنیا داران دکن کی عہد شکنی :

گذشتہ دنوں جب کہ میں سدا بہار ولایت کشمیر میں عیش و کامرانی کے ساتھ سیرو شکار میں لطف اٹھا رہا تھا ، ممالک جنوبی کے کارپردازوں کی متواتر عرضیوں سے معلوم ہوا کہ میرے دارالخلافہ سے دور رہنے کی وجہ سے دنیاداران دکن نے اپنی بدنصیبی اور کوتہ اندیشی کی وجہ سے اپنے معاہدے کو توڑ دیا اور فتنہ و فساد شروع کر رکھا ہے ، اور اپنے حدود سے بڑھ کر احمد نگر اور برار کے مضافات کے اکثر اقطاع پر قبضہ کر لیا ہے . پھر مکرر عرضداشتیں پہنچیں کہ ان شورہ پشتوں کا داروندار آگ لگانے ، کھیتوں اور چراگاہوں کے ضائع کرنے اور تاخت و تاراج پر ہے . میں جس زمانے میں اپنی فوج جہان کشا کے ساتھ جنوبی ممالک کی تسخیر اور اس بد انجام گروہ کا قلع قمع کے لیے خرم کو ہراول فوج کا سردار مقرر کرکے روانہ ہوا تھا ، تو اس کے برہان پور پہنچنے پر ان لوگوں

نے مذموم تدبیروں اور حیلہ سازی سے ، جو ان فتنہ پردازوں کی سرشت میں داخل ہے ، اس کو سفارشی بنا کر ان شاہی علاقوں کو جن پر وہ قابض ہو گئے تھے ، واگذاشت کر دیا تھا ، اور نقد و جنس کے ساتھ گراں بہا پیش کش دربار میں بھیج کر عہد کیا تھا کہ وہ اطاعت و بندگی کے رشتے کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے اور ادب کے حدود سے باہر قدم نہ رکھیں گے ، جس کی تفصیل میں گزشتہ اوراق میں لکھ چکا ہوں اور یہ بھی تحریر کر چکا ہوں کہ خرم کی التجا پر میں چند روز قلعہ شادی آباد میں ٹھہرا تھا ۔ اور خرم کی سفارش اور ان لوگوں کی آہ و زاری پر رحم کر کے میں نے ان کو بخش دیا تھا ۔ اب جب کہ وہ عہد توڑ کر شیوۂ اطاعت و بندگی سے منحرف ہو چکے ہیں ، تو میں نے پھر شاہی لشکر کو خرم کی سرکردگی میں متعین کیا کہ وہ ان کو ان کی ناشکری اور بدکرداری کی سزا دے ، تا کہ وہ تمام بدبختوں اور شورہ پشتوں کے لیے باعث عبرت ہوں ۔

لیکن چونکہ مہم کانگڑہ اس کے سپرد تھی اور اس نے اپنے تجربہ کار لوگ اس مہم کے لیے روانہ کر دیے تھے ، اس لیے وہ چند روز تک اس معاملے میں توجہ نہ کر سکا ، یہاں تک کہ پے در پے عرضیاں پہنچنے لگیں کہ دشمن قوی ہو رہا ہے ، اور اس نے تقریباً ساٹھ ہزار اوباش سوار اپنے گرد اکٹھے کر لیے ہیں ، اور شاہی علاقے کے اکثر حصوں پر قبضہ کر لیا ہے ، اور جہاں کہیں ہماری چوکیاں تھیں ان پر قبضہ کر کے قصبہ مہکر تک جا پہنچا ہے ۔ وہاں تین ماہ تک شاہی فوجیں دشمن کے ساتھ برسر پیکار رہیں ، اس عرصے میں تین گھمسان کی جنگیں ہو چکی ہیں اور ہر مرتبہ جاں نثار شاہی فوجوں کا پلہ ان بدبختوں اور مردودوں پر بھاری رہا ، لیکن چونکہ کسی راستے سے غلہ اور جنس شاہی لشکر کو نہیں پہنچ سکتا تھا اور دشمن چاروں طرف سے شاہی لشکر گاہ کے اطراف لوٹ مار کر رہے تھے اس لیے شاہی لشکر پر غلے کی تنگی [322] انتہا کو پہنچ گئی اور چوپائے چارہ نہ ملنے کی وجہ سے نحیف و لاغر ہو گئے ۔ مجبوراً شاہی لشکر بالا گھاٹ سے نیچے اتر کر بالا پور میں مقیم ہو گیا ۔ اس عمل سے دشمنوں کا حوصلہ اور بڑھ گیا اور وہ بالا پور کے اطراف میں آ کر لوٹ مار میں مشغول ہو گئے ، اس موقع پر شاہی لشکر نے چھ سات ہزار بہترین سوار چن کر دشمنوں کے پڑاؤ پر جہاں ان کی ساٹھ ہزار فوج جمع تھی ، حملہ کر دیا ۔ مختصر یہ کہ فریقین میں بڑی سخت جنگ ہوئی اور دشمنوں کا فوجی ٹھکانہ تباہ ہو گیا

اور شاہی لشکر بے شمار دشمنوں کو قتل اور قید کرکے صحیح سلامت مال غنیمت کے ساتھ لوٹ آیا۔ لوٹتے وقت پھر یہ بدبخت اطراف سے ہجوم کرکے جنگ کرتے ہوئے شاہی لشکر تک آ گئے۔ اس جنگ میں دونوں فریقین کے تقریباً ہزار آدمی مارے گئے۔ اس جنگ کے بعد چار ماہ تک شاہی لشکر بالا پور میں مقیم رہا، جب غلّے کی تنگی انتہا کو پہنچ گئی تو شاہی لشکر کے اکثر ملازم بھاگ کر دشمنوں سے جا ملے۔ اس طرح شاہی لشکر کے ملازموں کی ایک جماعت مسلسل بے راہ روی اختیار کرکے دشمنوں کے زمرے میں شامل ہوتی رہی، اس بنا پر شاہی لشکر کے امرا نے یہی بہتر سمجھا کہ وہاں قیام نہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ شاہی لشکر کو لے کر برہان پور آ گئے۔ پھر دشمن کے لشکر نے پیچھے سے آ کر برہان پور کا محاصرہ کر لیا، اور غنیم کا یہ لشکر چھ ماہ تک برہان پور کا محاصرہ کیے پڑا رہا۔ اس عرصے میں وہ برار اور خاندیس کے اکثر پرگنوں اور رعایا اور زیردستوں پر دست ظلم و تعدی دراز کرکے محصول وصول کرنے لگے، چونکہ شاہی لشکر نہایت زحمت اور تکلیف اٹھا چکا تھا اور چوپائے نحیف و لاغر ہو چکے تھے، اس طرح وہ اس قابل نہ تھے کہ شہر سے باہر نکل کر دشمنوں کی سرکوبی کریں اور لوگوں کو محصول دینے سے روکیں۔ اس وجہ سے دشمن کا غرور و نخوت اور حوصلہ و جرأت اور بڑھ گیا تھا۔

جب یہ حالات پیش آ رہے تھے تو اسی زمانے میں میں کشمیر سے دارالخلافہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا اور اسی زمانے میں خدا کے فضل سے کانگڑہ فتح ہوا۔

اس بنا پر میں نے ۴ ماہ دے ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ء) جمعہ کے دن خرم کو خلعت، مرصّع شمشیر اور ہاتھی عنایت کرکے دکن کی طرف روانہ کر دیا۔ نورجہاں بیگم نے بھی اسے ہاتھی مرحمت کیا۔ رخصت کے وقت میں نے اسے حکم دیا کہ دکن کو فتح کرنے کے بعد وہ دو کروڑ دام[1] مفتوحہ علاقے سے بطور انعام حاصل کرے۔

اس مہم کے لیے اس کے ساتھ چھ سو پچاس منصب دار، ایک ہزار احدی، ایک ہزار برق انداز رومی، ایک ہزار پیادہ توپچی، علاوہ ان اکتیس ہزار سواروں کے جو پہلے سے وہاں موجود تھے، روانہ کیے۔ ایک بڑا توپ خانہ اور

۱۔ اقبال نامہ میں چھ کروڑ دام درج ہیں۔ (رک: بیورج ۲، ص ۱۹۰)۔

کئی ہاتھی بھی اس کے ساتھ کیے گئے، اور لشکر کے لیے بطور مدد خرچ کے ایک کروڑ روپیہ بھی اُسے عنایت کیا، جو شاہی اُمرا اور ملازمین اُس کے ساتھ مقرر کیے گئے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو بھی ان کی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق گھوڑے، ہاتھی اور سروپا سے سرفراز کیا۔

آگرہ کی طرف روانگی :

اسی مبارک اور نیک ساعت میری سواری دارالخلافہ آگرہ کی طرف روانہ ہوئی، اور نوشہرہ میں پہنچ کر قیام کیا۔

محمد رضا جابری بدایونی کو صوبہ بنگال کی دیوانی پر اور خواجہ ملکی کو اسی صوبے کی بخشی گری پر مقرر کرکے ان کے مناصب میں اضافہ کیا۔

رانا کرن کے بیٹے جگت سنگھ نے اپنے وطن سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔

۶ ماہ دے ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ء) کو راجا ٹوڈر مل کے تالاب کے کنارے نزول اجلال کیا اور چار روز یہاں قیام رہا۔

ان ہی دنوں چند منصب دار جو فتح دکن کی خدمت پر مامور کیے گئے تھے، حسب ذیل تفصیل کے ساتھ منصب کے اضافوں سے سرفراز ہوئے۔

زاہد خاں کا منصب جو ہزاری و چہار صد سوار تھا، ہزاری و پانصد سوار کر دیا گیا۔

ہردے نارائن ہاڈہ کو اصل و اضافے کے ساتھ نُہ صدی و شش صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

خان دوراں کے بیٹے یعقوب کو ہشت صدی و چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

اسی طرح اکثر ملازمین اپنی قابلیت اور استعداد کے مطابق اضافہ [323] منصب سے سرفراز ہوئے۔

معتمد خاں کو دکن کی بخشی گری اور واقعہ نویسی کی خدمت سے سرفراز کرکے توغ (علم) عنایت کیا۔

کماؤں کے راجا لچھمی چند کا پیش کش جو باز ، بہری اور دوسرے شکاری جانوروں پر مشتمل تھا ، میری نظر سے گزرا ۔

رانا کرن کے بیٹے جگت سنگھ کو خاص گھوڑا زین سمیت عطا کر کے دکن کے لشکر کی کمک کے لیے بھیجا ۔

راجا روپ چند کو ہاتھی اور گھوڑے سے سرفراز کر کے اُس کی جاگیر پر جانے کی اجازت دی ۔

خان جہاں کا ملتان کی صوبے داری پر تقرر :

۱۲ ماہ دے ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو فرزند خان جہاں[۱] کو صوبے داریِ ملتان سے سرفراز کر کے رخصت کیا اور اُسے نادری سروپا ، مرصع خنجر ، سازوسامان سمیت خاص ہاتھی اور ایک ہتھنی ، اور خدنگ نامی خاص گھوڑا اور دو دست باز عنایت کیے ۔

سید ہزبر خاں کا منصب جو ہزاری و چہار صد سوار تھا ، اُسے بڑھا کر پانصدی و دویست کا اضافہ کر کے خان جہاں کے ہمراہ رخصت کیا ۔

محمد شفیع کو صوبۂ ملتان کی بخشی گری اور واقعہ نویسی سے سرفراز کر کے روانہ کیا ۔

بھوال (بھاول) کو جو میرے قدیم ملازموں میں سے ہے ، توپ خانے کی داروغگی اور راے کے خطاب سے ممتاز کیا ۔

۱۳ دے ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو دریاے گوبند وال کے کنارے میں لشکر شاہی کے ساتھ ٹھہرا ، اس منزل میں چار روز تک قیام رہا ۔

مہابت خاں کو جے سنگھ نامی ایک خاص ہاتھی اور ایک ہتھنی صفیا نامی ملازم کے ہاتھ روانہ کی ۔ اس کے علاوہ صوبۂ بنگش کے امرا کے لیے عیسیٰ بیگ کے ہاتھ خلعت روانہ کیے ۔

۱۷ دے ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو وزن جشن قمری منایا ۔

۱۔ خان جہاں لودھی ولد دولت خاں لودھی شاہو خیل ، متوفی ۱۰۴۰ھ ۔ (رک : مآثرالامرا ، ۱ ، ص ۷۲۶-۷۳۲) ۔

چونکہ معتمد خاں کو دکن کے لشکر کی بخشی گری پر متعین کیا گیا تھا ، لہذا اس کی جگہ عرض مکرر کی خدمت پر میں نے خواجہ قاسم کو مقرر کیا ۔ میر شرف کو احدیوں کی بخشی گری سے اور فاضل بیگ کو صوبۂ پنجاب کی بخشی گری سے سرفراز کیا ۔

عبدالعزیز خاں کا قندھار کی قلعہ داری پر تقرر :

چونکہ بہادر خاں حاکم قندھار کئی مرتبہ آنکھ کے درد کی بیماری کا عذر پیش کر کے آستان بوسی کے لیے حاضر ہونے کی استدعا کر چکا تھا ، اس لیے میں نے ان ہی دنوں قندھار کی حکومت اور حفاظت عبدالعزیز خاں کے سپرد کرنے کا فرمان جاری کیا اور بہادر خاں کے نام فرمان جاری کیا کہ میرا یہ فرمان جس وقت اسے ملے وہ قلعے کو عبدالعزیز خاں کے سپرد کر کے میری خدمت میں روانہ ہو جائے ۔

۲۱ ماہ دے ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ء) کو میرا ورود نور سرا میں ہوا ۔ یہاں نور جہاں بیگم کے وکلا نے ایک عالی شان سرائے اور ایک شاہانہ باغ تعمیر کرایا تھا ۔ جس زمانے میں کہ میں اس مقام پر پہنچا تو یہ عمارت مکمل ہوئی تھی ، اس لیے بیگم نے ضیافت کی التجا کر کے ، ایک شاندار مجلس ترتیب دی اور نہایت تکلفات کیے ، اور انواع و اقسام کی نفیس اور نادر چیزیں بطور پیش کش گزرانیں ، اس کی دلداری کی خاطر جو چیزیں مجھے پسند آئیں ، وہ میں نے لے لیں ۔ دو روز تک اس منزل میں قیام رہا ۔ صوبۂ پنجاب کے متصدیوں کو حکم دیا کہ وہ دو لاکھ روپے علاوہ ان ساٹھ ہزار روپے کے جن کا میں پہلے حکم دے چکا ہوں ، قلعۂ قندھار کی رسد کے لیے روانہ کریں ۔

صوبۂ پنجاب کا دیوان میر قوام الدین خلعت حاصل کر کے لاہور روانہ ہوا ۔

قاسم خاں کو کانگڑے کے قرب و جوار کے سرکشوں کی تنبیہ و تادیب اور اس علاقے کے نظم و ضبط کو قائم رکھنے کے لیے روانہ کیا ۔ رخصت ہوتے وقت خاص نادری ، گھوڑا ، خنجر اور ہاتھی اسے عنایت کیا ، اور اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری ذات و ہزار و پانسو سوار مقرر کیا ۔

قاسم خاں کی التجا پر راجا سنگرام کو سروپا ، گھوڑا اور ہاتھی عنایت کر کے اس کے ساتھ روانہ کیا ۔

اسی زمانے میں باقر خاں نے ملتان سے آکر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔

سرہند میں قیام :

یکم بہمن ماہ الٰہی ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن شہر سرہند کے باہر نزول اجلال کیا۔ ایک روز یہاں قیام رہا اور باغ کی سیر سے لطف اندوز ہوا۔

۴ بہمن ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو اتوار کے دن خواجہ ابوالحسن کو فتح دکن کی مہم پر روانہ ہونے کی اجازت دی اور اسے خلعت، نادری، خاص شال، صبحدم نامی ہاتھی، علم اور نقارہ عنایت کیا۔

معتمد خاں کو [324] بھی خلعت صبح صادق نامی خاص گھوڑا عنایت کرکے رخصت کیا۔

۷ ماہ بہمن ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو قصبہ مصطفیٰ آباد کے نزدیک دریائے سرسوتی کے کنارے قیام کیا۔

دوسرے دن اکبر پور[1] میں ٹھہرا۔ اور وہاں سے دریائے جمنا میں کشتی میں بیٹھ کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا۔

اس دن عزت خاں چاچی[2] نے اس علاقے کے فوجدار کے ساتھ حاضر ہوکر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔

محمد شفیع کو ملتان رخصت کیا اور رخصت کرتے وقت گھوڑا، خلعت اور نور شاہی مہر عنایت کی اور اس کے ہاتھ خاص پگڑی فرزند خان جہاں کو روانہ کی۔

کیرانہ میں قیام :

اکبر پور سے روانہ ہوکر پانچ کوچ و قیام کرکے پرگنہ کیرانہ میں جو مقرب خاں کا وطن ہے، نزول اجلال ہوا۔ اس کے وکلا نے اکیانوے یاقوت اور

۱۔ اکبر پور متھرا سے شمالی مغربی جانب ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ (رک: بیورج، ص ۱۹۳)۔

۲۔ بعض جگہ یہ خافی لکھا ہے یعنی خواف کا باشندہ۔ (بیورج، ص ۱۹۳)۔

چار ہیرے بطور پیش کش اور ہزار گز مخمل بصیغۂ پا انداز مقرب خان کی عرض داشت کے ساتھ پیش کی ، اور سو اونٹ صدقے کے لیے پیش کیے ۔ میں نے حکم دیا کہ اونٹ مستحقین میں تقسیم کر دیے جائیں ۔

دہلی میں قیام :

کیرانہ سے پانچ کوچ کرنے کے بعد دارالملک دہلی میں نزول اجلال ہوا ۔ اعتماد رائے کے ہاتھ فرزند اقبال مند شاہ پرویز کو خاص فرجی روانہ کرتے ہوئے اسے ہدایت کی کہ وہ ایک ماہ کے عرصے میں واپس ہوکر حاضر خدمت ہو جائے ۔

حوض شمسی کے کنارے قیام :

دو روز سلیم گڑھ میں قیام کر کے ۲۳ ماہ بہمن ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۰ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن شکار کے ارادے سے پرگنۂ پالم کی طرف جاتے ہوئے شہر دہلی کے درمیان سے گزرا ، اور شمسی محل کے حوض کے کنارے قیام کیا ۔ راستے میں چار ہزار چرن (چونیاں) اپنے ہاتھ سے نچھاور کیں ۔

افتخار خاں کے بیٹے الہ یار (۱۶) کا بنگال سے بھیجا ہوا پیش کش جو بائیس ہاتھیوں اور ہتھنیوں پر مشتمل تھا ، نظر سے گزرا ۔

ذوالقرنین ارمنی کے حالات زندگی[1] :

ذوالقرنین کو سانبھر کا فوجدار مقرر کیا ، یہ اسکندر ارمنی کا بیٹا ہے ۔ اس کے باپ کو حضرت عرش آشیانی کی خدمت بجا لانے کی سعادت حاصل تھی ۔ اس کی شادی حضرت عرش آشیانی نے عبدالحی ارمنی کی بیٹی سے کرائی تھی جو شبستان شاہی کے خدمت گزاروں میں شامل تھی ۔ اس کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے ۔ ایک یہی ذوالقرنین ہے جو علم و فہم کے ساتھ خدمت گذاری کا جذبہ بھی رکھتا ہے ، میری حکومت کے زمانے میں دیوانیان عظام[2] نے خالصہ نمک کی

۱- ذوالقرنین آرمینیہ کا باشندہ تھا ۔ وارث قدسی نے بادشاہ نامے میں اس کا ذکر کیا ہے ۔ (بیورج ، ص ۱۹۴) ۔

۲- دیوانیان عظام سے مراد محکمۂ مال گزاری و مالیات کے سربراہ ۔ مں (رک : دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی ، ص ۲۱۳) ۔

کان کی خدمت اس کے سپرد کی تھی اور وہ اس خدمت کو بہتر طریقے پر انجام دے رہا تھا۔ اس زمانے میں وہ اس علاقے کی فوج داری سے سرفراز ہوا۔ ہندی راگوں سے اسے شغف ہے اور اس فن میں صحیح سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔ اس کی تصنیف کی ہوئی راگ اور راگنیاں کئی مرتبہ میں نے سنیں اور مجھے اس کا گانا پسند آیا۔

لعل بیگ کو نورالدین قلی کے تبادلے کی وجہ سے داروغگی دفتر کی خدمت پر سرفراز کیا۔

نواح پالم میں چار روز شکار کھیلنے کے بعد میں سلیم گڑھ لوٹ آیا۔

۲۹ بہمن ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو ابراہیم خاں فتح جنگ کا پیشکش جو الیس ہاتھیوں، دو خواجہ سراؤں، ایک غلام، اکتالیس لڑنے والے مرغوں، بارہ گایوں اور سات بھینسوں پرمشتمل تھا، نظر سے گزرا۔

۳۰ ماہ بہمن مطابق ۲۵ ربیع الاول ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو مجلس وزن قمری منعقد ہوئی۔ میں نے کوکہ خاں کو بعض زبانی پیغام دے کر خانخاناں کے پاس بھجوایا تھا۔ اس زمانے میں وہ خانخاناں کی عرضداشت لے کر میری خدمت میں واپس آیا۔

میر میران کو جسے میں نے میوات کا فوج دار بنا کر بھیجا تھا، اسی تاریخ میں اس نے حاضر ہو کر شرف حضوری حاصل کیا اور سید بہوہ کے تبادلے کی وجہ سے میں نے اسے دارالملک دہلی کی حکومت سے سرفراز کیا۔

شاہ ایران کے ایلچیوں کا شرف حضوری :

اسی تاریخ میں شاہ ایران کے ایلچی آقابیگ اور محب علی نے آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور اس برادر عالی قدر (شاہ ایران) کا خط جو محبت کے جذبات سے بھر پور تھا اور ایک ابلق کلغی، جو انھوں نے میرے لیے بھجوائی تھی، پیش کی۔ جوہریوں نے اس کی قیمت پچاس ہزار روپے [325] اندازہ کی۔

اس کے جیغے میں ایک لعل ٹکا ہوا تھا جس کا وزن بارہ ٹانک تھا۔ یہ لعل میرزا شاہرخ (۱۷) کے بیٹے میرزا الغ بیگ (۱۸) کے جواہر خانے سے منتقل ہوتا

ہوا۔ زمانے کی طویل گردشوں کے بعد خاندان صفویہ میں منتقل ہوا تھا۔ اس لعل پر خط نسخ میں الغ بیگ بن میرزا شاہرخ بہادر کھدا ہوا تھا۔ برادرم شاہ عباس نے حکم دیا کہ اس کے دوسرے گوشے پر بخط نستعلیق «بندۂ شاہ ولایت عباس» کندہ کیا جائے۔ انہوں نے اس لعل کو جیغے میں لگا کر بطور یادگار مجھے بھجوایا تھا۔ چونکہ اس پر میرے آبا و اجداد کے نام ثبت تھے، اس لیے میں نے اسے تیمناً و تبرکاً اپنے لیے مبارک سمجھتے ہوئے داروغہ زرگر خانہ، سعیدائے[1] کو حکم دیا کہ اس لعل کے دوسرے حصے پر جہانگیر شاہ بن اکبر شاہ اور آج کی تاریخ کندہ کرے۔

چند دن کے بعد جب دکن کی فتح کی خبر پہنچی تو میں نے وہ لعل خرم کو بھجوا دیا۔

یکم ماہ اسفندار ۱۰۳۰ ھ (۱٦۲۱ء) کو ہفتے کے دن سلیم گڑھ سے روانہ ہو کر سب سے پہلے حضرت جنت آشیانی انار اللہ برہانہ (شہنشاہ ہمایوں) کے روضے پر پہنچا۔ آداب نیاز مندی بجا لا کر دو ہزار چرن (چونیاں) اس روضۂ مقدس کے مجاوروں کو عنایت کیں۔ دو منزل کے بعد دریائے جمنا کے کنارے سوادِ شہر میں قیام کیا۔

ہزبر خان، جو خان جہاں کی کمک کے لیے مقرر کیا گیا تھا، اسے خلعت، گھوڑا، شمشیر، خنجر اور علم عنایت کر کے رخصت کیا۔ اس کے بھائی سید عالم اور سید عبدالہادی بھی گھوڑے اور خلعت سے سرفراز ہوئے۔ میر برکہ بخاری ، ماوراء النہر رخصت ہوا، رخصت کرتے وقت دس ہزار روپے اس کے حوالے کیے کہ وہ پانچ ہزار روپے خواجہ صالح دہبندی کو دے، جس کا گھرانہ باپ دادا کے زمانے سے ہماری سلطنت کا دعاگو ہے، اور بقیہ پانچ ہزار روپے حضرت صاحبقرانی (امیر تیمور) انار اللہ برہانہ کے مجاوروں میں تقسیم کرے۔

خاص دستار مہابت خان کو بھجوائی اور حکم دیا کہ وہ ابلق دلدان نامی کے فراہم کرنے میں انتہائی جدوجہد کرے اور جس جگہ سے اور جس قیمت پر بھی وہ ملے، اسے حاصل کرے۔

۱۔ سعیدائے گیلانی کا خطاب بے بدل خان تھا۔

شہر دہلی کے ایک کنارے سے دریائے جمنا کے راستے سے کشتی میں بیٹھ کر چھ کوچ کے بعد بندرا بن میں شاہی خیمے لگائے گئے۔

میر میران کو ہاتھی عنایت کر کے دہلی روانہ کیا۔

فدائی خان کے تبادلے کی وجہ سے زبردست خان کو میر توزکی کی خدمت سے سرفراز کیا، پرم نرم خاص اس کو عنایت کی۔

دوسرے دن گوکل محل کے نزدیک نزول اجلال ہوا۔ اس منزل میں دارالخلافہ آگرہ کے حاکم لشکر خاں، میر عبدالوہاب دیوان، راجا نتھمل، خضر خاں حاکم اسیر و برہانپور، اور اس کے بھائی احمد خاں اور قاضی و مفتی اور دوسرے رؤسائے شہر نے حضوری کا شرف حاصل کیا۔

۱۱ ماہ اسفندار ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) باغ نورافشاں (۱۹) میں جو دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے، نزول ہوا۔

آگرے میں داخلہ:

چونکہ شہر میں داخل ہونے کی تاریخ ۱۴ ماہ اسفندار ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) مقرر کی گئی تھی، لہذا تین روز تک اس منزل میں قیام کر کے مبارک اور نیک ساعت میں سوار ہو کر قلعے کی طرف روانہ ہوا اور تبریک اور سلامتیوں کے ساتھ دولت خانے میں آیا۔

سفر پر تبصرہ:

یہ مبارک سفر دارالسلطنت لاہور سے دارالخلافہ آگرہ تک دو ماہ دو روز اور انچاس کوچ اور اکیس مقام کے بعد پورا ہوا۔ اس دوران میں کوئی دن بھی کوچ اور مقام میں بغیر شکار کے نہیں گزرا۔ ایک سو چودہ ہرن اکیاون مرغابیاں، چار بگلے، دس تیتر اور دو سو پودنہ اس راستے میں شکار کیے۔

میری غیر موجودگی کے زمانے میں چونکہ لشکر خان نے میری مرضی کے مطابق آگرہ کے نظم و نسق کو چلایا تھا [326] اس کے منصب کو بڑھا کر اصل و اضافے کے ساتھ اسے چہار ہزاری و دو ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور دکن کے لشکر کی کمک پر متعین کیا۔

سعیدای زرگر کو خطاب :

داروغہ زرگر خانہ سعیدای کو بے بدل خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔
شاہ ایران نے جو چار گھوڑے ، چاندی کے آلات اور کپڑے اپنے ایلچیوں آقا بیگ اور محمد محب علی کے ہاتھ بھیجے تھے ، ان دنوں میری نظر سے گزرے ۔

۲۰ اسفندار ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کا جشن باغ نور منزل میں منعقد ہوا ۔

فرزند شہر یار کو ایک لاکھ روپے بطور انعام عطا کیے ۔

مظفر خان نے میرے حکم پر ٹھٹے سے آ کر حاضری کی سعادت حاصل کی اور سو مُہریں اور سو روپے بطور نذر پیش کیے ۔

لشکر خان ایک لعل پیش کش کے طور پر لایا جس کی قیمت چار ہزار روپے قرار پائی ۔

عبداللہ خان کو ایک خاص گھوڑا مصاحب نامی عنایت کیا ۔

عبداللہ خان کے بیٹے عبدالسلام نے اوڑیسہ سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا ، اور ایک سو مُہریں اور سو روپے بطور نذر گزرانے ۔

دوست بیگ ولد تولک خان کو اصل و اضافے کے ساتھ ہفصدی ذات و چہار صد سوار کے منصب پر ترقی دی ۔

۲۱ ماہ اسفندار ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) جشن مبارک شنبہ باغ نور افشاں میں منعقد ہوا ۔

میرزا رستم کو خلعت خاص اور اس کے بیٹے دکنی نامی کو ایک گھوڑا اور لشکر خان کو ایک گھوڑا اور ایک ہاتھی عنایت کیا ۔

۲۸ ماہ اسفندار ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو جمعہ کے دن شکار کے لیے موضع سمولگر گیا ، اور رات کو لوٹ آیا ۔

آقا بیگ اور محب علی کا پیش کش ، جو سات گھوڑوں اور اُن کے سازوسامان پر مشتمل تھا ، نظر سے گزرا ۔

زنبیل بیگ ایلچی کو ایک مُہر نور جہانی ، جس کا وزن سو تولے تھا ، عنایت کی ۔ صادق خان بخشی کو ایک مرصع قلم دان عنایت کیا ۔

خضر خان فاروقی کو دارالخلافہ آگرہ کا ایک موضع بطور انعام عنایت کیا ۔

سال بھر کی خیرات و صدقات کا میزانیہ :

اس سال پچاسی ہزار بیگھے زمین ، تین ہزار تین سو پچیس خروار غلّہ ، چار گاؤں ، دو پل ، ایک باغ ، دو ہزار تین سو ستائس روپے ، ایک اشرفی ، چھ ہزار دو سو درب ، سات ہزار آٹھ سو اسی چرن (چونیاں) ، ایک ہزار پانسو بارہ تولے سونا اور چاندی اور دس ہزار دام خزانے اور وزن تصدق سے اپنے سامنے فقرا اور مستحقین میں تقسیم کرائے ۔

سال بھر کی پیش کش کے ہاتھی :

اس سال اڑتیس ہاتھی ، جن کی مجموعی قیمت دو لاکھ اکتالیس ہزار روپے قرار پائی ، بطور پیش کش شاہی فیل خانے میں داخل کیے گئے ۔

سال بھر کے ہاتھیوں کی تعداد جو اُمرا و مقربین کو دیے گئے :

اکیاون ہاتھی اُمرا اور مقربین کو دیے گئے ۔

حواشی جشن پانزدہم

(۱) یعقوب : ولد یوسف خان کشمیری ، ۳۲ جلوس اکبری میں اپنے باپ کے بارگاہ اکبر میں آنے کے بعد کشمیریوں کو بغاوت اور شورش پر اُکساتا رہا ۔ جب قاسم خان میر بحر اس صوبے کے لوگوں کی سرکوبی کے لیے متعین ہوا ، تو وہ فاتحانہ سری نگر میں داخل ہوگیا ۔ لیکن یعقوب پھر بھی شیوۂ سرتابی کو اختیار کیے رہا ۔ پھر اُس زمانے میں جب کہ اکبر کشمیر میں تھا ، اور اکبر کی طرف سے اس کی دل جمعی کی گئی تو اُس نے بغاوت کو ترک کرکے آستاں بوسی کا شرف حاصل کیا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۹۹۷)

(۲) یوسف خان کشمیری : ولد علی خان چک مرزبان کشمیر ۔ (رک : ماثرالامرا ، ۳ ، ص ۹۵۳ - ۹۵۷)

(۳) جلال خان (کاکر) : دلاور خان کا دوسرا بیٹا ہے ، جو صوبۂ کابل میں متعین تھا اور جہانگیر کے عہد میں ہزاری ششصد سوار کے منصب تک پہنچا ۔ عہد شاہجہانی کے پہلے سال اضافۂ پانصد سوار سے سرفراز ہوا ۔ ۳۰ جلوس شاہجہانی میرزا خان منوچہر کے ساتھ کوکنار زمیندار دیو گڑھ کے پاس وصول بقایا کے لیے گیا ، جو اس کے ذمے تھا ۔ اس کے بعد سلطان اورنگ زیب کے التماس پر نصیر آباد کا فوج دار و جاگیر دار مقرر ہوا ، ۴ جلوس عالمگیری میں عالم گیر کے حکم سے ہوشنگ آباد کا صوبیدار مقرر ہوا ، جو صوبۂ مالوہ کے مضافات میں ہے ۔

(رک : ماثرالامرا ، ۱ ، ص ۵۳۰ - ۵۳۱) ۔

(۴) جمال خان (کاکر) : دلاور خان کا بڑا بیٹا ہے ۔ یہ شاہجہاں کے زمانے میں مہابت خان کے ساتھ متعین تھا ۔ محاصرۂ دولت آباد کے موقع پر کسی معاملۂ سرکاری میں اس نے کچھ سخت و سست باتیں کہیں ۔ مہابت خان نے کہا کہ جو کوئی سرکاری معاملات میں مداخلت کرے گا ، وہ جوتے

کھائے گا ۔ یہ سن کر جمال خان غصے میں تلوار لے کر اس کے سر پر جھپٹا ، میرزا جعفر نجم ثانی ، جو مہابت خان کے پیچھے ہی بیٹھا ہوا تھا ، اس نے فوراً کود کر جمال خان کو اپنی بغل میں دبا لیا ۔ جمال خان کا لڑکا جو ابھی خورد سال ہی تھا ، دوڑا ، اور اس نے دوڑ کر ایک تلوار کے وار میں میرزا جعفر کا کام تمام کر دیا ۔ خان زمان نے یہ دیکھا تو پھرتی سے دوڑ کر جمال خان کا پاؤں گھسیٹ کر زمین پر گرا کر اس کا کام تمام کر دیا اور دوسرے وار میں اس کے بیٹے کو ختم کر دیا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ۲ ، ص ۱۳)

(۵) راج ترنگی : قدیم راجگان کشمیر کی منظوم تاریخ ہے ۔ یہ سنسکرت زبان میں تھی ۔ اکبر کے ایما پر ملا شاہ محمد شاہ آبادی (ڈورو) نے فارسی میں ترجمہ کیا ، جس پر ملا بدایونی نے نظر ثانی کی ۔ اب راج ترنگی کا اردو اور انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے ۔ سب سے اعلیٰ اور عالمانہ ترجمہ سٹائن کا ہے، اس کے حواشی بڑی محنت سے تیار کیے گئے ہیں ۔ اسی ترجمے اور تعلیقات کو لے کر اچھرو چند نے اردو میں منتقل کیا ہے ۔ رنجیت پنڈت نے بھی راج ترنگی کا رواں اور سلیس مگر شاعرانہ انداز میں ترجمہ کیا ہے ، جو چھپ چکا ہے ۔ (س)

(۶) کشمیر میں مسلمانوں کی حکومت کا آغاز ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ع) میں ہوا ۔ (رک : کشمیر ، ۱ ، ص ۱۳۰) ۔

اس حکومت کے عہد اکبری تک حسب ذیل بادشاہ ہوئے ۔

نام	تخت نشینی	وفات
۱- صدرالدین (رن چانا)	۷۲۰ھ (۱۳۲۰ع)	۲۵ نومبر ۷۲۳ھ (۱۳۲۳ع)[۱]
۲- حیدر خاں (اتالیق شہمیر)	۷۲۳ (۱۳۲۳ع)	۷۴۰ھ (۱۳۳۹ع)[۲]

۱- کشمیر ، ۱ ، ص ۱۲۴ ، صوفی ۔

۲- ایضاً ، ص ۱۲۶ ۔

۳- سلطان شمس الدین شہمیر ۷۴۰ھ (۱۳۳۹ء) ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء)[1]
(تاریخ وفات شہمیر :
آیندہ شمس باز زیر سحاب

۴- سلطان جمشید بن شہمیر ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) ۷۴۹ھ (۱۳۴۸ء)[2]
۵- سلطان علاءالدین ۱۳۴۸ء (۷۴۹ھ) ۱۳۵۹ء (۷۶۰ھ)[3]۔
برادر جمشید تاریخ وفات : ہاتفے گفت سکانش فردوس (۷۶۱ھ)
۶- سلطان شہاب الدین
بن علاءالدین (نام سیامیک) ۔ ۱۳۶۰ء (۷۶۳ھ) ۱۳۷۸ء (۷۸۰ھ)[4]۔
۷- سلطان قطب الدین ۱۳۷۸ء (۷۸۰ھ) ۱۳۹۴ء (۷۹۷ھ)[5]۔
(نام ہندال) ۔
۸- سلطان سکندر بت شکن ۷۹۶ھ (۱۳۹۳ء) ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء)۔
(نام آشکارا)
بن سلطان قطب الدین تاریخ وفات : فوت سکندر[6] = ۸۲۰ھ :
۹- سلطان علی شاہ بن ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) ۸۲۶ھ (۱۴۲۲ء)[7]۔
سلطان سکندر

۱۰- سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ (۱۴۲۲ء) ۸۷۹ھ (۱۴۸۴ء)[8]۔
(ولادت) ۷۸۸ھ (۱۳۸۳ء)

۱- نگارستان کشمیر ، مولفہ قاضی ظہور الحسن سہواروی ، مطبوعہ جید برق پریس ، ص ۱۴۶ ۔
۲- ایضاً ص ۱۴۶ ۔
۳- نگارستان کشمیر ، ص ۱۴۶ ۔
۴- ایضاً ، ص ۱۴۶ - ۱۴۸ ۔
۵- ایضاً ، ص ۱۴۹ ۔
۶- ایضاً ، ص ۱۴۹ - ۱۵۶ ۔
۷- ایضاً ، ص ۱۵۷ ۔
۸- ایضاً ، ص ۱۵۸ - ۱۶۵ ۔

١١- سلطان حیدر ابن زین العابدین ٨٧٩ھ (١٤٧٤ع) ٨٨٠ھ (١٤٧٥ع)[١] ۔
(نام حاجی خان) ۔

١٢- حسن شاہ بن سلطان حیدر ٨٨٠ھ (١٤٧٥ع) ٨٩٣ھ (١٤٨٧ع)[٢] ۔
(حسن خان نام)

١٣-١٤- محمد شاہ و فتح شاہ : ان دونوں میں لڑائی رہی ۔ محمد شاہ پانچ مرتبہ اور فتح شاہ تین مرتبہ بادشاہ بنا ۔ فتح شاہ نے ١٥١٨ع (٩٢٤ھ) میں وفات پائی ۔
٩٣٤ھ (١٥٢٧ع) میں کاچی چک نے غلبہ پا کر محمد شاہ کو قید کر دیا[٣] ۔

١٥- سلطان ابراہیم بن محمد شاہ ٩٣٤ھ (١٥٢٧ع) ٩٣٦ھ (١٥٢٩ع)[٤] ۔

١٦- محمد شاہ (بار پنجم) ٩٣٦ھ (١٥٢٩ع) ٩٤٤ھ (١٥٣٧ع)[٥] ۔

١٧- سلطان شمس الدین
بن محمد شاہ (نام ابراہیم) ٩٤٤ھ (١٥٣٧ع) ٩٤٥ھ (١٥٣٨ع)[٦] ۔

١٨- سلطان اسماعیل برادر ٩٤٥ھ (١٥٣٨ع) ٩٤٦ھ (١٥٣٩ع)[٧] ۔
شمس الدین

١٩- سلطان ابراہیم ثانی بن ٩٤٧ھ (١٥٤٠ع) ٩٤٧ھ (١٥٤٠ع)[٨] ۔
اسماعیل

٢٠- نازک شاہ ولد فتح شاہ ٩٤٧ھ (١٥٤٠ع) معزولی ٩٥٨ھ (١٥٥١ع)[٩] ۔

٢١- اسماعیل ثانی بن ابراہیم اول ٩٥٨ھ (١٥٥١ع) مدت حکومت ٣ سال[١٠] ۔

١- نگارستان کشمیر ، ص ١٥٨ - ١٦٥ ۔
٢- ایضاً ، ١٦٦ - ١٦٧ ۔
٣- ایضاً ، ١٦٦ - ١٦٧ ۔
٤- ایضاً ، ص ١٧١ - ١٧٢ ۔
٥- ایضاً ، ص ١٧١ - ١٧٢ ۔
٦- ایضاً ، ص ١٧٢ ۔
٧- ایضاً ، ص ١٧٢ ۔
٨- ایضاً ، ص ١٧٣ ۔
٩- ایضاً ، ص ١٧٣ - ١٧٨ ۔
١٠- ایضاً ، ص ١٧٨ ۔

۲۲- حبیب شاہ (بھانجا غازی چک) مدت حکومت ۱ ماہ ۹ دن. بعد میں محبوس ہوا[1] .

چک فرمانروا

۲۳- غازی شاہ (پوتا حسین چک) حبیب شاہ کو معزول کرکے ۹۶۱ھ (۱۵۵۴ع) میں تخت نشین ہوا. مدت حکومت آٹھ سال، ۱۰ ماہ، ۲۱ دن. مرض جذام میں مبتلا ہوکر حکومت اپنے بھائی کے حوالے کر دی[2] .

۲۴- حسین شاہ برادر غازی شاہ ۹۷۱ھ (۱۵۶۳ع) ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ع) میں اپنے بھائی کے حق میں دست بردار ہوگیا[3] .

۲۵- علی شاہ برادر حسین شاہ ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ع) ۹۸۸ھ (۱۵۷۹ع)[4] . مدت حکومت ۸ سال ۸ ماہ ۳۱ دن .

۲۶- یوسف شاہ بن علی شاہ ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ع) معزولی ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ع)[5] .

۲۷- سید مبارک خاں بیہقی ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ع) معزولی ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ع)[6] .

۲۸- لوہر شاہ (لوہر چک) ولد شنکر چک ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ع) فرار ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ع)[7] .

۲۹- یوسف شاہ ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ع) ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ع)[8] .

۳۰- یعقوب شاہ ولد یوسف شاہ ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ع)

۱- نگارستان کشمیر، ص ۱۷۸ .
۲- ایضاً، ص ۱۷۹ - ۱۸۰ .
۳- ایضاً، ص ۱۸۲ .
۴- ایضاً، ص ۱۸۲ - ۱۸۳ .
۵- ایضاً، ص ۱۸۳ .
۶- ایضاً، ص ۱۸۵ - ۱۸۶ .
۷- ایضاً، ص ۱۸۵ - ۱۸۶ .
۸- ایضاً، ص ۱۸۵ - ۱۸۶ .

اس نے اکبر سے بغاوت کی۔ اکبر نے امیرالبحر قاسم کو اس کی مدافعت کے لیے روانہ کیا۔ یعقوب شاہ قزاقانہ حملے کرتا رہا۔ آخر جمعیت فراہم کر کے حملہ آور ہوا۔ قاسم خاں مقابلہ نہ کر سکا اور اس نے اکبر کے پاس عرض داشت بھیجی۔ اکبر نے ۲۵ ہزار لشکری بسرکردگی یوسف خاں مشہدی روانہ کیے۔ یہاں تک کہ جلوس اکبری کے چونتیسویں سال ۹۹۷ھ میں جب کہ اکبر کشمیر میں تھا یعقوب شاہ نے حاضر ہو کر معافی چاہی۔ اکبر نے اسے بیس ہزار کی جاگیر عطا کی۔ ۱۰۰۱ھ (۹۳ - ۱۵۹۲ء) میں اس کے بھائی نے اسے زہر دے کر مار ڈالا۔ اس مدت میں حسین خاں اور شمس چک کی دو دو چار چار دن کی حکومت کا زمانہ بھی شامل ہے[1]۔ اگر ان دونوں کو شامل کر لیا جائے تو اکبر تک کشمیر کے ۳۲ حاکم ہو جاتے ہیں۔

(۷) مسجد (جامع سکندری): اس مسجد کا بانی سلطان سکندر بت شکن (۷۹۶ھ - ۸۲۰ھ) تھا۔ سکندر نے اس عالی شان مسجد کی بنیاد ۸۰۱ھ (۱۳۹۸ء) میں رکھی اور اس مسجد کی عمارت کی تکمیل ۸۰۴ھ (۱۴۰۱ء) میں ہوئی۔ سلطان زین العابدین بڈشاہ (۸۲۶-۸۷۶ھ) نے اس مسجد کے ساتھ ایک دارالعلم تعمیر کیا اور اس دارالعلم کے اخراجات کے لیے چند دیہات وقف کیے۔

سلطان حسن شاہ (۸۸۰ھ - ۸۹۳ھ): یہ مسجد آگ لگنے سے جل گئی۔ سلطان حسن شاہ نے اس مسجد کو از سر نو تعمیر کیا۔ لیکن وہ مسجد کی تعمیر کے مکمل ہونے سے پہلے مر گیا۔ بقیہ کام ابراہیم بن احمد ماگری نے کرایا۔

۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ء) میں جہانگیر کشمیر میں تھا کہ عین عیدالفطر کے دن مسجد اور اس کے ملحقہ محلے کو آگ لگ گئی۔ جب مسجد جلنی شروع ہوئی تو جہانگیر پیدل بھاگتا ہوا گیا اور عام آدمیوں کی طرح آگ بجھانے میں مصروف ہو گیا۔ انتہائی کوشش کے باوجود مسجد بالکل جل گئی۔ نورجہاں کے ایما اور جہانگیر کے حکم سے ملک حیدر (رئیس الملک) چادوڑہ نے اس مسجد کو دوبارہ تعمیر کرایا اور سات برس میں تعمیر ختم ہوئی۔ مسجد کے جنوبی دروازے پر اس مسجد کے متعدد بار جلنے کا

۱۔ نگارستان کشمیر، ص ۱۹۰-۱۹۱۔

قطعۂ تاریخ درج ہے ۔ یہ کتبہ مشہور خطاط املا مراد زرین قلم کا لکھا ہوا ہے ۔ قطعہ یہ ہے :

نخستیں مسجد جامع ز شہ اسکندر ثانی
عمارت یافت وانگہ سوخت از تقدیر سبحانی
دگر بارہ حسن شاہ آنکہ بود از نسل پاک او
بشد بانئ ایں مسجد ہم از توفیق ربّانی
ولیکن از دو جانب نی ستون آراست و نی سقفش
ز ابراہیم احمد ماگری شد راست تا دانی
ز ہجرت نہ صد و نہ بود تا دور محمد شاہ
کہ این جنت سرا شد زینت دین مسلمانی
بتاریخ ہزار و بیست و نہ از ہجرت سید
بروز عید روزہ سوختہ در نوبت ثانی
ملک حیدر رئیس الملک در عہد جہانگیری
نہاد از نو بنایش باز روز عید قربانی
چو تاریخ بنایش جستم گفتا ہاتف غیبی
نہاد از نو اساسش بازگاہ عید قربانی

۱۰۲۹ھ

عالمگیر کے عہد حکومت میں ایک مرتبہ پھر ۱۰۸۴ھ (۱۶۷۴ع) میں پھر مسجد کے محلے میں آگ لگ گئی ، اور مسجد بھی آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آگئی ۔ عالمگیر نے پھر اس مسجد کو تعمیر کرایا اور تین سال میں یہ مسجد تعمیر ہوئی (رک : نگارستان کشمیر ، ص ۲۶۱-۲۶۸) ۔ (س)

(۸) میر سید علی ہمدانی : (کشمیر کے مشہور بزرگ) جن کی ذات بابرکات کشمیر میں اشاعت اسلام کا بڑا ذریعہ تھی ۔ ولادت : ۱۲ رجب ۷۱۴ھ (۱۲ اکتوبر ۱۳۱۴ع) مقام ہمدان ۔ پہلی آمد از ایران بکشمیر ۷۷۱ھ (۱۳۶۹ع) دوسری مرتبہ بقول تاریخ اعظمی ۷۸۱ھ میں تشریف لائے ، تیسری مرتبہ آپ ۷۸۵ھ (۱۳۸۳ع) میں تشریف لائے ، مگر صحت خراب ہو چکی تھی اس لیے زیادہ عرصے تک قیام پذیر نہ ہو سکے ۔ راستے میں علاقۂ کافرستان میں ۷۲ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی ۔ سنہ وفات : ۷۸۶ھ (۱۳۸۴ع) ۔ مدفن :

ترکستان کا مشہور شہر ختلان ۔ تصانیف : رسالہ نوریہ مجمع الاحادیث ، شرح اسمائے حسنیٰ ، شرح فصوص الحکم ، مرآۃ التائبین ، منہاج العارفین ، ذخیرۃ الملوک ۔ آپ کا سلسلۂ تصوف کبرویہ تھا جو سلسلہ سہروردیہ کی ایک شاخ ہے (رک : حبیب السیر ، ۳ ، جزو ۳ ، ص ۸۷ ۔ نفحات الانس ، جامی ص ۵۱۵ ۔ تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی ، ص ۳۲۵ ۔ خزینۃ الاصفیا ، ۲ ، ۲۷ ۔ رود کوثر ، ص ۴۹۲) ۔

(۹) میرزا حیدر (دوغلات) : چغتائی مغل تھا ، اس کی نانی خوب نگار خانم بابر کی ماں قتلق نگار خانم کی سگی بہن اور یونس خاں کی بیٹی (تھی) ۔ اس کا باپ میرزا محمد حسین تھا جسے منغولستان کے خان اعظم کے یہاں بڑا رسوخ حاصل تھا ۔ وہ ۹۰۵ھ میں تاشقند میں پیدا ہوا ۔ جب ۱۵۰۵ء میں اوزبکوں نے اس کے باپ کو مار ڈالا تو وہ بابر کے پاس چلا آیا ۔ تین چار برس تک بابر کے پاس رہا ، پھر بابر سے اجازت لے کر خان کاشغر کے پاس چلا گیا ۔ اس کے بعد وہ سلطان سعید کی ملازمت میں داخل ہوا ۔ اس کی وفات کے بعد ہمایوں کے پاس آیا ۔ لاہور میں وہ ہمایوں کے دربار میں باریاب ہوا ۔ جب شیر شاہ کے ہاتھوں ہمایوں کو شکست ہوئی تو میرزا حیدر نے ہمایوں کو بجائے ایران جانے کے کشمیر پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا ، لیکن اس کا مشورہ قبول نہ ہوا ۔ البتہ میرزا کو کشمیر جانے کی اجازت مل گئی ۔ وہ ۹۴۷ھ میں کشمیر میں داخل ہوا اور کشمیر پر قابض ہو گیا اور پورے دس سال تک کشمیر میں نازک شاہ کے اتالیق مدار المہام کی حیثیت سے حکمرانی کرتا رہا اور کشمیر کو ہر شعبے میں غیر معمولی ترقی دی ۔

میرزا حیدر کو بعض خوشامدی خود غرض مشیروں کے باعث سخت مشکلات سے دو چار ہونا پڑا ۔ آخر وہ ان کا مقابلہ کرتا ہوا ۹۵۸ھ میں مارا گیا ۔ کسی شاعر نے اس کی تاریخ وفات یہ کہی ہے :

شہ گورگان میرزا حیدر آخر
بملک شہادت زدہ کوس شاہی
قضای الٰہی چنین بود تاریخ
شدہ بہر وصلش قضائے الٰہی

میرزا حیدر کو مزار السلاطین میں دفن کیا گیا. مزار السلاطین میں تقریباً تمام سلاطین کشمیر ابدی نیند سو رہے ہیں اور یہ زینہ کدل کے نزدیک ہے. میرزا حیدر دوغلات کی گراں بہا تالیف تاریخ رشیدی ہے. یہ مغولان وسط ایشیا کی مستند تاریخ ہے. اس تاریخ کا نام کاشغر کے بادشاہ عبدالرشید خاں کے نام پر تاریخ رشیدی رکھا گیا (رک : اکبر نامہ، ۱، ص ۱۹۸ - تزک بابری (ترجمہ) میرزا اعظم شاہ گورگانی، مطبوعہ دہلی، ص ۱۱۱ - تاریخ حسن قلمی ۲). (س)

(۱۰) نور بخشی : اس سے مراد حضرت شیخ نورالدین ولی کے مقلدین ہیں. شیخ نورالدین ولی کشمیر کے نامور بزرگ ہیں. آپ کا مزار چرار شریف میں ہے. (س)

(۱۱) اس قلعے کی تعمیر ۱۰۰۶ھ میں شروع ہوئی اور کم و بیش دس سال کے عرصے میں اس کی عمارت مکمل ہوئی. اس کی تعمیر پر ایک کروڑ دس لاکھ روپے صرف ہوئے. تاریخ اعظمی میں ہے کہ قلعے کے علاوہ کوہ ماران پر شاہی محلات تعمیر ہوئے تھے. اس قلعے کی عالیشان فصیل کے ایک تنگ دروازے پر یہ قطعۂ تاریخ درج ہے :

بنای قلعۂ ناگر نگر کوٹ
بحکمِ پادشاہِ داد گستر
کرور و دہ لک از مخزن فرستاد
دو صد استاد ہندیٔ جملہ چاکر
نکردہ ہیچ کس بیگار آنجا
تمامی یافتند از مخزنش زر
چہل چار از ظہور پادشاہی
ہزار و شش ز تاریخ پیمبر

(۱۲) بادشاہ بانو : کا اصل نام صالح بانو ہے، وہ قائم خاں کی بیٹی تھی. اُسے بادشاہ محل کا خطاب عطا ہوا تھا. اسی نام سے وہ مشہور تھی. (رک : بلاخ مین ۱، ص ۱۲۳ - منتخب اللباب ۱، ص ۵۵۵). (س)

(۱۳) ہاشم خان : ولد قاسم خان میر بحر ۔ جب اس کا باپ ۳۰ جلوس اکبری میں کابل میں مارا گیا اور وہاں کا صوبے دار قلیج خان مقرر ہوا تو یہ بارگاہِ اکبری میں پہنچا اور شاہی نوازشوں سے نوازا گیا ۔ ۴۱ جلوس اکبری کو میرزا رستم قندھاری کے ساتھ راجا باسو کی تادیب کے لیے روانہ کیا گیا ۔ ۴۴ جلوس اکبری میں شیخ فرید بخشی کے ساتھ قلعۂ اسیر کی تسخیر کے لیے مقرر ہوا ۔ ۱ جلوس جہانگیری میں اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری ذات و دو ہزار سوار کے منصب سے اور اوڑیسہ کی صوبے داری سے سرفراز ہوا ۔ ۵ جلوس جہانگیری میں حکومت کشمیر سے غائبانہ سرفراز ہوا اور اس کے نائب کی حیثیت سے اس کا چچا محمد حسین مقرر ہوا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ۳ ، ص ۹۳۰ - ۹۳۱) ۔

(۱۴) موسوی خان (صدر) : مشہد کے سادات میں سے تھا اور یوسف خان رضوی کا قریبی عزیز تھا ۔ عہدِ جہانگیری میں یہ جہانگیر سے روشناس ہوا ۔ ۱۵ جلوس جہانگیری میں داروغۂ آب دار خانہ مقرر ہوا ۔ شاہجہان کے جلوس کے پہلے سال اصل و اضافے کے ساتھ منصب سہ ہزاری ہفت صد و پنجاہ سوار سے سرفراز ہو کر ''صدارت کل'' سے سر بلند ہوا ۔ موسوی خان نے ۱۷ صفر ۱۰۵۴ھ کو وفات پائی ، (رک : ماثرالامرا ، ۳ ، ص ۴۴۱ - ۴۴۲)

(۱۵) حسین قلی بیگ (خانجہان) : ولد ولی بیگ ذوالقدر ، خواہر زادۂ بیرام خان ۔ اکبری عہد کے اُمرائے پنج ہزاری میں تھا ، وفات : ۹۸۶ھ (رک : ماثرالامرا ، ۱ ، ص ۶۴۵ - ۶۵۳) ۔

(۱۶) الہ یار خان : ولد افتخار خان اپنے والد کی وفات کے بعد جہانگیر کے الطاف و نوازش سے سرفراز ہوا ، جہانگیر کے آخری عہد اور شاہجہان کے جلوس کے پہلے سال دو ہزار و پانصدی کے منصب سے سرفراز ہوا ، اور قدیم دستور کے مطابق بنگال کے کمکیوں پر مقرر ہوا ، الہ یار خان نے ۱۰۶۰ھ میں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ۱ ، ص ۱۸۲ - ۱۸۵)

(۱۷) شاہ رخ میرزا : ولد امیر تیمور گورگان حاکم خراسان ، ماژندران ، سجستان ، اصفہان ، شیراز ، ولادت : پنجشنبہ ۱۴ ربیع الآخر ۷۷۹ھ مقام سمرقند ، تخت نشینی ۸۰۷ھ (۱۴۰۴ع) - ۸۵۰ھ (۱۴۴۶ع) عمر ۷۱ سال ۹ ماہ ۱ روز ،

(شجرۂ مشمولہ ترخان نامہ (امیر تیمور گورگان) مرتبہ سید حسام الدین راشدی) ۔

(۱۸) میرزا الغ بیگ : بن شاہ رخ میرزا از بطن گوہر شاد آغا ، ولادت : یکشنبہ ۱۹ جمادی الاول ۷۹۶ھ/۲۲ مارچ ۱۳۹۴ع : قتل بحکم پسر خود عبداللطیف ۸۵۳ھ/۲۵ اکتوبر ۱۴۴۹ع (شجرہ (J) شاہ رخ میرزا مشمولہ ترخان نامہ مرتبہ سید حسام الدین راشدی ۔

(۱۹) باغ نور افشان یا (رام باغ) : یہ باغ نور جہان بیگم کی یادگار ہے ، جو لب دریا واقع ہے ۔ اس کا رقبہ چالیس بیگہ ، چالیس بسوہ پختہ یا ۲۲ ایکڑ ، ۳ روڈ ۳۲ پول ہے ۔ (رک : مرقع اکبر آباد ، ص ۹۵)

مولهوان جشن نوروز

۲۷ ربیع الآخر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو پیر کے روز آفتاب برج حوت سے خانۂ شرف (برج حمل) میں داخل ہوا اور اپنے نور جہاں افروز سے دنیا اور اہل دنیا کو خوش و خرم اور بہرہ مند کیا . اس طرح اس نیاز مند درگاہ الٰہی کی تخت نشینی کا سولھواں سال تبریک و سلامتی کے ساتھ شروع ہوا . نیک گھڑی اور مبارک زمانے میں میں دارالخلافہ آگرہ میں تخت پر بیٹھا .

سلطان شہریار کو عطائے منصب :

میں نے اس روز سعید میں فرزند سعادت مند شہریار کو ہشت ہزاری و چہار ہزار سوار کے منصب [327] سے نوازا . میرے والد بزرگوار نے بھی پہلی مرتبہ میرے بھائیوں کو اسی منصب سے سرفراز کیا تھا[1] .

حق تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ میرے سایۂ تربیت اور رضاجوئی میں اللہ تعالیٰ ان کو عمر و اقبال کے بلند مدارج پر پہنچائے گا .

اسی روز باقر خاں نے اپنی جمعیت کو فوجی ساز و سامان سے آراستہ کر کے میرے سامنے پیش کیا . بخشیوں نے لشکر کی فہرست قلم بند کر کے عرض کیا کہ اس جمعیت میں ہزار سوار اور دو ہزار پیادے ہیں . میں نے اسے دو ہزاری ذات و ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور آگرے کی فوج داری کی خدمت اس کے سپرد کی .

بدھ کے روز کشتی میں بیٹھ کر باغ نور افشان گیا اور رات کو وہیں آرام کیا . چونکہ یہ باغ نورجہاں بیگم کی سرکار سے متعلق ہے ، اس لیے اس نے ۳ فروردین ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو جمعرات کے دن جشن شاہانہ آراستہ کر کے شاندار

۱- آئین اکبری میں جو اکبر کے چالیسویں جلوس میں تصنیف ہوئی ہے ، سلیم کا منصب دہ ہزاری ، مراد کا ہشت ہزاری اور دانیال کا ہفت ہزاری لکھا گیا ہے . (رک : آئین اکبری ، ۱ ، ۳۰۸ - بیورج : ۲ ، ص ۱۹۹) .

پیش کش جو جواہر اور قسم قسم کے مرصع آلات اور نفیس ساز و سامان پر مشتمل تھا ، پیش کیا ۔ اس میں سے جو اشیا مجھے پسند آئیں ، وہ میں نے لے لیں ۔ ان کی مجموعی قیمت ایک لاکھ روپے قرار پائی ۔

ان ایام میں میں ہر روز دوپہر کے بعد کشتی پر بیٹھ کر شکار کے لیے سمولگر جاتا تھا ، جس کی مسافت شہر سے چار کوس ہے ، اور رات کو دولت خانے واپس آ جاتا تھا ۔

صوبۂ بہار سلطان پرویز کی جاگیر میں :

راجا سارنگ دیو کو فرزند اقبال مند شاہ پرویز کے پاس بھیجا اور اس کے ہاتھ خاص خلعت ، پٹکا جو ایک نیلگوں یاقوت اور کچھ نہایت عمدہ قسم کے یاقوتوں سے مرصع تھا ، اس کے لیے بھجوایا ۔ چونکہ صوبۂ بہار ، مقرب خاں کے تبادلے کی وجہ سے فرزند پرویز کو مرحمت ہوا تھا ، اس لیے میں نے راجا سارنگ کو ہدایت کی کہ وہ شاہزادے کو صوبۂ الہ آباد سے بہار پہنچائے ۔

مظفر حسین کے رشتے دار میر زاہد[1] نے ٹھٹے سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا ۔ میر عضدالدولہ[2] چونکہ بہت بوڑھا اور منحنی ہو چکا تھا اور بڑھاپے کی وجہ سے اپنے لشکر اور جاگیر کا انتظام نہیں کر سکتا تھا ، اس لیے میں نے اسے ان خدمات کی بجا آوری سے معاف کر کے حکم دیا کہ وہ ہر ماہ چار ہزار روپے نقد خزانۂ عامرہ سے حاصل کرے ، اور آگرہ یا لاہور میں جہاں بھی اس کی مرضی ہو سکونت اختیار کر لے ، اور اس طرح مرفہ الحال زندگی بسر کر کے ہماری ازدیاد عمر و اقبال کے لیے دست بدعا رہے ۔

۹ فروردین ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو اعتبار خاں کا پیش کش نظر سے گزرا ۔ جواہر اور کپڑوں کی قسموں میں سے ستر ہزار روپے کا مالیتی سامان لے کر بقیہ میں نے اسے واپس کر دیا ۔

۱- بعض جگہ اس کو مرزا محمد لکھا گیا ہے ۔ (رک : بیورج ، ۲ ، ص ۲۰۰) ۔
۲- عضدالدولہ : میر جمال الدین حسین انجو ، خطاب عضدالدولہ ۔ (مولف فرہنگ جہانگیری) ۔

شاہ ایران کے ایلچیوں کا پیش کش :

شاہ ایران کے ایلچیوں محب علی اور آقا بیگ نے چوبیس گھوڑے ، دو خچر ، تین قطار اونٹ ، سات شکاری کتّے ، سات زربفت کے تھان ، ایک شامہ[۱] عنبر اشہب[۲] ، دو جوڑے قالین اور دو نمدے کے تکیے بطور پیش کش پیش کیے ۔ اس کے علاوہ دو گھوڑیاں ان کے بچھیروں کے ساتھ برادرم شاہ عباس نے ان کے ہاتھ بھیجی تھیں ، پیش کیں ۔

مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن آصف خاں کے التماس پر اہل محل کے ساتھ اس کے گھر گیا ۔ اس نے نہایت شاندار محفل آراستہ کر کے بہت سے نفیس جواہر ، نادر اشیا اور نایاب تحفے میرے سامنے رکھے ۔ میں نے اس کی پیش کی ہوئی چیزوں میں سے وہ چیزیں لے لیں جو مجھے پسند آئیں ۔ ان کی مجموعی قیمت ایک لاکھ تیس ہزار روپے تھی ، بقیہ چیزیں اس کو واپس کر دیں ۔

اوڑیسہ کے حاکم مکرم خاں نے بتیس ہاتھی اور ہتھنیاں بطور پیش کش بھجوائے ، وہ قبول کی گئیں ۔

ایک عجیب و غریب گورخر :

اس زمانے میں ایک عجیب و غریب گورخر میری نظر سے گزرا جو بالکل شیر ببر کی طرح ہے ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ شیر کے خطوط کالے اور زرد ہوتے ہیں اور اس کے خطوط ناک سے لے کر دُم تک اور کان کی لو سے کھروں تک سیاہ و سفید تھے ۔ یہ خطوط اس کے تمام جسم پر چھوٹے اور بڑے نہایت مناسب اور مربوط معلوم ہوتے تھے ۔ آنکھوں کے گرد ایک سیاہ خط نہایت عمدہ دکھائی دیتا تھا ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نقاشِ فطرت نے اپنے سحر نگار موئے قلم سے صحیفۂ روزگار پر اپنا شاہکار بنا کر پیش کیا ہے ۔ چونکہ یہ نہایت عجیب معلوم ہوتا تھا ،

۱- شامہ : ایک گولے کی طرح کی چیز جسے اُمرا و سلاطین ہاتھ میں سونگھنے کے لیے رکھا کرتے تھے ۔

۲- عنبر اشہب : عنبر کی ایک قسم ہوتی ہے جو دوسرے عنبروں سے بہتر ہوتا ہے ۔

اس لیے بعض اہل دربار کو گمان ہوا کہ شاید اس پر اوپر سے رنگ چڑھایا گیا ہے ، لیکن تحقیقات کے بعد یقین ہوگیا کہ یہ رنگ [328] قدرتی ہے . چونکہ یہ ایک نادر تحفہ تھا اس لیے میں نے اسے ان تحائف میں شامل کر دیا جو شاہ عباس کے ہاں بھیجے جا رہے تھے .

بہادر خان اوزبک کا بھیجا ہوا پیش کش جو پنچاق کے گھوڑوں اور عراق کی انواع و اقسام کی اشیا پر مشتمل تھا ، میری نظر سے گزرا .

سوسن شیرازی کے ذریعے سرمائی خلعت ابراہیم خان فتح جنگ اور دوسرے امرا کو بھجوائے جو بنگال میں متعین ہیں .

۱۵ فروردین ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو صادق خان کا پیش کش نظر سے گزرا . اس کے پیش کش کی مختلف اشیا میں سے پندرہ ہزار روپے کی چیزیں میں نے قبول کیں اور بقیہ اس کو واپس کر دیں .

فاضل خان (۱) نے بھی اس دن اپنی حیثیت کے مطابق پیش کش گزرانا جس میں سے تھوڑا سا قبول کر لیا گیا .

۱۹ ماہ فروردین ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن جشن شرف منایا . دوپہر اور ایک گھڑی گزرنے کے بعد میں تخت اقبال پر جلوہ افروز ہوا . یہ جشن مدارالملک اعتمادالدولہ کے التماس پر اس کے گھر میں منعقد ہوا تھا ، جہاں اس نے انتہائی تکلفات کے ساتھ اپنا پیش کش ، جو ہر ملک کی نادر اور نفیس اشیا پر مشتمل تھا اور جس میں طرح طرح کے تکلفات کیے گئے تھے ، میری نظر سے گزارا . میں نے اس میں سے ایک لاکھ اڑتیس ہزار روپے کی مالیتی چیزیں قبول کیں .

اسی دن دو سو تولہ وزن کی ایک اشرفی[1] زنبل بیگ ایلچی کو عنایت کی .

اسی زمانے میں ابراہیم خان نے چند خواجہ سرا بطور پیش کش بنگال سے بھجوائے تھے . ایک ان میں سے ایسا خنثیٰ نکلا جو مردانہ اور زنانہ دونوں آلۂ تناسل رکھتا ہے لیکن اس کے خُصیے نہیں . اس کے علاوہ اس کے پیش کش میں دو منزلہ کشتی بھی ہے جو بنگال کی بنی ہوئی نہایت موزوں اندام ہے ،

۱- یہ اشرفی اس وقت جرمنی میں موجود ہے . (رک : بیورج ۲ ، ص ۲۰۱) .

اُس کی زیب و زینت پر اُس نے دس ہزار روپے صرف کیے ہیں۔ بلا شبہ یہ شاہانہ کشتیوں میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

شیخ قاسم (۲) کو الہ آباد کا صوبے دار مقرر کر کے میں نے اُسے محتشم خاں کے خطاب اور پنج ہزاری منصب سے سرفراز کیا اور دیوانیوں کو حکم دیا کہ اس کی جاگیر تنخواہ میں غیر عملی[۱] محال سے اضافہ کریں۔

سری نگر[۲] کے راجا شیام سنگھ کو گھوڑا اور ہاتھی عنایت کیا۔

یوسف خاں ولد حسین خاں ٹکریہ کی وفات:

اسی دن مجھ سے عرض کیا گیا کہ یوسف خاں ولد حسین خاں[۳] نے لشکر دکن میں اچانک وفات پائی۔ اس کے متعلق اس طرح سننے میں آیا کہ جس زمانے میں وہ اپنی جاگیر میں تھا تو اس قدر موٹا ہو گیا تھا کہ تھوڑی سی نقل و حرکت اور محنت و مشقت سے اس کا سانس پھول جاتا تھا۔ جس دن وہ خرم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنے میں اس کا سانس پھول گیا۔ چنانچہ جب اس کو سرو پا دیا گیا تو اس کے پہننے اور تسلیم بجا لانے سے اس کی حالت خراب ہو گئی اور اس کے تمام جسم میں رعشہ پڑ گیا۔ انتہائی زحمت و تکلیف سے تسلیم بجا لا کر جب خرم کی مجلس سے باہر نکلا تو شامیانے کی آڑ میں گر کر بے ہوش ہو گیا۔ اس کے نوکروں نے اُسے پالکی میں ڈال کر اس کے گھر پہنچایا۔ گھر پہنچتے ہی اُسے موت کا پیغام پہنچ گیا اور اس بوجھل تودۂ خاک کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

یکم اردی بہشت ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو زنبل بیگ کو خاص خنجر عنایت کیا۔

۱- غیر عملی محال سے وہ محال مراد ہیں جو اب تک کسی کے تصرف میں نہیں آئے۔ (بیورج، ۲، ص ۲۰۲)۔

۲- سری نگر ریاست ٹیرھی گڑھوال میں ایک شہر ہے، یہاں وہی مراد ہے۔ کشمیر کا دارالسلطنت سری نگر ایک الگ شہر ہے۔ (م)

۳- یہ حسین خاں ٹکریہ ہے۔ (بیورج، ص ۲۰۱)۔

شہریار کی شادی :

۴ ماہ اردی بہشت ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو فرزند شہریار کی شادی کا جشن منعقد ہوا ۔ مجلس حنا بندی کی رسم مریم زمانی کے دولت خانے میں ادا کی گئی اور نکاح کا جشن اعتماد الدولہ کے گھر میں منایا گیا ۔ میں نے خود محل والوں کے ساتھ اس کے گھر جا کر محفل نشاط آراستہ کی ۔ جمعہ کی شب میں سات گھڑی گزرنے کے بعد تبریک اور سلامتی کے زمزموں میں نکاح ہوا ۔ امید ہے کہ یہ شادی ہماری روز افزوں سلطنت کے لیے مبارک ثابت ہوگی ۔

۱۹ اردی بہشت ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو منگل کے دن باغ نور افشاں میں فرزند شہریار کو چار قب ، دستار پٹکے کے ساتھ دو گھوڑے عنایت کیے جن میں سے ایک عراقی تھا اور اس کی زین سونے کی تھی اور دوسرا ترکی تھا جس کی زین منقش تھی ۔

جوتک رائے کو زر میں تلوانا :

اسی زمانے میں شاہ شجاع کو اس قدر سخت چیچک نکلی کہ حلق سے پانی نہیں اترتا تھا اور اس کی زندگی کی کوئی امید [329] باقی نہ رہی تھی ۔ چونکہ اس کے باپ کے زائچے میں لکھا تھا کہ اس سال اس کا بیٹا فوت ہوگا ، اس لیے تمام نجومی اس پر متفق تھے کہ وہ جانبر نہ ہوگا ۔ برخلاف ان کے جوتک رائے کہتا تھا کہ اس کی زندگی کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے گا ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے اس دعوے کی کیا دلیل ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ حضور ! (جہانگیر) کے زائچے میں لکھا ہے کہ اس سال کسی قسم کا رنج و غم آپ کو نہ پہنچے گا ۔ چونکہ شاہزادے سے آپ کو بہت لگاؤ ہے ، اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ شاہزادے کی موت واقع نہ ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ خرم کا کوئی دوسرا بیٹا انتقال کر جائے ۔ چنانچہ جیسا اس نے کہا تھا ویسا ہی ظہور پذیر ہوا اور شاہ شجاع نے اس مہلک بیماری سے نجات پائی اور خرم کا دوسرا بیٹا جو شاہنواز خان کی بیٹی کے بطن سے تھا ، برہان پور میں فوت ہو گیا ۔ اس کے علاوہ جوتک رائے کی کئی اور پیشین گوئیاں صحیح ثابت ہوئیں جو تعجب سے خالی نہیں ۔ ان واقعات کا ذکر گزشتہ اوراق میں مختلف اوقات کے ضمن میں کیا

جا چکا ہے . اس بنا پر میں نے حکم دیا کہ اسے زر میں تولا جائے . اس کے تول میں چھ ہزار پانسو روپے چڑھے جو میں نے انعام کے طور پر اسے دے دیے .

محمد حسین جابری کو صوبۂ اوڑیسہ کی بخشی گری اور واقعہ نویسی سے سرفراز کیا .

مہابت خاں کی سفارش پر لاچین منجم قاقشال کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزاری ذات و پانصد سوار کر دیا .

خواجہ کے بھائی محمد حسین نے کانگڑہ سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا .

بہادر خاں اوزبک کو ایک ہاتھی عنایت کرکے اس کے وکیل کے ہاتھ بھجوایا .

غفران پناہ میرزا محمد حکیم کے پوتے ہرمز اور ہوشنگ کو حزم و احتیاط کے مدِ نظر جو اصول حکمرانی کے لوازم ہیں ، قلعۂ گوالیار میں قید کیا گیا تھا میں نے اس وقت حکم دیا کہ انھیں گوالیار سے لا کر دارالخلافہ آگرہ میں رکھا جائے اور وہ روزینہ جو اُن کے ضروری اخراجات کے لیے کافی ہو مقرر کر دیا جائے .

اسی زمانے میں رودر پھنا چارج نامی برہمن نے ، جو اس قوم کے دانشوروں میں سے ہے اور بنارس میں تعلیم و تعلم میں مشغول رہتا ہے ، شرف حضوری حاصل کیا . سچ تو یہ ہے کہ اس نے علوم عقلی و نقلی میں خوب مہارت حاصل کی ہے اور اپنے فن کا ماہر ہے .

ایک عجیب واقعہ[1] :

اس زمانے کے عجیب و غریب واقعات میں جو ظہور پذیر ہوئے ، وہ یہ ہے کہ ۳۰ فروردین ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو پرگنہ جالندھر کے کسی موضع میں صبح کو مشرق کی طرف سے نہایت مہیب شور و غل برپا ہوا . اتنا مہیب کہ قریب تھا کہ وہاں کے رہنے والوں کا اس وحشت افزا آواز سے دم گھٹ جائے .

۱- بجلی گرنے کی تاریخ ۱۰ اپریل ۱۶۲۱ع ہے . (رک : بیورج ۲ : ص ۲۰۵) .

اس شور و شغب کے دوران آسمان سے ایک روشنی زمین پر اترتی ہوئی معلوم ہوئی ۔ اس روشنی کو دیکھ کر لوگوں کو گمان ہوا کہ آسمان سے آگ کی بارش ہونے والی ہے ۔ جب اس شور و شغب میں کچھ کمی ہوئی اور پریشان دلوں کو اس سراسیمگی اور وحشت سے کچھ سکون حاصل ہوا تو انھوں نے عامل پرگنہ محمد سعید کے پاس ایک تیز رو قاصد بھیج کر اس سانحے کی اطلاع دی ۔ وہ اسی وقت سوار ہو کر موقع پر پہنچا اور اس قطعۂ زمین پر پہنچ کر اس نے اس جگہ کا معائنہ کیا ۔ دیکھا کہ دس بارہ گز زمین عرض و طول میں اس طرح جل گئی تھی کہ وہاں سبزہ و گھاس کا نام و نشان باقی نہ رہا تھا ۔ اس کے پہنچنے کے وقت تک بھی زمین میں حرارت و تپش باقی تھی ، اس نے حکم دیا کہ اتنی جگہ کھود کر دیکھیں ۔ چنانچہ زمین کھودی گئی ، جس قدر بھی اس زمین کو کھودتے جاتے تھے ، اسی قدر حرارت و تپش کا اثر اس قطعۂ زمین میں بڑھتا ہوا معلوم ہوتا تھا ، یہاں تک کہ زمین کو کھودتے کھودتے لوہے کا ایک تپتا ہوا ٹکڑا نکلا ۔ یہ ٹکڑا اس قدر گرم تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ بھٹی سے ابھی نکالا گیا ہے ۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ لوہا ٹھنڈا ہوا ۔ عامل پرگنہ اسے اٹھا کر اپنے گھر لے آیا اور اسے ایک تھیلی میں سر بمہر کرکے میرے دربار میں بھیج دیا ۔ جب وہ میرے پاس پہنچا تو میں نے حکم دیا کہ میرے سامنے اس کا وزن کیا جائے ۔ اس کا وزن ایک سو ساٹھ تولے نکلا ۔ پھر میں نے اُستاد داؤد کو حکم دیا کہ وہ اس لوہے سے ایک تلوار ، خنجر اور چھری بنا کر میری خدمت میں پیش کرے ۔ اس نے عرض کیا کہ یہ لوہا ہتھوڑے کی چوٹ نہیں کھاتا اور پھسل جاتا ہے [330] ۔ میں نے کہا تو اس صورت میں دوسرا لوہا اس کے ساتھ ملا کر یہ چیزیں بنائی جائیں ۔ چنانچہ اس نے تین حصے برقی لوہا اور ایک حصہ دوسرا لوہا ملا کر دو تلواریں ، ایک خنجر اور ایک چھری تیار کرکے پیش کی ۔ دوسرے لوہے کی آمیزش سے یہ لوہا جوہردار ہو گیا تھا ۔ اس کی بنی ہوئی تلواریں شمشیر یمانی اور شمشیر جنوبی اصیل کی طرح خم ہو جاتی تھیں اور خم ہونے کا کوئی نشان ان پر نہیں رہتا تھا ۔ پھر میں نے حکم دیا کہ ان کی کاٹ میرے سامنے آزمائی جائے ۔ چنانچہ آزمائش پر ان کی کاٹ بہت اچھی نکلی ۔ یہ کاٹ میں اصیل تلواروں کے برابر تھیں ۔ میں نے ان میں سے ایک کا نام شمشیر قاطع اور دوسری کا نام برق سرشت رکھا ۔ بے بدل خان نے اس واقعے سے

متعلق ایک رباعی کہہ کر پیش کی :

از شاہ جہانگیر جہاں یافت نظام
افتادہ بہ عہد او ز برق آہن خام
ز آن آہن رشد بہ حکم عالمگیرش
یک خنجر و کارد با دو شمشیر تمام

''شعلۂ برق بادشاہی'' اس کا مادہ تاریخ قرار پایا۔

اسی زمانے میں راجا سارنگ دیو نے جو فرزند اقبالمند شاہ پرویز کے پاس گیا ہوا تھا، واپس آ کر شرف حضوری حاصل کیا اور پرویز کی عرضداشت پہنچائی ۔ جس میں اس نے لکھا تھا کہ حسب الحکم یہ مرید الہ آباد سے بہار روانہ ہو گیا ۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ کرے گا ۔

قاسم خاں کو نقارہ عنایت کر کے سرفراز کیا ۔

اسی تاریخ میں خرم کا ایک ملازم علیم الدین ناسی خرم کی عرضداشت لے کر آیا جو فتح کی خبر پر مشتمل تھی ۔ ایک تیر کمان جو اس نے بطور نذر بھجوائی تھی ، پیش کی ۔ میں نے اسی کے ہاتھ خرم کے لیے خلعت بھجوایا اور اسے رخصت کیا ۔

فاضل بیگ خاں کے بھائی امیر بیگ کو فرزند شہریار کی سرکار کی دیوانی ، اور خواجہ جہاں کو اس کی بخشی گری اور معصوم کو اس کی میر سامانی کی خدمت پر مقرر کیا ۔

سید حاجی کو دکن کے لشکر کی کمک پر مقرر کر کے اسے گھوڑا عنایت کیا ۔

مظفر خاں کو بخشی گری کی خدمت سے سرفراز کیا ۔

والدۂ امام قلی خاں کا خط نور جہاں بیگم کے نام :

اسی زمانے میں امام قلی خاں والی توران کی والدہ[1] نے ایک خط نورجہاں بیگم کے نام بھیجا جس میں خلوص و محبت کا اظہار کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ توران کے تحفے بطور سوغات بھجوائے تھے ۔ اس بنا پر میں نے خواجہ نصیر کو

۱- یہ باقی محمد کی بیوہ ہے ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۲۰۵) ۔

جو میرے قدیم ملازموں اور شاہزادگی کے زمانے کے خدمت گزاروں میں سے ہے، نورجہاں بیگم کے خط کے ساتھ قاصد بنا کر بھیجا اور اس ملک کے نفیس تحفے اس کے ہاتھ بھجوائے۔

ان دنوں جب کہ میں باغ نور افشاں میں مقیم تھا، رنگ بکرے کے آٹھ روزہ بچے نے دولت خانے کی چھت سے جس کی بلندی آٹھ گز تھی، جست لگائی اور زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی کودنے پھاندنے لگا۔ ذرا سی بھی چوٹ کا نشان اس کے جسم پر نہ تھا۔

خرم کی عرضداشت :

۴ ماہ خورداد ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو خرم کے دیوان افضل خان[1] نے خرم کی عرضداشت کے ساتھ جو دکن کی فتح و کامیابی پر مشتمل تھی، آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب شاہی لشکر حوالی اوجین میں پہنچا تو اُن شاہی ملازمین نے جو قلعہ ماندو میں تھے، ایک عرضداشت بھیجی کہ دشمن کی ایک فوج نے جرأت و بے باکی سے دریائے نربدا سے گزر کر چند دیہات کو جو زیر قلعہ واقع ہیں، جلا دیا اور اب بھی وہاں تاخت و تاراج کر رہے ہیں۔

اس اطلاع کے ملتے ہی خرم نے مدار المہام خواجہ ابوالحسن کو پانچ ہزار سواروں کا لشکر دے کر بطور مقدمۃ الجیش روانہ کیا اور اُسے حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہاں پہنچ کر ان مفسدوں کو سزا دے۔ خواجہ راتوں رات چل کر صبح کے وقت دریا کے کنارے پہنچ گیا، مگر یہ لوگ اس کی آمد سے آگاہ ہو کر اس کے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی تیرتے ہوئے دریا کے اُس طرف ساحل پر سلامتی کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔ خواجہ کے تیز رو لشکر نے اس پر بھی اُن کا تعاقب کیا اور مزید چار کوس تک ان کو پیچھے ہٹاتے لے گئے اور ان بہادروں نے تعاقب کے دوران میں دشمن کے بہت سے سپاہیوں کو اپنی شمشیر انتقام سے

۱- افضل خان : علامی مُلّا شکر اللہ شیرازی۔ وفات : ۱۰۳۸ھ، مدفن : لاہور۔ (رک : ماثرالامرا، ۱، ص ۱۴۵ - ۱۵۱)۔

موت کے گھاٹ [331] اُتار دیا ۔ دشمن کی فوج کے بچے ہوئے مقہور سپاہی اس طرح بھاگے کہ برہان پور سے اس طرف دم نہ لیا ۔ اس کے بعد خواجہ ابوالحسن کو خرم کا حکم پہنچا کہ وہ اس کے پہنچنے تک دریا کے اس طرف توقف کرے ، چنانچہ جب خرم تیزی سے اپنے لشکر کے ساتھ خواجہ ابوالحسن کے لشکر سے جا ملا ، تو یہ لشکر مقدمۃ الجیش کے ساتھ کوچ کرتا ہوا برہان پور پہنچ گیا ۔ وہاں دشمن کی فوج شہر کے اطراف قدم جمائے ہوئے تھی ۔ چونکہ برہان پور میں شاہی لشکر دو سال سے محصور تھا اور دشمن سے لڑ رہا تھا اور انواع و اقسام کی تکالیف عدم سکونت اور غلّے کی قلت کی وجہ سے اٹھا رہا تھا اور مسلسل سواری کی وجہ سے اُن کے گھوڑے کمزور ہو چکے تھے ، اس لیے تمام لشکر کو منظم کرنے میں نو دن لگے ۔ اس نو روز میں تیس لاکھ روپے نقد ، گھوڑے ، فوجی وردیاں اور ساز و سامان شاہی لشکر میں تقسیم کیا گیا ، اور سزاول مقرر کر کے لوگ شہر سے باہر لائے گئے ۔ ابھی ان بہادروں نے لڑائی شروع بھی نہ کی تھی کہ وہ سیاہ بخت مقابلے کی تاب نہ لا کر بنات النعش کی طرح منتشر ہو گئے ۔

شاہی لشکر کے تیز رو جوانوں نے دشمن کے لشکر کا تعاقب کرتے ہوئے بہت سے دشمنوں کے سپاہیوں کو تہ تیغ کر دیا ، اور دشمن کے سپاہیوں کو مارتے بھگاتے کھڑکی[1] تک پہنچ گئے جو نظام الملک وغیرہ کی جائے اقامت ہے ۔

بد نصیب عنبر ایک روز پہلے شاہی لشکر کی آمد کی اطلاع پا کر نظام الملک (۳) کو اس کے ساز و سامان کے ساتھ دولت آباد میں منتقل کر کے ایسی جگہ مورچے قائم کر کے بیٹھ گیا تھا ، جس کے عقب میں قلعہ اور سامنے دلدل اور نالے تھے ، لیکن اس کے بہت سے لشکری اطرافِ ملک میں منتشر ہو گئے تھے ۔

سردارانِ لشکر شاہی تین روز تک لشکر کے ساتھ بلدۂ کھڑکی میں ٹھہرے اور اس شہر کو جو بیس سال میں تعمیر ہوا تھا ، اس طرح خراب کیا کہ آیندہ بیس سال تک بھی وہ شاید اپنی اصلی رونق پر نہ آ سکے ۔

مختصر یہ کہ شہر کی عمارتوں کو تباہ کرنے کے بعد سب اس رائے پر متفق ہوئے کہ قلعۂ احمد نگر ، جس کا محاصرہ ابھی تک دشمن کی فوج کیے ہوئے ہے ،

۱۔ کھڑکی : اس کا موجودہ نام اورنگ آباد دکن ہے ۔

ایک مرتبہ وہاں جا کر مفسدین کی تنبیہ کریں، اور پھر قلعے کے شاہی لشکر کو جو محصور تھا ازسرنو کمک اور رسد پہنچا کر کھڑکی واپس آئیں۔ چنانچہ وہ اس ارادے سے روانہ ہو کر قصبۂ پٹن تک پہنچے تھے کہ اس عرصے میں مکار و حیلہ ساز و فریبی عنبر نے اپنے امرا اور وکلا کو بھیج کر نہایت عاجزی و زاری سے پیغام دیا کہ وہ آیندہ کبھی بندگی اور خیرخواہی کے رشتے کو ہاتھ سے نہ چھوڑے گا، اور شاہی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے گا، اور جو کچھ بھی حکم ہوگا وہ پیش کش اور جرمانہ نہایت تشکر کے ساتھ سرکار میں روانہ کرے گا۔

جانبین میں شرائطِ صلح:

اتفاق سے ان ہی دنوں شاہی لشکر میں غلے کی انتہائی قلت اور گرانی واقع ہوگئی۔ اس کے علاوہ اطلاع ملی کہ دشمن کی وہ جمعیت جو قلعۂ احمد نگر کا محاصرہ کیے ہوئے تھی، اس نے شاہی لشکر کے طنطنے سے مرعوب ہو کر محاصرہ اُٹھا لیا ہے۔ اس خبر کے ملتے ہی شاہی لشکر کے سرداروں نے خنجر خاں کو جو قلعۂ احمد نگر کا قلعدار تھا، فوجی کمک اور کچھ رقم بطور مدد خرچ کے بھیجی اور ہر طرف سے مطمئن ہو کر بہی‌خواہ سلطنت فاتح اور کامیاب ہو کر واپس لوٹے اور عنبر کی عاجزی اور انکسار کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ اس ملک کو، جو قدیم سے تصرف شاہی میں ہے، شاہی قبضے میں دینے کے علاوہ چودہ چودہ کوس تک وہ مقامات جو شاہی سرحدوں سے ملے ہوئے ہیں، شاہی امرا کے حوالے کر دے اور پچاس لاکھ روپیہ بطور پیش کش خزانۂ عامرہ میں بھیجے۔

افضل خاں کو واپس جانے کی اجازت دے کر اس کے ہاتھ لعل والی کلغی جو شاہ ایران نے بھیجی تھی، خرم کے لیے بھجوائی۔ اس کلغی کی تعریف اپنی جگہ لکھی جا چکی ہے اور خود افضل خاں کو خلعت، ہاتھی، دوات اور مرصع قلم عنایت کیا۔

خنجر خاں نے چونکہ قلعۂ احمد نگر کی محافظت و نگرانی کے سلسلے میں پسندیدہ اور [332] جان نثارانہ خدمات انجام دی تھیں، اس لیے میں نے اسے چہار ہزاری ذات و ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

میرے حکم پر مکرم خاں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ اوڑیسہ سے آ کر

آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور موتیوں کی ایک لڑی بطور پیش کش گزرانی۔

مظفرالملک ولد بہادرالملک کو نصرت خان کے خطاب سے سرفراز کیا۔

اودھے رام دکنی کو علم عنایت کیا۔

عزیزاللہ ولد یوسف خان کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے ممتاز کیا۔

۲۱ ماہ خورداد ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن مقرب خان نے صوبۂ بہار سے آکر شرف حضوری حاصل کیا۔

شاہ ایران کے ایلچیوں کی واپسی :

اسی دن شاہ ایران کے ایلچی آقا علی، محب علی بیگ، حاجی بیگ اور فاضل بیگ کو، جو یکے بعد دیگرے آئے تھے، رخصت کیا۔ آقا بیگ کو سروپا، خنجر، جیغہ مرصع اور چالیس ہزار روپے نقد بطور انعام دیے۔ محب علی بیگ کو خلعت اور تیس ہزار روپے سے سرفراز کیا۔ اسی طرح دوسرے ایلچیوں کو بھی ان کی حیثیت کے مطابق انعام عطا کیے اور ان لوگوں کے ہاتھ مناسب حال ایک رقعہ برادر والا قدر شاہ ایران کے نام بھجوایا۔

مکرم خان کا صوبیداری دہلی پر تقرر :

اسی تاریخ میں مکرم خان کو دارالخلافہ دہلی کا صوبیدار اور میوات کا فوجدار مقرر کیا۔

شجاعت خان عرب کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ سہ ہزاری ذات و دو ہزار پانصد سوار کر دیا۔

شرزہ خان کو دو ہزاری و ہزار سوار، اور گردھر ولد رائے سال کچھواہہ کو ہزار و دو صدی و نہ صد سوار کے منصب سے ممتاز کیا۔

شاہ ایران کے ایلچی قاسم بیگ کا شرف حضوری :

۲۹ ماہ خورداد ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو شاہ ایران کے ایلچی قاسم بیگ نے آکر شرف حضوری حاصل کیا اور برادر عالی قدر شاہ ایران کا خط پیش کیا

جو جذباتِ محبت و خلوص اور یگانگت پر مشتمل تھا ، اور وہ چیزیں جو بطور سوغات انھوں نے بھجوائی تھیں میرے ملاحظے میں گزرائیں ۔

یکم ماہ تیر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو فرزند خان جہاں کے لیے ایک ہاتھی گنج رتن نامی بھجوایا ۔

خرم کے ملازم نظر بیگ نے اس کی عرضداشت لا کر پیش کی ، جس میں اس نے گھوڑے عنایت کرنے کی درخواست کی تھی ۔ میں نے راجا کشن داس داروغۂ اصطبل کو حکم دیا کہ ہزار گھوڑے شاہی اصطبل سے پندرہ روز میں تیار کر کے روانہ کرے ، اور خود خرم کے لیے روپ رتن نامی گھوڑا جو شاہ ایران نے لشکر روم سے مالِ غنیمت میں حاصل کر کے بھیجا تھا ، خرم کے لیے بھجوایا ۔

اسی دن ارادت خاں کے ملازم غیاث الدین نامی نے ارادت خاں کی عرضداشت پیش کی ، جو فتح کی خبر پر مشتمل تھی ۔

گزشتہ اوراق میں کشتوار کے زمینداروں کی شورش و فتنہ انگیزی اور ان کی سرکوبی کے لیے دلاور خاں کے بیٹے جلال کی روانگی کے حالات لکھے جا چکے ہیں ۔ چونکہ وہ ساز و سامان سے لیس ہونے کے باوجود یہ مہم انجام نہ دے سکا تھا ، اس لیے میں نے ارادت خاں کو حکم دیا تھا کہ وہ فوراً وہاں پہنچ جائے اور مفسدین کی سرکوبی اور اس کوہستان کا انتظام اس طریقے پر کرے کہ وہاں آئندہ کسی قسم کی شورش پیدا نہ ہو ۔ وہ میرے حکم کے مطابق فوراً روانہ ہوگیا اور قابل قدر خدمات انجام دیں اور مفسدین کو صحرا اور جنگلوں میں منتشر کر کے اس ملک سے شورش و فساد کے درخت کو جڑ سے اکھیڑ دیا ۔ پھر اس نے وہاں تجربہ کار لوگوں کو متعین کر کے اس خطۂ ملک کو مستحکم کر دیا ، اور فوجی چوکیوں کا بہترین انتظام کر کے کشمیر لوٹ آیا ۔ میں نے ارادت خاں کی ان دلیرانہ خدمات کے صلے میں اس کے منصب میں پانسو سواروں کا اضافہ کیا ۔

چونکہ خواجہ ابوالحسن نے مہم دکن میں شایان شان اور قابل قدر خدمات انجام دی تھیں ، اس لیے میں نے اس کے منصب میں ہزار سوار کا اضافہ کیا ۔

احمد بیگ کا اوڑیسہ کی صوبیداری پر تقرر :

ابراہیم خاں فتح جنگ کے بھتیجے احمد بیگ کو اوڑیسہ کی صوبیداری سے

سرفراز کر کے ، میں نے اسے خان کے خطاب اور علم و نقار سے سربلند کیا ۔ اور اس کے منصب کو اصل [333] و اضافے کے ساتھ دو ہزاری و پانصد سوار کردیا ۔

قاضی نصیر برہان پوری کی حاضری :

چونکہ میں قاضی نصیر برہان پوری (۲) کے فضل و کمال کے چرچے سن چکا تھا ، لہٰذا میری حق پسند طبیعت کو اُس سے ملاقات کا اشتیاق تھا ۔ میرے طلب کرنے پر وہ دربار میں حاضر ہوا ۔ اس کے علم و فضل کا لحاظ کرتے ہوئے ، میں اس کے ساتھ انتہائی عزت و احترام سے پیش آیا ۔ قاضی علوم عقلی و نقلی میں اپنے زمانے کے یگانۂ روزگار لوگوں میں ہے ۔ بہت کم ایسی کتابیں ہوں گی جن کا اس نے مطالعہ نہ کیا ہو ، لیکن اس کی ظاہری حالت ایسی نہیں ہے جیسا اس کا باطن ہے ۔ اس لیے میں اس کی صحبت سے لطف اندوز نہ ہو سکا ۔ چونکہ میں نے اسے درویشی اور گوشہ نشینی کی طرف بہت راغب اور مائل پایا ، لہٰذا میں نے اس کی خواہش کے مطابق اسے ملازمانِ شاہی میں شامل نہیں کیا اور پانچ ہزار روپیہ دے کر رخصت کر دیا ، تاکہ وہ اپنے وطن جا کر اطمینان سے زندگی بسر کرے ۔

یکم امرداد ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو باقر خان کو دو ہزاری ذات و ہزار و دویست سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

امرا اور بندگان شاہی میں سے بتیس افراد کے مناصب میں جنھوں نے فتح دکن میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں ، شایان شان اضافے کیے گئے ۔

عبدالعزیز خان نقش بندی جو حکومت قندھار پر متعین ہے ، فرزند خانجہان کی سفارش پر سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار کے منصب سے سرفراز ہوا ۔

زنبل بیگ کو ایک گاؤں عنایت کرنا :

یکم شہریور ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو شاہ ایران کے ایلچی زنبل بیگ کو ایک شمشیر مرصع عنایت کی ۔ اس کے علاوہ ایک گاؤں ، جو دارالخلافہ آگرہ کی عملداری میں ہے اور جس کے محاصل سولہ ہزار روپے ہیں ، عنایت کیا ۔

حکیم رُکنا کو رخصت کرنا :

اُسی زمانے میں حکیم رُکنا کو اس وجہ سے کہ اس میں بد مزاجی اور تند خوئی بہت ہے اور آداب شاہی سے ناواقف ہے ، رخصت کر دیا کہ جہاں اس کا جی چاہے چلا جائے ۔

چونکہ مجھے اس کی اطلاع ملی تھی کہ خان عالم کے بھتیجے نے کسی کا خون ناحق کر دیا ہے ، اس لیے میں نے اُسے حضور میں طلب کر کے اس سے باز پُرس کی ، اور اس کا جرم ثابت ہو جانے پر قصاص کا حکم دیا ، خدا کی قسم جب میں انصاف کے معاملات میں شاہزادوں کی بھی رعایت نہیں کرتا تو اُمرا اور تمام شاہی ملازمین کا کیا ذکر ہے ۔ خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے انصاف کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

یکم ماہ شہریور ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ء) کو آصف خان کی درخواست پر اس کے گھر گیا ۔ اور اس حمام میں جو اُس نے لیا بنایا تھا ، غسل کیا ۔ بلاشبہ یہ نہایت نفیس اور پُر تکلف حمام ہے ۔ غسل سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے شایان شان پیش کش میرے ملاحظے میں پیش کیا ۔ اس میں سے جو کچھ مجھے پسند آیا ، وہ میں نے لے لیا اور بقیہ اس کو بخش دیا ۔

خضر خان خاندیسی کا وظیفہ اصل و اضافے کے ساتھ ایک ہزار روپے کر دیا ۔

ایک لوہار کے عشق کا واقعہ :

ان ہی دنوں مجھے اطلاع ملی کہ کلیان نامی ایک لوہار اپنی برادری کی ایک عورت کا عاشق زار ہے ، اور اُس سے بے حد عشق و شیفتگی کا اظہار کرتا ہے ۔ باوجود اس کے کہ وہ عورت بیوہ ہے ، ذرا بھی اس کی طرف توجہ نہیں دیتی اور اس غریب کی محبت اس کے دل پر اثر نہیں کرتی ۔ میں نے دونوں کو اپنے حضور میں طلب کر کے تحقیقات کی اور ہر چند اُس عورت کو اس لوہار سے شادی کرنے کی ترغیب و تحریص دی ، لیکن وہ راضی نہ ہوئی ۔ اس موقع پر لوہار نے کہا کہ اگر مجھے یقین ہو جائے کہ آپ مجھے یہ عورت عنایت فرمادیں گے تو میں اس کے لیے قلعے کے شاہ بُرج کی بلندی سے چھلانگ لگا سکتا ہوں ۔ میں نے مذاقاً کہا کہ شاہ بُرج تو بڑی چیز ہے ، اگر تو اپنے دعوئ محبت میں سچا ہے تو اس گھر

کی چھت سے چھلانگ لگا کر دکھا دے۔ میں یقینی طور پر یہ عورت تجھے دے دوں گا۔ ابھی یہ بات پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ بجلی کی طرح دوڑا اور اس نے گھر کی چھت پر سے چھلانگ لگا دی۔ زمین پر گرتے ہی اُس کی آنکھوں اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ میں اپنے اس مذاق سے نہایت نادم اور رنجیدہ ہوا اور **آصف خاں** کو حکم دیا کہ اسے گھر لے جا کر اس کی تیمارداری کرے۔ چونکہ اس کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا اس لیے وہ اسی تکلیف میں انتقال کر گیا۔ [334]

عاشق کہ جان نثار بر آن آستانہ ساخت
از شوق جاں سپرد و اجل را بہانہ ساخت

مہابت خاں کی سفارش پر **لاچین قاقشال** کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزاری ذات و پانصد سوار مقرر کیا۔

گزشتہ واقعات میں میں اس بات کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ کشمیر میں جشن دسہرہ کے موقع پر میں نے سانس کی تنگی اور گھٹن کی کیفیت محسوس کی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بارش کی کثرت اور ہوا کی رطوبت کی وجہ سے سانس کی نالی کے بائیں جانب دل کے نزدیک مجھے گرانی اور گرفتگی محسوس ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ تکلیف شدید اور طویل ہو گئی۔ جو طبیب میرے ہمراہ تھے ان میں سب سے پہلے حکیم روح اللہ نے میرا علاج شروع کیا۔ اس نے چند دن تک ہلکی گرم دوائیں استعمال کرائیں۔ اس کے علاج سے تھوڑا سا فائدہ ہوا مگر جب میں اس گھاٹی سے نکل آیا تو پھر مرض میں شدت ہو گئی۔ اس مرتبہ کچھ دن بکری کا دودھ اور کچھ دن اونٹنی کا دودھ استعمال کیا، لیکن کسی سے بھی نمایاں فائدہ نہ ہوا۔

اسی اثنا میں حکیم رکنا، جسے میں نے سفر کشمیر سے معاف کر کے آگرے میں چھوڑ دیا تھا، حاضر خدمت ہوا اور نہایت جرأت و ہمت سے کام لیتے ہوئے اس نے میرا علاج شروع کیا۔ اس نے میرے علاج کی بنیاد گرم و خشک دواؤں پر رکھی، لیکن اس کے علاج سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا، بلکہ اس کے علاج سے حرارت مزاج اور خشکی دماغ بڑھ گئی۔ میں نہایت کمزور ہو گیا، اور مرض میں شدت اور طوالت پیدا ہو گئی۔

ایسے نازک وقت اور ایسی حالت میں جب کہ سنگ دل بھی میری حالت کو دیکھ کر پسیج جاتے تھے، حکیم میرزا محمد کے بیٹے صدرا نے، جو عراق کے

عمدہ اطبا میں سے تھا اور میرے والد بزرگوار کے عہد حکومت میں ولایت سے آیا تھا ، بالکل بے پروائی کی حالانکہ جب میں تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس کی تربیت کی کیونکہ وہ اپنے جوہر قابلیت اور طباعی کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھا اور میں نے اسے مسیح الزماں کے خطاب سے سر بلند کیا تھا اور اس کا مرتبہ دوسرے شاہی طبیبوں سے ، جو میری ملازمت میں تھے بڑھا دیا تھا . اس خیال سے کہ شاید کسی وقت کوئی خدمت انجام دے گا ، مگر وہ حق ناشناس اس قدر احسان فراموش نکلا کہ باوجود اتنے حقوق ، احسانات اور رعایتوں کے مجھے ایسے برے دن اور خراب حالات میں دیکھ کر بھی قطعاً میرے علاج کی طرف متوجہ نہیں ہوا . ہر چند میں اس پر عنایت و التفات ظاہر کرکے اس کی مدارات میں لگا رہتا تھا ، لیکن وہ اتنا ہی سخت ہوتا جاتا تھا ، اور ٹالنے کے لیے جواب دیتا تھا کہ آپ اپنی طبی مہارت اور حذاقت پر اتنا اعتماد نہیں کہ میں شاہی علاج کر سکوں .

اسی طرح حکیم ابوالقاسم ولد حکیم الملک ، جو اس واقعے کے باوجود کہ نسبت خانہ زادگی رکھتا ہے ، اور میرے حقوق تربیت اس پر بہت ہیں ، اس قسم کے وہم و خدشات بیان کرتا تھا کہ اس کے دیکھنے سے میرا دل نفرت کرنے لگا اور مجھے اذیت پہنچنے لگی . ایسے حالات میں اس سے علاج کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا . مجبوراً میں نے ظاہری علاج سے دل برداشتہ ہو کر اپنے کو شافی مطلق پر چھوڑ دیا .

چونکہ شراب کے نشے کی وجہ سے بیماری میں تخفیف معلوم ہوتی تھی اس لیے میں اپنی عادت سے بھی زیادہ شراب پیتا تھا . گرمی کی شدت میں آہستہ آہستہ کثرت مے نوشی کے برے اثرات ظاہر ہونے شروع ہوئے اور ضعف و کمزوری روز بروز بڑھنے لگی .

نورجہاں بیگم جس کا سلیقہ اور تجربہ ان اطبا سے بڑھا ہوا ہے ، خاص کر اس لیے کہ اس کی ہمدردی میں دل سوزی اور غم خواری بھری ہوئی ہے ، میری شراب کی مقدار کم کرنے پر مناسب وقت اور میرے مزاج کے مطابق مناسب حال تدبیریں اختیار کرنے لگی . اگرچہ اس سے قبل جو اطبا علاج کر رہے تھے وہ بھی اس کی صلاح و صوابدید سے ہوتا تھا ، لیکن اب میں نے بالکلیہ اس کی مہربانی پر انحصار کرکے شراب کو بتدریج کم کر دیا ، اور غیر مناسب چیزوں

اور [335] ناموافق غذاؤں سے احتیاط کرنے لگا ۔ امید ہے کہ حکیم مطلق شفاخانۂ غیب سے مجھے صحت کامل عطا کرے گا ۔

جشن وزن شمسی :

۱۲ ماہ شہریور[1] مطابق ۵ شوال ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو پیر کے دن جشن وزن شمسی تبریک و سلامتی کے ساتھ آراستہ ہوا ۔ چونکہ گزشتہ سال میں نے سخت بیماری اور نہایت زحمت و تکلیف اٹھائی تھی ، اس شکرانے میں کہ یہ سال خیریت اور سلامتی سے ختم ہوا اور نئے سال کے آغاز پر میرے چہرے سے صحت و تندرستی کے آثار ظاہر ہوئے ، نور جہاں بیگم نے درخواست کی کہ اس کے وکلا اس جشن کا شایان شان انتظام کریں گے ۔ بلا شبہ اس نے ایسا شان دار جشن ترتیب دیا کہ دیکھنے والے حیرت میں پڑ گئے ۔

جس دن سے نور جہاں بیگم مجھ نیاز مند کے عقد میں آئی ہے ، تمام جشنوں کے لوازمات خواہ وہ شمسی ہوں یا قمری ، اس سلطنت کے شایان شان بجا لانے کو وہ اپنے لیے باعث سعادت اور خوش نصیبی جانتی ہے ، لیکن اس جشن میں اس نے زیادہ سے زیادہ تکلفات کیے تھے ، اور مجلس کو آراستہ کرنے اور محفل کو ترتیب دینے میں نہایت توجہ سے کام لیا تھا ۔ پسندیدہ خدمت بجا لانے والے ملازم اور مزاج دان خاص امرا جو اس بیماری کے زمانے میں ہمیشہ اخلاص و جانفشانی کے ساتھ میری خدمت میں حاضر رہے ہیں ، پروانہ وار میرے ارد گرد پھر رہے تھے ۔ میں نے ہر ایک کو مناسب حیثیت نوازشوں مثلاً خلعت ، کمر و شمشیر مرصع ، خنجر مرصع ، ہاتھی ، گھوڑے اور زر سے بھرے ہوئے خزانوں سے سرفراز کیا ۔ باوجود اس کے کہ طبیبوں نے کوئی قابل قدر خدمت انجام نہیں دی تھی لیکن میں نے بیماری میں اس تخفیف کے بہانے سے ، جو مجھے دو تین روز میں حاصل ہوئی تھی ، انہیں بھی انواع و اقسام کے الطاف و مراحم کا سزاوار قرار دے کر نقد و جنس کی صورت میں انعامات سے نوازا ۔ جشن سے فارغ ہونے کے بعد زر و جواہر کے خوان بطریق نثار اہل نشاط اور مستحقین کے مجمع میں نچھاور کیے گئے ۔

۱۔ جہانگیر کی ولادت ۱۸ شہریور کو ہوئی ہے ، ۱۲ شہریور صحیح نہیں ہے ۔ (رک : بیورج ، ۲ ، ص ۲۱۴) ۔

جوتک رائے منجم کو اشرفیوں اور روپیوں میں تلوانا :

جوتک رائے منجم کو، جس نے میری صحت اور تندرستی کی خوش خبری دی تھی، اشرفیوں اور روپیوں میں تُلوا کر مبلغ پانسو اشرفیاں اور سات ہزار روپے اس تول میں سے بطور انعام عطا کیے۔

مجلس کے ختم پر جو پیش کش میرے لیے ترتیب دیا گیا تھا، میرے ملاحظے میں پیش کیا گیا۔ جواہرات، مرصع آلات، لباس اور دیگر اقسام کی نفیس چیزوں میں سے جو کچھ مجھے پسند آیا، وہ میں نے لے لیا۔ اس کے علاوہ نورجہاں بیگم نے اس جشن پر جو کچھ خرچ کیا اور جو انعامات تقسیم کیے ان کا حساب دو لاکھ روپے لگایا گیا۔

بیماری کی وجہ سے وزن میں کمی :

گزشتہ سنین میں جب کہ میری صحت اچھی تھی، میرا وزن کم و بیش تین من ایک یا دو سیر ہوتا تھا۔ اس سال کمزوری اور دُبلے پن کی وجہ سے میرا وزن دو من ستائیس سیر ہوا۔

یکم ماہ مہر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن اعتقاد خاں حاکم کشمیر کو چہار ہزاری و دو ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

اور راجا گج سنگھ کو چہار ہزاری و سہ ہزار سوار کے منصب سے ممتاز کیا۔

بیماری کی خبر سن کر شاہزادہ پرویز کی آمد :

جب میری بیماری کی خبر فرزند شاہ پرویز کو ملی تو اس نے میری طلبی کے فرمان کا انتظار کیے بغیر بیتاب ہوکر بتاریخ ۱۲ مہر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو نیک ساعت اور مبارک زمانے میں میری خدمت میں حاضر ہو کر آستاں بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اور پرویز نے میری جان کے بدلے اپنی جان دینے کے لیے تین مرتبہ تخت کے گرد چکر لگائے۔ ہر چند میں اس کو شدت کے ساتھ قسم دے کر منع کرتا تھا، مگر وہ نہایت تضرع و زاری اور انہاک سے اس کام میں لگا رہا۔ آخر میں نے مجبور ہوکر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا اور شفقت و

محبت کے ساتھ اسے آغوش میں لے کر انتہائی التفات سے نوازا .[336] اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ عمر و دولت سے بہرہ مند ہوگا۔

اس زمانے میں بیس لاکھ روپے خزانہ عامرہ سے اللہ داد کے ہاتھ دکن کے لشکر کی ضروریات کے لیے خرم کے پاس بھجوائے اور اللہ داد کو بھی ہاتھی اور علم سے سرفراز کیا۔

قیام خان قراول بیگی کی وفات :

۲۸ مہر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو قیام خان قراول بیگی نے مرض طبعی سے وفات پائی ، وہ میرے مزاج داں خدمت گاروں میں تھا ، فنون شکار کی مہارت کے علاوہ وہ اس فن کی جزئیات تک سے با خبر تھا . مجھے اس کی وفات کے سانحے سے بے حد صدمہ ہوا . دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے .

نورجہاں بیگم کی والدہ کی وفات :

۲۹ مہر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو نورجہاں بیگم[۱] کی والدہ وفات پا کر جوار رحمت الٰہی سے جا ملی . میں خاندان عفت و عصمت کی اس کدبانو کی خوبیاں کیا لکھوں ، بلا مبالغہ وہ پاک طینتی ، دانائی اور ان تمام خوبیوں سے جو عورتوں کا حقیقی زیور ہیں اس قدر آراستہ تھی کہ مادر گیتی نے کوئی اور عورت اس کے مثل نہیں پیدا کی . میں نورجہاں کی والدہ کو اپنی حقیقی والدہ سے کم نہیں جانتا تھا ، جو تعلق اور رابطہ محبت اعتمادالدولہ کو اس سے تھا ، مجھے یقین ہے کہ ایسا رابطہ محبت کسی شوہر کو اپنی بیوی سے نہ ہوگا . اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس غمگین بوڑھے پر اپنی بیوی کی وفات سے کیا گزری ہوگی . اسی طرح نورجہاں بیگم کے تعلق کے متعلق جو اسے اپنی والدہ سے تھا کیا لکھا جائے . اس کا عقل مند اور دانا بیٹا آصف خان[۲] باوجود دانائی اور خرد مندی کے صبر کا

۱- رک : جشن نہم ، حاشیہ نمبر (۱۱) .

۲- آصف خان : میرزا ابوالحسن بن اعتمادالدولہ ، غیاث بیگ ملقب بہ آصف خان معروف بہ آصف جاہی ، نورجہاں بیگم کا بڑا بھائی تھا . وفات : ۱۷ شعبان ۱۰۵۱ھ ، مدفن لاہور . (رک : مآثرالامرا ، ۱ : ص ۱۵۱) .

دامن چاک کر کے دنیا سے برگشتہ خاطر ہوگیا۔ جس کے غم کو دیکھ کر اس کے زخمی دل والد کا غم اور بھی زیادہ ہوگیا۔ وہ اسے جتنی بھی نصیحت کرتا تھا، فائدہ مند نہیں ہوتی تھی۔ میں جس دن پرسے کے لیے گیا تو میں نے چند کلمے شفقت و محبت کے کہہ کر اسے رنج و غم سے نہیں روکا، کیونکہ اس کا غم ابھی تازہ تھا اور اس خیال سے اس کے حال پر چھوڑ دیا کہ رفتہ رفتہ یہ رنج و الم کا طوفان خود بخود کم ہوجائے گا تو پھر میں چند روز کے بعد اس کے زخمی دل پر اپنے لطف و کرم کا مرہم رکھ کر اسے دنیا کی طرف راغب کرلوں گا۔ اگرچہ اعتماد الدولہ میری خوشنودی اور دلداری کے لیے بظاہر اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے حوصلے کا اظہار کر رہا تھا، لیکن اس تعلق سے جو اسے اپنی بیوی سے تھا، اس صدمے کے سہنے میں اس کا حوصلہ اس کا کہاں تک ساتھ دے سکتا ہے۔

یکم آبان ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو سربلند خاں، جاں سپار خاں (۵) اور باقی خاں کو نقارہ عنایت کر کے سر بلند کیا۔

چونکہ عبداللہ خاں دکن کے صوبیدار کی اجازت کے بغیر اپنے محال جاگیر میں آ گیا ہے، اس لیے میں نے دیوانیان عظام کو سزا کے طور پر ہدایت دی کہ اس کی جاگیر کو بدل دیں۔ اور اعتماد رائے کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ جا کر اسے دکن پہنچا آئے۔

حکیم مسیح الزماں کی بے وفائی:

اس سے قبل میں حکیم مسیح الزماں کے متعلق مختصر طور پر لکھ چکا ہوں کہ اس پر اس قدر حقوق تربیت و نوازش ہونے کے باوجود اسے میری اس سخت بیماری میں کوئی خدمت بجا لانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اس پر مزید طرفہ یہ ہے کہ اس نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر مجھ سے سفر حجاز اور زیارت خانہ کعبہ کی درخواست کی، چونکہ اس نیازمند کا اس خدائے بے نیاز و کریم و کارساز پر بھروسا ہے، اس لیے میں نے اسے خندہ پیشانی سے اجازت دے دی، اور باوجود اس کے کہ اس کے پاس ہر قسم کا ساز و سامان موجود تھا، میں نے بیس ہزار روپے بھی بطور مدد خرچ اسے عنایت کیے۔ مجھے امید ہے کہ شافی مطلق بغیر اطبا کے وسیلے اور دوا کے اپنے شفاخانہ قدرت سے شفائے کامل عنایت کرے گا۔

کوہستان پنجاب کی طرف روانگی :

۱۳ آبان ماہ الٰہی ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) ۱۶ سنہ جلوس کو پیر کے دن آگرے کی ہوا انتہائی گرم ہونے کی وجہ سے اور اس وجہ سے بھی کہ سخت گرمی میرے مزاج کے موافق نہ تھی ۔ شمالی کوہستان کی طرف اس ارادے سے روانہ ہوا کہ اگر وہاں کی آب و ہوا اعتدال کے قریب ہو تو دریائے گنگا کے کنارے [337] ایک عمدہ زمین منتخب کر کے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جائے تا کہ موسم گرما میں میں وہاں ہر سال سکونت اختیار کروں ، ورنہ جانب کشمیر روانہ ہو جاؤں ۔ روانہ ہوتے وقت مظفر خان کو دارالخلافہ آگرہ کی حفاظت و نگرانی کے لیے چھوڑا ، اور اپنے نقارے ، گھوڑے اور ہاتھی سے سرفراز کیا ۔

اس کے بھتیجے میرزا محمد کو آگرے کے نواح کا فوجدار مقرر کر کے اسد خان (۶) کے خطاب اور اضافۂ منصب سے ممتاز کیا ۔

باقر خان (۷) کو صوبۂ اودھ کا صوبیدار مقرر کر کے روانہ کیا ۔

شاہزادہ پرویز کی صوبۂ بہار کی طرف واپسی :

۲۶ ماہ آبان ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو نواح متھرا سے فرزند اقبال مند شاہزادہ پرویز کو صوبۂ بہار اور اس کی محال جاگیر میں روانہ ہونے کی اجازت دی ، اور اسے خاص سروپا ، نادری ، مرصع خنجر ، گھوڑا اور ہاتھی عنایت کر کے رخصت کیا ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے طویل عمر عطا فرمائے ۔

مکرم خان حاکم دہلی آستاں بوسی کی دولت سے سرفراز ہوا ۔

۹ ماہ آذر ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو دارالحکومت دہلی میں میرا نزول اجلال ہوا ، اور دو روز سلیم گڑھ میں رہ کر شکار کھیلنے میں مشغول رہا ۔

ان ہی دنوں خبر ملی کہ جادو رائے کہاتھہ نے ، جو دکن کے سربرآوردہ سرداروں میں ہے ، اپنی خوش نصیبی اور توفیق الٰہی شامل ہونے کی وجہ سے سلطنت کی بہی خواہی اختیار کر کے ملازمین شاہی کے زمرے میں شامل ہوگیا ہے اس لیے میں نے اسے نرائن داس راٹھور کے ہاتھ ایک فرمان ، جو لطف و کرم پر مشتمل تھا ، مع خلعت و خنجر مرصع بھجوایا ۔

یکم دے مطابق ۷ صفر ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۱ء) کو قاسم خان کے بھائی مقصود کو ہاشم خاں کے خطاب سے اور ہاشم بیگ خوستی کو جان نثار خان کے خطاب سے سرفراز کیا۔

۷ ماہ دے ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۱ء) کو ہردوار میں جو دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے، نزول اجلال ہوا۔

ہردوار ہندوؤں کی مشہور عبادت گاہوں میں سے ہے، اور اکثر برہمن اور سنیاسی یہاں گوشۂ تنہائی اختیار کر کے اپنے دین و مذہب کے مطابق خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کو اُن کی حیثیت کے مطابق نقد و جنس سے بطور صدقہ عنایت کیا۔

چونکہ مجھے اس دامن پہاڑ کی آب و ہوا پسند نہیں آئی اور کوئی ایسی جگہ بھی نہ تھی کہ جہاں قیام کیا جائے، اس لیے میں جمو اور کانگڑے کے پہاڑی علاقے کی طرف روانہ ہوگیا۔

راجا بھاؤ سنگھ کی وفات :

ان ہی دنوں اطلاع ملی کہ راجا بھاؤ سنگھ نے صوبۂ دکن میں انتقال کیا۔ وہ کثرت شراب نوشی کی وجہ سے نہایت کمزور و نحیف ہو چکا تھا۔ ناگہاں اُس پر غشی طاری ہوئی، ہر چند طبیبوں نے اس کے ہوش میں لانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اختیار کیں، یہاں تک کہ اس کی پیشانی پر داغ دے کر جلایا، لیکن وہ ہوش میں نہیں آیا اور ایک رات اور ایک دن بے ہوش رہ کر وہ دوسرے دن فوت ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس کی دو بیویاں اور آٹھ کنیزیں اُس کی وفاداریوں کا ثبوت دیتے ہوئے ستی ہوگئیں۔ اس کے بڑے بھائی جگت سنگھ اور اس کے بھتیجے مہا سنگھ نے بھی اپنی زندگیاں شراب نوشی کی نذر کی تھیں لیکن بھاؤ سنگھ نے ان سے بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی، اور اپنی جان شیریں شراب کے تلخ پانی پر قربان کر دی۔ نہایت وجیہہ، شریف اور سنجیدہ انسان تھا۔ میرے شاہزادگی ہی کے زمانے سے مسلسل میری خدمت میں رہا تھا اور میری پرورش کی بدولت پنج ہزاری کے بلند منصب تک پہنچا تھا۔ چونکہ اس کے کوئی لڑکا نہ تھا، اس لیے میں نے اس کے بڑے بھائی کے پوتے کو کم عمری کے باوجود راجا کے خطاب سے سرفراز کر کے دو ہزاری ذات و ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا، اور انبر

کا پرگنہ جو اس کا وطن ہے ، سابق دستور کے مطابق اس کی جاگیر میں دیا تاکہ اس کی جمعیت منتشر نہ ہونے پائے ۔

اصالت خان (۸) ولد خانجہان کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے نوازا ۔

مرغابی کے گوشت کا ترک کرنا :

۸ ماہ دے ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو سرائے آلوترہ[1] میں قیام کیا ۔ چونکہ میں ہمیشہ شکار کھیلتا رہتا ہوں لہذا ان جانوروں کے کھانے کی طرف جنہیں میں اپنے ہاتھ سے شکار کرتا ہوں ، اکثر میری طبیعت راغب نہیں ہوتی [338]. اس احتیاط کی بنا پر جو میں ان امور میں برتتا ہوں میں شکار کیے ہوئے جانور کو اپنے سامنے صاف کراتا ہوں اور پوری توجہ کے ساتھ ان کے نکلے ہوئے پوٹوں کو ملاحظہ کرتا ہوں کہ اس نے کیا کھایا ہے اور اصل میں اس کی غذا کیا ہے ۔ اگر اتفاق سے کسی جانور کے پوٹے میں کوئی ایسی چیز نکل آتی ہے جس سے کراہیت ہوتی ہو ، تو میں اس کا گوشت کھانا چھوڑ دیتا ہوں ۔ اس سے قبل میں مرغابی کی اقسام میں سوائے سونا مرغابی کے دوسری قسم کی مرغابیوں کا گوشت نہیں کھاتا تھا ، لیکن جس زمانے میں کہ میرا قیام دارالبرکت اجمیر میں تھا ، ایک گھریلو سونا مرغابی کو دیکھا کہ وہ مکروہ کیڑے کھا رہی ہے ۔ اسے دیکھ کر مجھے مرغابی کے گوشت سے نفرت ہو گئی ۔ اس کے بعد سے میں نے گھریلو سونا مرغابی کھانا ترک کر دیا ، یہاں تک کہ آج کی تاریخ میں ایک مرغابی شکار ہوئی ۔ میں نے حکم دیا کہ اسے میرے سامنے صاف کیا جائے ۔ اس کے پوٹے میں سے پہلے ایک چھوٹی مچھلی ، پھر اتنا بڑا بقہ نکلا کہ اگر میں اسے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتا تو مجھے یقین نہیں آ سکتا تھا کہ مرغابی اتنا بڑا بقہ نگل سکتی ہے ۔ آج کے دن سے میں نے اپنے اوپر لازم قرار دے لیا کہ اب میں کسی قسم کی مرغابی کا گوشت نہ کھاؤں گا ۔

۱۔ یہ مقام سرہند سے ۱۱ میل جنوب مشرق کی جانب واقع ہے ۔ (س)

خانعالم نے عرض کیا کہ سفید عقاب کا گوشت بہت لذیذ اور نفیس ہوتا ہے ۔ اس کے کہنے پر میں نے سفید عقاب منگوا کر ذبح کر کے اپنے سامنے صاف کرایا ۔ دیکھا کہ اس کے پوٹے سے دس بچے نکلے ۔ ان کے دیکھنے سے طبیعت اس قدر متنفر ہوئی کہ ان کے تصور سے بھی جی متلاتا ہے ۔

۲۱ دے ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو سرہند کے باغ میں اترا اور یہاں دو روز قیام کر کے سیر و تماشے سے لطف اندوز ہوا ۔

اسی زمانے میں خواجہ ابوالحسن نے صوبۂ دکن سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور عنایات روز افزوں سے سرفراز ہوا ۔

یکم بہمن ماہِ الٰہی ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو نور سرا میں قیام کیا ۔ معتمد خاں کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری ذات و شش صد سوار کرنے کا حکم دیا ۔

خانعالم کو الہ آباد کی صوبیداری سے سرفراز کیا اور گھوڑا ، سروپا اور شمشیر مرصع عنایت کر کے اسے رخصت کیا ۔

مقرب خاں کو پنج ہزاری ذات و سوار کے منصب سے ممتاز کیا ۔ مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن دریائے بیاس کے کنارے قیام کیا ۔ یہیں قاسم خاں نے لاہور سے آ کر شرف آستان بوسی حاصل کیا ۔

جان بہن پرند :

ہاشم خاں اور اس کے بھائی نے تلواڑہ کے زمینداروں کے ساتھ حاضر ہو کر آستان بوسی کی عزت حاصل کی ۔

تلواڑہ کے زمیندار باسو نے ایک پرندہ میری نظر سے گزارا جسے پنجاب کے کوہستان کے لوگ جان بہن کہتے ہیں ۔ یہ پرندہ قرقادل (تیتر) کے مانند ہے ، جسے تدرو بھی کہتے ہیں ۔ اس کا رنگ بعینہ قرقادل کی مادہ کی طرح ہے لیکن اس کا جثہ سفید نر قرقادل کے برابر ہے ۔ باسو نے بتایا کہ یہ پرندہ برفانی پہاڑوں میں ہوتا ہے اور اس کی خوراک گھاس اور سبزہ ہے ۔ میں نے تدرو کو گھر میں پال کر اس کے بچے نکلوائے ہیں اور تدرو کی تمام اقسام کا چوزوں اور بڑوں کا گوشت کھایا ہے ۔ اپنے تجربے کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کے گوشت کو جان بہن پرند کے گوشت سے کوئی نسبت نہیں ۔ اس کا گوشت تدرو کے گوشت سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے ۔

اس کے علاوہ جو اور جانور اس کوہستان میں نظر آئے ، اُن میں سے ایک پھول پکار بھی ہے ۔ اہلِ کشمیر اسے سوتلو کہتے ہیں ۔ مورنی کے نصف سے کچھ کم ہوتا ہے ۔ اس کی پشت اور دُم اور دونوں بازوؤں کی رنگت چکوے کے بازوؤں کی طرح سیاہی مائل ہوتی ہے ، جس پر سفید چتّیاں ہوتی ہیں اور پیٹ سینے کے سامنے تک سیاہ رنگ کا ہوتا ہے ، جس پر سفید تل اور بعض سرخ تل بھی ہوتے ہیں ۔ اور بازو کے پر سرخ آتشیں نہایت خوبصورت اور چمک دار ہوتے ہیں ۔ چونچ کی نوک سے لے کر گردن کی جڑ تک سیاہ چمک دار رنگ ہوتا ہے ۔ سر کے اوپر دو شاخہ کلغی ، کانوں کا رنگ فیروزی ، آنکھوں کے حلقے اور چونچ کے اردگرد کی کھال سرخ ہوتی ہے ۔ حلقوم کے نیچے دو ہتیلیوں کے برابر گول کھال ہوتی ہے اور اس کھال کے درمیان ایک ہتیلی کے برابر کی رنگت بنفشی ہوتی ہے ۔ [339]

مرغ زرین :

اس علاقے میں مرغ زریں بھی ملتا ہے جسے اہل لاہور شن اور کشمیری بوط کہتے ہیں ۔ اس کا رنگ مور کے سینے کے رنگ کی مانند ہے ۔ اس کے سر پر کلغی اور دُم چار پانچ انگل کے برابر ہوتی ہے جو مور کے شہپر کی طرح زرد ہے ، جُثّے میں قاز کی مانند ہے لیکن قاز کی گردن لمبی اور بے ڈول ہوتی ہے ۔ اس کی گردن چھوٹی اور اس کے جسم کے اعتبار سے متناسب ہوتی ہے ۔ برادرم شاہ عباس نے مجھ سے مرغ زریں کی خواہش کی تھی لہٰذا چند عدد اس کے ایلچی کے ہاتھ بھجوائے گئے ۔

پیر کے دن میرا جشن وزن قمری منایا گیا ۔ اس جشن میں نور جہاں بیگم نے پینتالیس امرائے عظام اور مقربین ملازمین کو خلعت دیے ۔

۱۴ بہمن ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ء) کو موضع بھلون میں ، جو مضافاتِ سیتا محل میں ہے ، شاہی لشکر نے پڑاؤ ڈالا ۔ چونکہ مجھے کانگڑے اور اس کوہستان کی سیر کی خواہش ہمیشہ سے تھی ، اس لیے میں لشکر کے بڑے حصے کو اس مقام پر چھوڑ کر خاص مصاحبین اور ملازمین کے ایک گروہ کے ساتھ قلعۂ مذکور کی سیر کے لیے گیا ۔

اعتمادالدولہ کی وفات :

چونکہ اعتمادالدولہ بیمار تھا اس لیے میں نے اُسے لشکر میں چھوڑ دیا اور صادق خان میر بخشی کو اعتمادالدولہ کی دیکھ بھال اور لشکر کی نگرانی کے لیے مقرر کیا ۔ دوسرے دن خبر ملی کہ اعتماد الدولہ کی حالت بگڑ گئی ہے اور اس کے چہرے سے ناامیدی کے آثار ظاہر ہیں ۔ نور جہان بیگم کی پریشانی کی وجہ سے اور اس تعلق کی بنا پر جو مجھے اُس سے تھا ، میں برداشت نہ کر سکا اور لشکر میں لوٹ آیا ۔ دن ڈھلے میں اُس کے دیکھنے کے لیے گیا ، اس وقت اس پر سکرات کا عالم طاری تھا ۔ کبھی ہوش میں آ جاتا تھا ، کبھی اس پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی ۔ نور جہان بیگم نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انہیں پہچانتے ہو ؟ ایسے وقت میں اُس نے انوری کا یہ شعر پڑھا :

آنکہ نابینائے مادر زاد گر حاضر شود
در چنین آرایش عالم بہ بیند مہتری

میں تھوڑی دیر اس کے سرہانے بیٹھا رہا ۔ جب وہ ہوش میں آتا تھا تو جو وہ باتیں کرتا تھا وہ نہایت سمجھ اور آگاہی کی کرتا تھا ۔ مختصر یہ کہ ۱۷ ماہ بہمن ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو تین گھڑی گزرنے کے بعد وہ رحمت حق سے جا ملا ۔ میں کیا بیان کروں کہ اس وحشت افزا واقعے سے مجھ پر کیا گزری ۔ وہ ایک عاقل و کامل وزیر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دانا اور مہربان مصاحب بھی تھا :

از شمار دو چشم یک تن کم
در حساب خرد ہزاران بیش

باوجود اس کے کہ اتنی بڑی سلطنت کا بوجھ اس کے کندھے پر تھا اور یہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ انتظام اور فرائض کی بجا آوری میں سب کو خوش رکھے ۔ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو اپنے غرض مطلب اور اپنی مشکلات کے حل کرنے کے لیے اس کے پاس گیا ہو اور وہ اس کے پاس سے آزردہ لوٹا ہو ۔ وہ سلطنت کی بہی خواہی اور کفایت شعاری کو مد نظر رکھتا تھا اور اہل غرض کی بھی مشکل کشائی کر کے انہیں خوش اور امیدوار فضل و کرم بنا دیتا تھا ۔ بلا شبہ یہ اس کا خاص شعار تھا ۔ جس دن سے کہ اس کی شریک حیات رحمت حق سے جا ملی ، پھر وہ دل جمعی کے ساتھ کسی کام میں مشغول نہ ہو سکا اور روز بروز

اس کے غم میں گھلتا گیا ۔ اگرچہ حکومت کے امور سر انجام دینے اور دیوانی امور کے بجا لانے میں جو محنت اس نے اپنے اوپر لازم کر لی تھی ، اس میں ذرا بھی کمی نہ کرتا تھا ، لیکن اندر ہی اندر وہ اپنی رفیقۂ حیات کی جدائی کی آگ میں سلگتا رہتا تھا ، یہاں تک کہ اس کی وفات کے تین ماہ اور بیس روز بعد اس نے بھی وفات پائی ۔ اعتمادالدولہ کی وفات کے دوسرے دن [340] میں اس کے فرزندوں اور رشتے داروں کے پاس تعزیت کے لیے گیا ۔ اس کے فرزندوں اور خاندان کے اکتالیس افراد کو اور اس کے منتسبین کے بارہ اشخاص کو میں نے سروپا عنایت کر کے ان کے ماتمی لباس اتروائے ۔

دوسرے دن اپنی پرانی خواہش کے مطابق کوچ کر کے میں قلعۂ کانگڑہ کی سیر کے لیے روانہ ہوا ۔ چار منزل پر دریائے بان گنگا کے ساحل پر لشکر شاہی کے خیمے نصیب ہوئے ۔ الف خاں اور شیخ فیض اللہ نے جو قلعے کے محافظ تھے ، حاضر ہو کر زمین بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

اس منزل میں راجا چنبا کا پیش کش میری نظر سے گزرا ۔ اس کا ملک کانگڑہ سے پچیس کوس دور ہے اور اس کوہستان میں اس سے بہتر کوئی زمیندار نہیں ۔ اس کا ملک اس علاقے کے بھگوڑے زمینداروں کی جائے پناہ ہے ، وہاں تک پہنچنے کی گھاٹیاں نہایت دشوار گزار ہیں ۔ اسی لیے اس نے آج تک کسی بادشاہ کی اطاعت نہیں کی تھی اور نہ کسی بادشاہ کو پیش کش بھجوایا تھا ۔ میرے لیے مذکورہ پیش کش اس کا بھائی لے کر آیا تھا ، جس نے شرف حضوری حاصل کر کے اس کی جانب سے مراسم بندگی اور دولت خواہی ادا کیے ، خاصا شہری اور معقول آدمی نظر آیا ۔

۲۴ ماہ آبان ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو میں قلعۂ کانگڑہ کی سیر کی طرف متوجہ ہوا ۔ روانہ ہوتے وقت میں نے حکم دیا کہ قاضی ، میر عدل اور دوسرے علماء جو میرے ہمرکاب ہیں ، وہ قلعے میں داخل ہونے پر شعار اسلام اور شرائط دین بھی بجا لائیں ۔ مختصر یہ کہ تقریباً ایک کوس چڑھائی طے کر کے قلعے میں داخل ہوا اور خدا کی توفیق سے اذان (دلوا کر) نماز اور خطبہ پڑھوایا اور گائے وغیرہ ذبح کرائی ۔ ان میں سے کسی ایک شعار پر بھی ، جب سے یہ قلعہ بنا ہے ، عمل نہ ہوا تھا ۔ میں نے ان سب امور پر اپنے سامنے عمل کرایا اور اس نعمت پر سجدۂ شکر بجا لایا کہ جس کی اب تک کسی بادشاہ کو توفیق نہیں ہوئی تھی ،

خدائے تعالیٰ نے اس کی توفیق مجھے بخشی ۔ میں نے حکم دیا کہ اس قلعے میں ایک عالی شان مسجد کی بنیاد رکھی جائے[1] ۔

قلعۂ کانگڑہ کی کیفیت :

قلعۂ کانگڑہ ایک بلند پہاڑ پر واقع ہے اور اس قدر مستحکم اور مضبوط ہے کہ اگر سامان رسد اور قلعے کی حفاظت کے لوازمات موجود ہوں ، تو کسی بھی طاقتور سے طاقتور دشمن کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا اور تدبیر کی کمندیں اس کی تسخیر سے قاصر ہیں ۔ اگرچہ بعض مقامات پر اس کی حفاظت کے لیے سرکوب[2] موجود ہیں ، جہاں سے توپ کا گولہ اور بندوق کی گولی اندر پہنچ سکتی ہے ، لیکن ان سے اہل قلعہ کو گزند نہیں پہنچ سکتا کہ وہ وہاں سے دوسری جگہ نقل مکان کر کے اس کے نقصان سے محفوظ رہ سکتے ہیں ۔ اس قلعے کے تیئیس برج اور سات دروازے ہیں ۔ اس کا گھیر ایک کوس اور پندرہ طناب[3] ہے ۔ طول چوتھائی کوس اور دو طناب اور عرض بائیس طناب سے زیادہ اور پندرہ طناب سے کم نہیں ، اس کی بلندی ایک سو چودہ گز ہے ، قلعے کے اندر دو حوض ہیں ، ان میں سے ایک طول میں دو طناب اور عرض میں ڈیڑھ طناب ہے اور دوسرا بھی اس کے برابر ہے ۔

دُرگا مندر کی سیر :

قلعے کی سیر سے فارغ ہونے کے بعد میں دُرگا مندر کی سیر کے لیے گیا جو

۱- تقسیم ہند سے پہلے اس مسجد کا نام و نشان نہ تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۵ع کے زلزلۂ عظیم میں یہ مسجد اور قلعہ تباہ ہو گیا ۔ (رک : انڈین گزیٹئر ، ج ۱۴ ، ص ۳۹۷) ۔ (س)

۲- سرکوب : وہ پشتہ جو کسی قلعے کے اندر حملہ اور تیر اندازی اور گولا باری کرنے کے لیے اس حصار کے متوازی بنایا کرتے تھے یا قدرتی طور پر موجود ہوتے تھے ۔

۳- موجودہ نظام پیمائش کے لحاظ سے ایک کوس دو میل کا اور طناب چوّن گز کی ہوتی تھی ۔

بھون کے نام سے مشہور ہے ، جہاں ایک عالم گمراہی کی وادی میں بھٹکا ہے ۔ کفار سے قطع نظر کہ بت پرستی ان کا شعار ہے ، مسلمانوں کے گروہ کے گروہ دور دور سے سفر کر کے یہاں آتے ہیں اور نذر چڑھا کر اس کالے پتھر کی پرستش کرتے ہیں ۔ پہاڑ کے دامن میں بظاہر ایک گندھک کی کان ہے ۔ اس کی حرارت و تابش کے اثر سے ہمیشہ اس سے آگ کے شعلے نکلتے رہتے ہیں ، اسی لیے جاہل لوگ اس کو جوالا مکھی کہہ کر اس بت کی کرامت قرار دیتے ہیں ۔ ہندو اس عقیدے پر فی الواقع یقین رکھتے ہوئے عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں ۔ ہندو کہتے ہیں کہ جب مہادیو کی بیوی کی عمر پوری ہوئی اور اس نے موت کا شربت پیا ، مہادیو نے اس انتہائے محبت اور تعلق کی وجہ سے جو اسے اس سے تھا ، وہ اس کی لاش کو کندھے پر رکھ کر دنیا میں پھرتا رہا ۔ جب ایک زمانہ اس طرح گزر گیا تو اس کے ترکیب بدن میں انتشار پیدا ہوا ، اعضا ایک دوسرے سے جدا ہو کر مختلف جگہوں پر گر پڑے ۔ جو عضو جس جگہ گر گیا [341] اس عضو کی بزرگی و عظمت کے لحاظ سے اس جگہ کی حرمت و تعظیم کی گئی ۔ چونکہ سینہ تمام اعضا کے مقابلے میں زیادہ شریف ہے ، وہ اس جگہ گرا تھا اس لیے اس جگہ کی دوسری جگہوں کی بہ نسبت زیادہ عزت کی جاتی ہے ۔

بعضوں کا خیال ہے کہ یہ پتھر جو اب ان گمراہوں کا معبود اور ان بدبختوں کا مرکز عقیدت ہے ، در اصل وہ پتھر نہیں ہے جو قدیم زمانے میں تھا ، بلکہ یہاں جو پتھر قدیم زمانے میں تھا اس کو مسلمانوں کے ایک لشکر نے اٹھا کر دریا میں پھینک دیا تھا ۔ چونکہ کوئی شخص اس پتھر تک نہ پہنچ سکتا تھا ، اس کی وجہ سے مدتوں تک کفر و شرک کی بنیاد دنیا سے اٹھ گئی تھی ، یہاں تک کہ ایک برہمن پجاری نے اپنی دوکان چلانے کے لیے ایک پتھر اس کی جگہ رکھ دیا اور اس وقت کے راجا کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں نے درگا[1] کو خواب میں دیکھا ہے ، اس نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ پتھر فلاں مقام پر پھینکا گیا ہے ۔ اب میرے ظاہر ہونے کا وقت آ گیا ہے ، لہذا جلد مجھے حاصل کر کے اس کی جگہ پر رکھ دو ۔ راجا نے کچھ تو اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اور کچھ اس روپے

---

۱ - درگا : مہادیو کی بیوی کا نام ہندو مائیتھالوجی کے مطابق درگا تھا ۔

کی طمع میں کہ جو نذروں کے ذریعے سے آئے گا ، برہمن کی بات کا یقین کر کے کچھ لوگوں کو اس کے ساتھ بھیج دیا ، اور انہوں نے اس پتھر کو وہاں سے اٹھا کر اس مقام پر نہایت عزت و احترام سے نصب کر دیا ۔ اور اس طرح از سر نو کفر و ضلالت کی دوکان لگی ۔ والعلم عنداللہ ۔

کوہ مدار کی سیر :

اس بت خانے کی سیر کے بعد میں اس درے کی سیر کے لیے گیا جو کوہ مدار کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ جگہ آب و ہوا کے اعتبار سے نہایت نفیس ہے اور سبزے کی طراوت اور مقام کی لطافت کی وجہ سے ایک خوش منظر مقام ہے ۔ یہاں ایک آبشار بھی ہے جو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرتا ہے ۔ میں نے حکم دیا کہ یہاں ایک موزوں عمارت جو اس مقام کے مناسب حال ہو بنائی جائے ۔

۲۵ ماہ آبان ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو میں نے (موضع بہلون) کی طرف مراجعت کی ۔ **الف خان** اور **شیخ فیض اللہ** کو گھوڑے اور ہاتھی سے سرفراز کر کے انہیں قلعے کی حفاظت کے لیے رخصت کیا ۔

قلعۂ نور پور میں قیام :

دوسرے دن (۲۶ آبان ۱۰۳۰ھ مطابق ۱۶۲۱ع) کو شاہی لشکر قلعۂ نور پور میں خیمہ زن ہوا ۔ مجھے اطلاع ملی کہ اس نواح میں جنگلی مرغ بہت ہیں ۔ چونکہ میں نے اب تک مرغ کا شکار نہیں کیا تھا ، اس لیے میں دوسرے دن وہیں قیام کر کے شکار کی مسرت سے خوش وقت ہوا ۔ چار عدد مرغ شکار کیے ۔ جنگلی مرغ اور گھریلو مرغ میں جثے ، رنگ اور صورت کے اعتبار سے کوئی تمیز نہیں کی جا سکتی ۔

جنگلی مرغ کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر اس کے پاؤں پکڑ کر الٹا لٹکالیں تو جہاں تک بھی اس کو لے جائیں ، آواز نہیں نکالے گا اور خاموش رہے گا ۔ بخلاف گھریلو مرغ کے کہ وہ اس موقع پر چیختا ہے ۔ اسی طرح

جب تک کہ جنگلی مرغ کو ذبح کرنے کے بعد پانی میں غوطہ نہ دیں اس کے پر آسانی سے اکھڑ نہیں سکتے اور گھریلو مرغ کے پر حلال کرنے کے بعد تیتر اور پودنہ کی طرح خشک حالت میں آسانی سے اکھیڑے جا سکتے ہیں ۔

میں نے مختلف اقسام کے جنگلی مرغوں کے گوشت کے سالن اور کباب بنوائے جو نہایت بے مزہ اور خشک نکلے ۔ البتہ اس کے چوزوں میں فی الجملہ رطوبت ہوتی ہے لیکن وہ بھی بد مزہ ہوتے ہیں ۔

جنگلی مرغ ایک تیر کی زد کے فاصلے سے زیادہ پرواز نہیں کر سکتا ۔ اس کے چوزوں کا رنگ اکثر سرخ ہوتا ہے ، اور جنگلی مرغیوں کا رنگ سیاہ اور زرد ہوتا ہے ۔ یہ نور پور کے اس جنگل میں کثرت سے ہیں ۔

نور پور کی وجہ تسمیہ :

نور پور کا پرانا نام دھمری ہے ۔ راجا باسو نے یہاں پتھر کا ایک قلعہ ، عمارتیں اور باغ بنوائے اور میرے نام کی مناسبت سے اس کا قدیم نام بدل کر نور پور رکھا ۔ کہتے ہیں کہ اس عمارت پر تیس ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں ۔ نتیجتاً یہ کہ ہندو جو بھی عمارت اپنے ڈھب کی بناتے ہیں ، ہر چند کہ وہ اس کے بنانے میں انتہائی تکلفات اختیار کرتے ہیں ، لیکن باوجود اس کے وہ عمارت دل نشین نہیں ہوتی ۔

چونکہ یہ ایک اچھی جگہ اور فرحت بخش منزل گاہ تھی اس لیے میں نے حکم دیا کہ یہاں کے شایان شان عمارتیں تعمیر کرنے کے لیے ایک لاکھ روپیہ خزانۂ عامرہ سے دیا جائے اور اس سے اس سرزمین کے لائق عمارتیں تعمیر کی جائیں ۔

موتی سنیاسی :

اسی زمانے میں مجھ سے عرض کیا گیا کہ اس نواح میں ایک موتی سنیاسی ہے کہ جس نے "سلب اختیار" اختیار کر رکھا ہے ۔ میں نے حکم دیا کہ اسے میرے حضور میں پیش کیا جائے تاکہ اس کی حقیقت حال تک پہنچا جا سکے ۔

ہندوؤں کے عبادت گزار [342] اور مرتاض لوگوں کو سرب باسی کہتے ہیں ۔ سرب باسی کے معنی ہیں ، ہر چیز کا ترک کرنے والا ۔ یہ لفظ کثرت استعمال سے

سناسی ہو گیا۔ ان کے مراتب کی تفصیل بہت ہے۔ پھر سرب باسی میں بھی چند گروہ ہیں۔ ان میں سے ایک موتی ہے، یہ طبقہ اپنے سے سلب اختیار کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو سپرد کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ مطلقاً زبان کو بولنے سے آشنا نہیں کرتے۔ اگر دس روز بھی ایک جگہ کھڑے رہیں گے، قدم آگے پیچھے نہیں اٹھائیں گے۔ مختصر یہ کہ یہ لوگ اپنے اختیار کو قطعاً کام میں نہیں لاتے، گویا جمادات کی طرح ہیں۔

جب موتی میرے سامنے لایا گیا تو میں نے اس کے حالات کی تحقیق کی۔ میں نے ایک عجیب قسم کی استقامت اس کے حالات میں مشاہدہ کی۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر یہ مست و بے خود ہو جائے تو حالت سرمستی، بےخودی اور بے خبری میں اس سے خارجی ادائیں سرزد ہوں گی۔ اس بنا پر میں نے اس کو دو آتشہ شراب کے چند پیالے پلوائے، لیکن اس نے سلب اختیار کی اس قدر مشق بہم پہنچائی تھی کہ اس میں بال کے برابر بھی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ پوری طرح اسی استقامت پر قائم تھا۔ جب وہ بےہوش ہو گیا تو مثل مُردوں کے اس کو اٹھا کر لے گئے۔ خدائے تعالیٰ نے بڑا کرم کیا کہ کوئی جانی نقصان اس کو نہیں پہنچا۔ مختصر یہ کہ وہ اپنے مقام پر ایک عجیب و غریب استقامت رکھتا ہے۔

فتح قلعہ کانگڑہ اور تعمیر مسجد کی تاریخ:

اسی زمانے میں بے بدل خاں نے فتح کانگڑہ کی تاریخ اور اس مسجد کی تاریخ جو اس قلعے میں بنائی گئی تھی، پیش کی۔ چونکہ وہ مجھے اچھی معلوم ہوئیں اس لیے لکھی جا رہی ہیں:

تاریخ فتح قلعۂ کانگڑہ

شہنشاہِ زمان شاہ جہانگیر ابنِ شاہ اکبر
کہ شد بر ہفت کشور پادشاہ از حکمِ تقدیری
جہانگیر و جہاں بخش و جہاں دار و جہان دارا
کہ از بختِ جوانِ او جہان ایمن شد از پیری
بشمشیرِ غزا این قلعہ را بکشود تاریخش
خرد گفتا کشود این قلعہ اقبال جہانگیری

۱۰۳۰ھ

مسجد تعمیر کیے جانے کی تاریخ اس نے اس طرح کہی:

تاریخ بناے مسجد

نور دین شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر
بادشاہی است کہ در دہر ندارد ثانی
قلعۂ کانگڑہ بگرفت بتائید الہ
ابر تیغش کہ کند قطرۂ او طوفانی
شد چو از حکم وی این مسجد پر نور بنا
کہ منور شود از سجدۂ او پیشانی
ہاتف از غیب بگفت از پئے تاریخ بناش
مسجد شاہ جہانگیر بود نورانی
۱۰۳۰ھ

اعتمادالدولہ کی جاگیر نور جہان کو عنایت کرنا :

یکم اسفندار ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو اعتمادالدولہ کی جاگیر و حشم اور تمام اسباب ریاست و امارت نور جہان بیگم کو عطا فرمایا ، اور حکم دیا کہ آیندہ شاہی نوبت کے بعد اس کا نقارہ و نوبت بجایا جائے ۔

۴ ماہ اسفندار ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو پرگنۂ کشہونہ کے قریب نزول اجلال ہوا ۔

خواجہ ابوالحسن کا ''دیوان کُل'' پر تقرر :

اسی دن خواجہ ابوالحسن (۹) کو ''دیوانی کُل'' کے اعلیٰ منصب سے سرفراز کیا ۔ دکن کے بتیس اُمرا کو خلعت عنایت کیے ۔

اعتمادالدولہ کے پوتے ابوسعید کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

خسرو کی وفات :

اسی دن خرم کی عرضداشت ملی ، جو اس اطلاع پر مشتمل تھی ، کہ خسرو

نے اس ماہ کی آٹھ[1] تاریخ کو درد قولنج کی بیماری میں مبتلا ہو کر وفات پائی ، اور رحمت حق سے جا ملا ۔

دریائے بہت (جہلم) کے کنارے قیام :

۱۹ ماہ اسفندار ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو دریائے بہت (جہلم) کے کنارے پڑاؤ ڈالنے کا اتفاق ہوا ۔

قاسم خاں کو سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

راجا کشن داس کو دہلی کا فوج دار مقرر کر کے اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری ذات و پانصد سوار کر دیا ۔

اس سے قبل میں نے قراولوں اور یساولوں[2] کو متعین کیا تھا کہ کرچھاک کی شکار گاہ میں شکار کو گھیرے میں لانے کا انتظام کریں ۔ جب اطلاع ملی کہ شکار گھیرے میں آچکا ہے تو میں ۲۲ ماہ اسفندار ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) کو [343] چند خاص امرا کے ساتھ شکار کے لیے گیا ۔ ایک سو چوبیس پہاڑی مینڈھے اور چکارے شکار ہوئے ۔

ظفر خاں ولد زین خاں کی وفات :

اسی روز مجھے اطلاع ملی کہ ظفر خاں ولد زین خاں وفات پا کر رحمت حق سے جا ملا ۔ نیک توقعات کی بنا پر میں نے اس کے بیٹے کو منصب ہشت صدی ذات وچہار صد سوار سے سرفراز کیا ۔

۱۔ اقبال نامہ جہانگیری میں خسرو کی تاریخ وفات بجائے ۸ کے ۲۰ بہمن صراحت کے ساتھ مندرج ہے ۔ (رک : اقبال نامہ جہانگیری ، مطبوعہ الہ آباد ، ص ۲۰۶)

۲۔ یساول : چوب دار ۔

حواشی جشنِ شانزدہم

(۱) فاضل خان : آقا افضل اصفہانی ، یہ ابتداءً شیخ فرید مرتضیٰ بخاری سے مربوط ہوا ۔ جب جہانگیر نے صوبۂ پنجاب کا نظم و نسق شیخ فرید مرتضیٰ بخاری کے سپرد کیا تو اس نے اس کو اپنا نائب مقرر کیا ۔ جب یہ صوبہ اعتماد الدولہ کے سپرد ہوا تب بھی یہ اس کا نائب رہا ۔ اس کے بعد شاہزادہ سلطان پرویز کا دیوان مقرر ہوا اور اس کے بعد مناسب منصب اور فاضل خان کے خطاب سے سر بلند ہوا ۔ ۲۰ جلوس جہانگیری میں دکن کی دیوانی سے سرفراز ہوا ۔ ۱۵ جلوس شاہ جہانی میں بنگال کی دیوانی سے سرفراز ہوا ۔ ۲۱ جلوس شاہ جہانی میں اس نے وفات پائی ۔ (رک : مآثر الامرا ، ج ۳ ، ص ۱۰۸ - ۲۰۱)

(۲) شیخ قاسم (محتشم خان) فتح پوری : اسلام خان شیخ علاء الدین کا بھائی تھا ۔ ۳ جلوس جہانگیری میں ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز ہوا ۔ ۸ جلوس جہانگیری میں صوبۂ بنگال کی حکومت پر مامور ہوا ۔ ۹ جلوس جہانگیری میں چار ہزاری ذات چار ہزار سوار کے منصب سے سر بلند ہوا ۔ (رک : مآثر الامرا ، ج ۳ ، ص ۳۵۵)

(۳) نظام الملک : سے مراد یہاں مرتضیٰ نظام شاہ ثانی ہے جو ۱۶۰۳ ع سے ۱۶۲۰ ع تک حکمران رہا ہے ۔ چاند بی بی کے خاتمے کے بعد جب مغل بہادر شاہ کو گرفتار کر کے لے گئے تو ملک عنبر نے اس خاندان کے ایک اور شاہزادے کو یعنی مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کو تخت نشین کر دیا ۔ جب احمد نگر پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا تو ملک عنبر نے دولت آباد کو پایۂ تخت بنایا اور یہیں مرتضیٰ کو محفوظ کر دیا ۔ شہر کھڑکی بھی اسی زمانے میں آباد ہوا ہے ۔

(۴) قاضی نصیر برہان پوری : ابن قاضی سراج محمد برہان پوری ۔ انھوں نے تعلیم اپنے والد اور شیخ عثمان بن عیسیٰ سندھی سے پائی تھی ۔ انھوں نے ۱۰۳۱ھ میں وفات پائی ۔ (رک : نزهة الخواطر ، ۴ : ص ۳۱۷ - ۳۱۸)

(۵) جانسپار خاں : (خواجہ بابا) نقیب خاں قزوینی کا بھتیجا ہے ۔ وفات : ۱۰۵۵ھ ۔ (رک : مآثر الامرا ، ۱ : ص ۵۳۰)

(۶) اسد خاں (معموری) : مظفر خاں کے چھوٹے بھائی عبدالوہاب خاں عنایتی کا بیٹا ہے ۔ جب سلطان پرویز مہابت خاں کے ساتھ شاہزادہ خرم کے تعاقب پر مامور ہوا تو یہ بھی اُس کے مدد گاروں میں مقرر کیا گیا ۔ مہابت خاں نے برہان پور پہنچنے کے بعد اس کو ایلچ پور کی حفاظت کے لیے متعین کیا ۔ اسد خاں نے ۱۰۳۱ھ میں لاہور میں وفات پائی ۔

(رک : مآثر الامرا ، ج ۱ ، ص ۱۴۰ - ۱۴۲)

(۷) باقر خاں (نجم ثانی) : اس کا سلسلہ نسب میرزا احمد یار اصفہانی تک پہنچتا ہے ۔ نور جہان بیگم کی ہمشیرہ خدیجہ بیگم کی دختر اس کے نکاح میں تھی ۔ اس قرابت کی وجہ سے اس پر ترقی کے اور دروازے کھل گئے ۔ جہانگیر اسے فرزند کہہ کر مخاطب کرتا تھا ۔ عہد شاہ جہانی میں یہ اوڑیسہ کا صوبیدار تھا ، لیکن چونکہ اس کا سلوک وہاں کی رعایا کے ساتھ اچھا نہ تھا ، اس لیے معزول کیا گیا اور وہیں اس نے ۱۰ جلوس شاہجہانی ۱۰۴۷ھ میں وفات پائی ۔ (رک : مآثر الامرا ، ۱ : ص ۴۰۸ - ۴۱۲)

(۸) اصالت خاں : ولد خانجہاں لودی ۔ اس کا منصب سہ ہزاری تھا ۔ اس نے اپنے زمانۂ آوارہ گردی میں دولت آباد میں وفات پائی ۔

(رک : مآثرالامرا ، ۱ : ص ۳۲۷)

(۹) خواجہ ابو الحسن تربتی (ملقب بہ رکن السلطنت) تربت ، خراسان میں ایک مقام ہے ، یہ وہاں کا رہنے والا تھا ۔ خواجہ ابوالحسن اکبر کے عہد میں شاہزادہ دانیال کی وزارت اور دکن کی دیوانی کے عہدے سے سرفراز ہوا ۔ جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو اُس نے خواجہ کو دکن سے اپنے حضور میں بلوا لیا ۔ ۲ جلوس جہانگیری میں آصف خاں میرزا جعفر وکیل مقرر ہوا تو اس نے جہانگیر سے اُسے اپنی سررشتہ داری کے لیے مانگ لیا ۔ جب آصف خاں میرزا جعفر مہم دکن پر روانہ ہوا اور اعتماد الدولہ ''دیوان کل'' مقرر ہوا

تو یہ جہانگیر کی ہمرکابی میں رہنے لگا۔ جب اعتماد الدولہ نے وفات پائی تو یہ اس کی جگہ دیوان کل مقرر ہوا۔ ۱۹ جلوس جہانگیری میں کابل کا صوبیدار مقرر ہوا اور اس کی نیابت میں اسی کا بیٹا وہاں بھیجا گیا۔ ۱۰۳۹ھ میں جب خانجہاں لودی آگرے سے فرار ہوا تو شاہجہاں نے اُس کو دوسرے اُمرا کے ساتھ اُس کے تعاقب میں متعین کیا۔ خواجہ ابوالحسن نے ۱۰۴۲ھ میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ طالب کلیم نے اس مصرعے میں اُس کی تاریخ وفات کہی:

با امیر المومنین محشور باد = ۱۰۴۲ھ

(رک: ماثرالامرا، ۱، ص ۷۳۷-۷۳۹)

سترھواں جشنِ نوروز

[343] شبِ دو شنبہ ۸ جمادی الاول ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو ایک پہر پانچ گھڑی اور کچھ رات گزرنے کے بعد سورج نے تحویل ُبرج، حوت سے برج حمل میں داخل ہوکر عالم کو اپنے نور سے منور کیا اور اس نیاز مند کی تخت نشینی کا سترھواں سال تبریک اور سلامتی کے ساتھ شروع ہوا ۔

اس مبارک دن میں آصف خان کو شش ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

قاسم خان کو پنجاب کی حکومت دے کر رخصت کیا اور روانہ ہوتے وقت اُسے گھوڑا ، ہاتھی اور سروپا عنایت کیا ۔

شاہ ایران کے ایلچی زنبل بیگ کو ستر ہزار درب بطور انعام دیے ۔

راولپنڈی میں قیام :

۹ ماہ فروردین ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو راولپنڈی میں قیام کیا ۔

فاضل خان کو بخشی گری کی خدمت سے سرفراز کیا ۔

زنبل بیگ کو لاہور میں قیام کرنے کا حکم :

زنبل بیگ کو حکم دیا کہ جب تک میں سیر کشمیر سے فارغ ہو کر دارالسلطنت لاہور میں واپس نہ آؤں ، وہ لاہور میں اطمینان و آسودگی کے ساتھ اقامت کرے ۔

اکبر قلی خان گکر کو ایک ہاتھی عنایت کیا ۔

شاہ ایران کے عزمِ تسخیرِ قندھار کی خبر :

اس زمانے میں متعدد مرتبہ میرے سننے میں آیا کہ شاہ ایران فتح قندھار کے ارادے سے خراسان سے روانہ ہو چکا ہے ۔ اگرچہ یہ خبر سابقہ اور حالیہ تعلقات کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت زیادہ بعید از قیاس معلوم ہوتی تھی اور یہ بات گمان

سے دور معلوم ہوتی تھی کہ اتنا عظیم المرتبت بادشاہ اتنی خفت اور پستی پر اتر آئے گا ۔ اور میرے ملازموں میں سے ایک ادنٰی ملازم پر ۔ جو تین چار[1] سو نوکروں کے ساتھ قندھار میں ہے ، چڑھائی کر دے گا ۔ لیکن چونکہ احتیاطی تدابیر شرائط شاہی اور لوازم حکم رانی میں داخل ہیں ، میں نے احدیوں کے بخشی زین العابدین کو ایک فرمان مرحمت عنوان کے ساتھ خرم کے پاس بھجوایا کہ فاتح و جرار لشکر اور کوہ پیکر ہاتھی اور وہ عظیم توپ خانہ جو اس صوبے میں اس کی کمک کے لیے متعین کیا گیا تھا ، ساتھ لے کر جس قدر جلد ممکن ہو ، سرعت کے ساتھ ہماری خدمت میں حاضر ہو جائے ۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ شاہ ایران نے قندھار پر حملے کا ارادہ کیا ہے تو خرم کو ایک کثیر لشکر اور بہت بڑے خزانے کے ساتھ بھیجا جائے گا تاکہ شاہ ایران کو عہد شکنی اور حق ناشناسی کا مزہ چکھائے ۔

۸ ماہ فروردین ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو میں نے حسن ابدال کے چشمے کے پاس قیام کیا ۔

فدائی خاں کو ہزاری ذات و ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔ بدیع الزماں کو احدیوں کا بخشی مقرر کیا ۔

مہابت خاں کی کابل سے آمد :

۱۲ ماہ فروردین ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو جمعہ کے دن مہابت خاں نے کابل سے آ کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی اور روز افزوں الطاف سے بہرہ اندوز ہوا ۔ اس نے سو مہریں بطور نذر اور دس ہزار روپے بطور تصدق گزرانے ۔

خواجہ ابوالحسن نے اپنے لشکریوں کو آراستہ کر کے میرے ملاحظے سے گزرانا ۔ دو ہزار پچاس سوار خوش اسپہ شمار میں آئے ۔ منجملہ ان کے چار سو برق انداز سوار بھی تھے ۔

اس منزل میں میں نے ہانکے کا شکار کھیلا [344] اور تینتیس پہاڑی بکرے تیر اور بندوق سے شکار کیے ۔

۱- اقبال نامہ کا بیان ہے کہ خواجہ عبدالعزیز نقشبندی کے ساتھ قلعہ قندھار میں تیس ہزار فوج تھی ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۲۳۰) ۔

حکیم موسنا کا شرف حضوری :

اسی زمانے میں حکیم موسنا نے رکن السلطنت مہابت خان کے وسیلے سے شرف حضوری حاصل کیا اور مہارت طبی اور عزم و حوصلے کی بنا پر میرے علاج کے لیے استدعا کی ۔ امید ہے کہ اُس کا قدم مبارک ہوگا ۔

مہابت خان کے بیٹے امان اللہ کا منصب دو ہزاری ذات و ہزار و ہشت صد سوار مقرر کیا ۔

۱۹ فروردین ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) پکھی (پکھلی) کے باہر خیمے آراستہ کیے اور جشن شرف وہیں منایا ۔

مہابت خان کو کابل رخصت کیا اور اسے رخصت ہوتے وقت گھوڑا ، ہاتھی اور خلعت عنایت کیا ۔

اعتبار خان کا آگرے کی صوبیداری پر تقرر :

اعتبار خان کا منصب پنج ہزاری ذات و چہار ہزار سوار کر دیا ۔ چونکہ یہ ایک پرانا ملازم تھا اور بہت بوڑھا ہو چکا تھا ، میں نے اسے آگرے کی صوبیداری سے سرفراز کیا اور وہاں کے قلعے کی حفاظت اور خزانوں کی نگرانی بھی اس کے سپرد کی ۔ اسے ہاتھی ، گھوڑا اور خلعت عنایت کر کے رخصت کیا ۔

۲۹ فروردین ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو کھالی کنوار[1] کے مقام پر ارادت خان نے کشمیر سے آ کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

۲ اردی بہشت ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو کشمیر کے خطۂ دلکشا میں میرا نزول اجلال ہوا ۔

میر میران کو دو ہزار و پانصدی ذات و ہزار و چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

ممالک محروسہ میں فوجداری ابواب کو ختم کرنے کا حکم :

ان ہی دنوں میں نے رعایا کی فلاح و بہبود اور سپاہ کے آرام کے مدنظر

۱- بہ ظاہر بارہ مولا معلوم ہوتا ہے ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۲۳۲) ۔

ابواب فوجداری موقوف کر کے فرمان جاری کر دیا کہ تمام ممالک محروسہ میں ابواب فوجداری کے تحت کسی کو زحمت نہ دی جائے ۔

زبردست خاں میر توزک کو دو ہزاری ذات و ہفت صد سوار کے منصب سے ممتاز کیا ۔

فصد کھلوانا :

۱۳ ماہ اردی بہشت ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو اطبا ، خصوصاً حکیم مومنا کے مشورے سے بائیں بازو میں فصد کھلوائی اور اس عمل سے مجھے اپنی طبیعت ہلکی محسوس ہوئی ۔

مقرب خاں کو سروپا اور حکیم مومنا کو دس ہزار درب انعام دیے ۔

خرم کی سفارش پر عبداللہ خاں کو شش ہزاری کے منصب پر ترقی دی ۔

سرفراز خاں کو نقارے سے سرفراز کیا ۔

بہادر خاں اوزبک نے قندھار سے آ کر زمیں بوسی کی سعادت حاصل کی اور سو مہریں بطور نذر اور چار ہزار روپے تصدق کے لیے پیش کیے ۔

شاہ نامہ و خمسہ نظامی کا تحفہ :

مصطفیٰ[۱] حاکم ٹھٹہ نے شاہ نامہ اور خمسہ شیخ نظامی با تصویر جن کی تصویریں ماہر اُستادوں نے بنائی تھیں اور ان کے علاوہ دوسرے تحائف جو اس نے بطور پیش کش بھجوائے تھے ، میری نظر سے گزرے ۔

یکم خورداد ماہ الٰہی ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو لشکر خاں کو چار ہزاری ذات و سہ ہزار سوار کے منصب سے سربلند کیا ۔

میر جملہ کو دو ہزار و پانصدی ذات و ہزار سوار کا منصب عنایت کیا ۔

۱- مصطفیٰ میرزا رستم بن سلطان حسین میرزا بن بہرام میرزا بن شاہ اسماعیل صفوی کے بعد ٹھٹہ کا حاکم مقرر ہوا تھا ۔ اس کے بعد بایزید بخاری بن سید مبارک خاں ٹھٹہ کا حاکم مقرر ہوا ۔ (رک : اُردو ترجمہ تحفۃ الکرام ، ص ۲۸۹-۲۹۷)

امرائے دکن کو حسب ذیل فہرست کے مطابق اضافہ مناصب سے سرفراز کیا :
سردار خان کو سہ ہزاری و دو ہزار و پانصد سوار ۔
سر بلند خان کو دو ہزار و پانصدی ذات دو ہزار و دویست سوار ۔
باقی خان کو دو ہزار و پانصدی و دو ہزار سوار ۔
شرزہ خان کو دو ہزار و پانصدی و دویست سوار ۔
جان سپار خان کو دو ہزاری ذات و دو ہزار سوار ۔
میرزا والی کو دو ہزار و پانصدی و ہزار سوار ۔
میرزا بدیع الزماں ولد میرزا شاہرخ کو ہزار و پانصدی ذات و سوار ۔
زاہد خان کو ہزار و پانصدی و ہفت صد سوار ۔
عقیدت خان کو ہزار و دو صدی و سیصد سوار ۔
ابراہیم حسین کاشغری کو ہزار و دو صدی ذات و شش صد سوار ۔
ذوالفقار خان کو ہزاری ذات و پانصد سوار ۔
اور راجا گج سنگھ اور ہمت خان کو نقارہ عنایت کیا ۔

۲ تیر ماہ الٰہی ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو سید بایزید[1] کو مصطفیٰ خان کے خطاب سے سرفراز کر کے نقارہ بھی عنایت کیا ۔

شاہ زادہ پرویز کی طلبی :

اسی زمانے میں کہ تہور خان کو جو میرے مقرب خدمت گاروں میں ہے ، طلبی کا فرمان مرحمت عنوان دے کر فرزند اقبال مند شاہ پرویز کے پاس روانہ کیا ۔

شاہ ایران کا قلعۂ قندھار کا محاصرہ :

اس سے چند روز قبل صوبۂ قندھار کے متصدیوں کی عرضیاں اس اطلاع پر مشتمل پہنچی تھیں کہ شاہ ایران قندھار کو تسخیر کرنے کے لیے پہنچ چکا ہے ۔ لیکن میرا صداقت پسند دل گذشتہ و حالیہ تعلقات کے مدنظر اس امر کا یقین [345] نہیں کرتا تھا ۔ یہاں تک کہ فرزند خانجہاں کی عرضداشت پہنچی کہ

۱۔ سید بایزید بخاری ٹھٹھ کی حکومت سے قبل بکھر کا فوجدار تھا ۔ اس نے ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی ، اور اُچ میں مدفون ہوا ۔ (رک : تعلیقات مظہر شاہجہانی ، ص ۳۱۱) ۔

شاہ عباس عراق و خراسان کے لشکر کے ساتھ آیا ہے، اور قلعۂ قندھار کا محاصرہ کر لیا ہے۔ میں نے اس عرضداشت کے ملتے ہی نجومیوں کو حکم دیا کہ کشمیر سے روانہ ہونے کی تاریخ مقرر کریں۔ خواجہ ابوالحسن دیوان اور صادق خاں بخشی کو تیزی سے لاہور روانہ کیا کہ جیسے ہی شاہزادہ دکن، گجرات، بنگال اور بہار کی شاہی فوجوں کے ساتھ لاہور پہنچ جائے۔ اور امراء کی وہ جمعیت جو میرے ہمرکاب ہے اور وہ لوگ جو اپنی اپنی جاگیروں سے یکے بعد دیگرے آ رہے ہیں، ان کو فرزند خانجہاں کے پاس ملتان روانہ کریں۔ اسی طرح توپ خانہ، بست ہاتھیوں کا حلقہ، خزانہ اور اسلحہ خانہ بھی تیار کر کے اس کے پاس روانہ کریں۔

چونکہ ملتان اور قندھار کے درمیان بہت کم آبادیاں پڑتی ہیں، اس لیے بغیر رسد کے انتظام کے اتنے بڑے لشکر کا بھیجنا نامناسب تھا۔ اس بنا پر میں نے فیصلہ کیا کہ غلہ فروشوں کو، جنہیں اہل ہند کی اصطلاح میں بنجارا کہتے ہیں، دلاسا اور روپیہ دے کر لشکر کے ہمراہ مقرر کیا جائے، تاکہ راستے میں لشکر کو قلت محسوس نہ ہو۔

یہاں بنجارہ ایک خاص قوم ہے، جن میں سے بعض کے پاس ہزار اور بعضوں کے پاس کچھ کم و بیش بیل ہوتے ہیں جن پر یہ لوگ غلہ لاد کر دیہات سے شہر میں لا کر فروخت کرتے ہیں اور افواج کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ عظیم لشکر جسے میں روانہ کر رہا ہوں، اس کے ساتھ کم از کم ایک لاکھ بیل بلکہ کچھ زیادہ روانہ کیے جائیں گے۔ اس کریم و کارساز کی توفیق سے امید ہے کہ یہ لشکر اس ساز و سامان کے ساتھ تیار ہوگا کہ شاہ ایران کو اس کے پائے تخت اصفہان دھکیلنے تک کہیں بھی دم نہ لے گا۔

خان جہاں کو فرمان بھیجا کہ جب تک شاہی لشکر نہ پہنچے، وہ ہرگز ملتان سے قندھار روانہ ہونے کا ارادہ نہ کرے اور اس معاملے میں جلدی نہ کرے اور میرے حکم کا منتظر رہے۔

بہادر خاں اوزبک کو گھوڑے اور سروپا سے سرفراز کر کے قندھار کے لشکر کی کمک پر مقرر کیا۔

فاضل خاں کو دو ہزاری ذات و ہفت صد و پنجاہ سوار کے منصب سے ممتاز کیا۔

جب مجھے اس کی اطلاع ملی کہ کشمیر کے فقرا شدید سردی کی وجہ سے

سخت تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور نہایت سختی اور دشواری سے زندگی بسر کرتے ہیں، تو میں نے حکم دیا کہ کشمیر کی عمل داری میں سے ایک قصبہ جس کے محاصل تین چار ہزار روپے ہوں، مُلّا طالب اصفہانی[1] کے سپرد کیا جائے، تا کہ وہ فقرا کے گرم لباس اور مسجدوں میں وضو کے لیے پانی گرم کرنے پر صرف کیا کرے۔

کشتوار میں بغاوت:

کشتوار کے زمینداروں کے متعلق مجھ سے عرض کیا گیا کہ وہ پھر تمرد اور سرکشی اختیار کر کے فتنہ و فساد برپا کر رہے ہیں۔ اس لیے میں نے ارادت خان کو حکم دیا کہ قبل اس کے کہ مفسدین اپنی جگہ پر قدم جمائیں، وہ فوراً روانہ ہو جائے اور اصل باغیوں کی سرکوبی کر کے فتنہ و فساد کی جڑ اکھیڑ دے۔

خرم کی سرکشی:

اسی تاریخ میں زین العابدین واپس آیا جسے میں نے خرم کے طلب کرنے کے لیے بھیجا تھا اور اس نے عرض کیا کہ خرم برسات کا موسم قلعۂ مانڈو میں گزارنے کے بعد دربار میں حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ خرم نے جو عرض داشت بھیجی تھی، وہ پڑھی گئی۔ اس کے مضمون اور التجاؤں سے خیر کی بو نہیں آئی، بلکہ بدخواہی کے آثار نظر آئے، لہٰذا مجبوراً میں نے فرمان جاری کیا کہ چونکہ خرم کا ارادہ یہ ہے کہ وہ برسات کے بعد دربار میں حاضر ہو، اس لیے اسے تمام امرا اور ملازمین شاہی، جو اس کی کمک کے لیے مقرر ہیں، خصوصاً سادات بارھہ و بخاری، شیخ زادوں اور افغانوں کے متعلق حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ان سب کو دربار میں روانہ کر دے۔

میرزا رستم اور اعتقاد خان کو حکم دیا کہ وہ میرے کشمیر سے روانہ ہونے سے پہلے لاہور جا کر قندھار جانے والے لشکر میں شامل ہونے کی تیاریاں کریں۔ رستم خان کو ایک لاکھ روپیہ بطور مدد عنایت کیا اور اعتقاد خان کو نقارہ مرحمت کیا۔

---

[1] یہ بابا طالب اصفہانی شاعر ہے۔ (رک: بیورج ۲، ص ۲۳۴)۔

ارادت خاں کی کشتوار میں کامیابیاں :

ارادت خاں نے ، جسے میں نے کشتوار کے مفسدین کی تنبیہ و تادیب کے لیے روانہ کیا تھا ، وہاں پہنچ کر بہت سے فتنہ پردازوں کو قتل کر دیا اور از سر نو ضبط و نظم درست کرکے [346] اس علاقے کو مستحکم کر دیا اور اس کے بعد میری خدمت میں حاضر ہو گیا ۔

اسی تاریخ معتمد خاں نے ، جو دکن کی بخشی گری کی خدمت پر مامور تھا اور وہاں کی مہم سرانجام پانے[۱] کے بعد اس کی درخواست پر میں نے اسے طلب کیا تھا ، حاضر ہو کر آستان بوسی کا شرف حاصل کی ۔

ایک عجیب و غریب واقعہ :

اس زمانے کے عجیب واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ حرم سرائے دولت میں سے ایک دانہ مروارید ، جس کی قیمت چودہ پندرہ ہزار روپے تھی ، گم ہو گیا ۔ جوتک رائے منجم نے عرض کیا کہ یہ دانہ دو تین روز میں مل جائے گا ۔ صادق خاں رمال نے بتایا کہ یہ دانہ دو تین روز میں ایسی جگہ سے ملے گا جو نہایت پاک صاف ہوگی ، مثلاً عبادت خانہ یا وہ جگہ جو نماز اور تسبیح کے لیے مخصوص ہے ۔ ایک رمّال عورت نے بتایا کہ بہت جلد یہ دانہ ملے گا اور ایک گورے رنگ کی خوبصورت عورت خوشی خوشی مسکراتی ہوئی یہ دانہ حضور کے ہاتھ پر رکھ دے گی ۔ اتفاق سے یہ دانہ تیسرے روز ایک ترک کنیز کو عبادت خانے میں ملا ، جسے وہ لے کر خوش خوش مسکراتی ہوئی آئی اور مجھے دے گئی ۔ چونکہ تینوں کی بات اپنی اپنی جگہ پر صحیح ثابت ہوئی اس لیے میں نے تینوں کو خاطر خواہ انعام سے سرفراز کیا ۔ چونکہ یہ واقعہ عجائبات سے خالی نہ تھا ، اس لیے میں نے یہاں لکھ دیا ۔

اسی زمانے میں میں نے بارہ افراد کو جن میں کوکب اور خدمت گار خاں وغیرہ شامل تھے اور میرے مقرب ملازموں میں تھے ، دکن کے امرا کو دربار میں لانے کے لیے متعین کیا اور ہدایت کی کہ وہ معقول انتظام کرکے جس قدر

۱- دکن کی مہم ابھی پوری نہیں ہوئی تھی ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۲۳۵) ۔

بھی جلد ممکن ہو انھیں دربار میں حاضر کریں تا کہ انھیں شاہی لشکر کے ساتھ قندھار بھیجا جا سکے ۔

خرم کی دست درازیاں :

ان ہی دنوں بار بار مجھے یہ خبریں ملیں کہ خرم نے نورجہاں بیگم اور شہریار کے محال جاگیروں پر بغیر اجازت کے دست تصرف دراز کر دیا ہے ۔ از آن جملہ پرگنۂ دھول پور پر ، جو فرزند شہریار کی جاگیر میں دیوان اعلیٰ کی جانب سے بطور تنخواہ دیا گیا تھا ، قبضہ کرنے کے لیے اپنے ملازموں میں سے دریا خان افغان کو ایک جمعیت کے ساتھ بھیجا ہے اور وہ شہریار کے ملازم شریف الملک کے ساتھ جسے اس علاقے کا فوج دار مقرر کیا گیا تھا ، بر سر پیکار ہوگیا ہے ، جس میں طرفین کے بہت سے لوگ مارے گئے ۔ اگرچہ قلعۂ مانڈو میں اس کے ٹھہرنے اور اُن نامعقول اور دور از کار باتوں کی ، جنھیں اُس نے اپنی عرض داشت میں لکھنے کی جرأت کی تھی ؛ مجھے اُن سے اس کا اندازہ ہوتا تھا کہ اُس کی عقل جاتی رہی ہے ۔ لیکن اس خبر کے سننے کے بعد یقین ہو گیا کہ اُس پر جو عنایتیں اور نوازشیں کی گئیں ہیں ؛ وہ اس کے ظرف سے زیادہ تھیں ، اور وہ اُن کے قابل نہ تھا ۔ ان غیر معمولی مہربانیوں سے اس کے دماغ میں خلل پیدا ہوگیا ہے ، اس بنا پر میں نے راجا روز افزوں کو ، جو میرے قدیم اور مقرب خدمت گاروں میں ہے ، اس کے پاس بھجوایا ، اور اس جرأت اور بے باکی کی باز پرس کی اور فرمان جاری کیا کہ اس کے بعد وہ اپنی حدود کے اندر رہے اور قدم جادۂ معقولیت اور شاہراہ ادب سے باہر نہ رکھے اور اپنے محال جاگیر میں جو دیوان اعلیٰ سے اس کے لیے بطور تنخواہ مقرر کی گئی ہے ، اس پر خوش و خرم اور قانع رہے اور ہرگز میری خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ نہ کرے اور تمام وہ ملازمین شاہی جنھیں قندھار کی مہم کے لیے طلب کیا گیا تھا ، انھیں فوراً ہماری بارگاہ میں روانہ کر دے ۔ اگر اس نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو اُسے سخت ندامت اٹھانی پڑے گی ۔

ان ہی دنوں میر میران ولد شاہ نعمت اللہ کے پوتے میر ظہیرالدین نے ایران سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا ۔ میں نے اسے خلعت اور آٹھ ہزار درب بطور انعام دیے ۔

اُجالا دکنی کو میں نے فرمان عنایت عنوان دے کر راجا نرسنگ دیو کے پاس بھجوایا تاکہ وہ سزاولی کی خدمت انجام دے اور لوگوں کو جمع کرے۔

خرم سے سرگرانی کا اظہار:

گزشتہ ایام میں اُس شدید اُنسیت اور محبت کی وجہ سے جو مجھے خرم اور اس کے لڑکوں سے تھی، خصوصاً جب کہ اس کا لڑکا سخت بیماری میں مبتلا ہوا تھا، میں نے عہد کیا تھا کہ اگر خدائے تعالٰی اسے صحت دے دے گا تو میں اُس کے بعد بندوق سے شکار نہیں کروں گا اور کسی جان دار کو اپنے ہاتھ سے آزار نہ پہنچاؤں گا۔ اس خواہش و شوق کے باوجود جو مجھے شکار سے خصوصاً بندوق کے شکار سے ہے، میں پانچ سال تک اپنے اس عہد کا پابند رہا۔

اِس زمانے میں [347] جب کہ میری طبیعت اس کی ناروا حرکات کی وجہ سے مکدر ہو گئی ہے، میں نے پھر بندوق سے شکار کھیلنا شروع کر دیا اور حکم دیا کہ دولت خانے میں کسی فرد کو بھی بغیر بندوق کے نہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ تھوڑی سی مدت میں بہت سے ملازمین کو بندوق چلانے کا شوق پیدا ہو گیا اور ترکش باندھنے والوں (تیر اندازوں) نے بھی بندوق چلانے کی مہارت حاصل کرلی اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے بندوق چلانے کی مشق بہم پہنچائی۔

کشمیر سے لاہور روانگی:

۲۵ تیر مطابق ۷ شوال ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ء) کو میں نیک اور پسندیدہ ساعت میں کشمیر سے لاہور روانہ ہوا۔

بھاری داس برہمن کو فرمان مرحمت عنوان کے ساتھ رانا کرن کے پاس بھیجا کہ وہ کرن کے بیٹے کو اس کے لشکر کے ساتھ لا کر میری خدمت میں حاضر کرے۔

میر ظہیرالدین کو ہزاری ذات و چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔ چونکہ مجھ سے عرض کیا گیا کہ وہ قرضدار ہے اس لیئے میں نے اُسے دس ہزار روپے بطور انعام عطا کیئے۔

یکم شہریور ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ء) کو اچھول کے سرچشمے پر قیام کیا۔ مبارک شنبہ (جمعرات) کو سرناک میں محفل مے نوشی جمائی۔

قندھار کی مہم پر شاہزادہ شہریار کی تعیناتی :

اور اسی مبارک دن میں نے فرزند سعادت مند شہریار کو تسخیر قندھار کی مہم سپرد کر کے اسے دوازدہ ہزاری و ہشت ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور خلعت خاص اور نادری عنایت کی جس میں مروارید کے بٹن لگے ہوئے تھے ۔

اسی زمانے میں ایک سوداگر ملک روم سے دو بڑے موتی لایا جن میں سے ایک کا وزن سوا مثقال اور دوسرے کا وزن اس سے ایک سرخ کم ہے ۔ یہ دونوں موتی نورجہاں بیگم نے ساٹھ ہزار روپے میں خریدے ، اور اسی روز بطور پیش کش مجھے پیش کیے ۔

جمعہ کے دن میں نے حکیم مومنا کے مشورے سے ہاتھ میں فصد کھلوائی ، جس سے مجھے اپنی طبیعت میں ہلکا پن محسوس ہوا ۔

مقرب خاں جو فصد کے کھولنے میں یدطولیٰ رکھتا ہے ، جب بھی اس نے میری فصد کھولی ہے ، کبھی خطا نہیں کی ، لیکن اس مرتبہ وہ دو دفعہ ناکام ہوا جس کے بعد اس کے بھتیجے قاسم نے فصد کھولی ۔ میں نے اسے خلعت اور دو ہزار روپے اور حکیم مومنا کو ایک ہزار درب بطور انعام عطا کیے ۔

خان جہاں کی سفارش پر میر خان کو ہزار و پانصدی و نہ صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

جشن وزن شمسی :

۲۱ ماہ شہریور ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ء) کو جشن وزن شمسی آراستہ کیا گیا ۔ اس نیازمند کی عمر کا چوَن واں سال تبریک اور سلامتی کے ساتھ شروع ہوا ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری بقیہ عمر اس کی رضاجوئی میں صرف ہو ۔

۲۸ ماہ شہریور ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ء) کو اوہر[1] کی آبشار کی سیر کرنے کے لیے گیا ۔ چونکہ اس چشمے کا پانی دریائے گنگا اور دریائے درۂ لار کے پانی کی طرح خوبی اور خوش ذائقے میں مشہور ہے ، میں نے اپنے سامنے اس چشمے کے پانی اور

---

۱ - یہ اوھا اور اوھار لکھا گیا ہے ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۲۳۸) ۔

دریائے گنگا اور دریائے درۂ لار کے پانی کو وزن کرایا ۔ اوپر کے چشمے کا پانی دریائے گنگا کے پانی سے تین ماشے بھاری اور دریائے درۂ لار کا پانی دریائے گنگا کے پانی سے آدھا ماشہ ہلکا نکلا ۔

۳۰ ماہ شہریور ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ء) کو میں نے بیرا پور کے مقام میں نزول اجلال کیا ۔

اعتقاد خاں کا صوبیداریِ کشمیر پر تقرر :

اگرچہ ارادت خاں نے کشتوار کی خدمت نہایت خوبی سے انجام دی تھی، لیکن چونکہ کشمیر کی رعایا اور وہاں کے رہنے بسنے والے اس کے سلوک کے شاکی تھے ، اس لیے میں نے اس کی جگہ اعتقاد خاں کو کشمیر کی صوبیداری سے سرفراز کر کے گھوڑا ، خلعت اور خاص شمشیر دشمن گداز عنایت کی اور ارادت خاں کو قندھار کے لشکر کی خدمت پر متعین کیا ۔

کشتوار کے راجا کنور سنگھ کو جو قلعۂ گوالیار میں قید تھا ، میں نے قید سے رہا کر کے دوبارہ کشتوار اس کے سپرد کر دیا اور گھوڑا ، خلعت اور راجا کا خطاب عنایت کیا ۔

حیدر ملک کو کشمیر بھیجا تاکہ وہ درۂ لار سے باغ نور افزا تک ایک نہر بنائے ۔ تیس ہزار روپے مال مصالحے اور مزدوروں کی اجرت کے لیے اسے عنایت کیے ۔

۱۲ مہر ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۱ء) کو کوہستان جموں سے نکل کر بھنر میں قیام کیا اور دوسرے دن ہانکے کا شکار کھیلا ۔

خسرو کے بیٹے کو منصب :

خسرو کے بیٹے داور بخش کو میں نے پنج ہزاری ذات و ہزار سوار کا منصب عنایت کیا ۔

۱۴ مہر ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ء) کو دریائے چناب کو عبور کیا ۔ میرزا رستم نے لاہور سے آ کر شرفِ حضوری حاصل کیا ۔

خرم کی معذرت :

اسی تاریخ میں خرم کے **دیوان افضل خان**[1] نے حاضر ہو کر خرم کی عرضداشت پیش کی جس میں اس نے اپنی بے اعتدالیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی ۔ اس نے افضل خان کو اس لیے بھجوایا تھا[2] [348] کہ شاید وہ مکر و فریب اور چاپلوسی سے زیادہ سے زیادہ کام لے کر بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کر سکے ، لیکن میں نے اس کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہیں کی ۔

خواجہ ابوالحسن اور **دیوان صادق خان بخشی** نے ، جنھیں میں نے پہلے **قندھار** کے لشکر کے ساز و سامان کی تیاری کے لیے **لاہور** روانہ کیا تھا ، حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

یکم ماہ آبان ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو **مہابت خان** کے بیٹے **امان اللہ** کو ہزاری ذات و ہزار و ہفت صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور ایک فرمان مرحمت عنوان **مہابت خان** کی طلبی کے لیے بھجوایا ۔

اسی زمانے میں **عبداللہ خان** نے ، جسے میں نے **قندھار** کی مہم کے لیے طلب کیا تھا ، اپنے محال جاگیر سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

شہر لاہور میں داخلہ :

۴ ماہ آبان ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو میں تبریک اور سلامتی کے ساتھ شہر **لاہور** میں داخل ہوا ۔

الف خان کو دو ہزاری و ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

۱۔ **افضل خان** (علامی ملا شکر اللہ شیرازی) وفات : ۱۲ رمضان ۱۰۳۸ھ ۔ مدفن : لاہور ۔ (رک : ماثرالامرا ، ۱ ، ص ۱۴۵-۱۵۰) ۔

۲۔ کہا یہ جاتا ہے کہ نور جہاں نے افضل خان کو باریاب ہونے کا موقع نہیں دیا اور وہ بے نیل مرام واپس ہوگیا ۔ (رک : بیوریج ۲ ، ص ۲۳۹) ۔ ماثرالامرا ۱ ، ص ۱۴۷ پر تفصیل سے وہ معذرت تحریر ہے جو خرم نے افضل خان کے ذریعہ سے کی تھی ۔

میں نے دیوانیانِ عظام کو حکم دیا کہ خرم کی وہ جاگیریں جو سرکار حصار اور دوآبہ میں واقع ہیں ، بعض اُن امرا کو جو قندھار کی مہم میں متعین کیے گئے ہیں ، تنخواہ میں دی جائیں اور اُسے اُن کے عوض صوبہ مالوہ ، دکن اور گجرات میں جہاں بھی وہ چاہے ، جاگیریں دی جائیں[1] ۔

افضل خاں کو خلعت دے کر رخصت کیا اور رخصت کرتے وقت خرم کے نام فرمان بھیجا کہ صوبہ گجرات ، مالوہ ، دکن اور خاندیس اس کو جاگیر میں دیے جاتے ہیں ۔ ان میں سے جہاں بھی وہ چاہے ، سکونت اختیار کر لے ۔ وہ ملازمین شاہی ، جنھیں میں نے قندھار کی یورش کے لیے طلب کیا ہے اور ان کے لانے کے لیے سزاول روانہ کیے گئے ہیں ، انھیں جلد ہماری بارگاہ میں روانہ کرے اور آئندہ اپنے حدود سے قدم باہر نکال کر فرمان شاہی سے سرتابی کی کوشش نہ کرے ورنہ اسے سخت ندامت اٹھانی پڑے گی ۔

اسی دن ایک پنچاق گھوڑا ، جو اول نمبر کا شمار ہوتا تھا اور شاہی اصطبل میں خاص امتیاز رکھتا تھا ، عبداللہ خاں کو عنایت کیا ۔

شاہ ایران کے ایلچیوں کا شرف حضوری :

۲۶ ماہ آبان ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو شاہ ایران کے ایلچیوں حیدر بیگ اور ولی بیگ نے دولت باریابی حاصل کی ۔ تسلیم اور مراسم کورنش بجا لانے کے بعد انھوں نے شاہ ایران کا خط پیش کیا ۔

خانجہاں کا شرفِ حضوری :

میرے فرمان کے بموجب فرزند خانجہاں نے ملتان سے لاہور پہنچ کر شرفِ حضوری حاصل کیا اور ہزار اشرفیاں ، ہزار روپے اور اٹھارہ گھوڑے بطور پیش کش گزرانے ۔

مہابت خاں کو شش ہزاری ذات و پنج ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔ میرزا رستم کو ہاتھی عنایت کیا ۔

۱- اقبال نامہ کے بیان کے مطابق یہ احکام بھی نورجہاں نے لکھے تھے ۔ جہانگیر کے احکام نہ تھے ۔ (بیورج ، ۲ ، ص ۲۳۸) ۔

راجا سارنگ دیو کو راجا نرسنگ دیو کے لانے کے لیے متعین کر کے حکم دیا کہ جس قدر بھی جلد ممکن ہو، اسے ہماری بارگاہ میں حاضر کرے۔
۷ ماہ آذر ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو شاہ عباس کے وہ ایلچی، جو یکے بعد دیگرے آئے تھے، انھیں خلعت اور سفر خرچ عنایت کر کے رخصت کیا۔ شاہ عباس نے جو خط یورش قندھار کی معذرت کے سلسلے میں حیدر بیگ کے ہاتھ بھیجا تھا، اس کا متن اور جو اسے جواب دیا گیا ہے، وہ یہاں اس اقبال نامے میں درج کیا جاتا ہے۔

شاہ ایران کا خط

تسلیمات و دعائیں، جن کی قبولیت کی خوشبو سے آرزو کی کلی کھل کر مشامِ جان کو مہکا دیتی ہے، اور پُرخلوص تعریفیں جن کی چمک اور تابانی سے اتحاد کی محفلیں منور ہوتیں ہیں اور بیگانگی کی ظلمت رفع ہو جاتی ہے، اعلیٰ حضرت، ظلِ الٰہی، شمع بزم صدق و صفائی، نور پروردِ الٰہی کی بارگاہ خلت و ولا میں پیش کرنے کے بعد رائے الوز اور ضمیر آگاہ و ضیا پرور پر واضح کرنے کے لیے ہم رقم طراز ہیں کہ برادر عزیز کے دل آگاہ و خاطر آسمان رفعت پر جو چہرۂ [349] دانش و بینش اور حقائق آفرینش کے جمال کا آئینہ ہے، یہ بات منکشف ہو گی کہ نواب شاہ جنت مکان علیین آشیانی (طہماسپ صفوی) انار اللہ برہانہ کی وفات کے سانحے کے بعد طرح طرح کے قضیے ایران میں پیدا ہوئے جن کے نتیجے میں بعض ممالک اس خاندان کے متوسلین کے ہاتھ سے نکل گئے۔ جب اُس بارگاہ بے نیاز کی جانب سے اس نیازمند کو سلطنت ملی تو خدائے تعالیٰ کی توفیق اور دوستوں کی حسن توجہ سے تمام از دست رفتہ موروثی اقطاع ملک، جو مخالفوں کے قبضے میں تھے، حاصل کر لیے۔ چونکہ قندھار آپ کے حکام کے قبضے میں تھا اس لیے اُنھیں اپنا سمجھ کر ہم نے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا، اور ہم قدیم رشتۂ اتحاد و یگانگت کے پیش نظر اس کے منتظر رہے کہ آپ خود اپنے آبا و اجداد عظام جنت مقام کی روش پر چلتے ہوئے[1] خود ہی اس علاقے کے سپرد کرنے کی طرف توجہ مبذول

(۱) یہ اکبر کے باپ ہمایوں کی طرف اشارہ ہے۔ ہمایوں نے شاہ طہماسپ سے وعدہ کیا تھا کہ ہندوستان پر قبضہ ہونے کے بعد وہ قندھار ایران کے حوالے کر دے گا اور اکبر نے بھی ایران کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا تھا۔

فرمائیں گے۔ جب آپ نے اس کی طرف سے تغافل اختیار کیا تو میں نے بار بار خط و کتابت اور نامہ و پیغام کے ذریعے سے کبھی صراحتاً اور کبھی کنایتاً اس کا مطالبہ کیا اور سوچا کہ شاید آپ کی ہمت عالی اس مطالبے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرے گی اور اس حقیر سے علاقے کو ہماری سلطنت کے امرا کے حوالے کر کے دشمنوں اور بدگویوں کی پھیلائی ہوئی بدگمانیاں دور کر دیں گے ، اور اس سے حاسدوں پر زبان درازی اور عیب جویوں پر بدگوئی کے دروازے بند کر دیں گے . ایک گروہ نے اس معاملے کو اور بھی عقدۂ تعویق میں ڈال دیا . جب یہ بات دوست و دشمن میں پھیل گئی اور آپ کی جانب سے اس مطالبے کے قبول یا رد کرنے میں کوئی جواب نہ ملا تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ سیر و شکار کے لیے قندھار چلا جائے کہ شاید اس طریقے پر اس برادر کامگار و نامدار کے حکام محبت اور دوستی کے ان روابط کی بنا پر ، اور اس اخلاص کے مدنظر جو ہمارے اور آپ کے درمیان ہے ، ہماری سواری شاہانہ کا استقبال کر کے ہماری خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے ، اور از سر نو اپنے اس طرز عمل سے دنیا پر طرفین کے تعلقات کے استحکام کو ظاہر کریں گے . اس طرح حاسدوں اور بدگویوں کی زبان بند ہو جائے گی . چنانچہ ہم بغیر قلعہ گیری کے ساز و سامان کے اس طرف روانہ ہو گئے . جب ہم فراح کے علاقے میں پہنچے تو ہم نے اپنے سیر و شکار کے لیے آنے کی اطلاع وہاں کے حاکم کو بھیجی تاکہ وہ مہمانوں کی پذیرائی کرے . پھر عزت مآب خواجہ باقی کرکراق کو طلب کر کے ان حاکموں اور امرا کے پاس جو قلعے میں تھے ، پیغام دے کر بھیجا کہ عالی حضرت بادشاہ ظل اللہ اور ہمارے نواب ہمایوں میں کوئی مغایرت نہیں . تمہیں آگاہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ ہمارا ہے ، ہم ایک دوسرے کا جانتے ہیں . ہم بطور تفریح اس صوبے میں آئے ہیں ، لہذا ہم کوئی اس قسم کی بات نہ کریں گے جس سے کسی کو تکلیف پہنچے . لیکن قلعے کے امرا اور حکام نے ہمارے اس صلح پسندانہ حکم و پیغام کو حقیقت پسندانہ توجہ سے نہیں سنا اور جانبین کے مراسم الفت و اتحاد کو پس پشت ڈال کر سرکشی اور نافرمانی اختیار کی ، یہاں تک کہ قلعے کے قرب و جوار میں پہنچ کر ہم نے پھر عزت مآب خواجہ باقی کرکراق کو طلب کر کے انہیں چند ضروری باتیں سمجھائیں اور ان کے ذریعے امرا اور حکام قلعۂ قندھار کے ہاں اپنا پیغام بھیجا ، یہاں تک کہ دس روز تک اپنے لشکر کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ قلعے کے ارد گرد

نہ جائیں ، لیکن اہل قلعہ کے لیے کوئی نصیحت سودمند نہ ہوئی اور وہ مخالفت پر اڑے رہے ۔ جب صلح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تو مجبوراً قزلباش لشکر باوجود اس کے کہ اس کے ہاتھ میں قلعہ گیری کا کوئی ساز و سامان نہ تھا ، قلعے کی تسخیر میں لگ گیا ۔ اس لشکر نے تھوڑی سی مدت میں قلعے کے برج اور فصیل کو زمین کے برابر کر کے اہل قلعہ پر زندگی تنگ کر دی ۔ مجبوراً اہل قلعہ نے امان کی درخواست کی ۔ ہم نے بھی اس رابطۂ محبت کے پیش نظر جو قدیم زمانے سے ان دونوں عظیم المرتبت خاندانوں کے درمیان قائم ہے اور جس کی تجدید اورنگ نشینِ بارگاہ جاہ و جلال (جہانگیر) اور ہمارے نواب ہمایوں کے درمیان ہو گئی تھی اور یہ تعلقات اس طرح مستحکم ہوے تھے کہ روے زمین کے بادشاہوں کے لیے باعث رشک تھے ، ہم نے ان تعلقات کے مدنظر اور فطری مروت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان خطاؤں اور لغزشوں [350] کو معاف کر کے اپنی عنایتوں سے نوازا اور صحیح و سلامت حیدر بیگ قورباشی کے ہمراہ ، جو ہمارے خاندان کے صوفیاے باصفا میں ہے انھیں آپ کی بارگاہ میں بھیج دیا ۔ خدا کی قسم ! ہمارے موروثی اور اکتسابی محبت اور تعلقات کی بنیاد اس قدر مضبوط اور مستحکم ہے کہ بعض ان امور کے صادر ہونے سے جو محض تقدیر الٰہی سے ، ظہور پذیر ہوے ہیں ، یہ تعلقات خلل پذیر نہیں ہو سکتے :

میان ما و تو رسم جفا نخواہد بود
بجز طریقۂ مہر و وفا نخواہد بود

میں آپ سے بھی امید رکھتا ہوں کہ آپ کی جانب سے بھی اسی پسندیدہ طریقے کو روا رکھا جائے گا اور بعض اتفاقی اور تقدیری واقعات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے انھیں نظر انداز فرمائیں گے اور اگر عارضِ دوستی پر خدشات کی کوئی پرچھائیں پڑ چکی ہے تو اپنی ذاتی عاطفت اور قدیمی محبت کی بنا پر اس کے ازالے کی کوشش فرمائیں گے اور یگانگت و محبت کے سدا بہار پھول کو سرسبز و شاداب رکھ کر اپنی ہمتِ آسمان وسعت کے ساتھ اپنی تمام تر توجہ اتحاد و اتفاق کے برقرار رکھنے پر صرف فرمائیں گے ، کیونکہ اتحاد و اتفاق ہی انفس و آفاق میں نظم کو برقرار رکھنے کا سبب ہے ۔ امید ہے کہ آپ اس کی طرف توجہ فرمائیں گے ۔

آپ ہمارے کل ممالکِ محروسہ کو اپنا سمجھ کر جس کسی کو چاہیں ، مرحمت

کرکے اعلان کر دیں . ہم بغیر کسی چون و چرا کے اس کو سپرد کر دیں گے .

جب ہمارا یہ جذبہ ہے تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اس قابل نہیں کہ ان پر توجہ دی جائے . اگرچہ وہ امرا و حکام جو قلعۂ قندھار میں مامور تھے ، بعض ایسے امور کے مرتکب ہوئے ہیں جو دوستی کے منافی ہیں ، لیکن جو کچھ بھی واقع ہوا ، ہم اسے اپنی طرف سے سمجھتے ہیں اور ان کے متعلق تصور کرتے ہیں کہ انہوں نے فرض شناسی اور جاں نثاری کے وہ فرائض انجام دیے جو ان پر عائد تھے . یقین ہے کہ آنحضرت بھی ان پر شفقتِ شاہانہ و مرحمتِ بادشاہانہ مبذول فرمائیں گے اور ہمیں ان کے مقابل شرمندہ نہ کریں گے . زیادہ کیا لکھا جائے . ہمیشہ خدا کی تائید آپ کے سر پر سایہ فگن رہے .

شاہ عباس کے خط کا جواب

ساری تعریفیں اس یگانہ معبود کے لیے سزاوار ہیں جو حد و قیاس سے معرّا اور آلائش و التباس سے پاک ہے ؛ جس نے عظیم الشان بادشاہوں کے معاہدوں کو مضبوطی و استحکام بخش کر سلسلۂ آفرینش کے انتظام کے اسباب پیدا کیے اور فرمانروایانِ عالم کو مخلوق کی رفاہیت ، آسایش ، امنیت اور آرام کا باعث بنایا . اس بیان کی تصدیق و تائید اس اتحاد و اتفاق اور ربط و محبت سے ہوتی ہے جو ہمارے اور آپ کے رفیع الشان خاندانوں کے درمیان وجود میں آئی اور یہ تعلقات ہماری روز افزوں سلطنت کے دور میں تجدید ربط و محبت سے اس قدر مضبوط و مستحکم ہوئے کہ زمانے کے بادشاہوں اور دنیا کے خاقانوں کے لیے باعثِ رشک بن گئے . شاہ جمجاہ ، ستارۂ سپاہ ، فلک بارگاہ ، دارا گروہ ، گردوں شکوہ ، زیبندۂ افسر کیانی ، شائستۂ تخت خسروانی ، شجرۂ برومند ریاض سلطنت ابہت ، نہالِ بوستان نبوت و ولایت ، نقاوۂ دودمان علوی ، خلاصۂ خاندانِ صفوی بے وجہ اور بغیر کسی سبب کے اس گلزار محبت ، دوستی اور اخوت و یک جہتی کے افسردہ کرنے کے درپے ہوئے ، جس پر صدیاں گزرنے کے بعد بھی تفرقہ و ملال کے گرد و غبار کے بیٹھنے کی گنجائش نہ تھی . یہ بات ظاہر ہے کہ فرماں رواؤں کے درمیان اتحاد و یگانگت [351] کی رسم اس طریقے پر تو نہیں ہوتی کہ عین اُس وقت جب کہ ان کی دوستی و اخوت اس منزل پر ہو کہ وہ ایک دوسرے کے سر کی قسم کھاتے ہوں اور موافقتِ روحانی اور محبت جسمانی اس درجہ پر ہو کہ

دونوں ایک دوسرے کے لیے جان دینے میں مضائقہ نہ سمجھتے ہوں ، تو کیا ان کے ملک میں اسی طرح سیر و شکار کے لیے آیا جاتا ہے ؟

صد حیف بر محبت پیش از قیامِ ما

وہ مکتوب محبت طراز ، جو قندھار کی سیر و سیاحت کی معذرت کے سلسلے میں حیدر بیگ اور ولی بیگ کے ہاتھ بھیجا گیا تھا ، وصول ہوا اور مسرت ہوئی کہ آپ نے اپنی ذات ستودہ صفات کی طرف سے صفائی پیش کی ہے . عالی قدر کامگار بھائی کی رائے جہاں آرا پر پوشیدہ نہ رہے کہ آپ کا مبارک خط اور پیام جو زنبل بیگ ایلچی نے ہماری بارگاہ آسمان رفعت میں لا کر پہنچایا ، اس سے پیشتر کسی مراسلے یا پیغام میں قندھار کی خواہش کا اظہار ہم سے نہیں کیا گیا . جس زمانے میں کہ ہم خطۂ دل کشا کشمیر میں سیر و شکار میں مشغول تھے ، اُسی زمانے میں دنیا دارانِ دکن نے اپنی بے وقوفی سے اطاعت و بندگی کے دائرے سے باہر قدم رکھ کر نافرمانی اور سرکشی کا طریقہ اختیار کیا تھا لہٰذا ہماری ہمت شاہانہ پر ان کوتہ اندیشوں کی تنبیہ و تادیب لازم ہوگئی . ہیں نے کشمیر سے دارالسلطنت لاہور پہنچ کر فرزند برخوردار شاہجہان کو لشکر ظفر اثر کے ساتھ ان بد بختوں کی سرکوبی کے لیے متعین کیا اور دارالخلافہ آگرہ روانہ ہو رہا تھا کہ زنبل بیگ پہنچا اور آں جناب کا ، جو اورنگ شاہی کے زینت بخشنے والے ہیں ، محبت نامہ پیش کیا . ہم اس دوستی کے تعویذ کو اپنے لیے نیک شگون سمجھ کر دشمنوں کے شر اور مفسدوں کی شرارتوں کے دفع کرنے کے لیے آگرے کی جانب روانہ ہو گئے . اس مراسلۂ گہربار و در نثار میں قندھار کی خواہش کا اظہار نہیں کیا گیا تھا ، لیکن زنبل بیگ نے زبانی اس کی خواہش ظاہر کی تھی ، جس کے جواب میں ہم نے اس سے فرمایا تھا کہ ہم اس برادر کامگار کے لیے کسی چیز میں دریغ نہیں سمجھتے . انشاء اللہ دکن کی مہم سر انجام پانے کے بعد ہم تمھیں اس طریقے پر رخصت کریں گے جو اس سلطنت کے لیے موزوں ہے . پھر ہم نے اس سے فرمایا کہ تم دور دراز کی مسافت طے کر کے آئے ہو ، چند دن دارالسلطنت لاہور میں رہ کر سفر کی کوفت دور کرو اور آرام لو . جب تمھاری تکان دور ہو جائے تو ہم تمھیں طلب کر لیں گے . آگرہ پہنچنے کے بعد جو مستقر خلافت ہے ، ہم نے اُسے طلب کیا تا کہ اُسے رخصت کریں . چونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات اس نیازمند درگاہِ الٰہی کے شامل حال ہیں ، اس لیے دکن میں فتح حاصل ہونے کے بعد ہم

پنجاب میں پہنچ کر اس کے رخصت کرنے کے متعلق سوچنے لگے اور بعض ضروری امور سر انجام دینے کے بعد موسم گرم ہونے کی وجہ سے خطۂ کشمیر جنت نظیر کی طرف روانہ ہو گئے ، جس کی آب و ہوا کی لطافت اور نفاست دنیا کے سیّاحوں کے نزدیک مسلّم ہے۔ ہم نے وہاں پہنچنے کے بعد زنبل بیگ کو رخصت کرنے کے ارادے سے کشمیر طلب کر لیا تا کہ ہم اُسے یہاں کی تمام لطافت بخش اور فرحت افزا سیر گاہیں دکھائیں ۔ اسی زمانے میں خبر پہنچی کہ برادر کامگار قندھار کی تسخیر کے لیے روانہ ہو گئے ہیں ، جس کا ہمیں وہم و گمان بھی نہ تھا ۔ نہایت حیرت ہوئی کہ اس حقیر خطے کی تسخیر سے کیا حاصل ہے کہ جس کی تسخیر کے لیے آپ بنفس نفیس متوجہ ہوئے اور دوستی و یگانگت ، اتحاد و اتفاق کے تمام روابط سے چشم پوشی کر لی ۔ اگرچہ ثقہ اور معتبر لوگ بار بار اس خبر سے مطلع کر رہے تھے لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا ، مگر جب اس خبر کی بالکل تحقیق ہو گئی ، اس وقت ہم نے عبدالعزیز کو حکم بھیجا کہ وہ برادر کامگار (شاہ عباس) کی رضا کی خلاف ورزی نہ کرے ، کیونکہ ابھی تک اخوت کا رشتہ قائم ہے اور ہم یگانگت و محبت کے مقابلے میں دنیا کو ہیچ سمجھتے ہیں اور کسی نعمت کو اس کے برابر نہیں گردانتے ۔ لیکن آپ کے لیے لائق و مناسب یہ تھا کہ اپنے ایلچی [352] کے واپس آنے تک انتظار فرماتے ۔ شاید وہ اپنے مطلب و مقصد میں کامیاب ہو کر آپ کی خدمت میں پہنچتا ۔ ایلچی کے پہنچنے سے پہلے اس حملے کا اقدام ایسا فعل ہے کہ اس واقعے کے بعد یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اہل زمانہ پھر کس شخص کو اصول صداقت و محبت کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیں گے ۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں آپ کا محافظ و مددگار ہو[1] ۔

میں نے اس خط کو ایلچیوں کے ہاتھ روانہ کرنے کے بعد اپنی تمام تر توجہ قندھار کی مہم پر لشکر بھیجنے کی طرف مبذول کی ۔

۱۔ جہانگیر نے قندھار سے متعلق ایران کے حق کو تسلیم نہیں کیا ۔ شاہ عباس نے قلعہ قندھار پر ۱۱ جون ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۶۲۲ع کو قبضہ کیا تھا ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۲۳۴)

خانجہاں کی ملتان واپسی :

فرزند خانجہاں کو، جسے میں نے بعض مصلحتوں کی بنا پر طلب کیا تھا، ہاتھی، خاص گھوڑا، تلوار اور مرصع خنجر عنایت کر کے بطور ہراول کے رخصت کیا کہ وہ شاہزادہ شہریار اور اس کے لشکر کے پہنچنے تک ملتان میں ٹھہر کر ہمارے حکم کا انتظار کرے۔

ملتان کے فوج دار باقر خاں کو اپنے دربار میں طلب کیا۔

علی قلی بیگ درمن کو ہزار و پانصدی کے منصب سے سرفراز کر کے قندھار کے لشکر کی کمک پر مقرر کیا۔

اسی طرح میرزا رستم کو بھی پنج ہزاری کے منصب سے سر بلند کر کے اس کے فرزند کے ساتھ قندھار کے لشکر میں متعین کیا۔

لشکر خاں نے دکن سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا اور قندھار کے لشکر میں متعین کیا گیا۔

الهداد افغان، میرزا عیسی ترخان، مکرم خاں، اکرام خاں اور دوسرے امرا، جو صوبۂ دکن سے اپنے اپنے جاگیر سے آئے تھے، انہیں گھوڑے اور خلعت سے سرفراز کر کے خانجہاں کے ہمراہ رخصت کیا۔

آگرے سے شاہی خزانے کا منگوانا :

عمدۃ السلطنت آصف خاں کو دارالخلافہ آگرہ بھیجا کہ وہ کُل خزانہ اشرفیاں اور روپے جو حضرت عرش آشیانی کے ابتدائے سلطنت سے لے کر اب تک جمع ہوئے ہیں، ہمارے پاس لائے۔

اصالت خاں ولد خانجہاں کو دو ہزاری و ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

صوبۂ ملتان کے بخشی محمد شفیع کو خانی کے خطاب سے سرفراز کیا۔

فرزند اقبالمند شاہ پرویز کے وکیل شریف کو رخصت کیا کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو روانہ ہو جائے اور فرزند پرویز کو بہار کے لشکر کے ساتھ ہماری خدمت میں لائے۔ اور اس کے ہاتھ ایک فرمان مرحمت عنوان بھی اپنے قلم سے لکھ کر پرویز کے نام روانہ کیا جس میں اسے جلد آنے کے لیے سخت تاکید کی گئی تھی۔

میر میراں کی وفات :

اسی تاریخ میں شاہ نعمت اللہ کے پوتے میر میراں نے اچانک وفات پائی . خدائے تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اسے مغفرت عطا فرمائے گا .

میرزا بیگ قراول کو مست ہاتھی نے کچل کر مار ڈالا . اس کی خدمت پر میں نے امام وردی کو مقرر کیا .

توزک میں آیندہ واقعات کے لکھنے کے لیے معتمد خاں کو حکم :

مجھے علالت کی وجہ سے دو سال پہلے جو ضعف لاحق ہوا تھا ، وہ ابھی تک باقی ہے . اب دماغ ساتھ نہیں دیتا کہ میں سوانح اور واقعات کے مسودات قلمبند کیا کروں .

اسی زمانے میں معتمد خاں نے دکن سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی . چونکہ وہ میرے مزاج داں ملازموں میں سے ہے اور میری ذہنیت سے واقف ہے اور سابق میں بھی وقائع نگاری کا عہدہ اس کے سپرد تھا ، لہٰذا میں نے اُسے حکم دیا کہ جس تاریخ تک میں نے واقعات لکھے ہیں ، اس کے بعد سے آیندہ واقعات وہ اپنے قلم سے لکھے اور میرے مسودات میں شامل کرے . اس کے بعد جو واقعات ظہور پذیر ہوں ، ان کو روزنامچے کے طور پر لکھے اور میری تصحیح کے بعد بیاض میں شامل کرے .

یہاں سے معتمد خاں کے لکھے ہوئے مسودات ہیں[1]

اس زمانے میں جب کہ تمام تر شاہی توجہ قندھار کے لشکر کے تیار کرنے میں لگی ہوئی تھی، اور وہاں سے جو متوحش خبریں آ رہی تھیں میں ان کے تدارک میں مصروف تھا، خرم کے مزاج میں تبدیلی اور بے اعتدالی کی ناخوش گوار خبریں پہنچیں جو پریشانی اور حیرانی کا باعث ہوئیں۔

خرم سے تفہیم کے لیے موسوی خاں کی روانگی:

اس بنا پر میں نے موسوی خاں کے ذریعے، جو میرے مخلص مزاج داں ملازموں میں سے ہے، ترغیب و تہدید اور پند و نصائح کے پیغام اس بے دولت (خرم) کے پاس بھیجے [353] تا کہ وہ اس کو نیکی کی راہ دکھا کر غفلت اور غرور کے خواب گراں سے بیدار کرے، اور اس کے باطل ارادوں اور فاسد مقاصد سے آگاہی حاصل کر کے میری خدمت میں فوراً واپس آئے تا کہ اقتضائے حالات کے مطابق عمل کیا جائے۔

جشن وزن قمری:

یکم بہمن ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ء) کو جشن وزن قمری آراستہ ہوا۔ اس جشن میں مہابت خاں نے صوبہ کابل سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا اور عنایات خاص سے نوازا گیا۔

یعقوب خاں بدخشی (۱) کو نقارہ عنایت کر کے صوبہ کابل میں متعین کیا۔

شاہجہاں کی مانڈو سے آگرے کی طرف روانگی:

ان ہی حالات کے زمانے میں اعتبار خاں کی عرضداشت آگرے پہنچی کہ

۱- انڈیا آفس کے نسخے میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور اس باب میں خلیل بیگ اور محترم خاں کے جو واقعات درج ہیں وہ اقبال نامہ میں نہیں ملتے۔ (بیورج، ص ۲۳۶)۔

خرم اپنے منحوس لشکر کے ساتھ مانڈو سے آگرے کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر سے کہ میں نے آگرے سے خزانہ منگوایا ہے، اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ بدخواہ ہوگیا اور بیتابی میں نکل کھڑا ہوا ہے، تاکہ اثنائے راہ میں خزانے کو لوٹ لے۔ اس بنا پر میں نے یہ رائے قائم کی کہ میں اپنے لشکر کے ساتھ سیر و شکار کے طور پر سلطان پور کے دریا کے کنارے تک جاؤں۔ اگر اس بدبخت نے ضلالت اور گمراہی کو راہنما بنا کر یہ دلیرانہ قدم اٹھایا ہے تو میں پہلے ہی سے آگے بڑھ کر اس نالائق کو اس کی بدکرداری کی سزا دوں۔ اگر کوئی دوسری صورت ہو تو اس کے مناسب عمل کیا جائے۔

اس ارادے سے میں نے ۱۷ بہمن ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) کو مبارک گھڑی اور مبارک ساعت میں کوچ کیا۔

مہابت خاں کو خاص خلعت عنایت کر کے سرفراز کیا۔

ایک لاکھ روپے میرزا رستم کو اور دو لاکھ روپے عبداللہ خاں کو بطور مدد دیے جانے کا حکم دیا۔

مرزا خاں ولد زین خاں کو فرمان مرحمت عنوان کے ساتھ فرزند اقبال مند پرویز کے پاس بھیجا۔ اس فرمان میں اسے جلد از جلد آنے کی تاکید کی گئی تھی۔ راجا سارنگ دیو نے، جسے میں نے راجا نرسنگ دیو کے طلب کرنے کے لیے بھیجا تھا، آکر شرف حضوری حاصل کیا۔ اور عرض کیا کہ راجا نرسنگ دیو اپنے شائستہ لشکر اور آراستہ فوج کے ساتھ شہر تھانیسر میں حاضر ہو کر ہمرکابی کا شرف حاصل کرے گا۔

ان ہی چند روز میں متعدد عرضیاں دارالخلافہ آگرہ سے اعتبار خاں اور دوسرے ملازمین شاہی کی پہنچیں کہ خرم نے اپنی نکبت اور بدنصیبی سے حقوق تربیت کو فراموش کر کے نافرمانی پر کمر باندھ لی ہے اور ادبار، جہالت اور گمراہی کی وادی میں پاؤں رکھ کر ہماری طرف روانہ ہو چکا ہے، اس وجہ سے ہم نے خزانے کو روانہ کرنے میں مصلحت نہ دیکھی بلکہ برج اور فصیلوں کے مضبوط کرنے اور قلعے کی حفاظت میں مشغول ہو گئے۔ اسی طرح کی عرضداشت آصف خاں کی بھی پہنچی کہ اس بدبخت (خرم) نے شرم و حیا کے پردے کو چاک کر کے ذلت و ادبار کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اس کے آنے کے طور طریق سے خیر کی ہو

نہیں آئی . چونکہ خزانے کے بھیجنے میں مصلحت نہ تھی ، اس لیے اس کی حفاظت خدا کے سپرد کر کے میں خود حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو رہا ہوں .

خرم کو ''بے دولت'' کا خطاب :

ان عرض داشتوں کی بنا پر میں سلطان پور کے دریا کو عبور کر کے متواتر کوچ کرتا ہوا اس بدبخت کی تنبیہ و تادیب کے لیے روانہ ہوا ، اور میں نے حکم دیا کہ آج کے بعد سے خرم کو بے دولت لکھا جائے . آیندہ اس اقبال نامے میں جہاں بھی لفظ بے دولت لکھا جائے گا ، اس کا اشارہ خرم کی طرف ہوگا . میں نے اس پر جو عنایتیں اور نوازشیں کی ہیں ، ان کے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت تک ایسی عنایتیں اور نوازشیں کسی بادشاہ نے اپنے بیٹے کے ساتھ نہ کی ہوں گی . جس قدر لطف و کرم میرے والد نے میرے بھائیوں کے ساتھ کیے ہیں ، اتنا لطف و کرم تو میں اس کے نوکروں پر کرتا رہا ہوں . میں نے اس کے ملازموں کو بھی صاحب خطاب و علم و نقارہ بنا دیا ، جس کا تذکرہ گزشتہ اوراق میں مختلف تقریبات کے ضمن میں گزر چکا ہے ، اور جو اس اقبال نامے کے مطالعہ کرنے والے کی نظر سے پوشیدہ نہ ہوگا . کتنی مہربانیاں اور نوازشیں ہیں جو میں نے اس کے لیے روا رکھیں ، ان کی شرح و بیان سے قلم عاجز ہے . میں اپنے اس رنج و ملال اور کوفت کے متعلق کیا لکھوں کہ اس ضعف اور کمزوری کی حالت اور گرم موسم میں ، جو میرے مزاج کے لیے سخت ناموافق ہے ، اس نے مجھے سواری اور دوڑ دھوپ [354] کی کوفت میں مبتلا کر دیا ہے اور ایسے ناخلف بیٹے کے مقابلے کے لیے مجھے جانا پڑ رہا ہے . اکثر وہ ملازم جن کو میں نے ایک عرصہ دراز تک تربیت کر کے امارت کے مرتبے کو پہنچایا تھا اور جو آج اوزبک یا قزلباشوں کی جنگوں میں ہمارے لیے مفید اور کارآمد ہو سکتے تھے ؛ بدقسمتی سے انھیں سزا دے کر اپنے ہاتھوں سے ضائع کرنا پڑ رہا ہے . اس پر بھی خدا کا شکر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے اس قدر حوصلہ اور بردباری عطا کی ہے کہ میں ان تمام صدموں کا اچھی طرح مقابلہ کر کے عزم و ہمت کے ساتھ برداشت کر رہا ہوں ، اور حالات کا اچھی طرح مقابلہ کر کے مشکلات کو آسان بنا رہا ہوں . لیکن جس بات کا مجھے دکھ ہے اور جس سے میری حمیت میں

ہیجان پیدا ہوتا ہے ، وہ یہ ہے کہ ایسے نازک وقت میں میرے سعادت مند بیٹوں اور اخلاص آئین اُمرا کو چاہیے تھا کہ اپنے کامل تعاون کے ساتھ قندھار اور خراسان کی مہم میں ، جس پر سلطنت کی عزت و ناموس کا مدار ہے ، پورا حصہ لیتے . اس کے برخلاف ان بدبختوں نے اپنی سلطنت کے پاؤں پر کلھاڑی ماری اور اس مہم کی راہ میں سنگ گراں بن گئے جس کی وجہ سے قندھار کی مہم معرض تعویق و التوا میں پڑ گئی ہے . امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گرانی کو میرے دل سے دور کرے گا .

محترم خان خواجہ سرا اور خلیل بیگ کو سزائے قتل :

اسی زمانے میں مجھ سے یہ عرض کیا گیا کہ محترم خان خواجہ سرا اور خلیل بیگ ذوالقدر اور فدائی خان میر توزک اُس بے دولت سے رابطہ خلوص و محبت قائم رکھ کر خط و کتابت کر رہے ہیں . چونکہ اس وقت کا تقاضا مروت اور چشم پوشی کا نہ تھا اس لیے میں نے ان تینوں کو قید کر دیا . حالات کی تحقیق و تفتیش کے بعد خلیل بیگ اور محترم خان کی نمک حرامی ، بد اندیشی اور بدخواہی میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں رہی . اُمرا میں سے میرزا رستم جیسے امیر نے خلیل کی بے وفائی اور بد سگالی پر قسمیں کھائیں . مجبوراً میں نے ان دونوں کو قتل کرا دیا . فدائی خان جس کا دامن اخلاص تہمت اور غداری کے دھبے سے پاک نکلا ، میں نے اُسے قید سے نکال کر سرفراز کیا .

میں نے راجا روز افزوں کو بذریعہ ڈاک چوکی سرعت کے ساتھ فرزند اقبالمند شاہ پرویز کے پاس بھیجا کہ وہ اس فرزند کو لشکر ظفر اثر کے ہمراہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے ، ساتھ لے کر دربار میں آئے تا کہ وہ بے دولت اپنے ناپسندیدہ کردار کی سزا میں کیفر کردار کو پہنچے .

جواہر خان خواجہ سرا کو محل کے دربار کی مہتممی سے سرفراز کیا .

یکم ماہ اسفندار ماہ الٰہی ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۲ع) کو نورسرائے میں لشکر شاہی خیمہ انداز ہوا .

شاہجہان کی آگرے کے نواح میں آمد :

اسی دن اعتبار خان کی عرض داشت پہنچی کہ بے دولت اس غرض سے

دارالخلافہ آگرہ پہنچا تھا کہ شاید وہ قلعے کی حفاظت کے انتظامات مکمل ہونے سے پہلے وہاں پہنچ کر فتنہ و فساد کے دروازے کھول سکے اور اس طرح اپنا کام بنا سکے ۔ جب وہ بے دولت فتح پور پہنچا تو اس نے سلطنت کے دروازے اپنے اوپر بند پائے اور اپنے زوال و ادبار پر شرمندہ ہو کر وہیں ٹھہر گیا ۔ خانخاناں ، اس کا بیٹا اور بہت سے دوسرے شاہی اُمرا ، جو صوبۂ دکن اور گجرات میں متعین تھے ، بغاوت اور کفرانِ نعمت کی راہ اختیار کرکے اس کے ساتھ آئے ہیں ۔ موسوی خاں نے اسے فتح پور میں شاہی احکام پہنچا دیے ہیں اور طے پایا کہ وہ بے دولت اپنے ملازم قاضی عبدالعزیز کو موسوی خاں کے ساتھ شاہی دربار میں روانہ کرے تا کہ وہ اس کے مقصد و مدعا کو حضور تک پہنچائے ۔

پھر اس نے اپنے نوکر سندر نامی[1] کو ، جو گمراہوں اور مفسدوں کا سرغنہ بنا ہوا ہے ، آگرے بھیجا کہ وہ اُمرا کے خزانوں اور دفینوں پر ، جو آگرے میں ہیں قبضہ کرلے ۔ منجملہ ان کے جن اُمرا کے گھروں کو اس نے لوٹا ، ان میں لشکر خاں کا گھر بھی ہے ۔ اس میں اس نے داخل ہو کر نو لاکھ روپے حاصل کیے ۔ اسی طرح دوسرے اُمرائے شاہی کے گھروں میں جہاں بھی اُسے دولت اور سامان کا گمان تھا ، دست ستم دراز کرکے جو کچھ بھی اسے ملا اُسے اپنے قبضے میں لے لیا ۔

خانخاناں کے خلاف جذبۂ شکایت :

جب خانخاناں جیسے امیر نے ، جو میرے اتالیقی کے گراں قدر منصب پر فائز تھا ، ستر سال کی عمر میں اپنے منہ کو نمک حرامی اور بغاوت سے کالا کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا تو دوسروں [355] کی کیا شکایت کی جا سکتی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بغاوت اور نمک حرامی اس کی فطرت میں مرکوز تھی ۔ اس کے باپ نے بھی آخر عمر میں میرے والد بزرگوار کے ساتھ ایسا ہی ناپسندیدہ طریقہ اختیار کیا تھا ۔ اس نے بھی اس عمر میں اپنے باپ کی پیروی کرکے اپنے

۱- سندر وہی شخص ہے جس کو جہانگیر نے بکرماجیت کا خطاب دیا تھا ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۲۴۹) ۔

آپ کو مطعون خلائق اور ازلی و ابدی مردود بنا دیا .

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

خرم کے قاصد کو قید کرنے کا حکم :

اسی روز موسوی خاں اس بے دولت کے قاصد عبدالعزیز کے ساتھ پہنچا . چونکہ اس کی گزارشات میں کوئی معقولیت نہیں تھی اس لیے میں نے اسے گفتگو کرنے کا زیادہ موقع نہ دیا اور مہابت خاں کے حوالے کیا تا کہ وہ اسے قید کر دے .

۵ ماہ اسفندار ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۲ع) کو لدھیانے میں دریا[1] کے کنارے لشکر شاہی خیمہ انداز ہوا :

خان اعظم کو ہفت ہزاری و پنج ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا . راجا بھارت بندیلہ نے دکن سے اور دیانت خاں نے آگرہ سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا .

میں نے دیانت خاں کا قصور معاف کر کے اسے اس کے سابقہ منصب پر سرفراز کیا .

راجا بھارت کو ہزار و پانصدی کے منصب سے اور موسوی خاں کو ہزاری و سیصد کے منصب سے ممتاز کیا .

۱۲ اسفندار ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۲ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن راجا نرسنگ دیو نے پرگنہ تھانیسر کے نزدیک شرف حضوری حاصل کیا اور اپنی فوج کو ساز و سامان سے آراستہ کر کے میرے ملاحظے میں پیش کیا ، میں نے اس کی بہت تعریف کی .

راجا سارنگ دیو کو ہزاری و پانصدی و شش صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا .

کرنال کے قرب و جوار میں آصف خاں نے آگرے سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی . اس کا اس موقع پر آنا فتح کی نشانی تھا .

---

۱ - دریا سے مراد دریائے ستلج ہے .

نوازش خان ولد سعید خان نے صوبۂ گجرات سے آ کر زمین بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

اس زمانے میں جب کہ بے دولت برہان پور میں تھا ، اس کی سفارش پر میں نے باقی خان کو صوبۂ جونا گڑھ میں متعین کیا تھا ۔ میں نے گزشتہ دنوں ایک فرمان بھیجا تھا کہ وہ دربار میں حاضر ہو جائے ۔ چنانچہ وہ اس روز آیا اور شریک خدمت ہو گیا ۔

چونکہ دارالسلطنت لاہور سے بغیر اطلاع دیے کوچ کا اتفاق ہوا تھا اور وہاں ٹھہرنے کا کوئی موقع نہ تھا ، اس لیے اس سفر میں صرف وہی چند امرا ساتھ تھے جو ہمیشہ ہم رکاب رہتے ہیں اور میری پیشی میں کام کرتے ہیں ۔ سرہند پہنچنے تک صرف یہی چند لوگ میری ہم راہی کی سعادت سے سرفراز تھے ، لیکن سرہند سے گزرنے کے بعد جوق در جوق افواج اور لشکر کے لشکر اطراف و جوانب سے آنے شروع ہوئے اور دہلی تک اس قدر کثیر لشکر جمع ہو گیا کہ میں جس جانب بھی نظر ڈالتا تھا ، تمام جنگل لوگوں سے بھرا نظر آتا تھا ۔

فوجوں کو زرہ پہننے کا حکم :

جب مجھے اس بات کی اطلاع ملی کہ بے دولت (خرم) فتح پور سے نکل کر اس طرف روانہ ہو چکا ہے اور متواتر دہلی کی طرف کوچ کر رہا ہے ، تو میں نے فوجوں کو زرہ پہننے کا حکم دے کر فوجوں کی کمان اور اُن کا نظم و نسق مہابت خان کے سپرد کر دیا ۔ عبداللہ خان کو ہراول دستوں کا سردار مقرر کر کے منتخب اور تجربہ کار سپاہیوں میں سے جس کو اس نے چاہا اس کا نام اس کے دستوں میں لکھ کر حکم دیا کہ لشکر کا ایک گروہ دوسری فوجوں سے پہلے جائے ۔ خبریں پہنچانے کا انتظام اور راستوں کا نظم و ضبط بھی عبداللہ خان کے سپرد کر دیا گیا ۔ ہم اس بات سے بالکل غافل تھے کہ یہ بے دولت (خرم) سے ملا ہوا ہے اور اس کمینے کی اصلی غرض یہ ہے کہ ہمارے لشکر کی خبریں اسے پہنچائے ۔ پہلے بھی یہ جھوٹی سچی خبروں کے دفتر کے دفتر لکھ کر لاتا رہا کہ یہ خبریں میرے جاسوسوں نے فلاں جگہ سے لکھ کر بھیجی ہیں اور میرے بعض جان نثار امرا کو متہم کرتا رہا کہ یہ اس بے دولت (خرم) کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور دربار کی خبریں اُس تک پہنچاتے ہیں ۔ اگر میں اس کی فتنہ پردازی اور

چال بازی میں آ کر اپنے مقام سے ہٹ کر بے چینی و اضطراب ظاہر کرتا تو فتنہ و شورش کے اس طوفان میں ، جس کا ہر طرف تلاطم ہو رہا تھا [356] اپنے بہت سے جان نثار امرا کو اس کی گھڑی ہوئی بہمتوں کے فریب میں آ کر اپنے ہاتھ سے ضائع کر دیتا ۔ اگرچہ بعض سلطنت کے بہی خواہوں نے خلوت و جلوت میں کنایے سے اور صراحت کے ساتھ اس کی بد خواہی اور دروغ گوئی کی خبریں دی تھیں لیکن وقت کا تقاضا نہ تھا کہ اس کے عیوب کا پردہ چاک کر کے اس سے مواخذہ کیا جاتا ، اس لیے میں نے اسے ایسی نگاہوں سے دیکھا ، نہ اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکالے کہ جن سے وہ وحشت زدہ ہوتا ، اور زیادہ سے زیادہ اس پر الطاف و نوازشوں سے کام لیتا رہا کہ شاید وہ شرمندہ ہو کر اپنی بد اعمالی ، فتنہ پردازی اور بد ذاتی سے باز آ جائے ، لیکن وہ مردودِ ازلی و ابدی جس کی سرشت ہی میں خبث اور نفاق تھا ، کسی طرح صحیح راستے پر نہ آیا اور اس نے وہی کیا جو اس کی فطرت کا تقاضا تھا ۔ چنانچہ اس کا تذکرہ اپنی جگہ پر کیا جائے گا :

درختے کہ تلخ است او را سرشت
گرش در نشانی بہ باغ بہشت
ور از جوے خلدش بہ ہنگام آب
بہ بیخ انگبیں ریزی و شہدِ ناب
سر انجام گوہر بکار آورد
ہماں میوۂ تلخ بار آورد

دہلی کے قریب سید بہوہ بخاری ، صدر خاں اور راجا کشن داس شہر سے آ کر رکاب بوسی کی سعادت سے سرفراز ہوئے ۔

باقر خاں فوج دار صوبۂ اودھ بھی اسی روز آیا اور شاہی لشکر میں شامل ہو گیا ۔

۲۵ ماہ اسفندار ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۲ع) کو دہلی کی آبادی سے گزر کر دریاے جمنا کے کنارے شاہی لشکر نے خیمے ڈالے ۔

رائے سال درباری کے بیٹے گردھر نے صوبۂ دکن سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور دو ہزاری و ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز ہو کر راجا کے خطاب اور خلعت سے ممتاز ہوا ۔

زبردست خاں میر توزک کو علم عنایت کر کے اس کی عزت افزائی کی ۔

حواشی جشن ہفدہم

(۱) **یعقوب خان بدخشی**: ابتدا میں اس کا منصب نہصدی و پنجاہ سوار تھا اور خان خانان عبدالرحیم کے ساتھ دکن میں متعین تھا - ۸ جلوس جہانگیری میں اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری ہزار و پانصد سوار سے سرفراز ہوا اور جہانگیر کے آخری دور میں صوبۂ کابل میں متعین ہوا ۔ شاہجہان کے عہد میں بھی یہ کابل میں تھا ۔ (رک : مآثر الامرا ، ۳ ، ص ۹۵۸) ۔

اٹھارواں جشنِ نوروز

منگل کی شب ۲ جمادی الاول ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو آفتاب عالم افروز برج حوت سے خانہ شرف برج حمل میں داخل ہوا اور میرے جلوس سلطنت کا اٹھارواں سال خیر و سلامتی کے ساتھ شروع ہوا۔

خرم کی متھرا میں پہنچنے کی خبر:

اسی دن سنا گیا کہ بے دولت (خرم) نے متھرا کے قرب و جوار میں اپنے لشکر ادبار اثر کے ساتھ، جس کی تعداد ستائیس ہزار سوار ہے، پہنچ کر پرگنہ شاہ پور میں ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ امید ہے کہ وہ عنقریب ذلیل و خوار ہوگا۔

راجا مان سنگھ کے پوتے راجا جے سنگھ[1] نے اپنے وطن سے آکر رکاب بوسی کی سعادت حاصل کی۔

راجا نرسنگھ دیو کو جس سے بہتر راجپوت قوم میں کوئی امیر نہیں ہوا، میں نے مہاراجا کے خطاب سے سربلند کیا اور اس کے بیٹے راجا جوگراج کو دو ہزاری و ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

سید بہوہ کو ہاتھی عنایت کیا۔

خرم کی فوجوں سے لڑنے کے لیے لشکر کی ترتیب:

جب مجھے اس کی اطلاع دی گئی کہ بے دولت (خرم) دریائے جمنا کے کنارے بڑھتا چلا آ رہا ہے، تو میں نے بھی شاہی فوج کو اسی سمت پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ شاہی لشکر جس کے اگلے، دائیں، بائیں، درمیانی اور پچھلے حصے حالات کے مطابق اور مقام کے مناسب ترتیب دیے گئے تھے، یہ لشکر ایک سمندر معلوم ہوتا تھا کہ ٹھاٹیں مار رہا ہے۔ اسی اثنا میں یہ خبر ملی کہ بے دولت بے سعادت خانخاناں کے ساتھ سیدھے راستے سے ہٹ کر بائیں جانب بیس کوس کا ...

۱- جے سنگھ، مان سنگھ کا پڑپوتا ہے۔ اس کا باپ مہا سنگھ اور دادا جگت سنگھ ہے اور مان سنگھ پڑدادا ہے۔ (رک: بیورج، ۲، ص ۲۵۳)۔

فاصلہ طے کر کے [357] پرگنۂ کولکہ[1] میں ٹھہر گیا ہے اور سندر برہمن کو جو بادیۂ ضلالت و گمراہی کا رہنا ہے ، خانخاناں کے بیٹے داراب اور دوسرے اکثر شاہی امرا کے ساتھ ، جو بغاوت اور نمک حرامی میں اس کے ہمنوا ہوگئے ہیں ، شاہی لشکر کے مقابلے میں چھوڑ گیا ہے ۔ ان امرا میں ہمت خاں ، سربلند خاں ، شرزہ خاں ، عابد خاں ، جادو رائے ، اودے رام ، آتش خاں ، منصور خاں اور دوسرے منصب دار جو صوبۂ دکن ، گجرات اور مالوے میں متعین تھے ، شامل ہیں ۔ ان کی تفصیل بیان کرنا طوالت کا باعث ہے ۔ اس کے علاوہ اس کے تمام ملازم مثلاً راجا بھیم ولد رانا ، رستم خاں ، بیرم بیگ ، دریائی افغان اور تقی وغیرہ بھی شامل تھے ۔ ان کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ۔

شاہی لشکر کے عقبی حصے پر حملہ :

اگرچہ اس فوج کی سرداری بظاہر بدنصیب داراب کے سپرد ہے ، لیکن درحقیقت تمام امور کا کرتا دھرتا بدکردار سندر ہی ہے ۔ ان بدبختوں اور ناعاقبت اندیشوں نے بلوچ پور کے قرب و جوار میں ڈیرے ڈالے ہیں ۔

۸ ماہ فروردین ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو شاہی لشکر قبول پور میں خیمہ انداز ہوا ۔ اس روز چنداولی[2] کی باری باقر خاں کی تھی ، اس لیے میں نے اسے لشکر کے سب سے عقبی حصے پر متعین کیا تھا ۔ راستے میں خرم کے بےشعور لشکر نے اس عقبی حصے میں پہنچ کر چھاپا مارا ۔ باقر خاں نے ہمت و عزم کے ساتھ اس حملے کی مدافعت کی ۔ اس کی خبر ملتے ہی خواجہ ابوالحسن بھی اس کی مدد کے لیے روانہ ہو گیا ، لیکن خواجہ ابوالحسن کے پہنچنے تک یہ مردود مقابلے کی تاب نہ لا کر فرار ہو چکے تھے ۔

۹ ماہ فروردین ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو بدھ کے دن پچیس ہزار سوار عبداللہ خاں کی فوج سے جدا کر کے آصف خاں اور خواجہ ابوالحسن کی سرداری میں متعین کیے گئے کہ خرم کے ناعاقبت اندیش لشکر کا مقابلہ کریں ۔ منجملہ ان کے

۱- کولکہ : اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام کوتلہ مندرج ہے (رک : اقبال نامہ جہانگیری ، مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد) ۔

۲- چنداولی : لشکر کے پچھلے حصے کی دیکھ بھال ۔

قاسم خاں، لشکر خاں، ارادت خاں، فدائی خاں اور دوسرے شاہی امرا کو آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ آصف خاں کے تحت رکھا گیا اور باقر خاں، نورالدین قلی، ابراہیم حسنین کاشغری وغیرہ کو آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ خواجہ ابوالحسن کی مدد پر مقرر کیا گیا اور نوازش خاں، عبدالعزیز خاں، عزیز اللہ اور اکثر سادات بارہہ اور امروہہ دس ہزار سواروں کے ساتھ عبداللہ خاں کے ہمراہ کر دیے گئے۔

ذلیل سندر اپنی منحوس فوج کو ترتیب دے کر بے شرمی کے ساتھ آگے بڑھا۔

عبداللہ خاں کی غداری:

اس موقع پر میں نے اپنا خاص ترکش زبردست خاں میر توزک کے ہاتھ عبداللہ خاں کو بھیجا تاکہ اس سے اس کی حوصلہ افزائی ہو۔ جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو وہ ازلی ابدی رو سیاہ جس کی فطرت ہی میں بغاوت اور نمک حرامی تھی، راہ فرار اختیار کر کے خرم کے لشکر سے جا ملا۔ خان دوراں کا بیٹا عبدالعزیز خاں بھی اس کے ساتھ چلا گیا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ دالستہ گیا یا نادانستہ۔ زبردست خاں اور شیر حملہ جو اس بے حمیت (عبداللہ خاں) کی فوج میں تھے، اس کے جانے سے بددل نہیں ہوئے بلکہ مقابلے میں جمے رہے۔

سندر کے گولی لگنا اور شاہی فوج کی فتح:

چونکہ خدائے تعالیٰ کی مدد ہر جگہ اور ہر وقت اس نیاز مند کے شامل حال ہے، اس لیے ایسے ہنگامے اور نازک موقع پر جب کہ عبداللہ خاں جیسا سردار دس ہزار سواروں کو درہم و برہم کر کے دشمن سے جا ملا اور قریب تھا کہ شاہی لشکر کو عظیم نقصان پہنچ جائے، غیب سے بندوق کی ایک گولی سندر کے لگی۔ اس کے گرتے ہی اس کے بد بخت ساتھیوں کی ہمت ٹوٹ گئی۔ خواجہ ابوالحسن نے بھی اپنے مقابل لشکر کو دھکیل کر درہم و برہم کر دیا اور آصف خاں نے باقر خاں کے بر وقت پہنچنے سے فائدہ اٹھایا اور غیر معمولی جد و جہد کی اور سب کام ٹھیک کر دیا۔ پردۂ غیب سے یہ ایسی شاندار فتح رونما ہوئی ہے کہ اس کو تاریخ فتوحات میں طغرائے امتیاز ملنا چاہیے۔

زبردست خاں ، شیر حملہ اور اس کا بیٹا شیر بچہ ، اسد خاں معموری کا بیٹا ، خواجہ جہاں کا بھتیجا محمد حسین [358] اور سادات بارھہ کی ایک جماعت نے جو عبداللہ خاں روسیاہ کی فوج میں شامل تھے ، جام شہادت پی کر حیات جاوید حاصل کر لی ۔ حسین خاں کے پوتے عزیزاللہ کو بندوق کی گولی لگی لیکن وہ بچ گیا ۔

عبداللہ خاں کے لیے "لعنت اللہ" کا خطاب :

اگرچہ ابتدائے جنگ ہی میں اس منافق و مردود کا بھاگ جانا تائیدات غیبی میں سے تھا لیکن اگر عین جنگ میں اس سے یہ بری حرکت سرزد ہوتی ، تو میرا گمان غالب ہے کہ بہت سے شاہی لشکر کے سردار یا تو نافرمانی کی راہ اختیار کرتے یا پھر دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتے ۔ حسن اتفاق سے عوام کی زبان سے اس کا نام لعنت اللہ مشہور ہو گیا ہے ۔ چونکہ غیب سے یہ نام اس کے لیے منتخب ہوا ہے ، میں نے بھی اس کا یہی نام رکھ دیا ۔ اس کے بعد آیندہ ہر جگہ اس کے اصل نام کی بجائے لعنت اللہ لکھا جائے گا ، اور اس نام سے اسی کی طرف اشارہ ہو گا ۔

مختصر یہ کہ مخالف لشکر نے میدان جنگ سے بھاگ کر وادیِ ذلت و ادبار کا رخ کیا اور یہ لشکر اس طرح تتر بتر ہوا کہ پھر دوسری مرتبہ اپنے آپ کو منظم نہ کر سکا ، اور لعنت اللہ (عبداللہ خاں) نے بھی اپنے دوسرے مردود ساتھیوں کی طرح ادھر مڑ کر نہ دیکھا ، اور اس نے دولت (خرم) کے پاس جا کر ہی دم لیا ، جو وہاں سے بیس کوس کے فاصلے پر تھا ۔

جب اس شاہی لشکر کی فتح کی خبر اس نیازمند بارگاہ بے نیاز کو پہنچی ، تو میں خدائے تعالیٰ کی اس تازہ عنایت پر سجدہ ہائے شکر بجا لایا اور میں نے اپنے ان بہی خواہان سلطنت کو جنھوں نے اس جنگ میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں ، اپنے حضور میں طلب کیا ۔

سندر کا سر پیش کیا جانا :

دوسرے روز سندر کا سر میرے حضور میں لایا گیا ۔ اس کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہی اس کے گولی لگی ، اس نے فوراً ہی اپنی جان جہنم کے

فرشتوں کے سپرد کر دی ۔ اُس کے ساتھی اس کی لاش جلانے کے لیے اٹھا کر ایک قریبی گاؤں میں لے گئے ، جب اُن لوگوں نے چاہا کہ اس کی ارتھی کو آگ لگائیں ، اچانک اُن کو ایک فوج دور سے آتی ہوئی دکھائی دی ۔ یہ لوگ اس خوف سے کہ کہیں وہ مبادا گرفتار نہ ہو جائیں ، بھاگ کھڑے ہوئے اور جس کے جدھر سینگ سمائے وہ اُسی طرف چل دیا ۔ اُس موضع کا مقدم اس کا سر کاٹ کر اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے خان اعظم کے پاس اس لیے لایا کہ یہ گاؤں اس کی جاگیر میں تھا ۔ اُس کا منحوس چہرہ صحیح و سلامت تھا اور ابھی تک بگڑا نہیں تھا ، اس کے کان کسی نے اس وجہ سے کاٹ لیے تھے کہ وہ کانوں میں موتی پہنے ہوئے تھا ، لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس کی بندوق سے مارا گیا ۔ سندر کے مارے جانے کے بعد اس بے دولت نے پھر کمر ہمت نہ باندھی ، گویا کہ اس کی دولت ، ہمت اور عقل کا انحصار اسی ہندو کتے پر تھا ۔

وہ مجھ جیسے باپ سے ، جو اُس کا خالق مجازی ہے اور جس نے اُسے اپنی زندگی میں سلطنت کے بلند مرتبے پر پہنچایا اور جس نے اس کے لیے کسی چیز سے بھی دریغ نہیں کیا ، کسے توقع تھی کہ ایسا ناروا سلوک کرے گا ۔ خدا کی عدالت میں اس کا انصاف ہوگا اور اس کو کوئی بھلائی نصیب نہ ہوگی ۔

جنگ میں شریک ہونے والے اُمرا پر نوازشیں :

میں نے اس جنگ میں شریک ہونے والے اُمرا کو ، جنھوں نے پسندیدہ خدمات انجام دیں تھیں ، اُن کے مرتبے اور حیثیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ نوازشوں اور عنایتوں سے نوازا ۔

خواجہ ابو الحسن اصل و اضافے کے ساتھ پنج ہزاری کے منصب سے سرفراز ہوا ۔

نوازش خان کو چار ہزاری و سہ ہزار کے منصب سے اور باقر خان کو سہ ہزاری و پانصد سوار کے منصب اور نقارے سے ممتاز کیا ۔

ابراہیم حسین کاشغری کو دو ہزاری و ہزار سوار ، عزیز اللہ کو دو ہزاری و ہزار سوار ، نور الدین قلی کو دو ہزاری و ہفت صد سوار ، راجا رام داس کو دو ہزاری و ہزار سوار ، لطف اللہ کو ہزار و پانصدی و پانصد سوار اور پرورش خان کو ہزاری و پانصد سوار کے منصب سے نوازا ۔ اگر اُن تمام اُمرا کی جنھیں میں نے مختلف

مناصب سے سرفراز کیا ، تفصیلی فہرست دی جائے تو موجب طوالت ہوگا ۔

مختصر یہ کہ میں نے ایک روز اس منزل میں قیام کیا اور دوسرے روز یہاں سے کوچ کیا ۔

خان عالم نے الہ آباد سے سفر کر کے آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

۱۲ ماہ فروردین ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو موضع جہانسا کے قریب قیام کیا ۔

اس دن سربلند رائے نے دکن سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا اور خاص مرصع خنجر کے ساتھ پھول کٹارہ سے سرفراز ہوا ۔

عبدالعزیز خان کی واپسی :

عبدالعزیز خان اور دوسرے چند لوگ ، جو لعنت اللہ کے ہمراہ چلے گئے تھے ، وہ بے دولت کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کر کے میری خدمت میں حاضر ہو گئے اور انھوں نے معذرت کرتے ہوئے [359] کہا کہ جس وقت لعنت اللہ (عبداللہ خان) مخالف لشکر کی طرف دوڑا تو ہمیں گمان ہوا کہ اس نے مقابلے کے لیے گھوڑا دوڑایا ہے ، اس لیے ہم بھی اس کے ساتھ ہو گئے ، لیکن جب ہم مخالف لشکر میں پہنچے تو ہم نے صورت حال ہی دوسری پائی اور وہاں پہنچنے کے بعد سوائے تسلیم و رضا کے کوئی چارہ نظر نہ آیا ۔ مگر جب ہمیں موقع ملا تو ہم آستان بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حضور تک پہنچ گئے ۔

اگرچہ انھوں نے دو ہزار اشرفیاں بطور مدد خرچ کے اس بے دولت (خرم) سے حاصل کی تھیں ، لیکن چونکہ وقت کا تقاضا باز پرس کا نہ تھا اس لیے ان کی معذرت صحیح قرار دے کر قبول کر لی گئی ۔

۱۹ ماہ فروردین ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو نوروز کا جشن آراستہ ہوا اور بہت سے امرا اور ملازمین شاہی اضافہ منصب اور دوسری نوازشوں سے سرفراز ہوئے ۔

فرہنگ جہانگیری کی پیش کش :

میر عضد الدولہ نے آگرے سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا اور وہ فرہنگ جو اس نے بہ طور لغت مرتب کی تھی ، میرے سامنے پیش کی ۔ بلا شبہ اس نے اس لغت میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے اور تمام الفاظ

کی وضاحت کے لیے علما اور شعرائے متقدمین کے اشعار بطور سند پیش کیے ہیں . اس فن میں شاید کوئی اور کتاب اس جیسی نہیں ہوگی[1] .

راجا جے سنگ کو سہ ہزاری و ہزار و چہار صد کے منصب سے سرفراز کیا .

فرزند شہریار کو خاص ہاتھی عنایت کیا .

موسوی خاں کو عرض مکرر کی خدمت پر مقرر کیا .

امان اللہ خاں ولد مہابت خاں کو خانہ زاد خاں کے خطاب سے سرفراز کر کے علم و نقارہ سے سربلند کیا .

یکم اردی بہشت ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو فتح پور کے تالاب کے کنارے نزول اجلال ہوا . اعتبار خاں نے آگرے سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا اور نگاہ لطف سے نوازا گیا .

مظفر خاں ، مکرم خاں اور مکرم خاں کے بھائی نے بھی آگرے سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا .

چونکہ اعتبار خاں نے حق نمک ادا کرتے ہوئے قلعۂ آگرہ کی حفاظت و نگرانی کی شایستہ اور قابل قدر خدمات انجام دی تھیں ، اس لیے میں نے اس کو

۱- اس لغت کا نام فرہنگ جہانگیر ہے . یہ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں لکھی گئی . اس لغت کو عضدالدولہ نے ۱۰۱۷ھ میں مکمل کیا تھا . عضدالدولہ کا نام میر جمال الدین حسین انجو ہے . سفیر انگلستان سرطامس اسی کے توسط سے جہانگیر کے دربار میں پیش ہوا تھا . اس لغت کی تاریخ تکمیل حسب ذیل ہے : (بیورج ۲ ، ص ۲۵۷) .

مرتب گشت این فرہنگ نامی | باسم شاہ جم جاہ جہانگیر
چو جستم سال تاریخش خرد گفت | زہے فرہنگ نورالدین جہانگیر

یہ لغت دو جلدوں میں ۱۸۸۶ھ میں مطبع ثمر ہند ، لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے . اس فرہنگ میں وہ تمام الفاظ شامل ہیں جو اس وقت تک مکمل مل سکے . فرہنگ سے پہلے مقدمہ بارہ آئین پر مشتمل ہے . اگرچہ اس فرہنگ کے الفاظ پر ناقدانہ نظر نہیں ڈالی گئی مگر پھر بھی اسے جامع لغت تسلیم کیا گیا ہے . (ماخوذ از معارف ماہ جون ۱۹۶۷ع مضمون جناب امام مرتضیٰ صاحب نقوی) .

ممتاز خان کے خطاب سے سربلند کرکے شش ہزاری ذات و پنج ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور خلعت ، شمشیر مرصع ، گھوڑا اور خاص ہاتھی بھی اس کو عنایت کرکے اسے مذکورہ خدمت بجا لانے کے لیے رخصت کیا ۔

سید بہوہ کو دو ہزاری و ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

مکرم خان سہ ہزاری و دو ہزار سوار کے منصب اور خواجہ قاسم ہزار و چہار صد سوار کے منصب سے نوازے گئے ۔

۴ ماہ اردی بہشت ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو منصور خان فرنگی اور اس کا بھائی نوبت خان دکنی خوش قسمتی سے بے دولت سے جدا ہو کر میری خدمت میں آ گئے ۔ ان کے حالات گزشتہ اوراق میں تفصیل سے لکھے گئے ہیں ۔

خواص خان کو فرزند اقبال مند شاہ پرویز کے پاس بھیجا ۔

میرزا عیسیٰ ترخان نے ملتان سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

مہابت خان کو خاص شمشیر عنایت کی ۔

۱۰ ماہ اردی بہشت ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو پرگنہ ہندون کے قریب خیمے آراستہ کیے ۔

منصور خان کو چار ہزاری ذات و سہ ہزار سوار کے منصب سے اور نوبت خان کو دو ہزاری و ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

شاہزادہ پرویز کا شرف حضوری :

۱۱ ماہ اردی بہشت ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو قیام کیا ۔ چونکہ یہ دن فرزند اقبال مند شاہزادہ پرویز کے لیے مقرر کیا گیا تھا ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ امرائے نامدار اور تمام شاہی ملازم جوق در جوق اور پرے کے پرے اس کے استقبال کے لیے جائیں اور اس اقبال مند فرزند کو اس کے شایان شان طریقے پر استقبال کر کے میری خدمت میں لائیں ۔ چنانچہ نصف دن گزرنے کے بعد شاہ پرویز نے ساعت مسعود میں آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور اپنی پیشانی کو اخلاص کے نور سے منور بنایا ۔ اور لوازم کورنش و تسلیمات اور تورۂ چنگیزی کے مطابق آداب بجا لانے کے بعد میں نے فرزند اقبال مند پرویز کو نہایت مشفقانہ انداز میں اپنے آغوش میں لیا اور انتہائی محبت و مہربانی کا اظہار کیا ۔

شاہجہان کا انبیر کو تاخت و تاراج کرنا :

اسی زمانے میں خبر ملی کہ پرگنۂ انبیر کے قریب سے گزرتے ہوئے [360] جو راجا مان سنگھ کا وطن ہے ، اس بے دولت نے غنڈوں کی ایک جماعت کو بھیج کر اس کی آبادی کو تاخت و تاراج کر دیا .

۱۲ ماہ اردی بہشت ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ء) کو موضع سار والی کے نزدیک قیام کیا .

حبش خاں کو وہاں کی منزل کی تعمیر و مرمت کے لیے اجمیر بھیجا ، تا کہ وہ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے اس کام کی تکمیل کر دے .

فرزند سعادت مند شاہ پرویز کو چہل ہزاری و سی ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا .

صوبۂ پنجاب پر صادق خاں کا تقرر :

جب مجھے اس بات کی اطلاع ملی کہ بے دولت (شاہجہان) نے راجا باسو کے بیٹے جگت سنگھ کو کوہستان پنجاب میں بھیج کر فتنہ و فساد کے دروازے کھولے ہیں ، تو میں نے صادق خاں میر بخشی کو صوبۂ پنجاب کی حکومت سے سرفراز کر کے اس کی سرکوبی کے لیے رخصت کیا اور اسے خلعت کے ساتھ شمشیر اور ہاتھی عنایت کیا اور اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ چہار ہزاری ذات و سہ ہزار سوار مقرر کیا ، اور اس کے علاوہ علم و نقارے سے بھی سرفراز کیا .

میرزا بدیع‌الزمان کی وفات :

اسی زمانے میں اطلاع ملی کہ میرزا بدیع‌الزمان ولد میرزا شاہ رخ کو ، جو فتح پوری کے نام سے مشہور ہے ، اس کے چھوٹے بھائیوں نے اچانک حملہ کر کے اسے قتل کر دیا ہے .

اس اطلاع کے ملنے کے ساتھ ہی اس کے بھائیوں نے حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ، اور ان کی حقیقی ماں بھی میری خدمت میں حاضر ہوئی ، لیکن جیسا چاہیے تھا نہ تو اس نے اپنے فرزند کے خون کا انتقام طلب کیا ، نہ وہ کوئی شرعی ثبوت بہم پہنچا سکی ؛ اگرچہ وہ اس قدر بدسرشت انسان تھا کہ اس کا

مارا جانا قابل افسوس نہ تھا ، بلکہ اس کا قتل وقت کا تقاضا اور حکومت کی مصلحت کے عین مطابق تھا ، لیکن چونکہ مقتول کو ان بدبختوں کے بڑے بھائی ہونے کی نسبت تھی اور بڑا بھائی بمنزل باپ کے ہوتا ہے ، اور ان سے یہ شرارت و بیباکی ظہور میں آئی تھی ، اور انصاف کا تقاضا چشم پوشی کا نہ تھا ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ فی الحال ان کو قید میں رکھا جائے ، اس کے بعد یہ جس سزا کے مستحق ہوں گے ، وہ ان کو دی جائے گی .

۲۱ ماہ اردی بہشت ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو راجا گج سنگھ اور رائے سورج سنگھ نے اپنے اپنے محال جاگیر سے آکر رکاب بوسی کی سعادت حاصل کی .

معزالملک ، جسے میں نے فرزند خانجہاں کے لانے کے لیے ملتان بھیجا تھا ، اسی تاریخ واپس آیا اور خانجہاں کے ضعف و بیماری کا حال بیان کیا . خانجہاں نے اپنے بیٹے اصالت خاں کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ میری خدمت میں بھیج کر اظہار تاسف و رنج ظاہر کیا کہ وہ حاضری سے محروم ہوگیا ہے . چونکہ اس کی معذرت میں صداقت تھی اس لیے میں نے قبول کر لی .

۲۵ ماہ اردی بہشت ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو فرزند اقبال مند شاہ پرویز کو شاہی افواج کے ساتھ بد اندیش بے دولت کے تعاقب اور اس کی بیخ کنی کے لیے مقرر کیا گیا اور اس کی رہنمائی اور انتظام لشکر مؤتمن الدولة القاہرہ مہابت خاں کے حوالے کیا گیا .

جو امرائے نامدار اور جاں نثار بہادر ، شاہزادہ بلند اقبال کی خدمت میں مقرر کیے گئے ، ان کی تفصیل یہ ہے : خان عالم ، مہاراجا گج سنگھ ، فاضل خاں ، رشید خاں ، راجا گردھر ، راجا رام داس کچھواہہ ، خواجہ میر عبدالعزیز ، عزیزاللہ ، اسد خاں ، پرورش خاں ، اکرام خاں ، سید صنوبر خاں ، لطف اللہ ، رائے نرائن داس وغیرہ .

چالیس ہزار سوار ، ایک عظیم الشان توپ خانہ اور بیس لاکھ روپے کا خزانہ اس کے ساتھ کیا گیا اور ایک نیک ساعت میں فتح و نصرت کی ہمناؤں کے ساتھ اسے روانہ کیا گیا .

فاضل خاں کو لشکر کی بخشی گری اور واقعہ نویسی پر مقرر کیا .

شاہزادہ پرویز کو خلعت خاص ، زربفت کی نادری ، جس کے گریبان و دامن میں موتیوں کی کشیدہ کاری کی گئی تھی ، جو اکتالیس ہزار روپے میں

میری سرکار میں تیار ہوئی تھی ، عنایت کی ۔ اس کے علاوہ رتن گج نامی خاص ہاتھی مع دس ہتھنیوں کے ، خاص گھوڑا اور شمشیر مرصع جس کی مجموعی قیمت [361] ستّر ہزار روپے تھی ، عنایت کیے گئے ، اور اسی طرح نورجہاں بیگم نے بھی اس فرزند کو دستور کے مطابق خلعت ، گھوڑا اور ہاتھی عنایت کیے :

مہابت خاں اور دوسرے امرا کو بھی ان کی حیثیت و مرتبے کے مطابق ہاتھی اور سروپا عنایت کیے ۔

فرزند پرویز کے خاص ملازمین کو بھی ان کی حیثیت کے مطابق عنایتوں سے سرفراز کیا گیا ۔

مظفر خاں کا میر بخشی کے عہدے پر اور شاہزادہ داور بخش کا صوبیداری گجرات پر تقرر :

اسی تاریخ میں مظفر خاں کا تقرر میر بخشی کی خدمت پر کیا گیا اور خسرو کے بیٹے شاہزادہ داور بخش کو گجرات کی صوبیداری سے سربلند کیا ، اور خان اعظم کو اس کی اتالیقی کی اعلیٰ خدمت پر فائز کیا ۔

شاہزادہ داور بخش کو گھوڑا ، ہاتھی ، خلعت ، خاص مرصع خنجر اور علم و نقارہ مرحمت کیا ۔

خان اعظم اور نوازش خاں اور دوسرے امرا کو بھی ان کے مرتبے کے مطابق منصب سے سرفراز کیا ۔

فاضل خاں کے تبادلے کی وجہ سے ارادت خاں کو اس کی جگہ بخشی گری کی خدمت پر مقرر کیا ۔

آصف خاں کا بنگال و اوڑیسہ کی صوبیداری پر تقرر :

رکن السلطنت آصف خاں کو ولایت بنگال اور اوڑیسہ کا صوبیدار مقرر کر کے شمشیر مرصع کے ساتھ خلعت خاص عنایت کیا ، اور اس کے بیٹے ابو طالب کو اس کے باپ کے ساتھ مقرر کر کے دو ہزاری و ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

۹ ماہ خورداد بمطابق ۱۹ ماہ رجب ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ء) کو ہفتے کے دن اجمیر کے باہر آنا ساگر تالاب کے کنارے قیام کیا ۔

شاہزادہ داور بخش کو ہشت ہزاری و شہ ہزار کے منصب سے سرفراز کیا اور حکم دیا کہ اس کے ساتھ دو لاکھ روپے کا خزانہ اس کے لشکر کے لیے بطور مدد خرچ روانہ کیا جائے ، اور ایک لاکھ روپیہ بطور مدد خرچ خان اعظم کو عنایت کیے جائیں۔

اللہ یار ولد افتخار بیگ کو، جو فرزند اقبال مند شاہ پرویز کی خدمت میں متعین ہے ، پرویز کی سفارش پر علم سے سرفراز کیا ۔

تاتار خان کو قلعہ گوالیار کی حفاظت و نگرانی پر مقرر کیا ۔

راجا گج سنگھ کو پنج ہزاری و چہار ہزار سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

مریم زمانی کی وفات :

اسی زمانے میں آگرے سے خبر آئی کہ حضرت مریم زمانی[1] نے بقضائے الٰہی دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا ۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے گا ۔

رانا کرن کے بیٹے جگت سنگھ نے اپنے وطن سے آ کر آستاں بوسی کی دولت حاصل کی ۔ ابراہیم خان فتح جنگ حاکم بنگال کے بطور پیش کش بھیجے ہوئے چونتیس ہاتھی نظر سے گزرے ۔

باقر خان کو سرکار اودھ اور سادات خان کو میان دوآب کا فوج دار مقرر کیا ۔ میر مشرف کو دیوانی بیوتات کی خدمت سے سرفراز کیا ۔

شاہجہان پر دوسری مرتبہ فتح یابی کی اطلاع :

۱۲ ماہ تیر ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو صوبۂ گجرات کے حاکموں کی عرضداشت جو فتح و کامیابی کی خوش خبری پر مشتمل تھی ، پہنچی ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صوبۂ گجرات جو جلیل القدر سلاطین کا مستقر رہا ہے ، میں نے مہم رانا کی کامیابی کے صلے میں بے دولت کو دے دیا تھا ۔

۱۔ یہ جہانگیر کی والدہ ہے ، اس کی نعش آگرہ سے سکندرہ لائی گئی ۔ وہاں اسے سکندر لودی کی بارہ دری میں دفن کیا گیا ۔ یہ بارہ دری سلطان مرحوم نے ۱۴۹۵ع میں تعمیر کرائی تھی ۔ [رک : دختران ہند ، ۱ ، ص ۸۵ (س)]

چنانچہ گزشتہ واقعات کے ضمن میں یہ بات شرح و بسط کے ساتھ لکھی جا چکی ہے ۔ بے دولت کی طرف سے سندر برہمن اس کے وکیل کی حیثیت سے اس ملک کی حفاظت و نگرانی کرتا تھا ۔ جس زمانے میں بے دولت کے حق ناشناس دل میں بغاوت کا فاسد ارادہ پیدا ہوا تو اس نے ہندو کتّے (سندر) کو جو مسلسل نفاق و عناد کو ہوا دے رہا تھا اور فتنہ و فساد کا بانی مبانی تھا ، اور ہمت خاں ، شرزہ خاں ، سرفراز خاں اور اکثر شاہی اُمرا کو جو اس صوبے میں جاگیر دار تھے ، بلا کر سندر کی جگہ اس کے بھائی کنھر[1] کو مقرر کیا ۔ جب سندر قتل ہو گیا اور بے دولت شکست کھا کر مانڈو کی طرف بھاگا تو اس نے ملک گجرات لعنت اللہ (عبداللہ خاں) کی جاگیر میں دے کر [362] کنھر اور اس صوبے کے دیوان آصف خاں کو اپنے ہاں طلب کیا ۔ آصف خاں کے ساتھ صوبۂ گجرات کا خزانہ ، مرصع تخت ، جس کی تیاری پر پانچ لاکھ روپے کی لاگت آئی تھی ، اور پردلہ بھی جس پر دو لاکھ صرف ہوئے تھے ، منگوا لیے ۔ یہ سب چیزیں اُس نے میرے پیش کش کے لیے ترتیب دی تھیں ۔

صفی خاں اور اُس کی فتح گجرات کے لیے تدبیریں :

صفی خاں جعفر بیگ کا بھائی ہے[2] ۔ جعفر بیگ کو میرے والد نے آصف خاں کا خطاب دیا تھا ۔ نورجہاں بیگم کا بھائی میری تربیت کی بدولت آصف خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا ہے اور اس کی چھوٹی بیٹی[3] صفی خاں سے بیاہی ہے ، اور اس کی بڑی بیٹی جو اس چھوٹی لڑکی سے ایک سال بڑی ہے ، بے دولت کی بیوی ہے ، (۱) اور یہ دونوں ایک ہی ماں کے بطن سے ہیں ۔ اس ہم زلفی کے رشتے کی

۱- یہ نام کنور ہے اور اقبال نامے میں کنور داس لکھا گیا ہے ۔ (بیورج ، ۲ ، ص ۲۶۲) ۔

۲- سرسید ایڈیشن کی اس عبارت میں کچھ الجھن ہے ۔ اصل عبارت یوں ہونی چاہیے : ''صفی خاں برادر زادہ جعفر بیگ است'' طباعت میں زادہ کا لفظ رہ گیا ہے ۔ یعنی ''میرزا صفی ، جعفر بیگ کے بھائی میرزا صالح کا بیٹا تھا ، جعفر بیگ کو میرے والد نے آصف خاں کا خطاب دیا تھا ۔''

۳- چھوٹی بیٹی کی جگہ بڑی بیٹی ہونی چاہیے ، کیونکہ صفی خاں سے اس کی بڑی بیٹی بیاہی تھی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ۲ : ص ۳۱۶)

وجہ اسے بے دولت کو توقع تھی کہ وہ اس کا ساتھ دے گا اور اس کی حمایت کرے گا ، لیکن چونکہ ازل ہی میں قلم اس کی سعادت مندی پر چل چکا تھا ، اور یہ اس کا مقدر ہو چکا تھا کہ وہ امارت اور دولت کے مرتبے کو پہنچے گا ، خدائے تعالیٰ نے اس کو میرا ہمنوا بنا دیا اور اس سے نمایاں خدمات ظہور میں آئیں ۔ جیسا کہ آیندہ لکھا جائے گا ۔

صفی خاں کی وفاداریاں :

منجملہ ان کے ایک یہ کہ بے وفا لعنت اللہ نے اپنے ایک وفادار نامی خواجہ سرا کو اپنے چند بے سروپا لوگوں کے ساتھ گجرات کی حکومت کے لیے بھیجا ۔ اس نے احمد آباد سے آ کر شہر گجرات کو اپنے قبضے میں لے لیا ۔ چونکہ صفی خاں (۲) کے دل میں سلطنت کی وفاداری تھی اور خلوص تھا اس لیے وہ نوکروں کو روکے رکھنے ، لشکر کو جمع کرنے اور لوگوں کے قلوب کو مسخر کر کے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا رہا ۔ پھر وہ کمبخت اسے چند روز پہلے شہر سے باہر نکل کر کانکریہ تالاب کے کنارے آ کر ٹھہر گیا ۔ اور وہاں سے محمود آباد روانہ ہو گیا ۔ بظاہر وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ بے دولت کے پاس جا رہا ہے اور باطن میں وہ ناہر خاں[1] ، سید دلیر خاں اور بابو لال خان افغان اور دوسرے جان نثار ، ثابت قدم ، مخلصین بندگان شاہی کے ساتھ ، جو اپنے محال جاگیروں میں مقیم تھے ، خط و کتابت کے ذریعے اسے انہیں سلطنت کی بہی خواہی پر آمادہ کر رہا تھا اور موقع کے انتظار میں تھا ۔

بے دولت کے ملازم صالح نامی نے ، جو علاقہ پھلاد کا صوبیدار تھا اور خاصی جمعیت اس کے پاس تھی ، صفی خاں کے طور طریقے سے بھانپ لیا کہ صفی خاں کا ارادہ ہی کچھ اور ہے ، بلکہ کمبخت بھی اس حقیقت سے آگاہ ہو گیا تھا ۔ لیکن چونکہ صفی خاں نے اکثر لوگوں کو سمجھا بجھا کر اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا ، اس لیے انہیں اس کے مقابلے میں ہاتھ پاؤں مارنے کی جرات نہ ہوتی تھی ۔ صالح نے اس اندیشے سے کہ مبادا صفی بے باک ہو کر خزانۂ شاہی پر دست تصرف دراز کر بیٹھے ، دور اندیشی

۱- بعض نسخوں میں یہ نام بابا خان ہے ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۲۶۲)

سے کام لیا اور خزانہ لے کر پہلے ہی چل دیا اور تقریباً دس لاکھ روپے بے دولت کے پاس مانڈو پہنچا دیے۔ کبھتر بھی مرصع پردلہ لے کر اس کے پیچھے روانہ ہو گیا، لیکن مرصع تخت وزنی ہونے کی وجہ سے وہ اپنے ساتھ نہ لے جا سکا۔

صفی خاں موقع پاتے ہی محمود آباد سے پرگنہ کریج[1] کی طرف چلا گیا۔ جو عام سڑک سے بائیں جانب واقع ہے اور جہاں ناہر خاں موجود تھا۔ یہاں نقل مکان کر کے اور ناہر خاں سے مل کر دوسرے بہی خواہان سلطنت سے خط وکتابت کی اور یہ طے کیا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے محال جاگیر سے نکلیں اور اپنی جمعیت کے ساتھ جس قدر بھی اس کے پاس ہو۔ سورج کے طلوع ہونے کے وقت، جو اہل سعادت کے لیے صبح اقبال و کامرانی اور ارباب شقاوت کے لیے ذلت و ادبار کی شام ہے، اس دروازے سے جو ان کی سمت واقع ہے، شہر میں آئیں۔ اس فیصلے کے بعد خود صفی خاں اپنی عورتوں کو پرگنہ مذکور میں چھوڑ کر ناہر خاں کے ساتھ صبح کے وقت نواح شہر میں پہنچ کر کچھ دیر باغ شعبان[2] میں ٹھہرا، یہاں تک کہ صبح کی روشنی ہو گئی۔ جب صبح کی روشنی اس قدر پھیل گئی کہ دوست و دشمن کی تمیز ہونے لگی اور شہر کا دروازہ بالکل کھلا ہوا تھا۔ اگرچہ اس وقت وہاں ناہر خاں اور دوسرے بہی خواہان سلطنت کے موجود ہونے کے کوئی آثار نہ تھے تاہم اس کو یہ ڈر ہوا کہ مبادا مخالفین ان کی آمد سے آگاہ ہو جائیں اور قلعے کے دروازوں کو مستحکم کر کے بند کر لیں۔ تائید ایزدی پر بھروسا کر کے [363] وہ بغیر کسی خوف و جھجک کے سارنگ پور دروازے سے شہر میں داخل ہو گیا اس کے داخل ہوتے ہی ناہر خاں بھی پہنچ گیا اور دوسرے دروازے سے شہر میں داخل ہو گیا۔ لعنت اللہ کا ملازم وفادار خواجہ سرا شاہی اقبال لازوال کی نیرنگیاں دیکھ کر میاں وجیہ الدین کے پوتے شیخ حیدر کے گھر میں بھاگ کر چھپ گیا اور شاہی امرا فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے قلعے کے برج و فصیلوں کو مستحکم کرنے میں مشغول ہو گئے۔ پھر انھوں نے چند آدمیوں کو بے دولت کے دیوان محمد تقی اور اس کے بخشی حسن بیگ کے گھر بھیجا کہ وہ ان دونوں کو قید کر کے لائیں۔

۱۔ اس پرگنے کا نام بعض نسخوں میں کیرا لکھا گیا ہے۔ (بیورج، ۲، ۲۶۳)

۲۔ یہ باغ تالاب ملک شعبان کے قریب واقع ہے۔ اقبال نامے میں بھی باغ شعبان ہی لکھا ہے۔ یہ احمد آباد کا مشہور باغ شاہی بھی ہے۔ (رک: بیورج ۲، ص ۲۶۳)۔

شیخ حیدر نے خود آ کر صفی خاں کو مطلع کیا کہ لعنت اللہ کا ملازم خواجہ سرا ان کے گھر میں موجود ہے۔ چنانچہ اس کے ہاتھ اس کی گردن میں باندھ کر لائے۔

شاہجہان کے تمام ملازموں کی گرفتاری :

پھر اُمرائے سلطنت نے بے دولت کے تمام ملازموں اور متعلقین کو محبوس اور مقید کر کے شہر کا نظم و نسق درست کرنا شروع کر دیا اور تخت مرصع، دو لاکھ روپے نقد اور بہت سا سامان اور اشیا، جو شہر میں بے دولت اور اس کے ملازموں کا مملوکہ تھا اُمرائے سلطنت کے ہاتھ لگا۔

جب یہ خبر بے دولت کو ملی تو اس نے لعنت اللہ (عبداللہ خاں) کو ہمت خاں، شرزہ خاں، سرفراز خان، قابل بیگ، رستم بہادر اور صالح بدخشی اور دوسرے باغی اور نافرمان بندگان شاہی اور اپنے لوگوں کو جن کی تعداد تقریباً پانچ چھ ہزار سوار تھی، احمد آباد میں متعین کیا۔ اس خبر کے ملتے ہی صفی خاں اور ناہر خان نے پوری ہمت کے ساتھ قدم جمایا اور اپنے سپاہیوں کو اطمینان دلا کر نیا لشکر جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور نقد و جنس کی صورت میں جو مال غنیمت انہیں ملا تھا۔ نیز اس تخت مرصع کو بھی جو ان کے قبضے میں آیا تھا توڑ کر نئے اور پرانے لشکریوں میں تنخواہ تقسیم کر دی۔

پھر انھوں نے ریاست اندور کے راجا کلیان، لال گوپی کے بیٹے اور اس نواح کے دوسرے زمینداروں کو اطراف شہر سے بلا کر ایک اچھا خاصا لشکر جمع کر لیا۔ ادھر لعنت اللہ (عبداللہ خاں) بغیر کمک کا انتظار کیے، آٹھ روز میں سالڈو سے بڑودہ پہنچ گیا۔ ادھر سلطنت کے بہی خواہ بھی عزم و ہمت اور توفیق الٰہی کی یاوری سے شہر سے باہر نکلے اور کانکریہ تالاب کے کنارے ڈیرے ڈالے، لعنت اللہ کا خیال تھا کہ شاید اس کی تیز رفتار اور جلد پہنچ جانے کی وجہ سے شاہی لشکر کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ مگر جب اس نے یہ خبر سنی کہ شاہی لشکر نے باہر پڑاؤ ڈال دیا ہے تو وہ بڑودہ لوٹ گیا اور وہاں کمک کا انتظار کرنے لگا۔ ادھر شاہی لشکر نے کانکریہ سے کوچ کر کے موضع تیرہ میں قطب عالم کے مزار کے قریب خیمے لگائے۔ لعنت اللہ

تین روز کی راہ دو روز میں طے کر کے بڑودہ سے محمود آباد پہنچ گیا۔

چونکہ سید دلیر خان، شرزہ خان کے اہل و عیال کو شہر لایا تھا اور سرفراز خان کے بال بچے بھی شہر میں تھے، صفی خان نے ان دونوں کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر تم سعادت مندی سے کام لو گے اور نافرمانی کے داغ کو اپنی پیشانی عبودیت سے دھو کر، بہی خواہان سلطنت کے زمرے میں شامل ہو جاؤ گے، تو اس کی بدولت تمہارا انجام دنیا اور عاقبت ہر جگہ بہتر ہو گا ورنہ میں تمہارے اہل و عیال کو نہایت ذلت و خواری کے ساتھ قتل کر دوں گا۔

لعنت اللہ کو کسی طرح اس کی اطلاع مل گئی، اس نے سرفراز خان کو کسی بہانے سے اپنے گھر بلا کر قید کر دیا۔

چونکہ شرزہ خان، ہمت خان اور صالح بدخشی آپس میں متفق تھے، اور یہ تینوں کے تینوں جہاں جاتے ایک ہی جگہ قیام کرتے تھے، اس لیے وہ شرزہ خان پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔

عبداللہ خان کی صف آرائی اور شکست:

مختصر یہ کہ یکم ماہ شعبان ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ء) کو لعنت اللہ نے اپنے مقام سے جہاں وہ قدم جمائے ہوئے تھا، اپنے ذلیل لشکر کی صف بندی کی۔ بہی خواہان سلطنت نے بھی اقبال مند فوج [364] کو اسلحہ سے آراستہ کر کے جنگ کے لیے تیار کیا۔ لعنت اللہ کا خیال تھا کہ اس کے آنے سے شاہی لشکر کے قدم ڈگمگا جائیں گے اور جنگ کی نوبت نہیں آئے گی؛ بلکہ شاہی لشکر منتشر ہو جائے گا۔ جب اس نے بہی خواہان سلطنت کی ثابت قدمی دیکھ لی تو مقابلے کی طاقت نہ پا کر اس جگہ سے بائیں جانب مڑ گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو دھوکا دیا کہ اس میدان میں شاہی فوجوں نے بارود کی سرنگیں بچھا رکھی ہیں۔ اگر یہاں جنگ شروع ہو جائے گی تو ہمارے بہت سے لوگ ضائع ہو جائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ سرگنج کے میدان میں جنگ کی طرح ڈالیں۔ یہ دراصل میرے اقبال کا اثر تھا کہ اس کے ذہن میں ایسے باطل خیالات اور غلط تدبیریں سما گئیں اور میدان جنگ سے اس کا فرار اور ہزیمت مشہور ہو گئی اور ہمارے فتح مند بہادر جوش و خروش سے آگے بڑھتے ہوئے اس کے برابر پہنچ گئے۔ جس کی وجہ سے وہ بد بخت سرگنج تک نہ پہنچ سکا اور اسے موضع باریچہ ہی میں مورچے قائم

کرنے پڑے ۔

بہی خواہان سلطنت اور شاہی لشکر نے موضع مالودہ میں ، جو اس گاؤں سے تین کوس کے فاصلے پر تھا ، پڑاؤ کیا ۔

دوسرے روز صبح کو بہی خواہان سلطنت نے لشکر کی صفیں مرتب کیں اور عمدہ طریقۂ جنگ کے ساتھ لڑائی چھیڑ دی ۔ فوج کو اس طرح ترتیب دیا گیا تھا :

ہراول میں ناہر خان اور الدور کا راجا کلیان اور دوسرے بہادر ، شجاع اور تجربہ کار لوگ شامل تھے ۔

میسرہ میں سید دلیر خان ، سید سیدو اور دوسرے اخلاص شعار ملازموں کی ایک جمعیت مامور ہوئی ۔

میمنہ میں نالو خان ، سید یعقوب ، سید غلام محمد اور دوسرے فدائی و جاں نثار مامور ہوئے ۔

قلب لشکر میں صفی خان ، کفایت خان بخشی اور دوسرے کار آمد اور تجربہ کار ملازمین شاہی کھڑے ہوئے ۔

حسن اتفاق سے جس مقام پر لعنت اللہ صف آرا تھا وہاں کی زمین ناہموار اور آس پاس تھور کی جھاڑیاں کثرت سے تھیں اور وہ قدرتی راستے جو ان جھاڑیوں میں سے گزرتے تھے بہت تنگ تھے جس کی وجہ سے وہ اپنی فوج کا انتظام مناسب طور پر نہ کر سکا ۔ اس نے اپنی فوج کے اکثر تجربہ کار لوگوں کو رستم بہادر کے ہمراہ آگے بڑھا دیا ۔ اس کے علاوہ ہمت خان اور صالح بیگ بھی اس کے ہراول میں تھے ۔ اس کی بد بخت فوج کا سب سے پہلے مقابلہ ناہر خان اور ہمت خان سے ہوا ۔ دونوں کے درمیان زبردست جھڑپ ہوئی ۔ اتفاق سے ہمت خان بندوق کی ایک گولی سے ہلاک ہو کر زمین پر گر پڑا اور صالح بیگ کا نالو خان ، سید یعقوب ، سید غلام محمد اور دوسرے شاہی ملازمین سے مقابلہ ہوا ۔ عین اس وقت جب کہ لڑائی عروج پر تھی ، سید غلام محمد کے ہاتھی نے صالح خان کو گھوڑے پر سے گرا دیا اور وہ کاری زخم کھا کر زمین پر گر پڑا اور اس کے تقریباً سو ساتھی بھی مارے گئے ۔ اس موقع پر باغی فوج کے آگے جو ہاتھی تھا ، بان اور بندوقوں کی آواز سے بدک کر ایک تنگ گلی میں ، جس کے دونوں طرف تھور کی جھاڑیاں تھیں ، گھس گیا اور اس نے مخالف فوج کے بہت سے لوگوں کو

پامال کر دیا ۔ ہاتھی کے اس طرح سے گھس آنے کی وجہ سے مخالف فوج کا نظم درہم برہم ہو گیا ۔ اسی اثنا میں سید دلیر خان نے میمنہ سے آ کر لڑائی شروع کر دی تو لعنت اللہ (عبداللہ خان) جسے ہمت خان اور صالح کے مارے جانے کی خبر نہ تھی ، ان کو مدد دینے کے لیے شاہی فوج کی طرف تیزی سے لپکا ۔ چونکہ شاہی ہراول کے اکثر بہادر اور جنگ جو ، دلیرانہ مقابلے میں زخمی ہو چکے تھے اس لیے لعنت اللہ کے حملے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ گئے اور قریب تھا کہ شاہی لشکر کو سخت نقصان پہنچے ، عین اس عالم میں خدا کی تائید ہوئی اور صفی خان ان کی مدد کے لیے قلب لشکر سے نکل کر ہراول میں پہنچ گیا ۔ اس طرح فوج کے آنے اور صفی خان کے اچانک ظاہر ہونے سے لعنت اللہ کے جمے ہوئے قدم اکھڑ گئے اور وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا ۔ سید دلیر خان نے ایک کوس تک اس کا تعاقب کیا اور مخالفین کے بہت سے شکست خوردہ سپاہیوں کو تہ تیغ [365] کر دیا ۔ قابل بیگ نمک حرام بھی دشمن کی ایک جمعیت کے ساتھ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا ۔

سلطان احمد کے بیٹے کا قتل اور سرفراز خان کی رہائی :

چونکہ لعنت اللہ (عبداللہ خان) کو سرفراز خان کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس لیے اس نے لڑائی کے دن اسے ایک ہاتھی پر بٹھا کر اور زنجیروں سے جکڑ کر اپنے غلاموں کے سپرد کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر ہمیں شکست ہو جائے تو وہ سرفراز خان کو قتل کر دیں ۔

اسی طرح سلطان احمد کے بیٹے بہادر کو پا بزنجیر کر کے ایک ہاتھی پر سوار کر دیا تھا اور شکست کی صورت میں اس کے بھی قتل کا حکم دیا تھا ۔ جب لعنت اللہ کا لشکر شکست کھا کر بھاگا تو سلطان احمد کے بیٹے کے نگران کار نے تو اسے جمدھر سے مار ڈالا اور سرفراز خان نے اپنے آپ کو ہاتھی سے گرا لیا ۔ اس کے نگران کار نے پریشانی کے عالم میں اس پر وار کیے لیکن کوئی وار کارگر نہیں ہوا ۔ وہ زخمی حالت میں صفی خان کو میدان جنگ میں پڑا ہوا ملا ۔ صفی خان نے اسے اٹھوا کر شہر بھجوا دیا ۔

لعنت اللہ (عبداللہ خان) ایسا بھاگا کہ بڑودہ سے اس طرف دم نہ لیا ۔

چونکہ شرزہ خان کے بیوی بچے بھی خوبان سلطنت کی قید میں تھے ، اس

لیے وہ مجبوراً صفی خان کے پاس آ گیا ۔

لعنت اللہ بڑودہ سے بھروچ کی طرف بھاگ گیا ۔ یہاں قلعے میں ہمت خان کے بیٹے تھے ۔ اگرچہ انھوں نے اُسے قلعے کے اندر تو داخل نہ ہونے دیا ، لیکن اس کے ہاں پانچ ہزار محمودی سکے بطور مہمان نوازی کے بھجوائے ۔ اس نے تین روز بحال تباہ قلعۂ بھروچ کے باہر گزارے ، اور چوتھے روز بندر سورت کی راہ لی اور تقریباً دو ماہ وہاں رہ کر اپنے منتشر آدمیوں کو جمع کرنے لگا ۔

چونکہ بندر سورت ، بے دولت کی جاگیر میں تھا اس لیے وہاں کے حکام سے تقریباً چار لاکھ سکۂ محمودی حاصل کر لیے ۔ اس کے علاوہ جو کچھ ظلم و زیادتی سے اُس کے ہاتھ لگا ہتھیا لیا اور ایک مرتبہ پھر بدبختوں کو اپنے گرد جمع کر کے بے دولت کے پاس برہان پور پہنچ گیا ۔

صفی خان اور ناہر خان کے منصب میں اضافہ :

چونکہ صفی خان اور دوسرے حق شناس بلازمین نے ، جو صوبۂ گجرات میں تھے ، قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اس لیے میں نے اُن میں سے ہر ایک کو مختلف قسم کے الطاف و نوازشوں سے سربلند کیا ۔

صفی خان کا منصب ہفت صدی ذات و سیصد سوار تھا ، لیکن میں نے اُس کا منصب سہ ہزاری و دو ہزار سوار کر کے اُسے سیف خان جہانگیر شاہی کے خطاب اور علم و نقارے سے سرفراز کیا ۔

ناہر خان ہزاری و دویست سوار کے منصب پر فائز تھا ۔ میں نے اس کا منصب بڑھا کر سہ ہزاری و دو ہزار سوار کر دیا اور شیر خان کے خطاب اور گھوڑا ، ہاتھی اور شمشیر مرصع عنایت کر کے اس کے مرتبے کو بلند کر دیا ۔

ناہر خان کے حالات :

ناہر خان ، پورن مل لولو کے بھائی نرسنگ دیو[1] کا پوتا ہے ، جو رائے سین و چندیری کا حاکم تھا ۔ جب شیر خان افغان نے قلعۂ رائے سین کا محاصرہ کیا ،

۱۔ نرسنگ دیو کے متعلق دیکھیے ، بیورج ، ۲ ، ص ۲۶۸ ۔

تو مشہور ہے کہ اس نے وعدۂ جان بخشی کے باوجود اس کو قتل کر دیا اور اس کی بیویوں نے ہندوانی رسم کے مطابق اپنے آپ کو آتش غیرت و ناموس میں جلا دیا ، تا کہ نا محرموں کا ہاتھ اُن کے دامن عصمت تک نہ پہنچ سکے ۔ اس کے بعد اس کے بیٹے اور متعلقین اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے ۔

ناہر خاں کا باپ جس کا خطاب خانجہان تھا ، محمد خاں فاروقی (۳) حاکم اسیر و برہان پور کے پاس جا کر مسلمان ہو گیا ۔ جب محمد خاں فاروقی نے وفات پائی تو اس کا بیٹا حسن (۴) کم سنی میں اپنے باپ کی جگہ پر بیٹھا ۔ محمد خاں کے بھائی راجا علی خاں نے اس بچے کو قید کر دیا اور خود سلطنت پر قابض ہو گیا ۔ کچھ زمانے کے بعد راجا علی خاں (۵) کو خبر ملی کہ خانجہان اور اس کے نوکروں کی ایک جماعت نے با اتفاق رائے ارادہ کیا ہے کہ وہ اس کو مار کر اور حسن خاں کو قلعے سے نکال کر حاکم بنائیں ۔ راجا علی خاں نے اس خبر کے سنتے ہی پیش قدمی کر کے حیات خاں حبشی کو اپنے اکثر بہادر سپاہیوں کے ساتھ خانجہاں کے گھر بھیجا کہ یا تو اسے زندہ گرفتار کر کے لائیں ، یا قتل کر دیں ۔ خانجہاں اپنی عزت و ناموس کی خاطر عزم و ہمت کے ساتھ لڑا ، لیکن جب عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تو جوہر کی رسم ادا کر کے [366] اپنی جان سے گزر گیا ۔ اس وقت ناہر خاں بہت چھوٹا تھا ۔ حیات خاں حبشی نے راجا علی خاں سے التجا کر کے اسے اپنی فرزندی میں لے لیا اور مسلمان کر لیا ۔ حیات خاں حبشی کی وفات کے بعد راجا علی خاں نے خود اس کی پرورش کی اور وہ اس کی پوری خاطر داری کرتا تھا ۔

جب میرے والد بزرگوار انار اللہ برہانہ نے قلعۂ اسیر کو فتح کیا تو ناہر خاں ان کی ملازمت میں منسلک ہو گیا ۔ انھوں نے اس کی پیشانی سے رشد کے آثار دیکھ کر اس کو مناسب منصب سے سرفراز کیا اور صوبۂ مالوہ کا پرگنہ محمد آباد اس کو جاگیر میں عنایت کیا ، میری خدمت میں تو اس نے غیر معمولی ترقی کی ؛ اس وقت قدرت کی طرف سے اس کو سچی خدمت گزاری کی توفیق نصیب ہوئی ہے اور خدمت گزاری کا اس کو خاطر خواہ صلہ بھی مل رہا ہے ۔

سید دلیر خاں کے حالات :

سید دلیرخاں (۶) سادات بارھہ میں سے ہے ۔ اس کا نام پہلے سید عبدالوہاب

تھا ۔ اس کا سابقہ منصب ہزاری و ہشت صد سوار تھا ۔ میں نے اسے دو ہزاری ہزار و دویست سوار کے منصب اور علم سے سرفراز کیا ۔ بارہ ہندی زبان میں دروازے کو کہتے ہیں ۔ چونکہ دوآبے کے درمیان بارہ گاؤں نزدیک نزدیک واقع ہیں اور یہ بارہ گاؤں ان سادات کا وطن ہیں ، اسی بنا پر یہ لوگ سادات بارھہ کے نام سے مشہور ہیں ۔ بعض لوگوں کو ان کے صحتِ نسب میں شبہ ہے ، لیکن ان کی بہادری اور شجاعت ان کے صحیح النسب سادات ہونے کی ناقابلِ تردید دلیل ہے ۔

اس سلطنت کے معرکوں میں کوئی ایسا معرکہ نہیں کہ جس میں انھوں نے اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر نہیں دکھائے ہوں اور اپنے آپ کو نمایاں نہ کیا ہو اور ان جنگوں میں ان میں سے چند افراد کام نہ آئے ہوں ۔

سادات بارھہ کی تعریف :

مرزا عزیز کوکہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ سادات بارھہ اس سلطنت کی بلاؤں کو ٹالنے والے ہیں ۔ بلاشبہہ اس کی یہ بات صحیح ہے ۔

تاتو خان افغان کا منصب ہشت صدی ذات و سوار تھا ۔ میں نے حکم دیا کہ اس کا منصب ہزار و پانصدی ذات و ہزار و دویست سوار کر دیا جائے ۔

اسی طرح دوسرے ملازمین شاہی کو ان کی جاں نثاری و جانفشانی کے مطابق بلند مراتب و اعلیٰ مناصب سے نواز کر خوش و خرم کر دیا ۔

اسی زمانے میں خانجہاں[1] کے بیٹے اصالت خان (۷) کو فرزند داور بخش کی مدد کے لیے صوبہ گجرات میں متعین کیا اور نورالدین قلی خان کو بھی گجرات بھجوایا کہ شرزہ خان ، سرفراز خان اور دوسرے باغی لشکر کے سرداروں کو جو اپنے اعمال کی سزا میں گرفتار ہوئے ہیں ، زنجیروں میں جکڑ کر میرے حضور میں لائے ۔

اسی دن مجھ سے عرض کیا گیا کہ منوچھر (۸) ولد شاہنواز خان اپنی خوش نصیبی کی بدولت بے دولت سے جدا ہو کر فرزند شاہ پرویز کی خدمت میں آ گیا ہے ۔

۱- خانجہاں لودی ۔

اعتقاد خان حاکم کشمیر کو چہار ہزاری ذات و سہ ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا .

شیر کا شکار :

چونکہ قراولوں نے خبر دی تھی کہ یہاں سے قریب ایک شیر دیکھا گیا ہے ، میرا دل اس کے شکار کی طرف مائل ہوا . جب میں جنگل میں شکار کے لیے آیا تو اس کے علاوہ تین شیر اور نمودار ہوئے . میں چاروں کا شکار کر کے دولت خانے واپس آیا . میری طبیعت شیر کے شکار کی طرف اس قدر راغب ہے کہ جب تک مجھے شیر کا شکار میسر آتا ہے ، میں کوئی دوسرا شکار نہیں کھیلتا .

سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ کا بیٹا سلطان مسعود (۹) بھی شیر کے شکار کا بہت شائق تھا ، اور اس کے شیر کے شکار کھیلنے کے بہت سے عجیب و غریب واقعات تاریخ میں ، خصوصاً تاریخ بیہقی (۱۰) میں مذکور ہیں . اس تاریخ کے مصنف نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ، اسے بطور روزنامچے کے لکھ دیا ہے ، ازآنجملہ اس نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک روز سلطان مسعود ہندوستان کے کسی علاقے میں ہاتھی پر سوار ہو کر شیر کے شکار کے لیے گیا . ایک بڑا شیر جنگل سے نکلا اور ہاتھی کی طرف مڑا . اس نے شیر کے سینے پر برچھی ماری . شیر نے غصے اور درد سے غضب ناک ہوکر ہاتھی کی پشت پر جست لگائی ، سلطان مسعود نے دونوں زانوؤں پر کھڑے ہو کر شیر پر تلوار سے ایسا وار کیا کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اور اس نے نیچے گر کر جان دے دی .

مجھے بھی اپنی شاہزادگی کے زمانے میں ایسا ہی [367] اتفاق ہوا تھا . میں ایک مرتبہ پنجاب کے علاقے میں شیر کے شکار کے لیے گیا . ایک نہایت قوی ہیکل شیر جنگل سے نکلا . میں نے ہاتھی پر سے ہی اس پر ایک بندوق چلائی . شیر نے غضبناک ہوکر ہاتھی کی پشت پر ایک جست لگائی ، اس وقت ایسا موقع نہ تھا کہ بندوق چھوڑ کر تلوار سے کام لوں ، اس لیے میں نے بندوق کو گھما کر اس کی نالی دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی اور دوزانو ہوکر اس کا کندہ اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ وہ اس کی زد سے فوراً زمین پر گر پڑا اور مر گیا .

ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ میں ایک دن بھیڑیے کا شکار کھیلنے کے لیے

ہاتھی پر سوار ہو کر کوہِ کول (نوہ)[1] کے جنگل میں گیا تھا۔ ایک بھیڑیا سامنے سے نمودار ہوا۔ میں نے اس کے کان کے لو کے قریب ایک تیر مارا جو ایک بالشت کے قریب اس کے جسم میں گھس گیا اور وہ اسی تیر سے گر پڑا اور جان دے دی۔ حالانکہ اکثر مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ میرے سامنے قوی تیر اندازوں نے بھیڑیے پر بیس سے لے کر تیس تک تیر چلائے ہیں مگر بھیڑیا نہیں مرا۔

لیکن چونکہ مجھے اپنے قلم سے اپنی تعریف لکھنا بھلا نہیں معلوم ہوتا، اس لیے میں ان واقعات کے لکھنے سے گریز کرتا ہوں۔

۲۹ ماہ تیر ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو میں نے جگت سنگھ ولد رانا کرن کو موتیوں کی ایک لڑی عنایت کی۔

سلطان حسین کی وفات:

اسی دن اطلاع ملی کہ سلطان حسین زمیندار پکھلی نے وفات پائی۔ میں نے اس کے بڑے بیٹے شادمان کو اس کا منصب اور جاگیر عنایت کی۔

شاہجہان کے مقابلے میں تیسری مرتبہ فتح:

۷ ماہ امرداد ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو فرزند اقبال مند شاہ پرویز کے ملازم ابراہیم حسین نے شاہجہان پر فتح پانے کی فردوس گوش خوشخبری سنائی اور پرویز کی عرضداشت پیش کی۔ اس میں جنگ کی کیفیت اور شاہی فوج کے نامور بہادروں کے کارنامے درج تھے۔ میں اس نعمت پر، جو محض اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حاصل ہوئی، خدا کا شکر بجا لایا۔

اس جنگ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب شاہی لشکر شاہ پرویز کی سربراہی میں چاندا گھاٹی سے عبور کر کے ولایت مالوہ میں داخل ہوا تو بے دولت بیس ہزار سوار، تین سو جنگی ہاتھی اور ایک عظیم الشان توپ خانے کے ساتھ مانڈو سے شاہی لشکر سے جنگ کرنے کے لیے نکلا۔ اس نے دکن کے ترکوں[2] کے ایک

۱- کول، علی گڑھ کا قدیم نام ہے اور اس کا ایک ضلع نوہ ہے جس میں جنگل تھا اور جانور تھے۔ (رک: بیورج، ۲، ص ۲۷۰)۔

۲- اس سے برگی اور مرہٹے مراد ہیں۔

گروہ کو جادو رائے ، اودے رام ، الش خاں اور دوسرے بدبختوں کی رہنمائی میں آگے بھیجا تا کہ وہ آگے بڑھ کر شاہی لشکر پر چھاپے ماریں ۔

ادھر مہابت خاں نے شاہی لشکر کو مسلح کر کے صف بندی کی اور شاہزادہ والا گہر پرویز کو قلب لشکر میں ٹھہرایا اور خود تقدیم و تاخیر کی تمام احتیاطی تدابیر اختیار کر کے پوری فوج کے ساتھ آگے بڑھا ۔

ترکی سوار دور دور سے دکھائی دیتے تھے لیکن جرأت اور بہادری سے انھیں میدان میں قدم رکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی ۔

منصور خان فرنگی کا قتل :

ایک دن عقب لشکر کی حفاظت منصور خاں فرنگی کے سپرد تھی ۔ منزل پر پڑاؤ ڈالنے کے بعد مہابت خاں کے سپاہی بہ نظر احتیاط لشکر کے باہر صف بستہ کھڑے ہو کر پہرہ دینے لگے تا کہ لشکری اطمینان سے اپنا حلقہ بنالیں ۔ منصور خاں جو راستے میں خوب شراب پی چکا تھا اور بادۂ پندار سے مست تھا ، شاہی لشکر میں پہنچنے کے بعد اتفاقاً اسے دور سے دشمن کی فوج دکھائی دی ۔ شراب کے نشے میں اس کو یہ خیال آیا کہ اسے دشمن پر حملہ کر دینا چاہیے ۔ اس خیال کے آتے ہی بغیر اس کے کہ وہ اپنے بھائیوں اور دوسرے لوگوں کو خبر کرے ، گھوڑے پر سوار ہو کر گیا اور دشمن کے لشکر پر دھاوا بول دیا ۔ دو تین ترکیوں کو مار کر گراتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں جادو رائے اور اودے رام اپنے دو تین ہزار سواروں کے ساتھ صف بستہ کھڑے ہوئے تھے ۔ ان دونوں نے اسے ضابطۂ جنگ کے مطابق چاروں طرف سے گھیر کر درمیان میں لے لیا ۔ جب تک منصور خاں میں جان باقی رہی وہ مقابلہ کرتا رہا ۔ آخر اس نے راہ اخلاص میں جان نثار کر دی ۔

اس زمانے میں مہابت خاں خط و کتابت کے ذریعہ ان لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا رہا جو کسی مجبوری یا بعض احتیاطی تقاضے سے بے دولت کے ساتھ ہو گئے تھے ۔ چونکہ ان لوگوں کو بے دولت کے چہرے پر نا امیدی کے آثار نظر آنے لگے تھے اس لیے انھوں نے بھی مہابت خاں کو خط لکھے اور اس سے قول و قرار طلب کیا ۔

بے دولت نے قلعۂ مانڈو سے نکل کر سب سے پہلے ترکوں کی جماعت کو آگے [368] بھیجا ۔ اس کے بعد رستم خاں ، تقی اور برقنداز خاں کو توپچیوں کی

ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا ۔ پھر داراب خاں ، بھیم ، بیرم بیگ اور اپنے دوسرے تجربہ کار لوگوں کو روانہ کیا ، چونکہ وہ بذات خود میدان جنگ میں قدم نہیں جا سکتا تھا اور معرکۂ جنگ میں وہ ہمیشہ اپنے رفقائے کار سے کام لیتا تھا اس لیے وہ اپنے جنگی ہاتھیوں اور توپ خانے کی گاڑیوں کے ساتھ دریائے نربدا سے عبور کرنے کے بعد داراب اور بھیم کے پیچھے پیچھے میدان جنگ کی طرف آیا ۔

جس دن شاہی لشکر نے موضع کالیادہ کے قریب پڑاؤ ڈالا تو بے دولت نے اپنی بدنصیب فوج کو شاہی لشکر کے مقابلے میں روانہ کر دیا اور خود خانخاناں اور چند لوگوں کے ساتھ ایک کوس پیچھے ٹھہرا رہا ۔

برقنداز خاں کا شاہی لشکر میں مل جانا :

برقنداز خاں جو مہابت خاں سے اپنی امان کا قول لے چکا تھا ، موقع کی تاک میں تھا ۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو برقنداز خاں موقع پا کر اپنے برقندازوں کی ایک جماعت کے ساتھ شاہی لشکر سے جا ملا اور جہانگیر بادشاہ سلامت کا نعرہ لگاتا ہوا مہابت خاں کے پاس پہنچا ۔ مہابت خاں نے اسے فرزند اقبال مند پرویز کے پاس لے جا کر الطاف و اکرام شاہانہ کا امیدوار بنایا ۔

برقنداز خاں کا سابقہ نام بہاءالدین تھا ۔ یہ زین خاں کا نوکر تھا ۔ زین خاں کی وفات کے بعد وہ سلطنت کے رومی توپچیوں میں منسلک ہو گیا تھا ۔ چونکہ وہ بڑی سرگرمی اور دلچسپی سے اپنی خدمت انجام دیتا تھا اور ایک جمعیت اپنے ساتھ رکھتا تھا ، میں نے اسے لائق تربیت سمجھ کر برقنداز خاں کے خطاب سے سرفراز کیا تھا ۔ جس زمانے میں میں نے بے دولت کو دکن بھیجا تھا تو برقنداز خاں کو لشکر کا میر آتش مقرر کر کے اس کے ساتھ متعین کیا تھا ۔ اگرچہ ابتدا میں اس کی وفاداری داغدار ہوئے بغیر نہیں رہی ، لیکن اس کی عاقبت بخیر ہوئی اور بروقت آ ن آیا ۔

رستم خاں کا شاہی لشکر میں مل جانا :

اسی دن رستم خاں (۱) بھی شاہی لشکر سے آ ملا ۔ یہ بے دولت کے بہترین

ملازموں میں تھا اور بے دولت کو اس پر پورا اعتماد تھا ۔ جب اس نے محسوس کیا کہ بے دولت کا مقدر اس سے برگشتہ ہو چکا ہے تو یہ بھی مہابت خان سے امان کا قول لے کر اپنی خوش نصیبی اور توفیق الٰہی کی بدولت محمد مراد بخشی اور دوسرے منصبداروں کے ساتھ جو اس کے ہمراہ تھے ، ذلیل لشکر سے نکل کر گھوڑا دوڑاتا ہوا شاہی لشکر سے آ ملا ۔

رستم خان کے ساتھ چھوڑنے کی خبر سن کر بے دولت کے ہوش و حواس گم ہو گئے اور اس کا اعتماد اپنے ملازموں پر خصوصاً بندگان شاہی پر جو اس کے ساتھ تھے ، جاتا رہا اور متوہم ہو کر اس نے راتوں رات آدمی بھیج کر فوراً اپنے لشکر کو میدان جنگ سے واپس بلا لیا اور وہاں ٹھہرنے کی بجائے وہاں سے فرار مناسب سمجھا ۔ چنانچہ نہایت پریشانی کے عالم میں وہ دریائے نربدا کو عبور کر گیا ۔ اس موقع پر بھی اس کے چند ملازم موقع پا کر اس سے جدا ہو گئے اور فرزند سعادت مند پرویز کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حیثیت کے مطابق نوازشوں سے سرفراز ہوئے ۔

اور اسی دن ، جب کہ بے دولت دریائے نربدا کو عبور کر رہا تھا ، مہابت خان کی ایک تحریر اس کے آدمیوں کے ہاتھ پڑی جو اس نے زاہد خان کے خط کے جواب میں لکھی تھی ، جس میں اسے الطاف و نوازش شاہی کا امیدوار بنا کر شاہی لشکر میں آنے کی بہت ترغیب و تحریص دی گئی تھی ۔ وہ لوگ اس تحریر کو بجنسہٖ بے دولت کے پاس لے گئے اور وہ زاہد خان سے بدگمان و بے اعتماد ہو گیا ۔ چنانچہ اس کو اس کے تین لڑکوں کے ساتھ قید میں ڈال دیا ۔

زاہد خان کے حالات :

زاہد خان ، شجاعت خان کا بیٹا ہے ، جو میرے والد بزرگوار کے معتمد ملازموں میں تھا ، میں نے اس بد بخت کے والد کے حقوق خدمت اور اس کی خانہ زادگی کے صلے میں خان کے خطاب اور ہزار و پانصدی کے منصب سے سرفراز کیا تھا اور فتح دکن کے موقع پر اسے بے دولت کے ہمراہ دکن روانہ کیا تھا ۔ جس زمانے میں میں نے امرائے دکن کو قندھار کی مہم کے لیے طلب کیا تھا ، تو اس کے نام خصوصیت سے تاکیدی فرمان جاری کیا تھا ، لیکن اس کے باوجود یہ بد بخت میری خدمت میں حاضر نہ ہوا اور اس نے اپنے آپ کو بے دولت کے فدویوں

اور جاں نثاروں میں ظاہر کیا [369] اور جب نواح دہلی میں شکست کھا کر بھاگا تو اگرچہ اس کے اہل و عیال نہ تھے اور ان کی گرفتاری یا قید ہونے کا اندیشہ نہیں تھا ، لیکن اس کے باوجود اسے توفیق نہ ہوئی کہ میری خدمت میں حاضر ہو کر ندامت اور نافرمانی کے داغ کو اپنی پیشانی سے پاک کرتا ، اور اپنے قصور کی معافی چاہتا ، یہاں تک کہ منتقم حقیقی نے اسے مصیبت کا یہ دن دکھایا اور اس کے مال میں سے ایک لاکھ تیس ہزار روپے بے دولت نے اینٹھ لیے ۔

چو بد کردی مباش ایمن ز آفات[1]
کہ واجب شد طبیعت را مکافات

خانخاناں اور اس کی اولاد کو قید کی سزا :

مختصر یہ کہ بے دولت نے تیزی سے دریائے نربدا کو عبور کر کے اپنی تمام کشتیاں ندی کے دوسرے کنارے پر منتقل کر دیں اور اپنی سمجھ کے مطابق تمام راستے مستحکم کر دیے اور اپنے بخشی بیرم بیگ کی سرکردگی میں اپنی قابل اعتماد فوج اور دکن کے ترکوں کی ایک جمعیت دریا کے کنارے پر چھوڑ دی اور توپ خانے کی گاڑیاں ان کے برابر کھڑی کر کے خود قلعۂ اسیر و برہان پور کی طرف لوٹ گیا ۔

اس اثنا میں بے دولت کے ایک ملازم نے خانخاناں کے ایک قاصد کو جسے مہابت خاں کے پاس بھیجا گیا تھا ، گرفتار کر کے بے دولت کے سامنے پیش کر دیا ۔ اس کے قبضے سے جو خط برآمد ہوا ، اس میں یہ شعر لکھا ہوا تھا :

صد کس بنظر نگاہ می دارندم
ورنہ بپریدمی ز بے آرامی

بے دولت نے خانخاناں کو اس کی اولاد کے ساتھ اپنے گھر میں بلا کر یہ خط دکھایا ۔ اگرچہ خانخاناں نے اس خط کے متعلق مختلف عذر کیے ، لیکن وہ اس کے معاملے میں کوئی ایسا جواب نہ دے سکا جو قابل قبول ہوتا ۔ القصہ خانخاناں کو داراب اور اس کے دوسرے بیٹوں کے ساتھ اپنے گھر کے قریب نظر بند کر دیا

۱- یہ شعر ''خسرو شیریں نظامی'' گنجوی سے ماخوذ ہے ۔

اور جو فال اس نے مندرجہ بالا شعر میں ظاہر کی تھی کہ سینکڑوں آدمی مجھ پر نظر رکھتے ہیں ، اس پر صادق آ گئی ۔

ابراہیم حسین کو ''خوش خبر خان'' کا خطاب :

ان ہی دنوں میں نے اقبال مند فرزند شاہ پرویز کے ملازم ابراہیم حسین کو جو شاہزادہ پرویز کی عرضداشت ، جس میں فتح کی خوشخبری تھی ، لے کر آیا تھا ، خوش خبر خان کا خطاب دے کر اسے خلعت اور ہاتھی عنایت کیا اور خواص خان کے ہاتھ شاہزادہ پرویز اور مہابت خان کے نام فرمان مرحمت عنوان روانہ کیا اور اس فرمان کے ساتھ ایک بیش قیمت پہونچی فرزند اقبال مند شاہ پرویز کو اور ایک مرصع تلوار مہابت خان کو عنایت کی ۔

چونکہ مہابت خان نے شائستہ اور قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اس لیے میں نے اسے ہفت ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

سید صلابت خان نے دکن سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور عنایت خاص سے سرفراز ہوا ۔ سید صلابت خان صوبہ دکن میں متعین تھا ۔ جب بے دولت نواح دہلی میں شکست کھا کر مانڈو چلا گیا ، تو یہ اپنے بچوں کو اس کے متعلقہ حدود میں محض خدا کی حفاظت میں چھوڑ کر غیر معروف راستوں سے میری خدمت میں پہنچ گیا ۔

میرزا حسن ولد میرزا رستم صفوی کو میں نے اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و پانصدی ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

دفتر خانے کے داروغہ لعل بیگ کو فرزند اقبال مند شاہ پرویز کے پاس بھیجا اور اس کے ذریعہ خلعت خاص ، نادری کے ساتھ اس فرزند کے لیے ، اور دستار مہابت خان کے لیے روانہ کی ۔

خواص خان نے ، جسے میں نے پہلے فرزند اقبال مند شاہ پرویز کے پاس بھیجا تھا ، واپس آ کر شرف حضوری حاصل کیا اور مسرت خیز خبریں پہنچائیں ۔

خانہ زاد خان[1] ولد مہابت خان کو پنج ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

۱۔ خانہ زاد خان : میرزا امان اللہ بن مہابت خان کا خطاب تھا ۔

اسی زمانے میں میں نے ایک روز نیل گائے کے شکار سے مسرت حاصل کی ۔ اثنائے شکار میں مجھے ایک سانپ نظر آیا ، جس کی لمبائی ڈھائی گز اور جثّہ تین ہاتھ تھا ۔ وہ ایک خرگوش کو نصف نگل چکا تھا اور نصف کو نگلنے کے قریب تھا کہ قراول اسے اٹھا کر میرے نزدیک لائے ، تو خرگوش اس کے منہ سے گر پڑا ۔ میں نے حکم دیا کہ خرگوش دوبارہ اس کے منہ میں ڈے دیں ۔ ہر چند کوشش کی اور زور لگایا لیکن وہ اس کے منہ میں [370] نہ ڈال سکے اور زور لگانے سے اس کے منہ کے کونے پھٹ گئے ۔ اس کے بعد میں نے حکم دیا کہ اس کا پیٹ چاک کیا جائے ۔ جب اس کا پیٹ چاک کیا گیا تو ایک سالم خرگوش اس کے پیٹ میں سے نکلا ۔ اس قسم کے سانپ کو ہندوستان میں چیتل کہتے ہیں ۔ وہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ کوتہ پاچہ[1] ہرن کو سالم کا سالم نگل لیتا ہے ، لیکن نہ اس میں زہر ہوتا ہے اور نہ ڈستا ہے ۔

اسی شکار میں میں نے ایک مادہ نیل گائے بندوق سے ماری ۔ اس کے پیٹ سے پورے دنوں کے دو مکمل بچے نکلے ، چونکہ سنا گیا تھا کہ نیل گائے کے بچے کا گوشت نہایت لذیذ اور لطیف ہوتا ہے ، میں نے باورچیوں کو حکم دیا کہ ان کا دو پیازہ تیار کر کے لایا جائے ۔ چنانچہ دو پیازہ تیار کیا گیا ۔ بلاشبہ وہ نہایت لذیذ اور نفیس تھا ۔

شاہجہاں کے ملازمین کا دربار میں پہنچنا :

۱۵ ماہ شہریور ۱۰۳۲ ھ (۱۶۲۳ ع) کو رستم خاں ، محمد مراد اور بے دولت کے دوسرے چند ملازمین ، جو خوش نصیبی سے اس سے جدا ہو کر فرزند اقبال مند ، شاہزادہ پرویز سے آ ملے تھے ، انہوں نے میرے حکم کی بنا پر دربار میں حاضر ہو کر شرف آستان بوسی حاصل کیا ۔ رستم خاں کو پنج ہزاری ذات و چہار ہزار سوار کے منصب سے ، محمد مراد کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور اپنی روز افزوں مہربانیوں کا امیدوار بنایا ۔

۱- کوتہ پاچہ : ایک چوپایہ جانور جس کی پیٹھ چتکبری اور سینگ چھوٹے ہوتے ہیں اور ہرن کی طرح ہوتا ہے ۔ (رک : اسٹینگاس) ۔

رستم خان :

رستم خان ، بدخشی الاصل ہے ۔ اس کا سابقہ نام محمد یوسف تھا ۔ یہ محمد قلی صفاہانی کا رشتہ دار ہے جو میرزا سلیمان کا وکیل اور مدار علیہ تھا ۔ رستم خان پہلے سلطنت کے ملازموں میں منسلک تھا ۔ ملازمت کا زمانہ اس نے مختلف صوبوں میں بسر کیا ہے ۔ یہ سلطنت کے چھوٹے منصب داروں میں تھا ۔ کسی وجہ سے اس کی جاگیر ضبط ہو گئی جس کی بنا پر وہ بے دولت کے پاس آ کر ملازم ہو گیا تھا ۔ یہ شیر کے شکار سے خوب واقف تھا اور بے دولت کے پاس رہ کر خصوصاً مہم رانا میں اس نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں ۔ اس کی ان خدمات کی وجہ سے بے دولت نے اسے تمام ملازموں سے سربلند کرکے امارت کے مرتبے کو پہنچایا تھا ۔ چونکہ میں بھی اس پر بے حد عنایتیں کرتا تھا ، میں نے بے دولت کے التماس پر اسے خان کا خطاب اور علم و نقارہ عنایت کیا ۔ کچھ دن وہ بے دولت کا قائم مقام ہو کر گجرات کا حاکم بھی رہا ۔ لیکن اس سے گجرات کی حکومت کے زمانے میں کسی برائی کا اظہار نہیں ہوا ۔

محمد مراد :

محمد مراد ، مقصود میرآب کا بیٹا ہے جو میرزا سلیمان و میرزا شاہ رخ کے ملازموں میں تھا ۔

اسی تاریخ میں سید بہوہ نے صوبۂ گجرات سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا ۔

نورالدین قلی اور اکتالیس نا عاقبت اندیش افراد ، جو احمد آباد میں گرفتار ہوئے تھے ، زنجیروں میں جکڑے ہوئے میرے حضور میں لائے گئے ۔

شرزہ خان اور قابل بیگ کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوانا :

میں نے ان میں سے شرزہ خان اور قابل بیگ کو جو مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے سر گروہ تھے ، ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈلوا کر ان کے کیفر کردار کو پہنچا دیا ۔

شہریار کی لڑکی کی پیدائش :

۱۸ ذی قعدہ ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ء) کو فرزند شہریار کے ہاں اعتماد الدولہ کی نواسی[۱] کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ۔ امید ہے کہ اس کا قدم اس سلطنت کے لیے مبارک ثابت ہوگا[۲] ۔

جشنِ وزنِ شمسی :

۲۲ ماہ شہریور ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ء) کو میرا جشن وزن شمسی منعقد ہوا ۔ اس جشن سے اس نیازمند کی عمر کا پچپنواں سال برکات و سلامتی کے ساتھ شروع ہوا ۔ ہر سال کے دستور کے مطابق میں نے اپنے آپ کو سونے اور دوسری اجناس میں وزن کیا اور مذکورہ اشیا کو مستحقین میں تقسیم کر دیا ۔

حضرت مجدد الف ثانی کو دو ہزار روپے کا عطیہ :

منجملہ ان کے شیخ احمد سرہندی کو دو ہزار روپے عنایت کیے ۔

یکم مہر ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ء) کو میر جملہ کو سہ ہزاری ذات و سیصد سوار کے منصب سے ممتاز کیا ۔

گجرات کے بخشی مقیم کو کفایت خاں کے خطاب سے سربلند کیا ۔

سرفراز خاں کو معافی :

چونکہ سرفراز خاں کی براءت کا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ بے گناہ ہے اس لیے میں نے اسے قید سے رہا کر کے کورنش بجالانے کی عزت بخشی ۔

شہریار کے گھر میں جانا :

میں فرزند شہریار کے التماس پر اس کے گھر گیا ۔ شہریار نے میرے آنے کی

۱- یعنی نورجہاں کی بیٹی ۔

۲- اقبال نامہ میں اس لڑکی کا نام لاڈلی بیگم لکھا ہے اور بعض نسخوں میں ارزانی بیگم اور کہیں ولی بیگم لکھا گیا ہے ۔ (رک ، بیورج ۲ : ص ۲۷۷)

مسرت میں شاندار جشن آراستہ کیا تھا اور شایان شان پیش کش ترتیب دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اکثر شاہی ملازمین کو سروپا عنایت کیے۔

شاہجہان کے دریائے نربدا پار کرنے کے بعد کے حالات:

اسی زمانے میں فرزند اقبال مند شاہ پرویز کی عرضداشت پہنچی کہ بے دولت دریائے نربدا کو عبور کرکے برہان پور آنے کے بعد [371] صحرائے ضلالت میں ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب وہ دریائے نربدا کو عبور کرنے کے بعد تمام کشتیاں اُس طرف لے گیا اور دریا کے کناروں اور راستوں کو توپ و تفنگ سے مستحکم کر دیا تو اس کی حفاظت کے لیے بیرم بیگ (۱۲) کو بعض بد نصیب و بد بخت سپاہیوں کے ساتھ دریا کے کنارے متعین کر دیا اور خود اسیر و برہان پور کی جانب روانہ ہو گیا اور خانخانان اور داراب خان کو، جو اس کے حکم سے نظر بند تھے، انھیں بھی وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اس منزل پر جب کہ اسیر کا ذکر آ گیا ہے تو قلعۂ اسیر کی حقیقت کو ادبی لطافت کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

قلعۂ اسیر:

قلعۂ اسیر بلندی، مضبوطی اور استحکام میں اس قدر مشہور ہے کہ کسی تعارف و توصیف کا محتاج نہیں ہے۔ بے دولت کے دکن جانے سے قبل یہ قلعہ نصراللہ ولد خواجہ فتح اللہ کے حوالے تھا، جو خانہ زاد ملازموں اور قدیم الخدمت لوگوں میں ہے۔ بعد میں بے دولت کے التماس پر میر جمال الدین حسین کے بیٹے میر حسام الدین کے سپرد ہوا۔ اس کی بیوی نور جہان بیگم کے ماموں کی لڑکی[1] ہے۔

۱۔ حسام الدین کی بیوی ابراہیم خان فتح جنگ کے بھتیجے احمد بیگ کی بہن تھی۔ اس طرح وہ شریف کی بیٹی اور نور جہان کی ماموں زاد بہن نہیں ہو سکتی۔ (رک: ماثرالامرا، جلد سوم، ص ۳۸۲—بیورج ۲، ص ۷۷)۔

جس وقت بے دولت نے نواحِ دہلی میں شکست کھائی اور مالوے اور مانڈو کی جانب بھاگا تو نور جہاں بیگم نے میر حسام الدین کو اپنے خاص علامتی نشانات بھیج کر تاکیدی پیغام ارسال کیے تھے کہ اس امر میں ایک نہیں بلکہ ہزار تاکیدیں جانو کہ بے دولت اور اس کے ساتھیوں کو قلعے کے قریب نہ آنے دو اور قلعے کے برج و فصیل کو مستحکم کر کے حقِ نمک ادا کرو اور کوئی ایسی بات نہ کرو کہ جس سے عزت و سرداری کی پیشانی پر نمک حرامی کا داغ لگ جائے ۔ بلاشبہ اس نے اس قلعے کو خوب مستحکم کیا اور اس میں اس قدر ساز و سامان تھا کہ بے دولت کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا ۔ اس استحکام کی وجہ سے اس کا جلد فتح کرنا آسان کام نہیں تھا ۔

مختصر یہ کہ بے دولت نے اپنے ملازم شریفا نامی کو میر حسام الدین کے پاس بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ وہ اسے ترغیب و تحریص سے فریب میں لائے اور اس سے یہ کہے کہ بے دولت نے اس کے لیے نشان اور خلعت بھیجا ہے ۔ جب وہ اس کے لینے کے لیے نیچے آئے تو وہ اسے دوبارہ قلعے میں واپس جانے نہ دے ۔ بدبخت میر حسام الدین نے شریفا کے پہنچتے ہی تمام حقوق پرورش اور نوازش کو پس پشت ڈال کر بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ شریفا کے سپرد کر دیا اور خود قلعے سے اپنے بیٹوں کے ساتھ نکل کر بے دولت کے پاس چلا گیا ۔ بے دولت نے اسے اس غداری کے صلے میں چھار ہزاری ذات ، علم و نقارے اور مرتضیٰ خاں کا خطاب دے کر اس کو ہمیشہ کے لیے دین و دنیا میں بدنام اور رسوا کر دیا ۔

القصہ جب برگشتہ تقدیر بے دولت ، قلعۂ اسیر میں پہنچا تو وہ خانخاناں ، داراب اور اس بد بخت کی تمام بدنہاد اولاد کو اپنے ساتھ قلعے میں لے گیا اور تین چار دن اس نے وہاں گزارے ۔ سامانِ رسد اور قلعہ داری کے ساز و سامان سے مطمئن ہو کر قلعے کو گوپال داس نامی راجپوت کے سپرد کر دیا ، جو سابق میں سربلند رائے کا ملازم تھا اور بے دولت کی روانگی دکن کے زمانے میں یہ بے دولت کی سلکِ ملازمت میں داخل ہوا تھا ۔ عورتیں اور زائد سامان جس کا اس کے لیے لے جانا مشکل تھا ، اس نے وہیں چھوڑ دیا ، البتہ اپنی تینوں بیویوں اور بچوں اور چند ضروری کنیزوں کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا ۔ پہلے اس کا ارادہ تھا کہ خانخاناں اور داراب کو بالائے قلعہ قید رکھے لیکن پھر اس کی

رائے بدل گئی اور ان کو ساتھ لے کر برہان پور چلا گیا ۔

اس اثنا میں گمراہ لعنت اللہ اپنے سرمایۂ ادبار و نحوست کے ساتھ سورت سے آیا اور بے دولت کے ہم رکاب ہو گیا اور دونوں نے انتہائی پریشانی اور اضطراب کے عالم میں سربلند رائے ولد رائے بھوج ہاڈا کو ، جو ایک راجپوت رکن سلطنت اور سردار قبیلہ تھا ، درمیان میں ڈال کر خط و کتابت کے ذریعے مہابت خاں سے صلح و صفائی کی سلسلہ جنبانی شروع کی ۔ مہابت خاں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ جب تک خانخاناں نہ آئے گا ، صلح و صفائی کی کوئی بات چیت ممکن نہیں ۔ اس شرط کے لگانے سے مہابت خاں کا مقصد یہ تھا کہ اس طریقے سے خانخاناں کو ، جو حیلہ بازوں کا سردار اور اصل فساد و عناد کا پیشوا ہے ، اُن سے جدا کر دے ۔ جب اس کی اطلاع بے دولت کو ملی تو اُس نے مجبوراً خانخاناں کو قید سے رہا کر کے اپنے اطمینان کی خاطر اس کو قرآن کا حلف دیا [372] ۔ پھر اس کی دلجوئی و قول و قرار کے استحکام کی خاطر اس کو اپنا محرم راز بنایا اور اپنے بیوی بچوں کو اس کے سامنے لا کر طرح طرح کی آہ و زاری کرتے ہوئے اپنا دلی مطلب بیان کیا ، جس کا ماحصل یہ تھا کہ ہم پر نہایت سخت وقت آ پڑا ہے اور اس وقت ہمیں نہایت مشکلات کا سامنا ہے ۔ اب میں نے اپنے آپ کو تمھارے حوالے کر دیا ہے ۔ ہماری عزت و ناموس تمھارے ہاتھ میں ہے ۔ اب تمھیں ایسا کام کرنا چاہیے کہ جس سے ہم زیادہ ذلت و رسوائی میں مبتلا نہ ہوں ۔ اس قول و قرار کے بعد خانخاناں صلح کے ارادے سے بے دولت سے رخصت ہو کر شاہی لشکر کی طرف روانہ ہوا ۔ طے یہ ہوا تھا کہ وہ دریا کے اس طرف ٹھہر کر بذریعۂ مراسلت صلح کی شرائط طے کرے ۔ اتفاق سے خانخاناں کے دریا کے کنارے پہنچنے سے پہلے ہی شاہی لشکر کے چند بہادروں نے موقع پا کر ایسی جگہ سے دریا کو عبور کر لیا جہاں دشمن کے سپاہی غافل تھے ۔ اس حملے کی اطلاع سے دشمن کے حوصلے پست ہو گئے اور بیرم بیگ کو قدم جما کر مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی ، یہاں تک کہ شاہی لشکر دریا کو عبور کر گیا اور اسی رات وہ مفسد بنات النعش کی طرح منتشر ہو گئے اور راہ فرار اختیار کی ۔ خانخاناں اقبال شاہانہ کی نیرنگی کو دیکھ کر ششدر و حیران رہ گیا ۔ اب اس کا معاملہ ''نہ روئے رفتن نہ رائے آمدن'' کا مصداق تھا ۔

خانخاناں کو پرویز کی ترغیب و ترہیب :

اسی زمانے میں فرزند اقبال مند پرویز نے خانخاناں کے نام پے در پے کئی خطوط لکھے ۔ ان خطوط میں تنبیہ بھی تھی کہ شاہجہان کے ساتھ دینے کے برے نتائج ہیں اور اطمینان و دلاسا بھی تھا کہ شاہی لشکر میں شرکت عین سعادت ہے ۔

خانخاناں نے بے دولت کے ردگرگوں حالات سے نا امیدی اور ناکامی کا اندازہ کر لیا تھا ، اس لیے مہابت خان کے توسط سے فرزند اقبال مند پرویز کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۔ ان حالات میں ، جب کہ خانخاناں چلا گیا اور شاہی لشکر دریائے نربدا پار کر گیا اور بیرم بیگ بھاگ گیا تو بے دولت کے ہاتھ پیر پھول گئے ۔ باوجود اس کے کہ دریا طغیانی پر تھا اور شدید بارش ہو رہی تھی ، وہ بحال تباہ دریائے تاپتی[۱] سے گزر کر دکن کی جانب روانہ ہو گیا ۔

ایسے سخت اور ناموافق حالات میں اکثر امرائے شاہی اور خود اس کے ملازم اس سے جدا ہو گئے اور اس کے ساتھ نہیں گئے ۔

چونکہ جادو رائے ، اودے رام اور آتش خان کا وطن راستے میں تھا ، اس لیے وہ بہ نظر مصلحت چند منزل اس کے ساتھ ہو لیے ، لیکن جادو رائے اس کے لشکر میں شامل نہیں ہوا اور ایک منزل کے فاصلے سے اس کے پیچھے چلتا رہا ، اور جو ساز و سامان اس کے لشکری گھبراہٹ اور پریشانی میں پھینکتے جاتے تھے ، وہ اس پر قبضہ کر لیتا تھا ۔

جس دن بے دولت دریا کے راستے سے دکن کی طرف روانہ ہوا تو اس نے ذوالفقار خان نامی ترکمان کو ، جو اس کے خاص خدمتگاروں میں تھا ، سر بلند خان کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ یہ بات تیری شرافت اور وعدے کی سچائی سے بعید ہے کہ تو نے ابھی تک دریا کو عبور نہیں کیا ۔ مردوں کی آبرو کا مدار وفاداری پر ہے ، مجھے کسی کی بے وفائی اتنی ناگوار نہیں گزری جتنی تیری بے وفائی ۔ ذوالفقار خان نے جب یہ پیغام سر بلند خان کو پہنچایا تو اس وقت

۱۔ سرسید ایڈیشن میں یہاں دریائے بہت ہے ، لیکن اقبال نامہ جہانگیری میں دریائے تاپتی ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ۔

میں بلند خاں دریا کے کنارے گھوڑے پر سوار کھڑا ہوا تھا ۔ یہ پیغام سن کر سر بلند خاں نے کوئی یقینی جواب نہیں دیا ۔ وہ اُس وقت جانے اور نہ جانے کی کشمکش میں مبتلا تھا ۔ پھر اُس نے منہ پھیرتے ہوئے ذوالفقار خاں سے کہا کہ میرے گھوڑے کے سامنے سے ہٹ جاؤ ۔ یہ بات سن کر ذوالفقار خاں نے تلوار نکال کر اس کی کمر پر مارنی چاہی ، لیکن عین اس وقت میں ایک افغان نیزۂ کوتہ دستہ لے کر ، جس کو اہل ہند برچھا کہتے ہیں ، درمیان میں حائل ہو گیا ۔ اور تلوار کی ضرب برچھے کے لکڑی کے دستے پر پڑ کر رک گئی اور اس کی کمر تک نہیں پہنچ سکی ۔ ذوالفقار خاں کے تلوار نکالنے کے بعد افغانوں کے ایک گروہ نے اُس کے ٹکڑے کر دیئے ۔ سلطان محمد خزانچی کا بیٹا بھی جو بے دولت کے خاص لوگوں میں سے تھا مارا گیا جو بے دولت کی اجازت کے بغیر محض دوستی اور آشنائی کی بنا پر ذوالفقار خاں کے ساتھ آ گیا تھا ۔

مختصر یہ کہ جب مجھے بے دولت کے برہان پور سے نکلنے اور شاہی فوج کے برہان پور پہنچنے کی خبر [373] معلوم ہوئی تو میں نے فوراً خواص خاں کو فرزند اخلاص کیش پرویز کے پاس بھیجا اور نہایت تاکید سے کہلایا کہ وہ ہرگز ہرگز ان فتوحات پر مطمئن نہ ہو ، اور اپنی پوری توجہ بے دولت کے زندہ گرفتار کرنے یا حدود سلطنت شاہی سے باہر نکالنے پر مرکوز رکھے ۔ میرا گمان غالب یہ تھا کہ وہ یہاں سے پریشان ہو کر قطب الملک کی حدود سلطنت کے راستے سے اوڑیسہ اور بنگال جائے گا ۔ اور اصول جنگ کے حساب سے یہ بات معقول بھی معلوم ہوتی تھی اس لیے میں نے اس احتیاط کی بنا پر ، جو حکومت و جہانداری کے لوازم ہیں ، میرزا رستم کو صوبۂ الہ آباد کا صوبیدار بنا کر اس طرف رخصت کر دیا ۔ تاکہ اگر اتفاق سے وہی صورت پیدا ہو جو میرے ذہن میں ہے تو میرزا رستم کا الہ آباد پہنچنا نہایت ضروری ہے ۔

اسی زمانے میں فرزند خانجہاں نے ملتان سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ، اور ہزار مہریں بطور نذر ، ایک قطعہ لعل جس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہوگی اور ایک عدد موتی اور دوسری چیزیں بطور پیش کش گزرانیں ۔

رستم خاں کو میں نے ایک ہاتھی عنایت کیا ۔

۹ ماہ آبان ماہ الٰہی ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو خواص خاں نے شاہزادہ پرویز اور مہابت خاں کی عرضداشت پیش کی ، جس سے معلوم ہوا کہ جب شاہزادہ پرویز

برہان پور پہنچا، تو اس کے پہلے نکل آئے اور بارش کی شدت کی وجہ سے بہت سے لشکری پیچھے رہ گئے تھے، لیکن جیسے ہی وہ برہان پور میں داخل ہوا اور حکم جاری کیا، تو لوگ اس کے حکم پر بغیر کسی تامل کے دریا کو عبور کر کے بے دولت کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ بے دولت اس جان کاہ خبر سے مطلع ہوتے ہی بدحواس ہو گیا اور جلدی جلدی سفر کی منزلیں طے کرنا شروع کر دیں۔ شدید بارش اور دلدل میں دبتوا اتر کوچ کرنے سے اس کے چوپائے بیکار ہو گئے تھے؛ اور اس کے ساتھیوں کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے اگر کسی کی کوئی چیز راستے میں رہ جاتی، تو وہ اس کے لینے کے لیے نہیں لوٹتا تھا۔ بے دولت اسی کو غنیمت سمجھتا تھا کہ کسی طرح وہ اپنے بال بچوں اور متعلقین کو لے کر صحیح و سالم نکل جائے؛ اس لیے وہ اور اس کے ساتھی سامان و اشیاء کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کرتے تھے۔

شاہی لشکر بھنگار کی گھاٹی کو عبور کر کے پرگنہ رنگ کوٹ تک، جو برہان پور سے چالیس کوس کے فاصلے پر ہے، اس کا تعاقب کرتا رہا۔ بے دولت اسی بے سر و سامانی کی حالت میں قلعہ ماہور پہنچا۔ جب اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ جادو رائے، اودے رام اور دوسرے تمام دکنی اب اس سے زیادہ اس کا ساتھ نہ دے سکیں گے، اس لیے اس نے انھیں رخصت کر دیا تا کہ اس کی عزت و وقار میں فرق نہ آئے، اور اپنے ساز و سامان سے لدے پھندے ہاتھیوں کو اس قلعے میں محفوظ کر دیا، اور اس قلعے کی قلعداری اودے رام کے سپرد کر کے قطب الملک کی ولایت کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب شاہزادہ پرویز کو بے دولت کا شاہی حدود سلطنت سے نکل جانا تحقیقی طور پر معلوم ہو گیا، تو فرزند سعادت مند، مہابت خاں اور تمام بہی خواہان سلطنت کے مشورے کے بعد پرگنہ رنگ کوٹ سے واپس لوٹ آیا، اور یکم آبان ماہ الٰہی ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو برہان پور پہنچ گیا۔

راجا سارنگ دیو کو فرمان مرحمت عنوان کے ساتھ پرویز کے پاس روانہ کیا۔

قاسم خاں کو چہار ہزاری ذات و دو ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا، کابل کے بخشی میرک معین کو مہابت خاں کے التماس پر خاں کے خطاب سے سر بلند کیا۔

الف خاں اور قیام خاں صوبہ پٹنہ سے آکر میرے حضور میں باریاب ہوئے میں نے ان کو قلعہ کا نگڑہ کی حفاظت پر مقرر کر کے علم عنایت کیا۔

یکم آذر ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو باقی خاں نے جونا گڑھ سے آکر شرف حضوری حاصل کیا۔

سفر کشمیر :

جب میرا دل بے دولت کی مہم سے ایک گونہ مطمئن ہو گیا، اور ہندوستان کی گرمی میرے مزاج کے موافق نہ تھی، اس لیے ۲ آذر مطابق یکم صفر ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو میں بہ خیر و عافیت دارالبرکت اجمیر سے سیر و شکار کے لیے خطہ دل پذیر کشمیر کی طرف روانہ ہوا، اس سے پہلے میں عمدۃ السلطنت آصف خاں کو بنگال کا صوبیدار مقرر کر کے اس طرف روانہ کر چکا تھا، چونکہ میں اس کی صحبت اور ہمنشینی سے بہت مانوس ہوں اور اس کو تمام ملازمین شاہی میں میری مزاج دانی کا خاص [374] ملکہ حاصل ہے، بلکہ اس کی شائستگی اور تہذیب ایسی ہے کہ دوسروں میں نہیں پائی جاتی، اس کی جدائی مجھے شاق گذرنے لگی، اس لیے مجبوراً میں نے اس کے بنگال کی صوبیداری کا فیصلہ منسوخ کر کے اسے اپنے حضور میں طلب کر لیا تھا، چنانچہ آصف خاں نے اسی تاریخ کو میری بارگاہ میں حاضر ہو کر آستان بوسی کی عزت حاصل کی۔

جگت سنگھ ولد رانا کرن کو بھی اس کے وطن رخصت کرتے ہوئے خلعت اور مرصع خنجر سے سرفراز کیا۔

راجا سارنگ دیو نے فرزند سعادت مند شاہ پرویز اور مدارالسلطنت مہابت خاں کی عرض داشت لا کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی، جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ بے دولت کی مہم سے اطمینان ہو چکا ہے اور دنیا داران دکن شاد و ناشاد اطاعت و فرمانبرداری کے شرائط بجا لا رہے ہیں۔ آنحضرت اس جانب سے بالکل مطمئن رہ کر سیر و شکار میں دل لگائیں اور ممالک محروسہ میں جس جگہ بھی آپ کا جی چاہے اور مزاج اشرف کے موافق ہو، تشریف لے جا کر خوشی اور مسرت کے ساتھ وقت گزاریں۔

۲۰ ماہ آذر ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو میرزا والی نے سرونج سے آکر شرف حضوری حاصل کیا۔

حکیم سومنا کو ہزاری کے منصب سے سرفراز کیا۔

اصالت خان ولد خانجہان نے میرے حکم کی بنا پر گجرات سے آ کر زمین بوسی کی سعادت حاصل کی۔

سادات بارھہ کی خانہ جنگی اور راجا گردھر کا قتل :

اسی زمانے میں عقیدت خان بخشی صوبہ دکن کی عرض داشت جو راجا گردھر کے قتل کے حالات پر مشتمل تھی پہنچی۔

اس سانحے کی تفصیل یہ ہے کہ سید کبیر بارھہ کے بھائیوں میں سے ایک نے ، جو فرزند اقبال مند شاہ پرویز کا ملازم تھا ، اپنی تلوار کو تیز کرنے اور جلا دینے کے لیے ایک صیقل گر کے حوالے کی ، جس کی دوکان راجا گردھر کے گھر کے قریب تھی ، دوسرے دن وہ اپنی تلوار لینے کے لیے آیا ، تو ان دونوں کے درمیان اس کی اجرت پر جھگڑا ہونے لگا۔ سید کبیر کے چند آدمیوں نے شور و غوغا کی آواز سن کر چند لکڑیاں صیقل گر کے ماریں۔ راجا گردھر کے آدمی صیقل گر کی حمایت میں نکلے اور ان لوگوں کے چابک لگائے۔ اتفاق سے سادات بارھہ کے دو تین نوجوان جو اس دکان کے آس پاس رہتے تھے ، اس جھگڑے سے واقف ہو کر سید کبیر کے آدمیوں کی مدد کے لیے پہنچے۔ ان کے آنے کے بعد فتنہ و فساد کی آگ اور بھڑک گئی اور اس طرح سادات اور راجپوتوں میں جنگ شروع ہو گئی اور نوبت تیر و تلوار تک پہنچی۔ سید کبیر کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ خود تیس چالیس سواروں کے ساتھ اپنے آدمیوں کی مدد کے لیے پہنچا ، اس وقت راجا گردھر اپنی جمعیت کے چند ہمقوم راجپوتوں کے ساتھ جیسا کہ ہندوؤں کی رسم ہے برہنہ بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا ، اسے جب سید کبیر کے آنے اور سادات کی زیادتی کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے آدمیوں کو اندرون حویلی کر کے دروازے کو مضبوط بند کر لیا ، لیکن سادات بارھہ حویلی کے دروازے کو آگ لگا کر اندر گھس گئے اور دونوں کے درمیان لڑائی اس حد تک پہنچی کہ راجا گردھر اور اس کے چھبیس آدمی قتل اور چالیس آدمی زخمی ہو گئے اور سادات کے بھی چار آدمی قتل ہوئے۔ راجا گردھر کے قتل کے بعد سید کبیر راجا گردھر کے اصطبل سے گھوڑوں کو لے کر اپنے گھر

لوٹ آیا ، جب راجپوت اُمرا کو راجا گردھر کے قتل کی خبر ملی ، تو وہ اپنے اپنے ٹھکانوں سے فوج در فوج سوار ہوکر آنا شروع ہوئے ۔ ادھر سادات بارھہ کو معلوم ہوا تو وہ سب کے سب سید کبیر کی مدد کے لیے دوڑے اور قلعے کے میدان میں جمع ہو گئے ۔ اس طرح فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور قریب تھا کہ ایک زبردست جنگ برپا ہو جائے کہ مہابت خان کو اس کی اطلاع ہوئی ، وہ فوراً سوار ہو کر مقام واردات پر پہنچا اور سادات بارھہ کو سمجھا بجھا کر قلعے کے اندر لے آیا اور راجپوتوں کو بھی وقت کے تقاضوں کے مطابق تسلی و دلاسا دے کر ان کے منتخب سرداروں کو اپنے ہمراہ لے کر خان عالم کے گھر آیا ، جو وہاں سے نزدیک تھا اور وہاں اُن لوگوں کو مزید اطمینان دلاتے ہوئے اس نے اس کا وعدہ کیا کہ جو کچھ اُن کے ساتھ ہوا ہے ، وہ اس کا تدارک کرے گا ۔

جب اس کی خبر شاہزادہ پرویز کو ملی ، تو وہ فرزند بھی خان عالم کے گھر گیا اور موزوں الفاظ میں حالات کے مطابق راجپوتوں کو تسلی دے کر [375] اُن کے گھروں کو روانہ کیا ۔ دوسرے دن مہابت خان راجا گردھر کے گھر گیا اور اس کے بیٹوں کو پرسہ دے کر ان کی دل جوئی کی اور نہایت معقول تدبیروں اور سنجیدگی کے ساتھ سید کبیر کو گرفتار کرکے قید کر دیا ۔ چونکہ راجپوت اس کے قتل کے سوا کسی اور چیز پر راضی نہیں ہوتے تھے اس لیے چند دن کے بعد اس نے اُسے کیفر کردار تک پہنچا دیا ۔

۲۳ ماہ آذر ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو محمد مراد کو سرکار اجمیر کا فوج دار مقرر کرکے روانہ کیا ۔

دَ یا کشمیر کے اس راستے میں میں برابر شکار کھیلتا اور مسرت سے وقت گزارتا رہا ۔

ایک روز اثنائے شکار میں میں نے ایک سفید تیتر دیکھا ۔ اس سے قبل میں نے سفید تیتر نہیں دیکھا تھا ۔ میں نے اُسے باز سے پکڑوایا ۔ اتفاق سے جس باز نے اُسے پکڑا وہ بھی سفید تھا ۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ سیاہ تیتر کا گوشت سفید تیتر سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے اور بڑے بٹیر کا گوشت ، جسے اہل ہند گھاگر کہتے ہیں ، چھوٹے بٹیر سے ، جسے لڑائی کے لیے پالا جاتا ہے ، بہتر ہوتا ہے ۔ اسی طرح میں نے بکری کے موٹے تازے بچے کے گوشت کا حلوان گوشت سے

بھی موازنہ کیا۔ میرے تجربے میں ثابت ہوا کہ بکری کے فربہ بچے کا گوشت حلوان سے زیادہ خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ پھر بھی میں نے مزید تجربے کے لیے حکم دیا کہ دونوں کے گوشت کا ایک قسم کا سالن پکایا جائے۔ تاکہ واقعی طور پر پھر اس کا تجربہ ہو جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ میرے تجربے میں یہ چیز صحیح ثابت ہوئی اس لیے یہاں لکھ دی ہے۔

۱۰ دے ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو قراول، پرگنہ رحیم آباد کے قرب و جوار میں ایک شیر کی خبر لائے۔ میں نے **ارادت خان اور فدائی خان** کو حکم دیا کہ پیزم داروں کو ہمراہ لے کر جنگل کا محاصرہ کریں۔ میں بھی ان کے بعد سوار ہو کر شکار کے لیے روانہ ہوا۔ درختوں کی کثرت اور گھنا جنگل ہونے کی وجہ سے شیر اچھی طرح نظر نہیں آتا تھا۔ میں ہاتھی کو آگے ہنکا کر ایسی جگہ پر لے آیا جہاں سے شیر نظر آتا تھا، میری بندوق کی ایک ہی گولی سے وہ گر پڑا اور جان دے دی۔ میری شاہزادگی کے زمانے سے لے کر اب تک جتنے بھی شیر میں نے شکار کیے ہیں، اتنا بڑا پُر شکوہ، موزوں اندام شیر میری نظر سے نہیں گزرا۔ میں نے مصوروں کو حکم دیا کہ اس کی تصویر ہو بہو کھینچیں۔ تولنے پر اس شیر کا وزن ساڑھے بیس من جہانگیری ہوا۔ اس کی لمبائی پیشانی سے لے کر دُم کے سرے تک ساڑھے تین گز دو طسو نکلی۔

ممتاز خان حاکم آگرہ کی وفات:

۱۶ دے ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو خبر ملی کہ حاکم آگرہ رحمت حق سے جا ملا۔ اولاً وہ خان زمان کے بھائی بہادر کے پاس تھا۔ ان دونوں بھائیوں کے مارے جانے کے بعد میرے والد بزرگوار کی ملازمت میں منسلک ہو گیا۔ جب میں نے عالم وجود میں قدم رکھا تو انہوں نے مجھ پر مہربانی فرما کر اسے میری سرکار کا ناظر مقرر کر دیا۔ وہ چھپن سال تک اس قدر دلی خلوص اور رضا جوئی کے ساتھ میری خدمات انجام دیتا رہا کہ کبھی میرا آئینۂ قلب اس کی شکایت سے مکدر نہیں ہوا۔ اس کی طویل ملازمت اور مسلسل خدمت کے حقوق مجھ پر اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ حد تحریر سے باہر ہیں۔ خدائے تعالیٰ اس کو غریق بحر رحمت فرمائے۔

میں نے اس کی جگہ مقرب خان کو، جو اس سلطنت کے قدیم اور مخلص ملازمین سے ہے، آگرے کا حاکم و محافظ مقرر کر کے روانہ کیا۔
فتح پور کے قرب و جوار میں مکرم خان اور اس کے بھائی عبدالسلام نے آ کر زمیں بوسی کی سعادت حاصل کی۔

جشن وزن قمری :

۲۲ دے ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو متھرا میں میرا جشن وزن قمری آراستہ ہوا۔ اور اس بارگاہ الٰہی کے اس نیاز مند کی عمر کا ستاون واں سال خیر و سلامتی کے ساتھ شروع ہوا۔
میں نے متھرا سے کشتی میں بیٹھ کر دریا کے راستے سیر و شکار کرتے ہوئے سفر شروع کیا۔ راستے میں قراولوں نے عرض کیا کہ ایک شیرنی اپنے تین بچوں کے ساتھ نظر آئی، میں کشتی سے اتر کر شکار میں مشغول ہو گیا۔ چونکہ شیرنی کے بچے چھوٹے تھے، اس لیے میں نے حکم دیا کہ انھیں ہاتھ سے پکڑا جائے اور میں نے ان کی ماں کو بندوق سے مار لیا۔
اسی زمانے میں مجھ سے عرض کیا گیا کہ جمنا کے کنارے کے گنوار اور کسان چوری کرنے اور ڈاکے ڈالنے سے باز نہیں آتے اور گھنے جنگلوں اور دشوار گزار پناہ گاہوں میں سرکشی اور بے باکی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور جاگیرداروں کو مال گزاری [376] ادا نہیں کرتے۔ میں نے خانجہاں کو حکم دیا کہ منصب داروں کی ایک جمعیت کو ساتھ لے کر ان لوگوں کی سرکوبی میں پوری کوشش کرے اور ان کو قید و قتل اور تاراج کر کے ان کی پناہ گاہوں اور قلعوں کو زمین کے برابر کر دے اور فتنہ و فساد کی جڑ کو اکھاڑ پھینکے۔
دوسرے دن خانجہاں نے منصب داروں کی ایک جمعیت کو لے کر دریا کو عبور کیا اور ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ چونکہ ان کو بھاگنے کا کوئی موقع نہ تھا، اس لیے وہ جہالت پر اتر آئے اور مقابلہ کیا اور بہت سے قتل ہوئے اور ان کے بیوی بچے گرفتار ہوئے اور بہت سا مال غنیمت شاہی لشکر کے ہاتھ آیا۔
یکم بہمن ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو میں نے رستم خان کو سرکار قنوج کی فوج داری سے سرفراز کیا۔

عبداللہ خاں بن حکیم نورالدین کے قتل کا حکم :

۲ ماہ بہمن ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو حکیم نورالدین طہرانی کے بیٹے عبداللہ خاں کے متعلق حکم دیا کہ اُسے میرے حضور میں قتل کر دیا جائے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب شہنشاہ ایران نے اس کے باپ کو مال و زر کے گمان پر شکنجے میں کھینچ کر طرح طرح کے عذاب دیئے، تو یہ ایران سے بھاگ کر انتہائی فلاکت اور پریشانی کے عالم میں ہندوستان آیا اور اعتمادالدولہ کے وسیلے سے بندگانِ درگاہ میں شامل ہو گیا۔ خوش بختی سے تھوڑے ہی زمانے میں روشناس ہو کر میرے مقرب خدمت گاروں میں داخل ہو گیا اور میں نے اُسے پانصدی منصب اور ایک آباد جاگیر عنایت کی، لیکن چونکہ وہ تنگ ظرف واقع ہوا تھا اور اس دولت و مرتبے کی اس میں صلاحیت اور ظرف نہ تھا۔ اس لیے اس نے نمک حرامی اور نا شکری کو اپنا شعار بنایا، اور ہمیشہ خدائے تعالیٰ کی اور اپنے سالکِ مجازی کی شکایت کرنے لگا۔ اُسی زمانے میں مجھے اطلاع ملی کہ جس قدر بھی اس کے حق میں عنایت اور رعایت کی جاتی ہے، یہ نمک حرام اُسی قدر شکوہ و شکایت بڑھاتا جاتا ہے۔ لیکن ان عنایات کی وجہ سے، جو میں نے اس پر مبذول کی تھیں مجھے ان خبروں پر یقین نہیں آتا تھا۔ بالآخر بے غرض لوگوں کے بیانات سے جو مختلف محفلوں اور مجلسوں میں اُس سے میرے متعلق گستاخانہ باتیں سن چکے تھے، اس کی تصدیق ہو گئی۔ میں نے ثبوت کے بعد اُس کو اپنے حضور میں طلب کر کے اس کے قتل کا حکم دیا:

زبانِ سرخ سرِ سبز می دہد برباد

چونکہ قراولوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ اس نواح میں ایک شیرنی رہتی ہے جس سے اُس علاقے کے لوگ سخت تکلیف اور آزار میں مبتلا ہیں۔ میں نے فدائی خاں کو حکم دیا کہ وہ ہاتھیوں کو ساتھ لے جا کر شیرنی کے گرد گھیرا ڈالے اور اس کے بعد ہی میں سوار ہو کر جنگل میں پہنچا۔ مجھے وہ شیرنی بہت پھرتیلی اور دلیر دکھائی دی، میں نے بندوق کی ایک گولی ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔

ایک روز شکار کی تفریح میں میں نے ایک سیاہ تیتر کا باز سے شکار کیا اور حکم دیا کہ میرے سامنے اس کا پوٹا چاک کیا جائے ۔ چنانچہ اس کا پوٹا چاک کیا گیا ، اس کے پوٹے میں سے ایک چوہا نکلا ، جسے اس نے سالم نگل لیا تھا اور ابھی تک ہضم نہیں ہوا تھا ، اسے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ تیتر نے اس چوہے کو ایسے باریک حلق سے کیسے نگلا ہوگا ، بلا مبالغہ اگر کوئی دوسرا آدمی اس قسم کا واقعہ بیان کرتا تو یقین نہ آتا ، چونکہ میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا تھا ، اس لیے اس کے عجیب ہونے کی بنا پر یہاں لکھ دیا ۔

دہلی میں ورود :

۶ بہمن ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ء) کو دارالملک دہلی میں نزول اجلال کیا ۔

چونکہ جگت سنگ ولد راجا باسو نے بے دولت کے اشارے پر پنجاب کے شمالی کوہستان پہنچ کر ، جو اس کی ریاست ہے ، شورش برپا کر رکھی تھی ، میں نے صادق خاں کو اس کی تنبیہ و تادیب پر مقرر کیا ، جیسا کہ میں گزشتہ اوراق میں لکھ چکا ہوں ۔

اسی زمانے میں میں نے جگت سنگھ کے چھوٹے بھائی مادھو سنگھ کو راجا کے خطاب سے سرفراز کیا اور گھوڑا اور خلعت عنایت کیا ۔ میں نے اُسے حکم دیا کہ صادق خاں کے پاس جا کر نا عاقبت اندیش مفسدوں کی [377] بیخ کنی کا انتظام کرے ۔

دوسرے دن سواد شہر سے کوچ کر کے میں نے سلیم گڑھ میں نزول اجلال کیا ۔

راجا کشن داس کے گھر میں تشریف آوری :

چونکہ راستے میں راجا کشن داس کا گھر پڑتا تھا اور اس نے نہایت الحاح و زاری سے اصرار کے ساتھ اپنے گھر آنے کی دعوت کی تھی ، میں اس کے التماس پر اس کے گھر گیا اور سایۂ عاطفت اس کے گھر پر ڈال کر اس قدیم خدمت گزار کی تمنائیں پوری کر دیں ، میں نے اس کی پیش کش میں سے کچھ چیزیں اس کی عزت افزائی کی خاطر قبول کر لیں ۔

سید بہوہ بخاری کا حکومت دہلی پر تقرر:

۲۰ ماہ آذر ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو سلیم گڑھ سے کوچ کیا اور سید بہوہ بخاری کو دہلی کی حفاظت اور حکومت پر مقرر کیا ۔ یہ شہر اس کا وطن ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی اس نے اس خدمت کو نہایت خوبی سے انجام دے کر سربلندی حاصل کی تھی ۔

تبت کے حاکم زادے کا شرف حضوری:

اسی زمانے میں علی رائے (۱۳) حاکم تبت کے بیٹے علی محمد نے اپنے باپ کے حکم پر میری بارگاہ میں حاضر ہو کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی ، اور معلوم ہوا کہ اس کو اپنے اس بیٹے سے خاص محبت اور انس ہے اور اسے اپنی دوسری اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا ہے ۔ علی رائے چاہتا تھا کہ اسے اپنا جانشین مقرر کرے ۔ اس بنا پر اس کے بھائی اس سے حسد کرنے لگے اور بھائیوں کے درمیان رنجش پیدا ہو گئی ۔ اس کا دوسرا بیٹا ابدال ، جو اس کی اولاد میں سب سے زیادہ قابل تھا ، غم و غیرت کے باعث خان کاشغر کے متوسلین میں شامل ہو گیا اور اس نے خان کاشغر کو اپنا حامی بنا لیا کہ جب علی رائے ، جو بوڑھا اور منحنی ہو چکا ہے ، وفات پا جائے تو والی کاشغر کی حمایت سے ملک تبت کا حاکم بن جائے ۔ علی رائے نے اس وہم کی بنا پر کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابدال اور اس کے دوسرے بیٹے علی محمد پر حملہ کرکے ملک میں شورش و فساد برپا کر بیٹھیں ، اس لیے اس نے علی محمد کو میرے دربار میں بھیج دیا ۔ اور اس کا صرف مقصد یہ ہے کہ وہ اس دربار سے وابستہ رہے اور جب وقت آ پڑے تو اسے میری اور میرے امرائے سلطنت کی حمایت حاصل ہو ۔

یکم ماہ اسفندار ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو پرگنہ انبالہ کے قریب میرا قیام ہوا ۔ اسی دن امام وردی کے بیٹے لشکری نے ، جو لٹیرے دولت سے علیحدہ ہو کر فرزند سعادت مند شاہ پرویز کی خدمت میں منسلک ہو گیا تھا ، میرے حضور میں حاضر ہو کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی اور پرویز اور مہابت خاں کی عرض داشتیں پیش کیں ، جس میں عادل خاں پر نوازشوں کی سفارش کی گئی تھی اور ان عرض داشتوں میں وہ تحریر بھی میرے ملاحظے کے لیے شامل تھی ، جو

عادل خان نے مہابت خاں کو بھیجی تھی لایا ، جس میں اس نے اپنی اطاعت اور وفاداری کا اظہار کیا تھا ۔ میں نے ان عرض داشتوں اور اس تحریر کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اسی لشکر کے ہاتھ خلعت اور نادری جس میں موتیوں کے بٹن لگے ہوئے تھے ۔ فرزند پرویز کے لیے اور خلعت خان عالم اور مہابت خاں کے لیے بھجوائے اور فرزند پرویز کی سفارش پر عادل خاں کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں اظہار خوشنودی کیا گیا تھا اور خلعت اور خاص نادری بھی ارسال کی ۔ فرزند پرویز اور مہابت خاں کو لکھا کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو وہ اس فرمان کو ان اشیا کے ساتھ عادل خاں کے پاس بھجوا دیں ۔

۵ ماہ اسفندار ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو باغ سرہند میں نزول اجلال کیا ۔ دریائے بیاس کے کنارے صادق خاں ، مختار خاں اسفندار اور راجا روپ چند گوالیاری اور دوسرے امرا نے جو صادق خاں کی کمک پر مقرر کیے گئے تھے ، کوہستان شمالی کی مہم سے فارغ ہو کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

کوہستان شمالی میں بے دولت کے اشارے پر جگت سنگھ نے فتنہ و فساد پھیلایا تھا ، اور چونکہ میدان خالی تھا ، تو وہ چند روز پہاڑوں اور شوار گزار گھاٹیوں میں بسر کر کے رعایا کو تاخت و تاراج کرتا رہا ، اور اس طرح مظلوموں کا وبال اپنے سر لے لیا ، یہاں تک کہ صادق خاں ان حدود میں پہنچ گیا ، اور اس علاقے کے زمینداروں کو ڈرا دھمکا کر اور رحم و کرم کا امیدوار بنا کر اس علاقے کے نظم و ضبط کو اپنے قابو میں لے لیا ، اور اس بد بخت کی بیخ کنی کے لیے اپنی پوری توجہ منعطف کر دی ۔ جگت سنگھ نے یہ حالات دیکھے تو اپنے قلعہ مَوْ کو مستحکم کر کے قلعہ بند ہو گیا ۔ جب اسے موقع ملتا تو وہ قلعے سے نکل کر شاہی فوجوں سے جھڑپیں کر کے قلعے میں واپس چلا جاتا ۔ یہاں تک کہ قلعے میں غلے اور رسد کی کمی ہو گئی ، اور وہ دوسرے زمینداروں کی کمک اور مدد سے مایوس ہو گیا ۔ اس کے علاوہ اپنے چھوٹے بھائی کا راجا بنایا جانا اور اس کی عزت افزائی اور بھی اس کے لیے پریشانی و تشویش کا باعث ہوئی [378] مجبوراً اس نے بعض وسائل اختیار کر کے نور جہاں بیگم سے ندامت و شرمندگی کا اظہار کیا ، اور اس کے توسل سے میرے پاس سفارش کی التجا کی ۔ میں نے نور جہاں بیگم کی دلجوئی اور دلداری کی خاطر اسے معاف کر دیا ۔

میرزا محمد ولد افضل خان کا مارا جانا :

اسی تاریخ میں دکن کے متصدیوں کی عرضیاں پہنچیں کہ بے دولت، لعنت اللہ، داراب اور چند بے سر و سامان ساتھیوں کے ساتھ بحالِ تباہ بے اطمینانی اور خرابی کے ساتھ قطب الملک کے حدود سلطنت میں داخل ہو کر اوڑیسہ و بنگال کی جانب روانہ ہو گیا ہے۔ اس سفر میں اس کو اور اس کے ساتھیوں کو انتہائی مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اور اس کے بہت سے ساتھی موقع پا کر بے سر و سامانی کے عالم میں جان سے ہاتھ دھو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

منجملہ ان کے ایک دن کوچ کے وقت اس کے دیوان افضل خاں کا بیٹا میرزا محمد اپنی والدہ اور اہل و عیال کے ساتھ بھاگ گیا۔ جب اس کے فرار ہونے کی خبر بے دولت کو ملی تو اس نے سید جعفر اور خان قلی اوزبک کو اپنے چند قابل اعتماد لوگوں کے ساتھ میرزا محمد کے تعاقب میں بھیجا اور حکم دیا کہ اگر اسے گرفتار کر کے لا سکیں تو بہتر ہے، ورنہ اس کا سر کاٹ کر میرے حضور میں پیش کریں۔ یہ لوگ جس قدر جلد ممکن ہو سکا سفر کر کے اثنائے راہ میں اس سے جا ملے۔ جب میرزا محمد کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے اپنی والدہ اور بال بچوں کو جنگل میں لے جا کر چھپا دیا اور خود اپنے چند قابل اعتماد ہمراہیوں کے ساتھ مردانہ وار عزم و ہمت کے ساتھ کمان لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس مقام پر اس کے اور حملہ کرنے والوں کے راستے میں ایک دلدل اور نہر حائل تھی۔ سید جعفر خان نے چاہا کہ وہ نزدیک جا کر اسے چرب زبانی سے فریب دے کر اپنے ہمراہ لے جائے۔ چنانچہ اس ارادے سے اس نے اس کے سامنے امید و بیم کے دفتر کھول دیئے، لیکن میرزا محمد پر اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اس نے اس کے جواب میں اس پر تیر چلایا اور نہایت مردانہ وار جنگ کر کے خان قلی اوزبک اور بے دولت کے چند دوسرے لوگوں کو جہنم واصل کر دیا۔ سید جعفر بھی زخمی ہوا، لیکن خود میرزا محمد نے بھی کاری زخم کھا کر جان دے دی، لیکن جب تک بھی اس میں رمق بھر جان رہی، اس نے بہت سوں کو موت کا مزہ چکھا دیا۔ میرزا محمد کے مارے جانے کے بعد اس کا تعاقب کرنے والے اس کا سر کاٹ کر شاہجہاں کے پاس لے گئے۔

شاہجہاں کا مدد حاصل کرنے کے لیے افضل خاں کو عادل خاں اور عنبر کے پاس بھیجنا :

جب بے دولت دہلی کے قرب و جوار میں شکست کھا کر مانڈو چلا گیا ، تو اُس نے ضروری کمک اور مدد حاصل کرنے کے لیے عادل خاں وغیرہ کے پاس افضل خاں کو بھیجا اور بازو بند عادل خاں کے لیے اور گھوڑا ، ہاتھی اور مرصع شمشیر عنبر کے لیے بھیجی ۔ افضل خاں پہلے عنبر کے پاس پہنچا ۔ فرائض سفارت ادا کرنے کے بعد وہ تحفہ پیش کیا ، جو بے دولت نے بھیجا تھا ، لیکن عنبر نے اُس کا تحفہ قبول نہیں کیا اور جواب دیا کہ ہم عادل خاں کے تابع ہیں ، جو تمام دنیا داران دکن کا حاکم اعلیٰ ہے ، تمھیں پہلے اس کے پاس جانا چاہیے اور اپنا مطلب بیان کرنا چاہیے ، اگر وہ قبول کرے گا ، تو یہ بندہ بھی اس کی موافقت اور پیروی کرے گا اور اس صورت میں جو کچھ بھی میرے لیے بھیجا گیا ہے ، میں اس کو قبول کروں گا ، ورنہ نہیں ۔ چنانچہ افضل خاں عادل خاں کے پاس پہنچا ، وہ اُس کے ساتھ نہایت بری طرح پیش آیا اور عرصے تک اُسے شہر سے باہر ٹھہرایا اور اس پر کوئی توجہ نہیں کی بلکہ طرح طرح سے اُسے ذلیل کیا اور جو کچھ بے دولت نے اس کے اور عنبر کے لیے تحفۃً بھجوایا تھا ، اس نے وہ تمام چیزیں غائبانہ اپنے ہاں منگا لیں ، افضل خاں شہر سے باہر ہی ٹھہرا ہوا تھا کہ وہیں اُسے اپنے بیٹے کے مارے جانے اور اپنے گھر کی تباہی کی خبر ملی تھی اور اُس کی دنیا تاریک ہو گئی ۔

شاہجہان ، قطب الملک کے علاقے میں :

القصہ بے دولت اس قسم کی بد بختیوں ، تقدیر کی ناسازگاریوں اور منصوبوں کی ناکامیابیوں کے ساتھ دور دراز کا سفر طے کر کے بندر مچھلی پٹن پہنچا ، جو قطب الملک کا علاقہ ہے اور اپنے وہاں پہنچنے سے پہلے اس نے قطب الملک کے پاس اپنا ایک آدمی بھجوایا اور اس سے انواع و اقسام کے وعدے کر کے امداد اور فوج کی درخواست کی ۔ قطب الملک نے [379] تھوڑا سا نقد و جنس بطور مہمان نوازی بھجوا دی اور اپنی سرحد کے حاکم کو لکھا کہ ایک رہبر اس کے ہمراہ کر دیا جائے جو اس کو سرحد سے باہر صحیح سلامت پہنچا دے اور تمام

غلہ فروشوں اور زمینداروں کو ہمدردانہ فہمائش کی جائے کہ وہ سامان رسد لشکر میں غلہ اور تمام ضروریات فراہم کر دیں۔

ایک عجیب واقعہ :

۲۷ اسفندار ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ میں رات کو شکار گاہ سے اپنی لشکر گاہ کو واپس آ رہا تھا کہ اتفاق سے مجھے ایک نالے سے گزرنا پڑا جس میں پتھر بہت تھے اور پانی تیز بہہ رہا تھا۔ شاہی شربت خانے کا منحوس ملازم جس کے ہاتھ میں کھدر کے تھیلے میں بندھا ہوا طلائی خوان تھا اسی پانی میں سے آیا۔ تھیلے میں ایک سرپوش خوانچہ اور پانچ پیالے تھے۔ اس کا پیر پھسلنے کی وجہ سے وہ تھیلا اس کے ہاتھ سے نالے میں گر پڑا۔ اس کی بہت تلاش کی گئی اور ہاتھ پاؤں مارے لیکن، ندی کا پانی گہرا تھا اور نہایت تیز بہہ رہا تھا اس لیے وہ دستیاب نہیں ہوا۔ دوسرے روز مجھے اس واقعہ کی اطلاع دی گئی، میں نے ملاحوں اور قراولوں کو حکم دیا کہ پھر وہ وہاں جا کر اچھی طرح تلاش کریں، شاید وہ مل جائے، اتفاق سے جہاں وہ تھیلا گرا تھا وہیں سے مل گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ اس تھیلے میں جو چیزیں تھیں وہ بالکل الٹ پلٹ نہ ہوئی تھیں اور ایک قطرہ پانی کا پیالوں میں نہ آیا تھا۔

یہ واقعہ بالکل ہادی[1] (خلیفہ عباسی) کے واقعے سے ملتا جلتا ہے: وہ یہ کہ جب ہادی مسند خلافت پر بیٹھا، تو یاقوت کی ایک انگشتری، جو اس کے باپ کی میراث تھی، ہارون[2] کے ہاتھ آئی تھی، ہادی نے ہارون کے پاس ایک خادم بھیجا اور انگشتری طلب کی۔ اتفاق سے جب وہ خادم وہ انگشتری لینے کے لیے پہنچا تو ہارون دریائے داجلہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا، خادم نے جب ہارون کو ہادی کا پیغام پہنچایا تو ہارون نے غصے میں آ کر کہا کہ میں نے خلافت جیسی اہم چیز ہادی کو بخش دی اور وہ ایک انگشتری بھی میرے لیے روا نہیں رکھتا

۱- ہادی: اپنے باپ مہدی کے بعد ۱۶۹ھ میں خلیفہ ہوا۔ اس کی مدت خلافت تقریباً ایک سال تھی۔ یہ ہارون الرشید کا بھائی تھا۔

۲- ہارون الرشید: مدت خلافت: ۱۷۰ھ - ۱۹۳ھ (۷۸۶ع - ۸۰۹ع)

رچاہتا، پھر ہارون نے جوش غضب میں وہ انگشتری دریا میں ڈال دی ، چند ماہ کے بعد جب ہادی نے وفات پائی اور ہارون خلیفہ ہو گیا، تو اس نے غوطہ زنوں کو حکم دیا کہ دجلے میں غوطہ لگا کر جہاں اس نے انگشتری گرائی تھی ، اس کی تلاش کریں ۔ حسن اتفاق اور خوبی تقدیر سے پہلے ہی غوطے میں وہ انگشتری مل گئی اور غوطہ زن نے ہارون کے سامنے پیش کر دی ۔

اسی زمانے میں ایک دن شکار گاہ میں امام وردی قراول باشی نے ایک تیتر پیش کیا جس کے صرف ایک پاؤں میں خار تھے اور دوسرے میں نہ تھے ۔ چونکہ تیتر کے مادہ و نر میں یہی خار باعث امتیاز ہیں ، اس نے مجھ سے بطریق امتحان پوچھا کہ یہ تیتر نر ہے یا مادہ ؟ میں نے برجستہ جواب دیا کہ یہ مادہ ہے ۔ پھر اس کے پیٹ کو چاک کرکے دیکھا گیا تو خام انڈے اس کے پیٹ سے برآمد ہوئے ۔ وہ اُمرا ، جو اُس وقت میرے حضور میں حاضر تھے ، اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے کس طرح پہچان لیا کہ یہ مادہ ہے ؟ میں نے انھیں جواب دیا کہ مادہ کی چونچ بہ نسبت نر کے چھوٹی ہوتی ہے ۔ بار بار دیکھنے اور تجربے کی وجہ سے مجھے اس میں بڑا ملکہ حاصل ہو گیا ہے ۔

میرے غیر معمولی مشاہدوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ تمام حیوانات کے گلے کی نالی ، جسے 'ترک حنق' کہتے ہیں ، گردن کے سرے سے لے کر پوٹے تک ایک ہی ہوتی ہے ۔ سوائے جرز کے کہ اس کے حلق کی نالی چار انگل تک ایک ہی رہتی ہے ، پھر دو شاخوں میں تقسیم ہو کر پوٹے سے مل جاتی ہے ، اور جہاں سے یہ نالی دو شاخوں میں تقسیم ہوتی ہے ، وہ حصہ اُبھرا ہوا ہوتا ہے ، جو گرہ کے طور پر ہاتھ کو محسوس ہوتا ہے ۔

کلنگ کا معاملہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے ، اس کے حلق کی نالی سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے گزر کر اس کی سرین تک پہنچتی ہے اور پھر وہاں سے لوٹ کر گلے میں جا ملتی ہے ۔ جرز دو قسم کا ہوتا ہے ، ایک سیاہ ابلق اور دوسرا بھورا ، لیکن اس زمانے میں مجھے معلوم ہوا کہ دراصل اس کی یہ دو قسمیں نہیں ہیں ، بلکہ جو سیاہ ابلق ہے وہ نر ہے اور جو بھورا ہے وہ مادہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چاک کرنے پر ابلق کے خصیے ظاہر ہوئے اور بھورے کے اندر سے انڈے برآمد ہوئے جس کا میں نے بار ہا تجربہ کیا ہے ۔

چونکہ میری طبیعت مچھلی کی طرف راغب ہے، اس لیے لوگ قسم قسم کی مچھلیاں میرے لیے لاتے ہیں۔ ہندوستان کی مچھلیوں کی اقسام میں سب سے بہتر رہو ہے اور اس کے بعد برین ہے۔ مچھلی کی یہ دونوں قسمیں چھلکے دار ہوتی ہیں اور شکل و صورت میں ایک دوسرے سے اس قدر مشابہ ہوتی ہیں کہ ہر شخص ان میں فوراً فرق نہیں کر سکتا، اسی طرح ان کے گوشت کے ذائقے میں بھی بہت کم فرق ہے اور یہ فرق صرف وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس کا ذائقہ اعلیٰ درجے کا ہو کیونکہ رہو مچھلی کا گوشت ذائقے میں کسی قدر برین مچھلی سے بہتر ہوتا ہے۔

اٹھارویں جشن کے حواشی

(۱) خرم (شاہجہان) کی یہ شادی ۷ جلوس جہانگیری ۱۰۲۰ھ میں ہوئی تھی ، اس لڑکی کا نام ارجمند بانو بیگم تھا ، جو بعد میں ممتاز محل کے خطاب سے سرفراز ہوئی ، اس لڑکی کی ماں کا نام دیوانجی بیگم تھا ، جو غیاث الدین علی قزوینی (متوفی ۹۸۹ھ) کی بیٹی تھی ، شادی کے وقت شاہجہان کی عمر شمسی سال کے اعتبار سے بیس سال ایک ماہ ، آٹھ روز ، اور قمری سال کے حساب سے بیس سال ، گیارہ ماہ اور اکیس دن کی تھی ۔ اس کی بیوی ارجمند بانو بیگم کی عمر شادی کے وقت شمسی سال کے اعتبار سے انیس سال اور اکیس روز اور قمری سال کے اعتبار سے انیس سال ، سات ماہ ، پچیس روز تھی ۔ (رک : ماثرالامرا ۱ ، ص ۱۵۱ - شاہجہان نامہ ، ۱ ، ص ۴۲ - ۴۵)

(۲) صفی خان (سیف خان جہانگیر شاہی) ولد امانت خان اس سے آصف خان یمین الدولہ کی بڑی بیٹی منسوب تھی ۔ یہ صوبۂ گجرات کا دیوان مقرر ہوا ۔ جب یہ علاقہ شاہجہان کی جاگیر میں دیا گیا تو اس کی جگہ وہاں کی حکومت پر راجا بکرماجیت مقرر ہوا ۔ پھر دوسری مرتبہ جب خانجہان مہابت خان کی بجائے شاہزادہ پرویز کی ہمراہی میں متعین ہوا تو یہ گجرات کا صوبیدار مقرر ہوا ۔ اسی زمانے میں جہانگیر نے وفات پائی ۔ چونکہ یہ شاہجہان کا ہم زلف تھا ، بیگم کی سفارش پر شاہجہان نے اس کی خطائیں معاف کر کے اسے صوبیداری بہار پر متعین کیا - ۵ جلوس شاہجہانی میں الہ آباد کا صوبیدار مقرر ہوا - ۸ جلوس شاہجہانی میں پھر گجرات کی حکومت اسے تفویض ہوئی اور وہاں سے بدل کر اکبر آباد کی نگرانی پر مقرر ہوا - ۱۳ جلوس شاہجہانی میں بنگال بھیجا گیا اور ۱۳ جلوس شاہجہانی ۱۰۴۹ھ میں اس نے بنگال میں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ۲ ، ص ۴۱۶ - ۴۲۱)

(۳) محمد خان فاروقی : بن میران مبارک خان بن عادل خان فاروقی ۔ تخت نشینی : ۹۷۴ھ ، وفات : ۹۸۴ھ ۔ (رک : ترجمۂ تاریخ فرشتہ ، ۲ ، ص ۳۶۷ - ۳۶۸)

(۴) حسن خان فاروقی : بن محمد خان فاروقی ، جو طفل نا بالغ تھا ، اپنے باپ کی وفات کے بعد حکمران ہوا ۔ جب اس کے چچا راجا علی خان فاروقی بن مبارک خان کو معلوم ہوا ، جو اکبر کی ملازمت میں رہتا تھا ، تو وہ اپنے بھائی کی وفات کی خبر سن کر آگرے سے خاندیس کی طرف روانہ ہوا ۔ چنانچہ اعیانِ دولت نے حسن خان کو معزول کر کے اسے تخت حکومت پر بٹھایا ۔ (رک : تاریخ فرشتہ ترجمہ اُردو ، ۲ ، ص ۳۶۸ مطبوعہ نول کشور)

(۵) راجا علی خان : بن مبارک خان ، وفات : ۱۰۰۵ھ ، مدفن : برہان پور ، مدت حکومت ۲۱ سال سے کچھ زیادہ ۔

(رک : ترجمہ تاریخ فرشتہ ، ۲ ، ص ۳۶۸ - ۳۷۱)

(۶) سید دلیر خان بارھہ : جہانگیر کے امرا میں تھا ، اور بڑودہ کی فوجداری پر مقرر تھا ۔ شاہجہان نے اپنے جلوس کے پہلے سال اصل و اضافے کے ساتھ چہار ہزاری خلعت و خنجر و علم و نقارہ سے سرفراز کیا ، ۳ جلوس شاہجہانی میں ولایت سنگمنیر کی تسخیر پر مامور ہوا ، اس نے ۲ جلوس شاہجہانی ۱۰۴۲ھ میں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ۲ ، ص ۲۱۲-۲۱۴)

(۷) اصالت خان بن خانجہان لودی ۔ (رک : ماثرلامرا ، ۱ ، ص ۳۲)

(۸) منوچہر ، ولد میرزا شاہنواز خان ایرج : بن میرزا عبدالرحیم خانخانان ۔ یہ مہم دکن کے مددگاروں میں ۔ مقرر تھا ۱۹ جلوس جہانگیری میں جب کہ لشکر خان دوسرے امرا کے ساتھ ملک عنبر کی قید میں پڑ گیا ، اس موقع پر میرزا منوچہر نے بہادری کے بہت جوہر دکھائے ، آخر بہت سے زخم کھا کر یہ بھی ملک عنبر کی قید میں پڑا اور مدت تک دولت آباد میں قید رہا ۔ چونکہ اس نے اس مہم میں غیر معمولی جوہر دکھائے تھے ، اس لیے جہانگیر نے اُسے میرزا خان کے خطاب اور سہ ہزاری و دو ہزار سوار کے منصب اور علم و نقارے سے نوازا ۔ شاہجہان نے اپنی تخت نشینی کے بعد ۲ جلوس شاہجہانی میں اُسے بہڑائچ کا فوجدار مقرر کیا ۔ ۸ جلوس شاہجہانی میں کالگڑے کا فوجدار مقرر ہوا ۔ ۹ جلوس شاہجہانی میں وہ شورش دماغ کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گیا ۔ جنون کا دور گزرنے کے بعد صوبۂ اودھ کا صوبیدار مقرر ہوا ۔ ۱۵ جلوس شاہجہانی میں احمد نگر کا قلعہ دار مقرر

ہوا ۔ ۲۶ جلوس شاہجہانی ۱۰۸۳ھ میں اس نے وفات پائی ۔
(رک : ماثرالامرا ، ۲ : ص ۵۸۶-۵۸۹)

(۹) سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی : اپنے باپ کی وفات کے بعد ۴۲۰ھ میں غزنی کے تخت پر بیٹھا ۔

(۱۰) تاریخ بیہقی : اس تاریخ کے مصنف کا نام محمد بن حسین اور کنیت ابوالفضل بیہقی ہے ۔ یہ سلطان محمود غزنوی کے دارالانشا میں دبیر خاص تھا ، اس نے ۴۷۰ھ (۱۰۷۷ع) میں وفات پائی ۔ ابوالفضل نے سلطان مسعود کے عہد میں یہ تاریخ لکھی ۔ اس تاریخ کا نام تاریخ مسعودی اور دوسرا نام تاریخ آل سبکتگین ہے ۔ دست برد زمانہ سے اس کا ایک ہی جزو باقی رہ گیا ہے جسے بہت مدت ہوئے ۱۸۸۲ع میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے شائع کیا تھا ، اور ۱۳۰۷ھ میں طہران سے شائع ہوئی ۔ یہ تاریخ سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے حالات پر مشتمل ہے ۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں ضمنی طور پر آل سامان ، آل سلجوق اور دولت خوارزم شاہیہ کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں ۔ اس مصنف کی دوسری کتاب زینت الکتابت ہے ۔ یہ کتاب اب صفحہ روزگار سے ناپید ہے ۔ (رک : تاریخ ادبیات ایران ، جلد دوم ، براؤن- تاریخ ادبیات ایران از رضازادہ شفق ، ص ۱۳۴-۳۰۳ ، ۳۰۶ ، ۳۱۰ ، ۳۲۸ - و سبک شناسی از ملک الشعرا بہار مرحوم) ۔ (س)

(۱۱) رستم خاں (شغالی) : کا نام یوسف بیگ تھا ۔ شاہجہاں کی تربیت و سرپرستی کی وجہ سے احدیوں کے مرتبے سے بلند ہو کر امارت کے درجے کو پہنچا ، اور سہ ہستی کے منصب سے پنج ہزاری کے منصب تک ترقی کی ، اور صاحب علم و نقارہ ہوا ۔ شاہجہاں کی شاہزادگی کے زمانے میں وہ اس کے ارکان دولت میں سے تھا ، اور اس کی نیابت میں صوبیداری گجرات کے فرائض انجام دیتا تھا ۔ چونکہ شاہجہاں اور جہانگیر کی آویزش میں یہ مہابت خاں سے مل گیا تھا ، جس کی وجہ سے شاہجہاں کو دکن واپس جانا پڑا ، پھر رستم خاں مہابت خاں کے توسط سے امرائے جہانگیری میں شامل ہو گیا جس سے شاہجہاں کو بے حد افسوس و صدمہ ہوا ، اس لیے جب شاہجہاں تخت نشین ہوا تو اس نے رستم خاں کو جاگیر و منصب سے معزول کر دیا ، اور اسے سخت ذلیل کیا ، یہاں تک کہ نوبت اس حد تک پہنچی کہ اس کے

پاس نہ کوئی سوار تھا، نہ کوئی خدمتگار۔ آخر آوارہ گردی اور کوچہ گردی کرتے کرتے مر گیا۔ (رک: ماثرالامرا، ۲، ص ۱۹۹-۲۰۱)

(۱۰۲) بیرم بیگ (ترکمان): یہ شاہجہان کا میر بخشی تھا، اور خان دوران کے خطاب سے ممتاز تھا۔ (رک: ماثرالامرا، ۱)

(۱۰۳) علی رائے: تبت خورد یعنی بالتستان کا حکمران تھا۔ جہانگیر نے اس کی بیٹی سے عقد کیا تھا۔ یہ عقد ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۲ع) میں ہوا تھا۔ (رک: بیورج، ۲، ص ۲۸۸)

آنیسواں جشنِ نوروز

بدھ کے دن ۲۹ جمادی الاول ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۴ع) کو دن کا ایک پہر اور دو گھڑی گزرنے کے بعد آفتاب عالم تاب کی بیت الشرف برج حمل میں تحویل ہوئی ۔ شایستہ ملازمین اضافۂ منصب اور ترقیِ مراتب سے سر بلند ہوئے ۔

احسن اللہ ولد خواجہ ابوالحسن اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و سیصد سوار کے منصب سے سر بلند ہوا ۔

میر شرف دیوانِ بیوتات اور خواص خاں ، ان میں سے ہر ایک منصب ہزاری سے سربلند ہوا ۔

سردار خاں نے کانگڑہ سے آکر زمین بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

اسی زمانے میں میں نے یساولوں[1] اور اہل یساق[2] کو حکم دیا کہ آج کی تاریخ سے میری سواری کے دوران اور دولت خانے سے نکلنے کے وقت بد ہیئت انسانوں مثلاً اندھے ، کان اور ناک کٹے ہوے ، اپاہج کوڑھیوں اور انواع و اقسام کے بیماروں کو میری نظر سے دور رکھا کریں ۔

۹ ، ماہ فروردیں ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۴ع) کو جشن شرف آراستہ ہوا ۔

امام وردی (۱) کا بھائی اللہ وردی (۲) بے دولت کے پاس سے بھاگ کر میری بارگاہ میں حاضر ہوا اور بے انتہا عنایتوں سے سرفرازی حاصل کی ۔

جب بے دولت کے اوڑیسہ کی سرحد پر پہنچنے کی خبریں متواتر پہنچنے لگیں تو میں نے شاہزادہ پرویز ، مہابت خاں اور اُن اُمرا کے نام ، جو اس فرزند کی تائید کے لیے مامور ہیں ، تاکیدی فرمان جاری کیا کہ صوبۂ خاندیس اور دکن کے نظم و نسق سے اطمینان حاصل کر کے جلد صوبۂ اللہ آباد و بہار کی طرف توجہ کریں ، تاکہ اگر اتفاق سے صوبے دار بنگال بے دولت کا راستہ نہ روک سکے ، اور وہ پیش قدمی کی جرأت کر جائے تو ان فاتح افواج سے ، جو فرزند پرویز کی سرکردگی میں مامور ہیں ، اس کی ایسی سرکوبی ہونی چاہیے کہ وہ صحرائے ناکامی

۱- یساول : محافظ و چوبدار ۔

۲- اہل یساق : غیر منظم لشکر ، بے قاعدہ ۔

میں سرگرداں ہو جائے ۔

۲ اردی بہشت ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ع) کو میں نے ازروے احتیاط فرزند خانجہاں کو دارالخلافہ صوبۂ آگرہ کی طرف رخصت کر دیا ، تاکہ وہ وہاں میرے اشارے کا منتظر رہے ۔ اگر کسی خدمت کی ضرورت آن پڑے اور اُسے حکم ملے تو وہ مصالح وقت کے مطابق عمل کرے ۔

میں نے اس کو خاص خلعت نادری کے ساتھ ، جس کے بٹن موتیوں کے تھے ، ایک خاص شمشیر مرصّع عنایت کی ۔ اس کے بیٹے اصالت خان کو گھوڑا اور خلعت عنایت کیا ۔

اسی تاریخ عقیدت خان بخشی صوبۂ دکن کی عرضداشت ملی جس میں اس نے لکھا تھا کہ حسب الحکم فرزند اقبال مند شاہ پرویز نے راجا گج سنگھ کی لڑکی سے شادی کرلی ہے ۔ امید ہے کہ اس کا قدم اس سلطنت کے لیے مبارک اور مسعود ثابت ہوگا ۔ عرضداشت میں یہ بھی تحریر تھا کہ شاہزادہ پرویز نے ترکمان خان کو پٹن سے طلب کرکے عزیز اللہ کو اس کی جگہ مقرر کردیا ہے ۔ جاں سپار خان بھی حسب الحکم شاہزادے کی خدمت میں حاضر ہوگیا ہے ۔

میر حسام الدین کی گرفتاری :

جس وقت بے دولت نے برہان پور سے بھاگ کر راہِ ذلت و ادبار اختیار کی ، تو میر حسام الدین نے [381] اپنی بد اعمالی کے نتائج کے پیش‌نظر برہان پور میں ٹھہرنے کی ہمت نہیں کی ، اور اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر دکن کی طرف چل کھڑا ہوا ، تاکہ وہاں عادل خان کی پناہ میں زندگی بسر کرے ۔ اتفاق سے ابھی بیڑ[1] کے مضافات سے آگے ہی بڑھا تھا کہ جاں سپار خان کو اس کی اطلاع مل گئی اور اس نے اپنے لشکروں کو اس کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا ۔ چنانچہ اس کے لشکری اُس کو اور اُس کے متعلقین کو گرفتار کر کے مہابت خان کے پاس لائے ۔ مہابت خان نے اسے قید کر دیا اور اس کی ایک لاکھ روپے کی مالیت کی اشیا نقد و جنس کی صورت میں بحقِ سرکار ضبط کر لیں ۔

۱- سرسید ایڈیشن کے متن میں ''بیشتر'' ہے ، لیکن صحیح لفظ بیڑ ہے ، اور وہی ہم نے ترجمے میں لکھا ہے ۔ ''بیڑ'' دکن کے ایک شہر کا نام ہے ۔

جادو رائے اور اودے رام ، بے دولت کے ہاتھیوں کے ساتھ ، جنھیں وہ برہان پور کے قلعے میں چھوڑ گیا تھا ، شاہزادہ پرویز کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔

قاضی عبدالعزیز ، جو دہلی کے قرب و جوار میں بے دولت کی جانب سے عرض مقاصد کے لیے آیا تھا ، میں نے اُسے گفتگو کا موقع نہ دیا اور اس کو مہابت خاں کے حوالے کر دیا ۔ بے دولت کی شکست اور ذلت کے بعد مہابت خاں نے اُسے اپنی ملازمت میں رکھ لیا تھا ۔ چونکہ اس کے عادل خاں سے قدیم روابط تھے اور چند سال تک خانجہاں کی وکالت میں بیجاپور میں رہا تھا ، اُس زمانے میں مہابت خاں نے پھر اُسے حجابت کے طور پر عادل خاں کے پاس بھجوایا ۔ دنیاداران دکن نے مصالح وقت اور کار اجرائی کی خاطر اطاعت اور بہی خواہی کے جذبات کا اظہار کیا ۔ عنبر مردود نے بھی اپنے قابل اعتماد شخص علی شیر نامی کو بھیج کر نہایت فروتنی اور عاجزی کا اظہار کیا ۔ چنانچہ اس نے مہابت خاں کو ایک نوکر کی حیثیت سے عرضداشت لکھ بھیجی جس میں اس نے لکھا کہ وہ دیو لگام[1] میں آ کر مہابت خاں سے ملے گا ۔ اپنے بڑے بیٹے کو ملازم سرکار بنا کر رکھے گا اور وہ اقبال مند فرزند شاہ پرویز کی خدمت میں رہے گا ۔

اسی کے ساتھ قاضی عبدالعزیز کا خط ملا کہ عادل خاں نے صمیم قلب سے اطاعت اور سلطنت کی بہی خواہی اختیار کر لی ہے ، اور اس نے طے کیا ہے کہ مُلا محمد لاری کو ، جو اس کا وکیل مطلق اور نفس ناطقہ ہے اور روزمرہ کی گفتگو اور مراسلت میں جسے مُلا بابا کہتے اور لکھتے ہیں ، پانچ ہزار سواروں کے ساتھ بھیجے ، اور وہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہے گا ۔ مُلا محمد لاری اس خط کے پیچھے فوراً آنے والا ہے ۔

چونکہ کئی فرمان تاکید کے ساتھ صادر ہو چکے تھے کہ فرزند پرویز اس بے دولت کے استیصال کے لیے الہ آباد اور بہار کی طرف روانہ ہو جائے ، اسی زمانے میں خبر ملی کہ باوجود موسم برسات اور شدید بارش کے بتاریخ ۶ فروردی ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۴ع) فرزند پرویز نے شاہی لشکر کے ساتھ برہان پور سے کوچ کر دیا ہے اور لال باغ[2] میں مقیم ہے ۔ اور مہابت خاں ، مُلا محمد لاری کے آنے

۱- یہ دیول گاؤں ہے جو برہان پور سے ۲۰ میل جنوب میں واقع ہے ۔ (رک : بیورج ۲ : ص ۲۹۶ ۔

۲- لال باغ برہانپور کے مضافات میں واقع ہے ۔ (رک : بیورج ۲ ، ص ۲۹۶) ۔

کے انتظار میں برہان پور میں ٹھہرا ہوا ہے کہ جب وہ آ جائے تو اس علاقے کے نظم و نسق سے مطمئن ہو کر فرزند اقبال مند پرویز کی خدمت میں روانہ ہو جائے ، اور اس نے لشکر خاں ، جادورائے اور اودے رام اور دوسرے ملازمین کو مقرر کر دیا ہے کہ بالا گھاٹ جا کر ظفر نگر میں خیمہ زن ہوں ۔

جانسپار خاں کو بدستور سابق[1] رخصت کر دیا ۔

اسد خاں معموری کو ایلچ پور واپس بھیجا ۔

منوچہر ولد شاہنواز خاں کو خان پور میں متعین کیا ۔

رضوی خاں کو تھانیسر[2] بھیجا کہ وہ صوبۂ خاندیس کی حفاظت اور نگرانی کرے ۔

اسی روز خبر ملی کہ لشکری نے جب میرا فرمان عادل خاں کے پاس پہنچایا تو اس نے سارا شہر آراستہ کیا اور خود چار کوس تک اُس کے استقبال کے لیے نکلا ، اور فرمان و خلعت لے کر تسلیمات اور سجدے بجا لایا ۔

۲۱ فروردین ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۴ع) کو فرزند داور بخش ، خان اعظم اور صفی خاں کے لیے سر و پا بھجوائے ۔

صادق خاں کو لاہور کی حکومت اور نگرانی سے سرفراز کیا اور خلعت اور ہاتھی عنایت کر کے اُسے رخصت کیا اور اس کا منصب چہار صدی ذات و چہار صد سوار کر دینے کا حکم دیا ۔

ملتفت خاں ولد رستم خاں کو ہزار و پانصدی و سیصد سوار کے منصب سے سر بلند کیا ۔

ایک دن شکار میں مجھ سے عرض کیا گیا کہ ایک کالا سانپ دوسرے پھن والے سانپ کو نگل کر سوراخ میں گھس گیا ہے ۔ میں نے حکم دیا کہ وہ جگہ کھود کر [382] سانپ کو نکالا جائے ۔ چنانچہ وہ سانپ نکالا گیا ۔ بلا مبالغہ اتنا بڑا سانپ اب تک میری نظر سے نہیں گزرا تھا ۔ جب اس کا پیٹ چاک کیا گیا تو وہ پھن والا سانپ ، جسے اُس نے نگلا تھا ، اُس کے پیٹ سے صحیح سالم نکلا ۔ اگرچہ اس سانپ کی قسم دوسری تھی ، لیکن اس میں نگلنے والے سانپ سے جثے اور لمبائی میں تھوڑا ہی فرق محسوس ہوتا تھا ۔

۱- اقبال نامۂ جہانگیری میں ہے کہ وہ علاقۂ بیڑ میں متعین تھا ۔

۲- یہ تھانیسر ہے جو مغرب میں واقع ہے ۔ (رک : بیورج ، ۲ : ص ۲۹۶) ۔

عارف ولد زاہد کو سزائے موت :

اسی زمانے میں صوبۂ دکن کے واقعہ نویس کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ مہابت خان نے عارف ولد زاہد کو قتل کی سزا دے کر فی الحال اس کو اس کے دوسرے دو بیٹوں کے ساتھ محبوس اور قید کر رکھا ہے ، کیوں کر اس بد بخت عارف نے اپنے خون سے ایک عرضداشت اپنے قلم سے بے دولت کو لکھی تھی ۔ اس عرضداشت میں اپنے اور اپنے والد کی جانب سے اس سے اخلاص و خیرخواہی کا اظہار کیا گیا تھا اور شاہی فوج کا ساتھ دینے پر ندامت و شرمندگی ظاہر کی گئی تھی ۔ اتفاق سے اس کی یہ تحریر مہابت خان کے ہاتھ پڑ گئی ۔ اس نے عارف کو اپنے پاس طلب کرکے یہ تحریر اس کو دکھائی ۔ چونکہ خود اس نے یہ موت کا پروانہ اپنے خون سے لکھا تھا ، وہ کوئی ایسا عذر پیش نہ کر سکا جو قابلِ قبول و سماعت ہوتا ۔ مجبوراً مہابت خان نے اُسے قتل کر دیا اور اس کے باپ اور بھائی کو قید کر دیا ۔

شجاعت خان عرب کی وفات :

یکم خورداد ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۴ع) کو اطلاع ملی کہ شجاعت خان عرب نے صوبۂ دکن میں اجل طبعی سے وفات پائی ۔

شاہجہان کا اوڑیسہ میں ورود :

اسی اثنا میں ابراہیم خان فتح جنگ کی عرضداشت پہنچی جس میں لکھا تھا کہ بے دولت اوڑیسہ میں داخل ہو گیا ہے ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اوڑیسہ اور دکن کی سرحد کے درمیان ایک قلعہ[۱] واقع ہے ، جس کے ایک طرف بلند پہاڑ ہے اور دوسری طرف دلدل اور دریا ہے ۔ حاکم گولکنڈہ نے اس کی در بندی اور حصار کرکے توپوں اور بندوقوں

۱۔ تلنگانہ اور اُڑیسہ کے درمیان ایک دیوار ہے جس کو چھتر دیوار کہتے ہیں جو موضع کھیر بارہ سے دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے ۔ یہاں گولکنڈے کے افسر منصور خان نے ایک قلعہ بنایا تھا اور قلعے کا نام منصور گڑھ رکھا تھا ۔ (رک : بیورج ، ۲ : ص ۲۶۸) ۔

سے اس قلعے کو اس درجہ مضبوط اور مستحکم کر رکھا ہے کہ بغیر اجازت قطب الملک کے لوگوں کا اس سے گزرنا ممکن نہیں ۔ بے دولت ، قطب الملک کی رہنمائی اور اس کے محافظ دستے کے ساتھ اسی راستے سے اوڑیسہ میں داخل ہو گیا ۔ اتفاق سے اس وقت ابراہیم خاں کا بھتیجا احمد بیگ خاں ، گڑھ[1] کے زمینداروں کی سرکوبی کے لیے گیا ہوا تھا ۔ چونکہ اُسے سابقہ واقعات اور حالات معلوم نہ تھے اس لیے وہ بے دولت کے آنے کی خبر سے نہایت حیران و پریشان ہوگیا اور مجبوراً مقابلے کو چھوڑ کر موضع بلبلی[2] میں ، جو اوڑیسہ کی راج دھانی ہے ، آیا ، اور وہاں سے اپنے اہل و عیال کو لے کر کٹک چلا گیا ، جو بلبلی سے بارہ کوس کے فاصلے پر جانب بنگال واقع ہے ۔ چونکہ وقت تنگ تھا اور لشکر فراہم کرنے کا موقع نہ تھا ، اور حالات ایسے ناسازگار تھے کہ وہ بے دولت سے جنگ کرنے کے قابل نہ تھا اور اس کے ساتھ لوگ بھی اتنے نہ تھے جو اس جنگ کے لیے کافی ہو سکتے ، اس لیے وہ کٹک سے بھی نکل کر بردوان چلا گیا ، جہاں آصف خاں مرحوم کا بھتیجا[3] صالح جاگیردار تھا ۔ پہلے تو صالح کو حیرت ہوئی اور اس کو یقین نہیں آتا تھا کہ وہاں بے دولت آ گیا ہے ، یہاں تک کہ اس کو لعنت اللہ کا ایک خط ملا جو اس کو بے دولت کی طرف مائل کرنے کے لیے لکھا گیا تھا ۔ صالح اس خط کے ملتے ہی قلعۂ بردوان کو مستحکم کر کے بیٹھ گیا ۔

ابراہیم خاں (صوبیدار اوڑیسہ) بھی بے دولت کی آمد کی وحشت اثر خبر سن کر حیرت زدہ ہو گیا ۔ اگرچہ اس کے لشکری اور مددگار مختلف شہروں میں منتشر اور بکھرے ہوئے تھے ، لیکن اس کے باوجود اس نے عزم و ہمت کے

۱- یہ موضع کبھروا ہے ۔ (رک : بیورج ۲ : ص ۲۹۸) ۔

۲- یہ موضع پپلی ہے ۔ یہی نام مآثرالامرا اور اقبال نامہ میں درج ہے ۔ یہاں سے کٹک بہ سمت بنگالہ ۱۲ کوس کے فاصلے پر واقع ہے ۔ (رک : بیورج ۲ : ص ۲۹۸) ۔

۳- آصف خاں کے بھائی کا نام صالح تھا ۔ اسی کا بیٹا مرزا صفی خاں تھا ، اس لیے یہاں بھتیجے کی جگہ بھائی ہونا چاہیے ۔

ساتھ اکبر نگر میں قلعے کو مضبوط و مستحکم اور سپاہ کو جمع کرنا شروع کر دیا ، اور ادھر سرداران فوج کی حوصلہ افزائی کی اور جنگ کا ساز و سامان اور آلات حرب مہیا کر لیے ۔

اسی زمانے میں بے دولت کا خط اس کی خاص علامت کے ساتھ پہنچا ۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ تقدیر الٰہی اور آسمانی نوشتے کے مطابق ، جو مجھے پیش نہیں آنا چاہیے تھا ، پردۂ غیب سے ظہور پذیر ہو گیا ہے ۔ گردش زمانہ اور فلک ناہنجار نے مجھے اس طرف کھڑا کر دیا ہے ۔ اگرچہ میری نظر بلند ہمت میں اس ملک کی کشادگی اور وسعت ایک جولان گاہ بلکہ پرکاہ سے زیادہ نہیں ہے ، تاہم میرا مقصد اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ و ارفع ہے ، لیکن جب میں اس سر زمین میں نکل آیا ہوں تو اس کو بغیر اقدام کے سرسری طور پر چھوڑ دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا ۔ [383] تاہم اگر وہ (ابراہیم خاں) بادشاہ کے دربار میں جانا چاہے تو چلا جائے ۔ اس کی عزت و ناموس اور اس کے خاندان پر ہاتھ نہیں ڈالا جائے گا ۔ وہ اطمینان سے بادشاہ کی بارگاہ میں جا سکتا ہے اور اگر وہ یہاں رہنے میں اپنی مصلحت دیکھتا ہے تو وہ اس ملک کا جو بھی حصہ پسند کرے ، اسے عطا کیا جائے گا ۔

میرزا محمد هادی مولف دیباچه

کا

لکھا ہوا تکملہ

ابراہیم خاں نے اس کے جواب میں لکھا کہ حضرت شاہنشاہی نے یہ علاقہ بندے کے سپرد کیا ہے ۔ یہ امانت میرے سر اور جان کے ساتھ وابستہ ہے[1] ۔

شاہجہان کے ہاتھوں قلعۂ بردوان کی تسخیر :

جب شاہجہان بردوان پہنچا تو صالح قلعے کو مستحکم کر کے قلعہ بند ہو کر جنگ کے لیے تیار ہو گیا ۔ عبداللہ خاں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا ۔ جب محاصرے کی وجہ سے اہل قلعہ کو سختیوں اور دشواریوں کا سامنا ہوا اور کسی طرف سے مدد اور نجات کی توقع باقی نہ رہی ، تو صالح مجبوراً قلعے سے باہر نکلا اور عبداللہ خاں سے ملاقات کی ۔ عبداللہ خاں نے قلعے پر قبضہ کر لیا اور قلعے کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد صالح کو شاہجہان کے سامنے پیش کر دیا ۔

بردوان کے فتح کر لینے کے بعد شاہجہان اور عبداللہ خاں نے اکبر نگر کی طرف توجہ کی ۔

ابراہیم خاں نے پہلے یہ ارادہ کیا کہ قلعۂ اکبر نگر کو مستحکم کر کے قلعہ داری کی ضروری محافظتی تدبیریں اختیار کرے چونکہ قلعہ اکبر نگر بڑا تھا اور اس کے پاس اس قدر جمعیت نہ تھی جو اس قلعے کی حفاظت کر سکتی اس لیے وہ اپنا ارادہ ملتوی کر کے اپنے بیٹے کے مقبرے میں ، جس کا حصار نہایت مضبوط تھا ، قلعہ بند ہو گیا ۔ اس وقت وہ اُمرا جو اطراف و جوانب میں مقیم تھے ، اس کے ساتھ آ کر مل گئے ۔ شاہجہاں کا لشکر مقبرے کا محاصرہ کرنے لگا اور خود

۱- اقبال نامۂ جہانگیری میں ابراہیم خاں کا مفصل جواب درج ہے ۔ اس نے جواب میں لکھا کہ میرا سر ہے اور یہ ملک ، جب تک جان ہے ، میں اس امانت کی حفاظت کی کوشش کرتا رہوں گا ۔ اور عمر گزشتہ کی خوبیاں معلوم ، اب حیات مستعار کتنی باقی ہے ، بجز اس کے کوئی ارمان اور آرزو دل میں باقی نہیں کہ حقوق تربیت ادا کروں اور راہ وفا میں جان نثار کر کے شہادت کی سعادت سے حیات جاوید حاصل کروں ۔ (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد ، ص ۲۳۷–۲۳۸) ۔

شاہجہاں قلعۂ اکبر نگر میں اترا . اب اندر اور باہر سے آتش جنگ بھڑکنا شروع ہوئی . اس وقت احمد بیگ ، ابراہیم خاں کے پاس حصار کے اندر آ گیا . اس کے آنے سے لوگوں کے دلوں کو قوت اور استقامت حاصل ہوئی .

چونکہ احمد بیگ اور ابراہیم خاں کے اکثر ساتھیوں کے اہل و عیال دریا کے اُس طرف تھے اس لیے عبداللہ خاں نے دریا خاں کو ایک جمعیت کے ساتھ دریا پار کرکے اُس طرف روانہ کر دیا . ابراہیم خاں اس خبر کو سنتے ہی احمد بیگ خاں کو ہمراہ لےکر دریا کے اُس پار پہنچ گیا اور قلعے کی حفاظت کے لیے اپنے قابل اعتماد افسروں کو چھوڑ گیا اور اپنی روانگی سے پہلے اس نے اپنی جنگی کشتیوں کو ، جنھیں اہل ہند نواڑہ کہتے ہیں ، اس طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ سر راہ وہ دریا خاں کی فوج کو روک کر دریا کو عبور نہ کرنے دیں .

اتفاقاً نواڑہ پہنچنے سے پہلے دریا خاں دریا کو عبور کر چکا تھا . ابراہیم خاں نے یہ معلوم کر کے احمد بیگ کو اس سے جنگ کے لیے روانہ کر دیا . دریا کے کنارے دونوں لشکروں کے درمیان جنگ واقع ہوئی اور طرفین سے بہت سے آدمی مارے گئے . احمد بیگ خاں بھاگ کر ابراہیم خاں سے آ ملا اور اس کو دشمن کے غلبے اور تسلط کی خبر کر دی . ابراہیم خاں نے ادھر مقبرے کی طرف اپنے آدمی دوڑائے اور ان کے ذریعے اس فوج کے بعض تجربہ کار افسروں کو طلب کیا جو مقبرے کی چار دیواری میں قلعہ بند تھے ، اور کہلایا کہ یہ مدد کا وقت ہے جلد آئیں . چنانچہ جوانوں کا ایک گروہ نہایت عجلت کے ساتھ ابراہیم خاں کے پاس پہنچ گیا .

دریا خاں کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ چند کوس پیچھے ہٹ گیا . چونکہ تمام کشتیاں ابراہیم خاں کے قبضے میں تھیں ، اس لیے شاہجہاں کے لشکر کا دریائے گنگا سے بغیر کشتی کے عبور کرنا ممکن نہ دکھائی دیتا تھا . اسی اثنا میں راجا بلبہ نامی ایک زمیندار شاہجہاں کے پاس پہنچ گیا اور کہا کہ اگر آپ ایک فوج میرے ہمراہ کر دیں ، تو میں دریا کے بالائی خطّے میں ، جہاں میری ریاست ہے ، کچھ کشتیوں کو فراہم کر کے [384] آپ کی فوجوں کو دریا سے عبور کرا دوں گا .

شاہجہاں نے عبداللہ خاں کو ایک ہزار پانسو سواروں کے ساتھ آگے بڑھایا تاکہ راجا بلبہ کی راہنمائی میں دریا کو عبور کر کے ابراہیم خاں پر حملہ کرے . چنانچہ وہ فوج کے ساتھ راجا بلبہ کی راہنمائی میں روانہ ہوا اور تیزی سے دریا کو

عبور کر کے دریا خاں سے جا ملا۔

جب یہ خبر ابراہیم خاں کو ملی تو وہ پریشان ہو کر جنگ کے لیے آگے بڑھا اور نور اللہ نامی سید زادے کو، جو اس صوبے کے تجویزی منصب داروں میں تھا، ہزار سواروں کے ساتھ اپنے لشکر کا ہراول بنا دیا، اور احمد بیگ خاں کو ہزار سواروں کے ساتھ طرح[1] کا سردار مقرر کر دیا، اور خود قلب لشکر میں کھڑا ہو گیا۔

ابراہیم خاں فتح جنگ کی شہادت:

دونوں لشکروں کی مٹ بھیڑ ہوئی اور جنگ عظیم برپا ہو گئی۔ عبداللہ خاں نے ہراول کی فوج پر حملہ کر کے نور اللہ کو پسپا کر دیا اور جنگ احمد بیگ تک پہنچ گئی۔ احمد بیگ نے جم کر مردانہ وار مقابلہ کیا اور شدید زخم کھائے۔ ابراہیم خاں یہ حال دیکھ کر تاب نہ لا سکا اور بےقرار ہو کر آگے بڑھا، اور زور دار حملہ کیا۔ عبداللہ خاں نے بھی ابراہیم خاں کی فوج پر حملہ کیا جس سے ابراہیم خاں کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور اس کی فوج پسپا ہونی شروع ہوئی اور سارے لشکر کا نظم درہم برہم ہو گیا۔ صرف ابراہیم خاں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ عزم و ہمت سے اپنی جگہ جا رہا۔ ہر چند اس کے ساتھی اُسے روکتے رہے، اور اسے اس معرکے سے صحیح و سالم نکالنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوا اور اس نے کہا کہ میدانِ جنگ سے بھاگنا ہمت و مردانگی کی شان کے خلاف ہے۔ اس سے بہتر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ میں بادشاہ کی خدمت سر انجام دیتے ہوئے جان نثار کروں۔ ابھی وہ یہ بات پوری بھی نہ کہہ سکا تھا کہ عبداللہ خاں کے لشکری اس پر ٹوٹ پڑے اور کاری زخم لگا کر اس کا کام تمام کر دیا، اور عبداللہ خاں کے ایک ملازم نظر بیگ نے جس کے ہاتھ سے ابراہیم خاں قتل ہوا تھا، اس کا سر کاٹ کر شاہجہاں کے پاس بھجوا دیا۔

وہ لشکر جو مقبرے میں محصور تھا، جب اُسے ابراہیم خاں کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ ہمت ہار گیا۔ اس وقت رومی خاں نے اُس نقب کو جسے وہ

۱۔ طرح: لشکر کے تین عقبی حصوں میں سے ایک حصے کا نام۔

مقبرے کی دیوار تک پہنچا چکا تھا، نقب لگا کر آگ لگا دی، جس کی وجہ سے حصار کی چالیس گز دیوار منہدم ہو گئی اور حصار فتح ہو گیا۔ محصورین نے بھاگتے ہوئے اپنے آپ کو دریا میں گرا دیا۔ اگر اتفاق سے کسی کے ہاتھ کوئی کشتی آ جاتی تھی تو بھاگنے والے اس کشتی پر اس قدر ہجوم کرتے تھے کہ وہ غرق ہو جاتی تھی۔ اور جن لوگوں کے اہل و عیال گرفتار ہو گئے تھے، وہ بری طرح پھنس گئے۔ وہ مجبوراً شاہجہاں کے لشکر میں شامل ہوتے جاتے تھے۔

میرک جلائر جو صوبہ اوڑیسہ کے اعلیٰ عہدہ داروں میں تھا، وہ شاہجہاں کے لشکریوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔

اس جنگ میں شاہجہاں کے ہمراہیوں میں سے عابد خاں دیوان، شریف خان بخشی، سید عبدالسلام بارھہ، حسن بیگ بدخشی اور چند دوسرے لوگ مارے گئے۔

شاہجہاں کا ابراہیم خاں کے چالیس لاکھ روپوں پر تصرف :

جب احمد بیگ خاں اس صوبے کے منصب داروں کی ایک جماعت کے ساتھ میدان جنگ سے نکلا، تو وہ بنگال کے دارالصوبہ ڈھاکا چلا گیا، جہاں ابراہیم خاں کے اہل و عیال اور اس کے مال و دولت کے اندوختے موجود تھے۔ شاہجہاں بھی اس کے تعاقب میں اس طرف روانہ ہوا۔ جب شاہجہاں ڈھاکا پہنچا، تو یہاں احمد بیگ خاں مجبور ہو کر دوسرے لوگوں کے ساتھ شاہجہاں کے پاس حاضر ہوا اور شاہجہاں نے ابراہیم خاں کے مال میں سے چالیس لاکھ روپے اور میرک جلایر کے مال میں سے پانچ لاکھ روپے اینٹھ لیے۔ اس کے علاوہ پانسو ہاتھی اور چار سو گوٹ گھوڑے، جو اس علاقے میں پائے جاتے ہیں، اُسے مال غنیمت میں ملے، اور انواع و اقسام کے کپڑے اور دوسری اشیا بھی بڑی مقدار میں اس کے ہاتھ لگیں۔ اس کے علاوہ جنگی کشتیاں اور توپ خانہ جو جلیل القدر بادشاہوں کے شایانِ شان ہے، اس کے ہاتھ لگا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم :

شاہجہاں نے عبداللہ خاں کو تین لاکھ روپے، راجا بھیم کو دو لاکھ، داراب خاں کو ایک لاکھ، دریا خاں کو ایک لاکھ، وزیر خاں کو پچاس ہزار، شجاعت خاں کو پچاس ہزار، محمد تقی کو پچاس ہزار [385] اور بیرم بیگ

کو پچاس ہزار روپے دیے ۔ اور اسی طرح دوسرے لوگوں کو بھی ان کی حیثیت اور مرتبے کے مطابق نوازا ۔

داراب خان کا صوبیداریِ بنگال پر تقرر :

جب شاہجہاں صوبۂ بنگال کے قبضے اور وہاں کے نظم و نسق سے مطمئن ہوگیا ، تو اس نے داراب خان ولد خانخاناں کو ، جو ابھی تک مقید تھا ، قید سے نکال کر اور اُسے حلف وفاداری دے کر بنگال کی صوبیداری سپرد کی ، اور اس کی ایک لڑکی اور ایک بیٹے شاہنواز کو بطور یرغمال اپنے پاس رکھا اور ملک بہار کی تسخیر کے لیے روانہ ہوگیا ۔

راجا بھیم ولد رانا کو ، جو اس کی انتہائی پریشانی کے عالم میں بھی اس سے جدا نہ ہوا تھا ، ایک فوج کے ساتھ بطور ہراول پٹنہ کی طرف پہلے روانہ کر دیا ، اور خود عبداللہ خان اور دوسرے ملازمین شاہی کے ساتھ اُس کے پیچھے روانہ ہوا ۔

صوبۂ پٹنہ شاہزادہ پرویز کی جاگیر میں تھا اور اُس نے اپنے دیوان مخلص خان کو وہاں کی حکومت اور حفاظت کے لیے مقرر کر رکھا تھا ۔ اللہ یار (۳) ولد افتخار خان اور بیرم خان کو وہاں کی فوج داری پر مقرر کیا تھا ، لیکن راجا بھیم کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ان کے قدم ہمت ڈگمگا گئے ، اور انھیں اتنی توفیق نہ ہوئی کہ وہ قلعہ پٹنہ کو مستحکم کر کے چند دن تک راجا بھیم کے لشکر کے پہنچنے تک قلعے کو مقفل رکھ سکتے ۔ وہ جلدی جلدی الہ آباد کی طرف چل دیے ، بھیم نے پٹنے میں پہنچ کر آسانی سے اس ملک پر قبضہ کر لیا ۔

چند روز کے بعد شاہجہاں ایک بڑی امدادی فوج کے ساتھ وہاں پہنچا ، تو صوبۂ بہار کے اکثر عہدہ دار اور جاگیر دار اس کے پاس آئے اور اس کے ساتھ شریک ہوگئے اور اطراف و جوانب سے بھی پانچ چھ ہزار سوار آ کر اس کے ملازم ہوگئے ۔

سید مبارک ، جو قلعۂ رہتاس کا قلعدار تھا ، اُس نے بھی یہ قلعہ اس کے سپرد کر دیا حالانکہ وہ قلعہ بہت مستحکم تھا اور سامان قلعداری بھی وافر تھا اوچینہ کے زمیندار اور اس صوبے کے دوسرے زمیندار بھی شاہجہاں کی رفاقت کے ارادے سے اُس کے پاس پہنچ گئے ۔

پٹنے کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد شاہجہاں نے عبداللہ خان اور راجا بھیم

کو بطور ہراول الہ آباد کی طرف بھیج دیا ، اور دریا خاں کو ایک فوج کے ساتھ مانک پور کی طرف روانہ کیا اور خود بھی ان کے پیچھے روانہ ہوا :

عبداللہ خاں کے ہاتھوں الہ آباد کا محاصرہ :

جب عبداللہ خاں جوسیہ[۱] کی گزرگاہ تک پہنچا تو جہانگیر قلی خاں ولد خان اعظم ، جو حکومت جون پور پر متعین تھا ، میرزا رستم کے پاس الہ آباد روانہ ہوا ، اور عبداللہ خاں اس کے پیچھے اس کے تعاقب میں چلا ، اور قصبہ جھوسی میں ، جو دریائے گنگا کے کنارے الہ آباد کے مقابل واقع ہے ، اتر پڑا . اور بھیم نے بھی الہ آباد سے پانچ کوس کے فاصلے پر پہنچ کر قیام کیا ، اور شاہجہاں جون پور پہنچ کر ٹھہرا . اس کے بعد عبداللہ خاں نے توپوں ، بندوقوں اور جنگی کشتیوں کے ساتھ دریا کو عبور کرکے الہ آباد کے قریب ٹھہر کر شہر کا محاصرہ کر لیا . ادھر میرزا رستم نے بھی قلعہ بند ہو کر جنگ کا جھنڈا بلند کر دیا ، اور قلعے کے اندر اور باہر تیروں کی سنساہٹ اور بندوقوں کی آواز سے موت کا پیام اور شور اجل بہادروں کے کانوں میں پڑنے لگا ، اور اس سرزمین میں ایک شورش عظیم برپا ہوگئی .

دکن کے حالات :

اب میں اس جنگ کے تفصیلی حالات لکھنے سے پہلے دکن کے حالات لکھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں .

اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ عنبر حبشی نے اپنے وکیل علی شیر کو مہابت خاں کے پاس بھیج کر نہایت انکسار اور فروتنی کا اظہار کیا تھا . اس کو اُمید یہ تھی کہ صوبۂ دکن کے اہم امور اس کے سپرد کیے جائیں گے . چونکہ اُس کے اور عادل خاں کے درمیان سخت اختلافات پیدا ہو گئے تھے ، اس لیے اُسے توقع تھی کہ وہ شاہی اُمرا کی مدد سے عادل خاں پر غلبہ حاصل کر لے گا .

اسی طرح عادل خاں بھی اس کے دفعِ شر کے لیے اس فکر میں تھا

۱- اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام جوسا ہے . (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، مطبوعہ الہ آباد ، ص ۲۴۲) -

کہ صوبۂ دکن کے اہم امور اس کے حوالے کر دیے جائیں ۔ آخر عادل خان کا جادو چل گیا اور مہابت خان نے عنبر سے ہاتھ اٹھا لیا اور عادل خان کی تائید کرنے لگا ۔

مہابت خان کی مُلّا محمد لاری پر عنایات :

جب مُلّا محمد لاری [386] وکیل عادل خان برہانپور آنے لگا تو اس کو عنبر کی طرف سے مزاحمت کا ڈر ہوا کیونکہ عنبر کا علاقہ اس کے راستے میں حائل تھا ۔ اس لیے مہابت خان نے فوج کا ایک دستہ بالا گھاٹ پر متعین کر دیا کہ وہ مُلّا محمد کو ہمراہ لے کر اسے برہان پور پہنچائے ۔ عنبر اس خبر کے سنتے ہی نہایت متردد و پریشان ہوا اور نظام الملک کے ساتھ شہر کھڑکی سے نکل کر قندھار[1] کی طرف چل دیا جو ولایت گولکنڈہ کی سرحد پر واقع ہے ۔ اُس نے اپنے بیٹوں کو اسباب و سامان کے ساتھ قلعہ دولت آباد میں چھوڑ کر کھڑکی کو خالی کر دیا اور مشہور کیا کہ میں قطب الملک کی سرحد میں اپنی مقررہ رقم وصول کرنے جاتا ہوں ۔

جب مُلّا محمد لاری برہان پور میں پہنچا ، تو مہابت خان نے شاہ پور تک اس کا استقبال کیا ، اور نہایت گرم جوشی اور مدارات سے پیش آیا ، اور وہاں سے دونوں شاہزادہ پرویز کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اس موقع پر مہابت خان نے سر بلند رائے کو شہر برہان پور کی حکومت اور حفاظت پر مقرر کرکے جادو رائے اور اوذے رام کو اس کی امداد کے لیے مقرر کر دیا ، اور جادو رائے کے بڑے بیٹے اور دوسرے بھائی کو احتیاطاً بطور یرغمال اپنے ساتھ لیا ۔

جب مُلّا محمد شاہزادہ پرویز سے ملا تو طے پایا کہ مُلّا پانچ ہزار سواروں کے ساتھ برہان پور میں ٹھہرے اور سر بلند رائے کے تعاون سے احکام کا نفاذ اور ضروری نظم و نسق انجام دے ، اور اس کا بیٹا امین الدین ہزار سواروں کے ساتھ شاہزادہ پرویز کی خدمت میں حاضر ہو ۔ اس قرار داد کے بعد پرویز نے مُلّا محمد لاری کو شمشیر مرصع ، گھوڑا اور ہاتھی عنایت کرکے رخصت کیا ، اور اس کے

۱۔ قندھار : دکن کے ضلع ناندیر میں واقع ہے ۔ دونوں کے درمیان پچیس میل کا فاصلہ ہے ۔

بیٹے محمد امین کو بھی خلعت ، گھوڑا ، ہاتھی اور پچاس ہزار روپے بطور مدد خرچ کے عنایت کیے اور محمد امین کو اپنے ساتھ لے لیا ۔

مہابت خان نے بھی اپنی جانب سے ایک سو دس گھوڑے ، دو ہاتھی اور ستر ہزار روپے نقد اور ایک سو دس خوان مختلف اشیا کے ملا محمد ، اس کے بیٹے اور اس کے داماد کو عنایت کیے ۔

شہنشاہ جہانگیر کا کشمیر میں ورود :

۱۹ خورداد ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۴ع) کو حضرت شہنشاہی نے کشمیر میں نزول اجلال فرمایا ۔ اعتقاد خان نے کشمیر کے تحائف ، جو اس مدت میں مہیا کیے تھے ، بطور پیش کش نذر کیے ۔

اسی اثنا میں خبر ملی کہ نذر محمد خان کے سپہ سالار پلنگ پوس اوزبک[۱] نے حوالی کابل و غزنی کو تاخت و تاراج کرنے کا منصوبہ باندھا ہے اور خان زاد خان ولد مہابت خان ان امرا کے ساتھ ، جو اس کی کمک پر مقرر ہیں ، شہر سے نکل کر اس کی مدافعت کر رہا ہے ۔ اس اطلاع کے ملتے ہی شہنشاہ نے غازی بیگ کو ، جو مقرب خدمت‌گاروں میں سے تھا ، ڈاک چوکی کے ذریعے سے روانہ کیا کہ حقیقت حال کا مشاہدہ کرکے صحیح خبر لائے ۔

عبدالعزیز حاکم قندھار کی جلاوطنی اور اس کا قتل :

اس زمانے کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب عبدالعزیز خان نے قلعۂ قندھار کو کمک نہ پہنچنے کی وجہ سے شاہ عباس کے حوالے کر دیا ، اور اس بات سے حضرت شہنشاہی کو بہت رنج ہوا تو اسے سیدو نامی منصب دار کے حوالے کرکے حکم دیا کہ اسے بندر سورت سے کشتی میں بٹھا کر مکۂ معظمہ روانہ کر دے ۔ بعد میں سیدو کو فرمان ملا کہ اس کو قتل کر دے ۔ وہ بیچارہ راستے میں قتل کر دیا گیا ۔ خواجہ عبدالعزیز میں خندہ پیشانی ، خوش مزاجی اور سادگی کے اوصاف پائے جاتے تھے ۔ خدا تعالیٰ اس کو مغفرت کرے ۔

۱- اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام یلنگتوش درج ہے ۔ (رک: اقبال نامۂ جہانگیری ، ص ۲۲۴) ۔

آرام بانو بیگم کی وفات :

۲ ماہ تیر ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۴ع) کو حضرت شہنشاہی (جہانگیر) کی ہمشیرہ آرام بانو بیگم نے مرض اسہال میں وفات پائی ۔ حضرت عرش آشیانی اس عفت مآب خاتون سے نہایت محبت رکھتے تھے ، چالیس سال پہلے انھوں نے اس دنیا میں قدم رکھا تھا اور چالیس سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئیں ۔

خان زاد خاں کی فتح :

اسی تاریخ غازی بیگ کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ پلنگ پوس نے موضع صوار[1] میں ، جو مضافات غزنین میں واقع ہے ، ایک قلعہ تعمیر کر لیا ہے اور اپنے بھانجے کو ایک فوج کے ساتھ وہاں متعین کر دیا ہے ، تا کہ ہزارہ قبائل کو ، جن کی آبادی حدود غزنین میں واقع ہے ، اپنے زیر نگین کرے ۔ یہ قبائل قدیم زمانے سے غزنین خان کی جاگیر میں مالگزاری ادا کرتے تھے ۔ [387] ہزارہ قبائل کے سرداروں نے خان زاد خاں کے پاس آ کر فریاد کی ہے کہ ہم قدیم زمانے سے حاکم کابل کی رعیت اور مالگزار ہیں ؛ اب پلنگ پوس چاہتا ہے کہ ظلم اور زبردستی سے ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے ۔ اگر آپ اُس کا شر و فساد دفع کریں اور اس کے ظلم سے ہم کو بچا لیں تو ہم بدستور سابق آپ کی رعیت اور فرمانبردار رہیں گے ، ورنہ ہمیں مجبوراً اوزبکوں کے ظلم و ستم سے بچنے کے لیے پلنگ پوس کی حمایت میں جانا پڑے گا ۔ خان زاد خاں نے ایک فوج ہزارہ قبائل کی مدد کے لیے روانہ کردی ۔ پلنگ پوس کے بھانجے نے اس فوج کا مقابلہ کیا ۔ ان جھڑپوں میں بہت سے اوزبک مارے گئے ، اور فاتح سپاہ اس قلعے کو زمین کے برابر کرکے فاتح اور اور کامیاب واپس ہوئی ۔

پلنگ پوس کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو اس کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور اپنی خفت مٹانے کے لیے اس نے امام قلی خان فرمانروائے توران کے بھائی نذر محمد خان سے التجا کی کہ وہ سرحد کابل پر یورش کرکے اُسے اس خفت سے نکالے ۔ پہلے نذر محمد خاں ، اس کے اتالیق اور اس کے لشکر کے بڑے سرداروں نے

---

[1] ۔ اقبال نامہٗ جہانگیری میں یہ نام چتور لکھا گیا ہے ۔ (رک : اقبال نامہٗ جہانگیری ، ص ۲۳۵ ، مطبوعہ الہ آباد) ۔

اس بے باکانہ تجویز کی مخالفت کی تھی ، لیکن پلنگ پوش نے بہت اصرار اور مبالغے کے بعد اس کی اجازت حاصل کرکے دس ہزار اوزبک اور الانچی سواروں کے ساتھ غزنین کی طرف رخ کیا ۔

خان زاد خاں کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو اس نے تمام تھانجات کے لوگوں کو طلب کر لیا، اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ اور شاہی لشکر کے تمام جاں نثاروں اور بہادروں نے یک دل و یک جان ہو کر جنگ کا فیصلہ کیا ۔

مختصر یہ کہ شاہی لشکر کے بہادروں نے موضع شیر گڑھ[۱] میں ، جو غزنین سے دس کوس کے فاصلے پر واقع ہے ، لشکر کو آراستہ کیا اور وہاں فوجوں کو ترتیب دے کر زرہ و بکتر پہن لیے ، اور تنظیم و ترتیب کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کیا ۔

خان زاد خاں اپنے باپ کے منصب داروں کے ایک دستے کے ساتھ قلب لشکر میں ثابت قدمی کے ساتھ کھڑا ہوا اور مبارز خاں افغان ، انیراے سنگھ دلن ، سید حاجی اور بعض دوسرے دلاوروں کو فوج میں بطور ہراول مقرر کر دیا ، اور اسی طرح دائیں اور بائیں بازو کی فوج کو باقاعدہ مرتب کرکے خدائے تعالیٰ سے نصرت و فیروزی کی دعا کی ۔

چونکہ یہ خبر گشت لگا رہی تھی کہ اوزبکوں نے غزنیں سے تین کوس کے اندر لشکر گاہ بنائی ہے اس لیے دولت خواہوں کو خیال ہوتا تھا کہ دوسرے دن فریقین کا مقابلہ ہو جائے گا ۔ اتفاق سے موضع شیر گڑھ سے تین کوس چلنے کے بعد اوزبکوں کے قراول نظر آئے ، جن سے شاہی لشکر کے قراولوں نے پوری ہمت کے ساتھ قدم بڑھا کر جنگ شروع کر دی ۔ ساتھ ہی شاہی لشکر کے دوسرے دستے ، جو توپوں اور جنگی ہاتھیوں سے آراستہ تھے ، مخالف لشکر پر توپ کے گولے اور بان برسانے لگے ۔

اتفاقاً پلنگ پوس ایک پشتے کے پیچھے علم لہرائے انتظار میں کھڑا تھا ، اور اس کا ارادہ یہ تھا کہ جب شاہی لشکر تھکا ماندہ اس راستے سے گزرے تو وہ

۱۔ اقبال نامۂ جہانگیری میں بجائے شیر گڑھ کے اس کا نام سرک دوہ مندرج ہے ، اور اس کا فاصلہ غزنین سے دو کوس بتایا گیا ہے ۔ (رک : اقبال نامۂ جہانگیری مطبوعہ الہ آباد ، ص ۲۴۶) ۔

کمین گاہ سے نکل کر اس پر حملہ کر دے گا ۔ مبارز خان نے ، جو شاہی فوج کے ہراول کا سردار تھا ، دشمن کو دیکھ کر ایک دستہ قراولوں کی کمک کے لیے روانہ کر دیا ۔ دشمن کے فوجی دستے نے بھی پلنگ پوس کے پاس آدمی دوڑائے اور شاہی فوجوں کے پہنچنے کی اطلاع کر دی ۔ ابھی شاہی لشکر کے لیے ایک کوس کا فاصلہ باقی تھا کہ دشمن کی فوج نمایاں نظر آنے لگی ۔ پلنگ پوس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ۔ ان میں سے ایک حصے کو شاہی لشکر کے ہراول کے مقابلے کے لیے آگے بڑھایا اور خود فوج کے دوسرے حصے کے ساتھ بندوق کی مار کے فاصلے پر کھڑا رہا ۔

چونکہ مخالف فوج کے ہراول کی تعداد شاہی فوج کے ہراول کی تعداد سے بہت زیادہ تھی اس لیے شاہی قلب لشکر ہراول کی مدد کے لیے آگے بڑھا ۔ پہلے بان ، زنبورک ، توپ اور بندوق سے کام لیا گیا ، پھر جنگی ہاتھی دوڑا کر نبرد آزمائی ہوئی ، اس کے بعد سخت جنگ شروع ہو گئی ۔ عین اس وقت پلنگ پوس[1] [388] اپنے ہراول کی مدد کے لیے پہنچ گیا ، لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا ۔ مخالف فوج کے قدم اکھڑ چکے تھے ، اور شاہی لشکر کے بہادر قید و قتل اور تاخت و تاراج میں حیرت انگیز قوت کا ثبوت دے رہے تھے ، یہاں تک کہ مخالف لشکر نے مزید جنگ کی تاب نہ لا کر میدان جنگ سے منہ موڑ لیا ۔ شاہی لشکر کے بہادروں نے قلعہ حماد[2] تک ان کا تعاقب کیا ، جو میدان جنگ سے چھ کوس

۱- پلنگ پوس : اقبال نامۂ جہانگیری میں ہے کہ (پلنگتوش) اصل میں یہ الہان قوم کا اوزبک ہے ۔ اس کا اصل نام خستی تھا ۔ ترک ، پلنگ برہنہ کو کہتے ہیں اور توش سینے کو ۔ چونکہ یہ ایک جنگ میں سینہ کھولے ہوئے لڑائی میں مصروف تھا ، اس دن سے عوام میں یلنگ توس کے نام سے مشہور ہوا ۔ نذر محمد خان حاکم بلخ کا نوکر تھا ، لوٹ مار اور قزاقی میں بہت مشہور تھا ۔ جب دوبارہ سرحد خراسان پر گیا تو شاہ ایران کا سرحدی علاقہ لوٹ لیا ؛ اور وہاں کا میر سرحد کمزوری کی وجہ سے ان حدود کی رعایا اور باشندوں کو اس کے فتنے سے نہ بچا سکا ۔ شاہ ایران نے اس کے ہاتھوں اتنا نقصان اٹھایا کہ عمر بھر کبھی نہ اٹھایا ہوگا (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد ، ص ۲۴۸) ۔

۲- حماد : اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام جاد ہے ۔ (رک : اقبال نامۂ جہانگیری مطبوعہ الہ آباد ، ص ۲۴۷) ۔

کے فاصلے پر تھا ، اور مارتے بھگاتے تقریباً تین سو اوزبک موت کے گھاٹ اتار دیے ۔ ہزار گھوڑے اور بہت سے ہتھیار، جو انھوں نے بوجھ کی وجہ سے راستے میں پھینک دیے تھے ، شاہی فوج کے ہاتھ لگے ۔ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک عظیم الشان فتح حاصل ہوئی جس کو فہرست فتوحات میں خاص درجہ دیا جا سکتا ہے ۔

جب اس فتح کی خبر حضرت شاہنشاہی کو ملی تو اس جنگ میں جن لوگوں نے نمایاں اور قابل قدر خدمات انجام دی تھیں ، ان میں سے ہر ایک کو ان کی حیثیت اور مرتبے کے مطابق اضافۂ منصب اور دوسری شاہانہ نوازشوں سے نوازا ۔

پلنگ پوس ، اوزبک قبیلے سے ہے ۔ اس کا یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ پلنگ ترکی میں برہنہ کو کہتے ہیں اور پوس سینے کو ۔ چونکہ یہ ایک جنگ میں سینہ کھولے ہوئے لڑائی میں مصروف تھا ، اس روز سے یہ لوگوں میں پلنگ پوس کے نام سے مشہور ہو گیا ۔ یہ اکثر اوقات غزنیں اور قندھار کے درمیانی علاقوں میں بسر کرتا تھا ۔ چونکہ اس نے خراسان پر متعدد بار سپاہیانہ تاخت و تاز کی ہے ، اس وجہ سے غالباً شاہ عباس اسے بہت اہمیت دیتا ہے ۔

خانخاناں کے غلام فہیم کا مارا جانا :

اسی اثنا میں حضرت شاہنشاہی کو فاضل خاں واقعہ نگار دکن کی عرضداشت ملی جس سے معلوم ہوا کہ مُلّا محمد لاری کے برہان پور پہنچنے اور صوبۂ دکن کے نظم و نسق سے مطمئن ہونے کے بعد شاہزادہ پرویز نے مہابت خاں اور دوسرے اُمرا کے ساتھ بہار اور بنگال کی جانب کوچ کیا ہے ، چونکہ خاطر اقدس خانخاناں کی نیرنگ سازی اور فتنہ پردازی سے مطمئن نہ تھی اور کچھ اس وجہ سے کہ اس کا بیٹا داراب شاہجہاں کی خدمت میں تھا لہذا شہنشاہ نے سلطنت کے وفاداروں کے مشورے سے خانخاناں کو نظر بند رکھنے کا فیصلہ کر لیا ، اور طے کیا کہ اس کے لیے شاہزادے کے دولت خانے کے قریب ایک خیمہ نصب کیا جائے ، اور اس کی بیٹی جاناں بیگم (۴) کو ، جو شاہزادہ دانیال (۵) مرحوم کے نکاح میں تھی اور مکاریوں اور چال بازیوں میں اپنے باپ کی شاگرد رشید تھی ، اس کے باپ کے ساتھ اس خیمے میں یکجا رکھا جائے اور چند معتمد لوگوں کو دروازے پر ان کی نگرانی کے لیے مقرر کیا جائے ۔

جب اس فیصلے کے مطابق اس کے مال و دولت پر قبضہ کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو اس کے ٹھکانے پر بھیجا گیا اور انہوں نے خانخاناں کو گرفتار کرنے کے بعد اس کے غلام فہیم (۶) کو گرفتار کرنا چاہا ، جو اس کے عمدہ اور قابل اعتماد ملازموں میں سے تھا اور بہت بہادر اور تجربہ کار بھی تھا ، تو اس نے بغیر لڑے بھڑے یوں ہی اپنے آپ کو دوسروں کے ہاتھوں میں دینا گوارہ نہ کیا ، اور عزم و ہمت کے ساتھ اپنے بیٹے اور چند دوسرے ملازموں کے ساتھ داد شجاعت و مردانگی دے کر عزت و آبرو پر جان فدا کردی۔

افضل خاں کی دربار شاہی میں حاضری :

ان ہی واقعات کے دوران شاہجہاں کا دیوان افضل خاں جو اس کی طرف سے بیجاپور میں ایلچی کی خدمت ادا کر رہا تھا ، شاہجہاں کے ہاں واپس جانے کے بجائے سیدھا دربار شاہی میں حاضر ہو گیا اور آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ، اور الطاف شاہانہ سے سرفراز ہوا ۔

شاہزادہ پرویز اور شاہجہاں کی جنگ :

اسی اثنا میں شاہزادہ پرویز اور شاہجہاں کی باہمی جنگ کی خبر حضرت شاہنشاہی تک پہنچی ۔

اس داستان کی تفصیل یہ ہے کہ سلطان پرویز اور مہابت خاں الہ آباد کے نزدیک پہنچے تو عبداللہ خاں قلعے کے محاصرے سے دست بردار ہو کر جھوسی کی طرف لوٹ گیا ، لیکن دریا خاں نے تمام کشتیاں دریا کے دوسرے کنارے پر لگوا کر اور تمام دریائی راستوں پر فوج متعین کر کے راستہ بند کر دیا ، جس کی وجہ سے شاہی لشکر کو چند دن تک ٹھہرنا پڑا ، اور شاہزادہ پرویز اور مہابت خاں نے بھی دریا کے کنارے لشکر آراستہ کر لیا ۔ ادھر دریا خاں بھی راستے کے روکنے کی انتہائی کوشش کرتا رہا ۔ جب شاہی لشکر کو دریا کے کنارے پڑے ہوئے کئی دن گزر گئے تو بیس کے زمینداروں نے ، جو اس علاقے میں ذی اثر سمجھے جاتے ہیں ، تیس کشتیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کر کے چند کوس کے فاصلے پر ایک گھاٹ سے شاہی لشکر کو اپنی راہنمائی میں دریا کو عبور کرا دیا ۔ جب دریا خاں کو اس کی اطلاع [389] ہوئی کہ شاہی لشکر جنگ کے لیے دریا کو عبور

کر چکا ہے ، تو اس کو وہاں ٹھہرنا خلاف مصلحت معلوم ہوا اور وہ مجبوراً جونپور کی طرف بھاگ گیا ، اور عبداللہ خاں اور راجا بھیم بھی شاہجہاں کے ساتھ جونپور روانہ ہو گئے ۔ یہاں شاہجہاں نے اپنے ہمراہیوں کے التماس پر اپنی حرم کو قلعۂ رہتاس میں بھیج دیا اور خود بنارس کی طرف روانہ ہوا ، اور عبداللہ خاں ، راجا بھیم اور دریا خاں اس کے لشکر سے جا ملے ۔ بنارس پہنچ کر اور دریائے گنگا کو عبور کر کے شاہجہاں دریائے لونس کے کنارے مقیم ہوا ۔ شاہزادہ پرویز اور مہابت خاں بھی اس سے جنگ کے لیے دمدمہ پہنچ گئے ۔

آقا محمد زماں طہرانی ایک جمعیت کے ساتھ اس جگہ متعین کیا گیا اور یہ دونوں بقیہ لشکر کے ساتھ دریائے گنگا کو عبور کر کے دریائے لونس کے عبور کی تیاریاں کرنے لگے ۔

ادھر بیرم بیگ (؟) مخاطب بہ خان دوران شاہجہاں کے حکم سے دریائے گنگا کو عبور کر کے آقا محمد زماں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا ۔ ادھر آقا محمد زماں جنگ کی تیاری کے لیے جھونسی کی طرف تیزی سے پلٹا اور چار روز کے بعد خان دوران بھی انتہائی غرور و تمکنت کے ساتھ جھونسی پہنچا ۔ آقا محمد زماں بھی اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا ، دونوں میں جنگ شروع ہو گئی ۔ اس لڑائی میں آقا محمد زماں نے بہادری اور شجاعت کے نمایاں جوہر دکھائے ۔ خان دوران ہزیمت اور فراری لشکر کے باوجود میدان جنگ میں ڈٹ کر تنہا ہر طرف سے شاہی لشکر پر حملے کرتا رہا اور بالآخر قتل ہو گیا ۔ اور اس کا سر کاٹ کر شاہزادہ پرویز کی خدمت میں بھیج دیا گیا جہاں اُسے نیزے پر چڑھا کر رکھا گیا ۔

رستم خاں ، جو سابق میں شاہجہاں کا ملازم تھا اور بھاگ کر شاہزادہ پرویز سے آ ملا تھا ، خان دوران کے قتل سے بہت خوش ہوا اور بول اٹھا کہ اچھا ہوا حرام خور قتل ہو گیا ۔ جہانگیر قلی خاں ولد اعظم خاں نے ، جو اس مجلس میں موجود تھا ، کہا کہ ایسے شخص کو حرام خور اور باغی نہیں کہا جا سکتا ۔ اس سے زیادہ نمک حلال کوئی نہیں ہو سکتا کہ جس نے اپنے آقا کے راستے میں جان فدا کر دی ، اور اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتا تھا ۔ دیکھو اب بھی اس کا سر تمام سروں سے بلند تر ہے ۔

مختصر یہ کہ خان دوران کے قتل سے شاہزادہ پرویز بہت خوش ہوا اور آقا محمد زماں کو اپنی نوازشوں سے نوازا ۔

اس واقعے کے بعد شاہجہاں نے اپنی فوج کے سرداروں سے مشورہ کیا ۔ اس کے اکثر بہی خواہوں خصوصاً راجا بھیم نے جنگ کرنے کی رائے دی ، لیکن عبداللہ خاں اس تجویز پر قطعاً راضی نہ تھا ۔ اس نے شاہجہاں سے عرض کیا کہ جب کہ شاہی لشکر تعداد میں ہمارے لشکر سے بہت زیادہ ہے ، اور شاہی لشکر کی تعداد تقریباً چالیس ہزار سوار ہے ، اور ہمارا لشکر قدیم اور جدید نوکروں کو ملا کر بھی سات ہزار سواروں سے زیادہ نہیں ہے ، مناسب یہ ہے اور مصلحت اسی میں ہے کہ ہم لشکر جہانگیری کو یہیں چھوڑ کر اودھ اور لکھنؤ کے راستے سے نواح دہلی پہنچ جائیں ۔ جب یہ لشکر ہمارے تعاقب میں دہلی کے قریب پہنچے تو ہم دکن کی طرف روانہ ہو جائیں ۔ مجبوراً شاہی لشکر اپنی کثرت اور ساز و سامان کے بھاری ہونے کی وجہ سے نقل و حرکت سے عاجز ہو جائے گا اور صلح کی درخواست کرے گا ۔ بالفرض اگر اس وقت صلح مناسب نہ ہو تو پھر وقت کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا جائے گا ۔

جنگ کا فیصلہ :۔

لیکن شاہجہاں نے شرم و غیرت اور ہمت و جرات کی وجہ سے عبداللہ خاں کے مشورے کو قبول نہیں کیا ، اور جنگ کا فیصلہ کر ہی لیا ، اور اس عزم کے بعد شاہجہاں سوار ہوکر فوج کی ترتیب اور صف بندی میں مشغول ہو گیا ۔ وہ خود قلب لشکر میں کھڑا ہو گیا ۔ عبداللہ خاں میمنہ پر اور نصرت خاں میسرہ پر ہراول میں راجا بھیم کھڑے کئے گئے ۔ دریا خاں کو افغانوں کے ایک گروہ کے ساتھ اس کے دائیں ہاتھ پر ، راجا نرسنگ دیو کے بیٹوں راجا بھار سنگھ وغیرہ کو اس کے بائیں ہاتھ پر متعین کیا ، اور التمش[1] پر شجاعت خاں اور شیر بہادر مخاطب بہ شیر خواجہ متعین ہوئے ۔ رومی خاں میر آتش کو توپخانے کے ساتھ آگے روانہ کیا ۔

اسی اثنا میں شاہزادہ پرویز اور مہابت خاں بھی اپنے لشکر کی صف بندی کر کے میدان کارزار میں اتر آئے ۔ شاہی لشکر کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ

۱۔ التمش : بالفتح وتائے فوقانی و نیز مفتوح و کسر میم و سکون ش معجمہ ، وہ فوج جو ہراول اور سردار کے درمیان ہوتی ہے ۔ (رک : فرہنگ اننداراج) ۔

انھوں نے تین طرف سے شاہجہان کے لشکر کو[390] گھیر لیا ۔ رومی خاں میر آتش توپ خانے کو آگے بڑھا کر جہاں تک ممکن تھا مسلسل گولے برساتا رہا ؛ لیکن عجیب اتفاق یہ تھا کہ کسی کے ایک گولہ نہیں لگا ، اور توپیں انتہائی گرم ہونے کی وجہ سے اپنا کام نہ کر سکیں ۔

جب توپ خانے سے شاہجہاں کی ہراول فوج کا فاصلہ بہت زیادہ ہو گیا ، اور شاہی لشکر توپ خانے کی طرف سے مطمئن ہو گیا ؛ تو انھوں نے توپ خانے کے لوگوں پر حملہ کر دیا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ توپچی حملے کی تاب نہ لا سکے اور شکست کھا کر بھاگ گئے ، اور شاہجہاں کا یہ توپ خانہ شاہی لشکر کے قبضے میں آ گیا ۔

یہ حالات دیکھ کر دریا خاں افغان، جو شاہجہاں کی ہراول فوج کے دائیں بازو پر تھا ، بغیر جنگ کے بھاگ کھڑا ہوا ۔ اس کے بھاگنے سے ہراول کے دائیں اور بائیں جانب کی فوج میں بھی بھگدڑ مچ گئی ۔

مجبوراً راجا بھیم مخالفین کی کثرت تعداد کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے چند قدیمی راجپوت لشکریوں کے ساتھ شاہی لشکر کے قلب میں گھس آیا ، اور شمشیر آبدار سے جنگ شروع کر دی ۔ جب اس کا جتاجوت نامی ہاتھی، جو آگے تھا، نیزوں اور بندوقوں سے زخمی ہو کر گر پڑا تو وہ بہادر اپنے چند جان نثار راجپوتوں کے ساتھ میدان جنگ میں جا رہا اور شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھانے لگا ؛ لیکن سلطان پرویز کے منتخب اور جنگ آزمودہ سپاہیوں نے ، جو سلطان پرویز اور مہابت خاں کے اردگرد کھڑے ہوئے تھے ؛ اس بہادر سپاہی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اپنی تلواروں سے اس کو خاک و خون میں لوٹا دیا ۔ جب تک اس میں رمق بھر بھی جان باقی رہی ، وہ آخری دم تک لڑتا رہا اور جان نثار کر دی ۔

بھیم راٹھور ، پرتھی راج اور اکھراج راٹھور اور چند دوسرے بہادر میدان جنگ میں زخمی ہوئے ۔

راجا بھیم کے مارے جانے اور شاہجہانی فوج کے ہراول کے درہم برہم ہونے کی وجہ سے شجاعت خاں نے بھی جو فوج کے حصۂ التمش پر متعین تھا ، شکست کھائی ، لیکن شیر خواجہ ، جو اس فوج کا سردار تھا ، اپنی جگہ پر جا رہا یہاں تک کہ لڑتے ہوئے مارا گیا ۔ ہراول اور التمش کے دستوں کے شکست کھانے اور

سامنے سے ہٹ جانے کے بعد شاہجہاں کے قلب لشکر سے شاہی لشکر کا مقابلہ ہوا ، نصرت خان ، جو میسرہ کا سردار تھا ، مقابلے کی تاب نہ لا کر طرح دے گیا . شاہجہاں جو قلب لشکر میں تھا اور عبداللہ خان جو میمنہ پر کھڑا تھا ، اپنی جمعیت کے ساتھ ، جن کی تعداد پانسو سے زیادہ نہ تھی ، اپنے قدم جمائے رہے اور اپنے جانبازوں کی ہمت بڑھاتے رہے ، یہاں تک کہ ان میں سے اکثر مارے گئے یا زخمی ہوئے اور شاہجہاں کو سوائے خالی ہاتھیوں ، علموں ، جھنڈوں ، اسلحہ خاصہ اور عبداللہ خاں کے ، جو دائیں جانب تھوڑے سے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا ، کچھ نظر نہ آتا تھا . اس وقت ایک تیر اس کی پیشانی پر آ کر لگا ، لیکن اللہ تعالی نے اس کی مقدس ذات کو آئندہ کسی مصلحت کی خاطر بچا لیا .

شیخ تاج الدین کے رخسار پر بھی ایک تیر لگا اور کان کی لو چھیدتا ہوا نکل گیا ، یہ خواجہ باقی باللہ(۸) قدس سرہ(۹) کے خلفا میں تھا اور اس جنگ میں شاہجہاں کے ساتھ شریک تھا . اس وقت شاہجہاں نے یوسف خان کو عبداللہ خان کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ صورت حال بہت نازک ہے . اس وقت حالات کے مد نظر مناسب یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ جو باقی رہ گئے ہیں ، خدا کے کرم پر بھروسا کر کے شاہی قلب لشکر پر حملہ کر دیں تاکہ تقدیر میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے ، ظہور پذیر ہو .

اس کے جواب میں عبداللہ خان نے نزدیک آ کر کہا کہ معاملہ اب اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ہماری تاخت و تاز سے کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوگا اور اس وقت ہاتھ پاؤں مارنا بالکل فضول و بیکار ہے . ہمارے سامنے سلاطین سلف کی یعنی امیر تیمور صاحبقران اور حضرت بابر بادشاہ اور دوسرے اولوالعزم بادشاہوں کی مثال ہے ، ان کو ابتدائی کوششوں میں بارہا اس قسم کی ناکامیوں سے دو چار ہونا پڑا ہے ، اور ایسے نازک موقعوں پر وہ ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لے کر میدان [391] جنگ سے پیچھے ہٹ گئے ، اور وقتی طور پر دشمن کو کچھ موقع دے دیا . اسی طریقے سے وہ دولت شاہی پر فائز ہوئے ہیں .

عبداللہ خان کی اس بات پر شاہجہاں کے جان نثاروں نے جو اس کے ساتھ تھے ، گستاخانہ اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اضطراب کے عالم میں اس کو میدان جنگ سے باہر کھینچ لے گئے .

اس کے بعد شاہی لشکر نے شاہجہاں کی لشکر گاہ میں پہنچ کر لوٹ مار

شروع کر دی ، اور اسی پر اکتفا کر کے شاہجہان کا تعاقب نہیں کیا ۔

شاہجہان نے یہاں سے کوچ کر کے قلعۂ رہتاس کے اوپر قیام کیا ، اور تین روز تک اس قلعے میں ٹھہرا رہا ۔ قلعہ داری کے انتظام سے مطمئن ہو کر سلطان مراد بخش کو جو ان ہی دنوں پیدا ہوا تھا ، اس کی دایاؤں اور آیاؤں کے ساتھ وہیں رکھ کر دوسرے شاہزادوں اور اہلِ حرم کے ساتھ پٹنے اور بہار کی طرف روانہ ہو گیا ۔

مہابت خاں کو خانخانان سپہ سالار کا خطاب :

جب اس فتح کی خبر حضرت شاہنشاہ جہانگیر کو ملی تو انھوں نے مہابت خاں کو خانخاناں سپہ سالار کے خطاب سے سر بلند کر کے ہفت ہزاری ذات و ہفت ہزار سوار دو اسپہ و سہ اسپہ سے سرفراز کیا ۔ اس کے علاوہ اسے تمن و توغ بھی عنایت کیا ۔

دکن کے مختصر حالات :

اب مختصر طور پر دکن کے واقعات لکھے جاتے ہیں ۔ جب ملک عنبر ، قطب الملک کی مملکت کی سرحد پر پہنچا تو اس نے مقررہ رقم کا قطب الملک سے مطالبہ کیا ، جو وہ ہر سال اس سے سپاہ کے خرچ کے لیے وصول کرتا تھا ، اور یہ رقم گزشتہ دو سال سے موقوف تھی ۔ اور وعدوں اور قسموں کے ساتھ پرانے معاہدے کی تجدید کی ۔ اور جب اس کو اس بات سے اطمینان ہو گیا تو ولایت بندر۱ کی سرحد پر پہنچ گیا ۔ عادل خاں کے لوگ جو اس ملک کی حفاظت و نگرانی پر مقرر تھے ، وہ نا اہل اور غافل تھے ۔ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس نے وہاں ہلّہ بول دیا اور بندر کو تاخت و تاراج کر دیا ۔ اس کے بعد وافر ساز و سامان اور لشکر کے ساتھ عادل خاں پر حملہ کرنے کے لیے تیزی سے بیجاپور کی طرف بڑھا ۔

چونکہ عادل خاں نے اپنے اکثر تجربہ کار لوگوں اور منتخب سرداروں کو مُلّا لاری کے ہمراہ برہان پور بھیج دیا تھا اور اس کے پاس اب اتنی فوج موجود نہ تھی جو کہ مدافعت کر سکے ، مصلحتِ وقت اور عزت و ناموس کی حفاظت کی

۱۔ ولایت بندر سے مراد گووا ہے جو عادل شاہی سلطنت میں شامل تھا ۔

خاطر وہ قلعۂ بیجا پور میں قلعہ بند ہو گیا اور قلعے کے بُرج اور فصیلوں کے مستحکم کرنے اور قلعہ داری کا ضروری انتظام کرنے لگا ۔ اور ایک آدمی مُلّا محمد لاری اور اس لشکر کو ، جو اس کے ساتھ تھا ، بلانے کے لیے برہان پور بھیجا ، اور صوبۂ مذکورہ کے شاہی حکام کو لکھا کہ میرا خلوص اور وفاداری ہر بہی خواہِ سلطنتِ شاہی پر ظاہر ہے ۔ میں اپنے آپ کو اس بارگاہ کا متوسل سمجھتا ہوں ۔ اس وقت جب کہ عنبر ناحق شناس نے میرے ساتھ ایسی گستاخی کی ہے ، میں توقع رکھتا ہوں کہ تمام بہی خواہانِ سلطنتِ شاہی ، جو اس صوبے میں موجود ہیں ، میری مدد کے لیے آئیں گے اور اس شورہ پشت کو نیچا دکھا کر اسے کیفرِ کردار تک پہنچائیں گے ۔

جس زمانے میں مہابت خاں شاہزادہ پرویز کے ساتھ الٰہ آباد گیا ہوا تھا ، تو اس نے سر بلند رائے کو برہان پور کی حکومت اور حفاظت پر مقرر کر کے اس کو سمجھا دیا تھا کہ وہ ہر کلی اور جزوی امر میں مُلّا محمد لاری سے مشورہ کر کے کام کرے ، خصوصاً دکن کی مہات میں اس کے مشورے سے بالکل انحراف نہ کرے ۔

جب یہاں مُلّا محمد لاری کو سخت ضرورت آ پڑی تو اس نے تین لاکھ ہون جس کے مبلغ بارہ لاکھ روپے ہوتے ہیں ، لشکر کے مدد خرچ کے لیے اس علاقے کے متصدیوں اور سربراہوں کی نذر کر دیے ۔

ادھر عادل خاں کا خط مدد کے لیے مہابت خاں کے نام بھی پہنچا ، جس پر مہابت خاں نے دکن کے حکام کو لکھا کہ وہ بغیر کسی تامل و توقف کے مُلّا محمد لاری کے ہمراہ فوراً عادل خاں کی مدد کے لیے پہنچ جائیں ۔

سربلند رائے کے لیے مجبوری تھی ۔ وہ چند اُمرا کے ساتھ برہان پور میں ٹھہرا رہا ، لیکن لشکر خاں ، میرزا منوچہر ، خنجر خاں حاکم احمد نگر ، جاں سپار خاں حاکم بیڑ ، رضوی خاں ، ترکمان خاں ، عقیدت خاں بخشی ، اسد خاں ، عزیز اللہ خاں ، جادو رائے (۱۰) [392] اودا جی رام (۱۱) اور تمام اُمرا اور منصبدار جو صوبۂ دکن میں متعین تھے ، مُلّا محمد لاری کے ساتھ عادل خاں کی امداد اور عنبر کے استیصال کے لیے فوراً روانہ ہو گئے ۔

جب عنبر کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے بھی بندگانِ درگاہ کو خطوط بھیجے کہ میں بارگاہِ شاہی کے غلاموں میں ہوں اور سگ درگاہ کے برابر ہوں ۔ مجھ سے کوئی بے ادبی سر زد نہیں ہوئی ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس گناہ اور کس

قصور کی پاداش میں میری تباہی اور استیصال کے لیے شاہی فوجیں آئی ہیں ، اور یہ فوجیں کیوں عادل خاں کے بلانے اور مُلا محمد لاری کی تحریک پر میرے سر پر آ دھمکی ہیں ۔ اس وقت مجھ میں اور عادل خاں میں جو مناقشہ ہے ، صرف اس ملک سے متعلق ہے جو زمانۂ ماضی میں نظام الملک کے زیر نگیں تھا ، اور اب عادل خاں اس پر قابض ہو گیا ہے ۔ اگر وہ شاہی بندوں میں ہے تو میں بھی شاہی غلاموں میں ہوں ۔ اسے اور مجھے اپنے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ جو کچھ اللہ کی مرضی ہو ، وہ ظاہر ہو جائے ۔ لیکن شاہی لشکر کے امرا نے اس کی التجا پر کوئی توجہ نہیں کی بلکہ وہ بیجاپور کی طرف برابر بڑھتے گئے ۔ جس قدر عنبر کی الحاح و زاری بڑھتی جاتی تھی ، اسی قدر شاہی فوج کے امرا اس کے ساتھ سختی کرتے تھے ۔ مجبوراً عنبر بیجا پور کے محاصرے سے ہاتھ اٹھا کر اپنے ملک کے حدود میں چلا گیا ۔ جب شاہی افواج قریب آ گئیں تو عنبر مسالمت اور دفع الوقتی میں دن گزارنے لگا اور کوشش کرتا رہا کہ ایک خاص موقع پر شاہی لشکر سے مڈبھیڑ ہو جائے ۔ لیکن مُلا محمد لاری شاہی امرا کے ساتھ اس کے تعاقب میں لگا رہا اور اسے دم لینے کا موقع نہیں دیا ، جس قدر بھی عنبر عاجزی اور مدارات کے طریقے اختیار کرتا تھا ، وہ اس کے اس رویے کو اس کی کمزوری اور بے سر و سامانی پر محمول کر کے سخت دباؤ ڈالنے لگے ۔

مُلا محمد کی عنبر سے جنگ اور وفات :

جب عنبر بے حد تنگ ہوگیا اور اسے پریشانی لاحق ہوئی تو ایک دن جب کہ شاہی لشکر اس ایقان کے ساتھ کہ عنبر جنگ نہیں کرے گا ، غفلت میں پڑا ہوا تھا ۔ عنبر کے مرہٹہ سپاہی دور سے اس طرح سے نکلتے ہوئے دکھائی دیے کہ گویا وہ جنگ سے بھاگ رہے ہیں ، اور اس طرح اس نے اچانک عادل خاں کی فوج پر حملہ کر دیا ، اور عادل خاں اور عنبر کی فوجوں میں سخت جنگ ہو گئی ۔ اتفاق یہ ہوا کہ مُلا محمد لاری ، جو عادل خاں کے لشکر کا سردار تھا ، مارا گیا ۔ اس کے مارے جانے کے بعد عادل خاں کے لشکر کا تمام نظام درہم برہم ہو گیا ۔ جادو رائے اور اوداجی رام نے بھی لڑنے کی جرأت نہ کی اور راہِ فرار اختیار کی ۔ اس طرح عنبر کو اچانک عظیم فتح حاصل ہوئی اور عادل خاں کے لشکر کو شکست فاش ہوئی ۔

عادل خاں کے لشکر کے سرداروں میں سے پچیس سردار، جن پر اس کی سلطنت کا دار و مدار تھا، گرفتار ہو گئے۔ ان ہی گرفتار شدہ لوگوں میں فرہاد خاں بھی تھا، جو عنبر کے خون کا پیاسا تھا۔ عنبر نے اسے تہ تیغ کر کے بقیہ کو قید کر دیا۔

امرائے شاہی میں سے لشکر خاں[۱]، میرزا منوچہر اور عقیدت خاں گرفتار ہوئے اور خنجر خاں بہت تیزی سے بھاگا اور احمد نگر پہنچ گیا، اور قلعے کو مستحکم کرنے لگا۔

جان سپار خاں بھی لوٹ کر بیڑ آیا جو اس کی جاگیر میں تھا، اور بیڑ کے قلعے کو مضبوط کرنے لگا۔ اور شاہی لشکر کے دوسرے لوگ جو اس گرداب ہلاکت سے جان بچا سکے، ان میں کچھ لوگ احمد نگر پہنچے اور کچھ لوگ برہان پور چلے گئے۔

جب عنبر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور اس کو ایسی فتح حاصل ہوئی جو اس کے تصور میں بھی نہ تھی تو اس نے اسیران جنگ کو پابہ زنجیر قلعۂ دولت آباد بھیج دیا کہ وہاں قید رکھے جائیں، اور خود احمد نگر پہنچ کر قلعۂ احمد نگر کا محاصرہ کر لیا، لیکن یہ قلعہ وہ انتہائی کوشش کے باوجود فتح نہ کر سکا۔ آخر ناکام ہو کر بیجاپور کا رخ کیا۔ عادل خاں پھر قلعہ بند ہو گیا، اور عنبر نے اس کے تمام ملک حتیٰ کہ بالا گھاٹ کے مغل علاقے پر قبضہ کر لیا اور ایک عظیم لشکر تیار کر کے قلعۂ شولاپور کا محاصرہ کر لیا جو ہمیشہ سے نظام الملک اور عادل خاں کے درمیان نزاعی مسئلہ بنا ہوا تھا۔ اور یاقوت خاں کو ایک بڑی فوج [393] کے ساتھ برہان پور روانہ کر دیا۔ ملک میدان توپ، دولت آباد سے شولاپور لائی گئی اور قلعے پر سخت حملہ کیا گیا یہاں تک یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ یہ وحشت اثر خبر سن کر حضرت شاہنشاہی نہایت برہم ہوئے۔

احسن اللہ کا کابل کی صوبیداری پر تقرر:

اسی اثنا میں نذر محمد خاں والی بلخ کا مکتوب حضرت شاہنشاہی کی نظر اقدس سے گزرا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

یہ نیازمند آپ کو اپنے والد اور ولی نعمت کی برابر سمجھتا ہے۔ پلنگ پوش

۱- لشکر خاں: ابوالحسن مشہدی۔ (رک: مآثر الامرا، ۳: ص ۱۶۳—۱۶۸)۔

اس خیر اندیش کی اجازت کے بغیر غزنیں پر حملہ کر کے اس گستاخی کا مرتکب ہوا ہے۔ الحمد للہ کہ اس کی خاطر خواہ تنبیہ و تادیب ہوگئی ہے ۔ لیکن چونکہ لشکر کابل اور سپاہ بلخ کے درمیان ایک قسم کی کشیدگی پیدا ہو چکی ہے ، لہٰذا یہ نیاز مند امیدوار ہے کہ خان زاد خاں کو حکومت کابل سے بدل کر اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو مامور کیا جائے ۔

چونکہ حاجت روائی ایک پسندیدہ طریقہ کار ہے ، اس لیے حضرت شاہنشاہی نے اس صوبے کی صوبیداری خواجہ ابوالحسن مدارالمہام کے سپرد کر دی اور اس کے بیٹے احسن اللہ کو اس کا قائم مقام بنا کر کابل کی حکومت اور حفاظت پر متعین کر دیا ۔ اور فرمان جاری ہوا کہ خواجہ کے پانچ ہزار سواروں کو ضابطے کے مطابق دواسپہ و سہ اسپہ تنخواہ جاری کی جائے ۔ اور احسن اللہ کو ہزار و پانصدی و ہشت صد سوار کے منصب پر فائز کر کے ظفر خاں (۱۲) کے خطاب اور عطائے علم سے مفتخر کیا گیا ۔ اس کے علاوہ علم ، خلعت ، تلوار ، مرصع خنجر اور ہاتھی عنایت ہوئے اور حکم جاری کیا گیا کہ خان زاد خاں بارگاہِ شاہی میں حاضر ہو جائے ۔

کشمیر سے لاہور واپسی :

چونکہ سرما کا موسم شروع ہو چکا تھا اور کشمیر کی لطافت ختم ہوگئی تھی لہٰذا ۲۵ ماہ شہر یور ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ء) کو شاہی سواری لاہور کی طرف روانہ ہوئی اور نیک ساعت میں لاہور پہنچی ۔

حضرت شاہنشاہی نے لاہور آنے کے بعد صادق خاں کو پنجاب کی صوبیداری سے ہٹا کر اس کی جگہ رکن السلطنت آصف خاں کو پنجاب کا صوبیدار مقرر کر دیا ۔

ہرن منارے میں ورود :

اسی زمانے میں حضرت شاہنشاہی نے ہرن منارہ جا کر ، جو خاص شاہی شکارگاہ ہے ، شکار کا لطف اُٹھایا ۔

اسی تاریخ میں خان زاد خاں نے کابل سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

مہابت خاں کی عرضداشت :

جب حضرت شاہنشاہی سیر و شکار سے جی بھر کر لطف اندوز ہو چکے تو دارالسلطنت لاہور واپس تشریف لائے ۔ واپس پہنچنے پر مہابت خاں کی عرضداشت ملی جس میں لکھا تھا کہ شاہجہاں پٹنہ و بہار سے گزر کر بنگال آ گیا ہے اور شاہزادہ پرویز فاتح شاہی لشکر کے ساتھ بہار پہنچ گیا ہے ۔

داراب خاں کی عہد شکنی :

گزشتہ اوراق میں لکھا جا چکا ہے کہ شاہجہاں نے داراب خاں ولد خانخاناں کو حلف دے کر بنگال کی حکومت اس کے سپرد کی تھی اور احتیاطاً اس کی بیوی ، ایک بچے اور ایک بھتیجے کو بطور یرغمال اپنے ساتھ رکھا تھا ۔ دریائے لواس پر شکست کھانے کے بعد وہاں سے روانہ ہوتے وقت اس نے ان کو قلعہ رہتاس میں چھوڑتے ہوئے داراب خاں کو لکھا کہ وہ گڑھی کے مقام پر اس کی خدمت میں حاضر ہو جائے ۔ داراب خاں بد طینت اور منافق تھا اور اس نے حالات کو دگر گوں دیکھ کر اپنے ذہن میں کچھ اور منصوبہ سوچ رکھا تھا اس لیے اس نے شاہجہاں کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ یہاں کے زمینداروں نے باہم اتفاق کر کے مجھے محصور کر دیا ہے ۔ میں اس وجہ سے آپ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکتا ۔

جب شاہجہاں داراب خاں کے آنے سے مایوس ہو گیا اور اس کے پاس وہ لوگ نہ رہے جو نازک موقعوں پر نمایاں خدمات انجام دے سکتے تھے تو مجبوراً اس نے پریشان ہو کر داراب خاں کے بیٹے کو عبداللہ خاں کے حوالے کر دیا اور کارخانجات و بیوتات کو ہمراہ لے کر جس راستے سے وہ دکن سے شاہی حدود سلطنت میں آیا تھا ، اسی راستے سے وہ دکن واپس چلا گیا ۔

داراب خاں کے بیٹے کا قتل :

چونکہ داراب خاں سے اس قسم کی ناشائستہ حرکت سرزد ہوئی تھی اور اس نے اپنی اس حرکت سے اپنے آپ کو مردود ازلی و ابدی ٹھہرایا تھا ، لہٰذا عبداللہ خاں نے اس کے جوان بیٹے کو قتل کرا دیا ۔

صوبۂ بنگال مہابت خان اور اُس کے بیٹے کی جاگیر میں :

ادھر شاہزادہ پرویز نے صوبۂ بنگال کو مہابت خان اور اس کے بیٹے کی جاگیر میں بطور تنخواہ دے دیا ، اور بہار سے واپس ہوتے ہوئے بنگال کے اُن زمینداروں کو ، جنھوں نے داراب خان کا محاصرہ کر رکھا تھا ، حکم دیا [394] کہ اُس سے کوئی تعرض نہ کریں اور محاصرہ اٹھا کر میری خدمت میں بھیج دیں ۔

داراب کا سر دربارِ شاہی میں :

جب داراب خان مہابت خان کے پاس آ گیا اور اس کی اطلاع حضرت شاہنشاہی کو ملی تو انھوں نے مہابت خان کے نام فرمان جاری کیا کہ تم نے اس بد بخت کے زندہ رکھنے میں کیا مصلحت دیکھی ہے ۔ اس بادیۂ ضلالت کے گمراہ کا سر کاٹ کر ہماری درگاہ عدالت پناہ میں روانہ کیا جائے ۔

مختصر یہ کہ مہابت خان نے بموجب فرمان شاہی اس کا سر تن سے جدا کر کے بارگاہ شاہی میں بھیج دیا (۱۳) ۔

اُسی زمانے میں حضرت شاہنشاہی نے خان زاد خان کو خاص خلعت ، مرصع خنجر ، پھول کٹارہ کے ساتھ خاص گھوڑا عنایت کیا ، اور بنگال کی صوبیداری پر مامور کر کے روانہ کر دیا ۔

اُسی زمانے میں عبدالرحیم خانخاناں کے نام فرمان شاہی جاری ہوا کہ دربار میں حاضر ہو جائے ۔

چونکہ دکن میں عظیم شورش برپا ہو گئی تھی اور اس کی وجہ سے شاہی لشکر کے سرداروں کی ایک جمعیت عنبر کے ہاتھوں گرفتار اور قلعۂ دولت آباد میں مقید تھی ، اور شاہجہان بھی بنگال سے دکن کی طرف جا چکا تھا ، مجبوراً شاہنشاہ جہانگیر نے مخلص خان کو حکم دیا کہ وہ فوراً شاہزادہ پرویز کے پاس پہنچ کر شاہزادے کو اُمرائے عظام کے ساتھ اپنی ہمراہی میں دکن لے جائے ۔

قاسم خان کا حکومتِ آگرہ پر تقرر :

اسی زمانے میں مقرب خان کے تبادلے کی وجہ سے قاسم خان کو آگرے کی حکومت و حفاظت پر مقرر کیا گیا ۔ اِسی تاریخ میں دکن کے بخشی اسد خان کی

عرضداشت برہان پور سے پہنچی جس میں لکھا تھا کہ یاقوت خان حبشی دس ہزار سواروں کے ساتھ ملکا پور تک پہنچ چکا ہے ، جو شہر سے بیس کوس کے فاصلے پر ہے اور سر بلند رائے اس کے مقابلے کے ارادے سے شہر سے باہر نکل گیا ہے ۔ اس عرضداشت کے جواب میں حضرت شاہنشاہ نے سربلند رائے کے نام فرمان جاری کیا اور تاکید کی کہ جب تک اس کی مدد کے لیے شاہی کمک نہ پہنچے ، محض حوصلے و عزم کے زور سے ہرگز جنگ میں جلدی نہ کرے ، بلکہ اس وقت برجوں ، دیواروں اور شہر کی فصیلوں کو مستحکم کر کے شہر میں قلعہ بند ہو جائے ۔

کشمیر کو روانگی :

وسط ماہ اسفندار ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کو سواری شاہانہ سابقہ دستور کے مطابق کشمیر کی جانب روانہ ہوئی[۱] ۔

اس سال کے آغاز میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں ، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ شاہجہاں کے ولایت دکن پہنچتے ہی عنبر نے اس کی بہت خدمت کی اور اس کی ہوا خواہی میں ایک لشکر یاقوت خان حبشی کی سرکردگی میں برہان پور کی طرف بھیجا ، تاکہ وہ برہان پور کو تاخت و تاراج کرے ، اور شاہجہاں کو لکھا کہ وہ فوراً اس طرف روانہ ہو جائے ۔ چنانچہ شاہجہاں نے روانہ ہو کر دیول گاؤں میں خیمے آراستہ کیے ۔

شاہ قلی کی بہادری کا ایک واقعہ :

عبداللہ خان اور محمد تقی مخاطب بہ شاہ قلی خان کو ایک فوج کے ساتھ یاقوت خان کی امداد کے لیے بھیجا کہ وہ اس کی معیت میں برہان پور کا محاصرہ کر کے قلعے کو فتح کر لیں ، اور ان کے پیچھے وہ خود بھی روانہ ہوا اور لال باغ میں ، جو شہر کے متصل واقع ہے ، ٹھہرا ۔

راو رتن اور دوسرے شاہی ملازم ، جو قلعے میں تھے ، وہ قلعے اور شہر کی فصیلوں کو مستحکم کر کے قلعہ بند ہو گئے ۔

۱- اقبال نامۂ جہانگیری میں کشمیر کی روانگی کی تاریخ ۸ اسفندار مذکور ہے ۔

اِدھر شاہجہان نے حکم دیا کہ ایک طرف سے عبداللہ خان اور دوسری طرف سے شاہ قلی خان قلعے پر حملہ کریں ۔ اتفاق سے جس طرف عبداللہ خان تھا ، اُدھر دشمن نے ہجوم کر کے سخت جنگ شروع کر دی ۔ دوسری طرف سے شاہ قلی خان ، فدائی خان اور جان نثار خان کے ساتھ قلعے کی دیوار توڑ کر اور دشمنوں کو دھکیل کر قلعے میں داخل ہوگیا ۔ سربلند رائے نے یہ رنگ دیکھا تو اپنے تجربہ کار لوگوں کو عبداللہ خان کے مقابل چھوڑ کر خود وہ شاہ قلی خان پر حملہ آور ہوا ۔ اگرچہ شاہ قلی خان کے اکثر سپاہی مال و دولت کے لالچی تھے جو لڑائی سے بے پروا ہو گئے اور مال و دولت کے لوٹنے کے لیے شہر کے کوچہ و بازار میں منتشر ہو گئے تھے ، لیکن اس کے باوجود شاہ قلی خان چند لشکریوں کے ساتھ ثابت قدمی سے [395] دشمن کی مدافعت اور مقابلہ کرتا رہا تھا ، یہاں تک کہ چند شاہی ملازمین جو اس کے ساتھ تھے مارے گئے اور اس نے مجبوراً ارک کے اندر گھس کر دروازے بند کر لیے ؛ اور سر بلند رائے نے اس کا محاصرہ کر کے اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ قلی خان نے پریشانی میں جان کی امان کا وعدہ لے کر ہتھیار ڈال دیے ۔

جب یہ خبر شاہجہان کو ہوئی تو اُس نے از سر نو فوج مرتب کر کے حملہ کرنے کا حکم دیا ۔ ہر چند مبارز خان ، جان سپار خان اور دوسرے میدانِ جنگ کے بہادروں نے اس جنگ میں سعی و کوشش کی لیکن ان کی کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا ۔ اور شاہجہان کے جانے پہچانے آدمیوں میں سے شاہ بیگ خان ، سر انداز خان اور سید شاہ محمد اس لڑائی میں مارے گئے ۔

تیسری مرتبہ شاہجہان نے براہ راست خود سوار ہو کر حملے کا حکم دیا اور اس کے جانباز سپاہیوں نے نہایت شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے ، جس کے نتیجے میں قلعے کے سر بر آوردہ لوگوں میں بودن خان اپنے بھائیوں کے ساتھ ، لشکر خان کا داماد بابا میرک ، اکثر راجپوت اور راو رتن تیغ انتقام کا لقمہ بن گئے ۔ اس وقت ان لوگوں پر ، جو قلعے میں قلعہ بند تھے ، حالات سخت ہوگئے ۔ اتفاق سے عین اس موقع پر بندوق کی ایک گولی سید جعفر کی گردن کی کھال کو چھیلتی ہوئی نکل گئی ، جس کی وجہ سے وہ مضطرب ہو کر بھاگ کھڑا ہوا ۔ اس کے بھاگتے ہی تمام دکنیوں میں پریشانی پھیل گئی اور انھوں نے راہِ فرار اختیار کی اور بہت سے بد دلوں کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے ۔

اسی اثنا میں خبر آئی کہ شاہزادہ پرویز اور مہابت خان سپہ سالار، شاہی لشکر کے ساتھ بنگال سے برہان پور لوٹتے ہوئے دریائے نربدا تک پہنچ چکے ہیں ۔

عبداللہ خان کی شاہجہاں سے علیحدگی :

ان نامساعد حالات سے مجبور ہوکر شاہجہاں بھی بالا گھاٹ کی طرف لوٹ گیا ۔ عین اس موقع پر عبداللہ خان شاہجہاں سے علیحدہ ہوگیا اور موضع اندور میں مقیم ہوگیا ۔ اس کے بعد ہی نصرت خان بھی شاہجہاں سے علیحدہ ہوکر نظام الملک کے پاس چلا گیا اور اس کی ملازمت اختیار کر لی ۔

خان اعظم کی وفات :

اس زمانے کے واقعات میں ایک سانحہ خان اعظم میرزا کوکلتاش کی وفات بھی ہے ۔ اس کا باپ غزنیں کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھا اور اس کی ماں نے حضرت عرش آشیانی کو دودھ پلایا تھا ۔ اسی نسبت سے حضرت عرش آشیانی نے میرزا عزیز کو اپنے اُمرائے عظام کے زمرے میں شامل کیا تھا، اور وہ اس کے اور اُس کے بیٹوں کے عجیب عجیب ناز اُٹھاتے تھے ۔ علم تاریخ و سیَر میں اس کو بہت عبور تھا؛ تقریر و تحریر میں بھی اس کی مثال نہ تھی ۔ خط نستعلیق خوب لکھتا تھا ۔ میرزا باقر ولد مُلا میر علی کا شاگرد تھا ۔ فن دانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ شکستہ خط میں مشہور اساتذہ سے کم نہ تھا ۔ عرضداشت لکھنے میں اس کو کمال مہارت حاصل تھی ۔ لیکن عربی سے نابلد تھا ۔ لطیفہ گوئی میں بے مثل ۔ اور اچھے اشعار بھی موزوں کر لیتا تھا ۔ یہ رباعی اُسی کی طبع زاد ہے :

عشق آمد و از جنوں برومندم کرد
وارفتہ ز صحبتِ خردمندم کرد
آزاد ز بندِ دین و دانش گشتم
تا سلسلۂ زلف کسی بندم کرد

خان اعظم کی وفات شہر احمد آباد گجرات میں واقع ہوئی ۔ اُس کی لاش دہلی لائی گئی اور سلطان المشائخ نظام الدین قدس سرہ کے روضے کے نزدیک اپنے والد کی قبر کے پاس دفن کی گئی ۔

خانجہاں لودھی کا صوبۂ گجرات پر تقرر :

جب خان اعظم نے سفر آخرت اختیار کیا تو شاہنشاہ جہانگیر نے خسرو کے بیٹے داور بخش کو اپنے حضور میں طلب کر کے خانجہاں کو صوبیداری گجرات سے سرفراز کیا ، اور حکم دیا کہ وہ فوراً آگرے سے روانہ ہو کر احمد آباد چلا جائے اور اس ملک کی حفاظت کرے ۔

آنیسویں جشن نوروز کے حواشی

(۱) امام وردی کا خطاب مخلص خاں تھا ۔ یہ ابتدا میں شاہزادہ پرویز کا ملازم تھا ۔ شاہزادہ پرویز نے اس کی صلاحیتوں اور تجربہ کاری کی وجہ سے صوبۂ پٹنہ کی حکومت پر مقرر کیا تھا جو اس کی جاگیر میں تھا ۔ ۱۹ جلوس جہانگیری میں جب شاہجہاں نے ابراہیم خاں فتح جنگ حاکم بنگال کے مارے جانے کے بعد راجا بھیم پسر رانا امر سنگھ کی سرداری میں پٹنہ فوج بھجوائی تو یہ اپنے میں مدافعت کی طاقت نہ پا کر الہ آباد بھاگ آیا اور جہانگیر کے ملازموں میں منسلک ہو گیا ۔ شاہجہاں کی تخت نشینی کے بعد دو ہزاری ذات و سوار اور علم سے سرفراز ہو کر اروو کا فوجدار مقرر ہوا ۔ اس نے ۱۰ جلوس شاہجہانی میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ۳ : ص ۳۲۸—۳۲۹) ۔

(۲) الہ وردی خاں کا سلسلۂ نسب سلطان سنجر سلجوقی پر منتہی ہوتا ہے ۔ چونکہ یہ فن شکار میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا ، ہندوستان آنے کے بعد ابتداً برہان پور میں شاہزادہ پرویز کی ملازمت میں منسلک ہو گیا ، جہاں اس کا بھائی پہلے سے ملازم تھا ۔ چونکہ یہ دونوں بھائی شکار میں غیر معمولی شغف رکھتے تھے اور جہانگیر بھی شکار کا بےحد شوقین تھا اس لیے یہ دونوں جہانگیر کے منظور نظر بنے اور جہانگیر نے اسے معتقد خاں کے خطاب سے نوازا ۔ ۲۱ جلوس جہانگیری میں اس نے مبلغ ۴۰ ہزار روپے خرچ کر کے ایسا بڑا جال تیار کرایا جس کو اسّی (۸۰) اونٹ اٹھاتے تھے اور جس کا طول دس ہزار گز شاہی تھا اور یہ جال تحفۃً جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا ۔ الہ وردی کو ۱۰۷۰ھ میں شاہ شجاع نے تہہ تیغ کرایا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ص ۲۰۷—۲۱۵) ۔

(۳) الہ یار خاں : ولد افتخار خاں ترکمان ۔ یہ جہانگیر کے عہد میں بنگال کے کمکیوں میں تھا ۔ آخر عہد جہانگیری میں دو ہزار و پانصدی کے منصب سے

سرفراز ہوا اور بدستور بنگال کے کمکیوں میں متعین رہا ۔ ۱۰۶۰ھ میں اس نے وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ۱ : ص ۱۸۲—۱۸۴) ۔

(۴) جانان بیگم : بنتِ خانخاناں عبدالرحیم ۔ خانخاناں کے دو بیٹیاں تھیں ۔ جانان بیگم ان میں بڑی تھی ۔ خانخاناں نے اس کی اپنی نگرانی میں تعلیم و تربیت کی تھی اور سپہ گری کے ہنر سے بھی اُسے آراستہ کیا تھا ۔ وہ باپ کی طرح سیاسی جوڑ توڑ بھی خوب جانتی تھی ۔ اکبر نے اس کی صلاحیتوں کو دیکھ کر شاہزادہ دانیال کی شادی کے لیے جانان بیگم کو پسند کیا تھا ۔ چنانچہ اس کی کتخدائی کی رسم ۱۰۰۶ھ میں ادا ہوئی ۔ اکبر نے خود اس کا نکاح پڑھا ۔

جب اکبر نے شاہزادہ مراد کی وفات کے بعد سہمِ دکن کے لیے شاہزادہ دانیال کو منتخب کیا اور خانخاناں کو دکن کی مہم کا سپہ سالار مقرر کیا ، تو اکبر نے جانان بیگم کو شاہزادہ دانیال کے ہمراہ روانہ کیا ۔ جانان بیگم کے مشوروں اور خانخاناں کی کوششوں سے دکن کے حالات رو بہ اصلاح ہوئے ، لیکن کثرت مے نوشی میں شاہزادہ دانیال بھی شاہزادہ مراد کے نقش قدم پر چلنے لگا ، یہاں تک کہ دانیال کی حالت ابتر ہو گئی اور کثرت مے نوشی سے اس کا جسم گھل گیا اور اسی لت میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوا ۔

جانان بیگم بڑی سلیقہ شعار ، دریا دل اور عالی حوصلہ خاتون تھی ۔ صاحب ذخیرۃ الخوانین نے اس کے اپنے باپ کے ساتھ قید ہونے کے واقعے کی تفصیل لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اپنے باپ کی شاگرد رشید تھی ۔ کتابوں کے مطالعے کا خاص ذوق رکھتی تھی ، شعر بھی کہتی تھی ۔ اختر تاباں کے حوالے سے صاحبِ مشاہیر نسواں نے اس کا یہ شعر اپنی کتاب میں درج کیا ہے :

عاشق زخلق عشقِ تو پنہاں چسان کند
پیدا ست از دو چشمِ ترش خون گریستن

جانان بیگم نے بڑی عمر پا کر ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی ۔ [رک : اکبر نامہ ، ۳ : ص ۷۶۹ ۔ ذخیرۃ الخوانین ، مطبوعۃ ، ص ۵۲ ۔ مراۃ احمدی ، ۱ : ص ۱۹۲ ۔ مشاہیر نسواں (س)] ۔

(۵) شاہزادہ دانیال : وفات : ۶ شوال ۱۰۱۳ھ۔

(۶) فہیم : یہ ایک شریف راجپوت کا بیٹا تھا ۔ خانخاناں نے اُسے اپنی سر پرستی میں لے لیا تھا اور اپنے بیٹوں کی طرح اس کی تعلیم و تربیت کی تھی ۔ اُسے اکثر معرکوں میں اپنے ساتھ رکھتا تھا جس سے اس کے ذاتی اور فطری جوہر چمک اُٹھے تھے ۔ خانخاناں کی سرکار کا سارا کاروبار اسی کے سپرد تھا ۔ اس کی زندگی کے آخری ایام قدرے تلخی سے بسر ہوئے ۔ حاسدوں اور بدخواہوں نے اس کے خلاف خانخاناں کو بدظن کیا کہ حساب کتاب میں گڑ بڑ ہے ۔ چنانچہ حافظ نصر اللہ خان کو حساب فہمی کے لیے بھیجا گیا ۔ کسی رقم پر تکرار ہوئی اور تلخ کلامی تک نوبت پہنچی ۔ خانخاناں کو علم ہوا تو اس نے خود جا کر معذرت کی اور دونوں میں صلح و صفائی کرا دی ۔

خرم (شاہجہان) کے ایام بغاوت میں مہابت خان فہیم کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا ، تاکہ خانخاناں کی قوت کو کمزور کرے ۔ مہابت خان نے اسے جاگیر و منصب کا لالچ دیا ، زر و جواہر پیش کیے ، لیکن اس نے ان سب کے جواب میں یہ کہا کہ میں خانخاناں کا غلام ہوں میں ایسا نہیں ہوں کہ اس آسانی سے تمھارے ہاتھ آ جاؤں گا ۔ جب مہابت خان نے خانخاناں کو حراست میں لیا تو اس نے میاں فہیم کو بھی طلب کیا ۔ فہیم نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وقت آ گیا ہے ، اس کے آدمیوں کو تھوڑی دیر کے لیے روکو ، میں تازہ وضو کر لوں اور سلامتی ایمان کا دوگانہ ادا کر لوں ۔ بعد ازآں اس نے اپنے بیٹوں اور چالیس جان نثاروں کو اپنے ساتھ لیا اور دشمن کا مقابلہ کیا اور عزت و آبرو پر جان قربان کر دی ۔ لاش دہلی پہنچائی گئی اور ہمایوں کے مقبرے کے پاس نیلے گنبد میں سپرد خاک کی گئی ۔ میاں فہیم کے حالات ماثر رحیمی کی دوسری اور تیسری جلد میں بکھرے ہوئے ہیں [رک : ماثر رحیمی ، ص ۳۷۲ ۔ دربار اکبری ، حالات عبدالرحیم خانخاناں (س)] ۔

(۷) بیرم بیگ ترکمان (خان دوران) یہ شاہجہان کی شاہزادگی کے زمانے میں اس کا میر بخشی تھا ۔ اور خان دوران کے خطاب سے ممتاز تھا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۳۹۹–۴۰۱)۔

(۸) شیخ تاج الدین (سنبھلی) بن زکریا بن سلطان العثمانی نقشبندی ، سنبھل میں پیدا ہوئے ۔ ابتدا شیخ اللہ بخش شطاری گڑھ مکتیسری کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت کی ۔ چنانچہ ان سے طریقۂ عشقیہ ، قادریہ ، چشتیہ ، مداریہ میں اجازت حاصل کی ۔ پھر حضرت خواجہ باقی اللہ سے بیعت کی اور ان سے بیعت ہو کر خلافت و اجازت حاصل کی ۔ یہ ان کے پہلے مرید تھے ، جنہیں انہوں نے سب سے پہلے خلافت سے سرفراز کیا ۔ آپ نے ۱۹۴۰ء میں وفات (رک : نزهة الخواطر ، ۵ : ۹۹–۱۰۱ ؛ رود کوثر ، ص ۲۰۶-۲۰۷)۔

(۹) خواجہ باقی اللہ کا نام رضی الدین عبدالباقی بن عبدالسلام بدخشی تھا ۔ یہ ۹۷۱-۷۲ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۵۶۴ء میں کابل میں پیدا ہوئے ۔ مولانا محمد صادق حلوائی سے تعلیم حاصل کی ، پھر ماوراء النہر کے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ سب سے پہلے آپ نے خواجہ عبید خلیفہ مولانا لطف اللہ خلیفہ مخدوم اعظم دھیدی کی خدمت میں حاضر ہو کر گناہوں سے توبہ کی ، لیکن اس پر اپنے کڑے معیار کے مطابق قائم نہ رہ سکے ۔ پھر آپ نے سمرقند میں شیخ افتخار کی خدمت میں حاضر ہو کر اصلاح حال کی کوشش کی ۔ شیخ افتخار ، شیخ احمد یسوی کے سلسلے کے بزرگوں میں تھے ۔ اس کے بعد آپ نے امیر عبداللہ بلخی کی خدمت میں حاضر ہو کر از سر نو توبہ کی ۔ آخر میں آپ شیخ بابا ولی کبروی کی خدمت میں کشمیر میں حاضر ہوئے جو خوارزم کے رہنے والے تھے ۔ شیخ بابا ولی کی وفات کے بعد آپ ماوراء النہر تشریف لے گئے اور شیخ محمد امکنکی سے فیض حاصل کیا ۔ پھر آپ لاہور تشریف لائے اور بہت سے علما سے استفادہ کیا ۔ پھر آپ دہلی تشریف لے گئے اور قلعۂ فیروز شاہ میں اقامت اختیار کی ، اور تین چار سال رشد و ہدایت اور اعلائے کلمۃالحق میں مصروف رہ کر ۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۴ (۱۶۴۰ء) کو دہلی میں وفات پائی اور قدم رسول کے پاس مدفون ہوئے ۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نے چار پانچ برس کی مدت میں سلسلۂ نقشبندیہ کی بنیادیں ہندوستان میں مستحکم کر دیں ، اور بدعت و لادینی کے اٹھتے ہوئے طوفان کو روک کر اسلام کو فروغ دیا ۔

آپ نے خلفا میں حضرت مجدد الف ثانی ، شیخ تاج الدین سنبھلی ، شیخ حسام الدین بن نظام الدین بدخشی ، شیخ الهداد دہلوی مشہور ہیں ۔

آپ کی اولاد میں خواجہ عبیداللہ معروف بہ خواجہ کلاں اور خواجہ عبداللہ معروف بہ خواجہ خرد کا تذکرہ مختلف کتابوں میں ملتا ہے ۔ (رک : نزہۃ الخواطر، ۵ : ص ۱۹۶—۲۰۱ ۔ رود کوثر، ص ۱۸۷—۲۰۶) ۔

(۱۰) جادو رائے : (کانتیہ) جادوان قوم سے تھا ۔ یہ ۱۱۳۶ھ میں اس جنگ میں مارا گیا جو نظام الملک اور مبارز خان ناظم حیدر آباد کے درمیان ہوئی تھی (رک : ماثرالامرا، ۱ : ص ۵۲۰—۵۲۳) ۔

(۱۱) اوداجی رام : دکن کے برہمنوں میں سے تھا ۔ اپنی ذہانت و فطانت سے ماہور سے لے کر مہکر تک کی زمینداری اس نے حاصل کر لی اور ملک عنبر کے مزاج میں اس قدر اثر و رسوخ حاصل کیا کہ صاحب عظمت و مرتبہ ہوگیا ۔ پھر جہانگیر کے عہد میں شاہی ملازموں میں منسلک ہوا اور چار ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز ہو کر دکن کی مہم کے کمکیوں میں تقرر ہوا ۔ متذکرۂ متن جنگ میں ملک عنبر سے شکست کھانے کے بعد اس کا وقار گر گیا ۔ ۱۰۴۲ھ میں جب یہ مہابت خان کے ساتھ قلعۂ دولت آباد کے محاصرے میں مصروف میں تھا، اپنے کسی پرانے مرض میں، جس میں وہ مبتلا تھا، اس نے انتقال کیا ۔ (رک : ماثرالامرا، ج ۱ : ص ۱۴۲—۱۴۳) ۔

(۱۲) ظفر خان : (احسن اللہ) ولد خواجہ ابوالحسن تربتی ۔ متوفی ۱۰۸۱ھ (رک : مآثرالامرا، ۲ : ص ۷۵۶—۷۶۳) ۔

(۱۳) اس کے قتل کی تفصیل ماثرالامرا میں ملتی ہے ۔ کہتے ہیں کہ داراب خان کو قتل کر کے مہابت خان نے پہلے اس کا سر ایک خوان میں ڈھک کر خانخاناں کے پاس بھجوایا جو اس وقت قید میں تھا ۔ "شہید پاک شد داراب مسکیں (۱۰۳۴ھ)" سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۔ (رک : مآثرالامرا، ۲ : ص ۱۴—۱۷) ۔

بیسواں جشنِ نوروز

[396] مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن ۱۰ جمادی الثانی ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۵ع) کو آفتاب عالم تاب نے برج حمل کو منور کیا اور بیسویں سال جلوس کا آغاز ہوا۔

رسم تخت نشینی سے فارغ ہونے کے بعد شہنشاہ نے دامن کوہ بھنبر میں شکار کا لطف اٹھایا۔ ایک سو اکیاون پہاڑی مینڈھے بندوق اور تیر سے شکار کیے۔

منزل گاہ چنگرتھی[۱] میں نوروز کا جشن شرف آراستہ ہوا۔ شہنشاہ نے بھنبر سے اس منزل تک ارغواں زاروں[۲] کی سیر فرمائی۔

چونکہ اس موسم میں پیر پنجال کی گھاٹی برف سے مالا مال ہو جاتی ہے اور اس سے سواروں کا عبور کرنا دشوار بلکہ محال ہو جاتا ہے، اس لیے مجبوراً شاہی سواری کشمیر پہنچنے کے لیے پونچ کی گھاٹی کے راستے سے روانہ ہوئی۔

اس کوہستان میں سنگترے بہت کثرت سے ہوتے ہیں اور دو دو تین تین سال تک درختوں پر لگے رہتے ہیں۔ یہاں کے زمینداروں سے معلوم ہوا کہ تقریباً ایک ہزار سنگترے ایک درخت پر لگتے ہیں۔

اسی زمانے میں ابو طالب ولد آصف خاں اپنے باپ کی جگہ بحیثیت قائم مقام لاہور روانہ ہوا تا کہ وہاں کی حکومت سنبھالے۔

اسی اثنا میں سید عاشق ولد سردار خاں اپنے باپ کی قائم مقامی میں کوہستان شمالی پنجاب کی حکومت پر مامور ہوا، کیونکہ اس علاقے کا نظم و نسق اس کے باپ سے متعلق تھا۔ حضرت شاہنشاہ نے اسے کامگار خاں کا خطاب عطا کیا اور چہار صدی و صد و پنجاہ سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

۲۹ ماہ فروردین ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۵ع) کو جمعہ کے دن نور آباد میں قیام ہوا جو دریائے جہلم کے کنارے واقع ہے۔ اس راستے میں بھی دریائے بہت (جہلم)

۱- چنگرتھی: اقبال نامہ جہانگیری مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد، ص ۲۶۲ میں یہ نام چنگس ہستی مندرج ہے جو صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک مشہور پڑاؤ اور شکارگاہ ہے۔

۲- ارغواں: ایک قسم کا سرخ پھول ہے جسے ارجواں بھی کہتے ہیں۔

کے گھاٹ سے کشمیر تک ہر منزل پر مکانات اور قیام گاہیں اسی طرح بنائی گئیں ہیں جس طرح پیر پنجال کے راستے میں کشمیر تک بنی ہوئی پائی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے راستے میں خیمے اور فراش خانے کی مطلق ضرورت پیش نہیں آتی۔

ان چند منزلوں میں شاہی لشکر کو برسات اور برف باری اور موسم سرما کی شدت کی وجہ سے دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنے میں بڑی مشکل پیش آئی۔

راستے میں ایک بہت عمدہ آبشار نظر آیا جسے کشمیر کے اکثر آبشاروں سے بہتر کہا جا سکتا ہے۔ اس کی بلندی پچاس گز اور چوڑائی چار گز ہو گی۔ منزل گاہوں کی دیکھ بھال کرنے والے حکام نے اس کے برابر ایک چبوترہ بنوایا تھا۔ حضرت شاہنشاہی نے اس چبوترے پر ایک گھنٹہ بیٹھ کر شراب کے چند جام نوش کیے اور آنکھوں اور دل کو اس کے نظارے سے مسرور کیا۔

شہنشاہ نے حکم دیا کہ ایک سنگی کتبہ کندہ کر کے یہاں شاہی لشکر کے گزرنے کی تاریخ نصب کی جائے تاکہ اس سلطنت کا یہ نقش صفحۂ روزگار پر ہمیشہ باقی رہے۔

اس منزل میں کشمیر سے لالہ، سوسن، ارغوان اور نیلی چنبیلی کے پھول کشمیر سے لائے گئے۔

بارہ سولا میں نزول اجلال:

یکم اردی بہشت ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۵ع) کو اتوار کے دن قصبۂ بارہ سولا میں، جو کشمیر کے بڑے قصبات میں سے ہے، سواری شاہانہ رونق افروز ہوئی۔ شہر کے صاحب علم و فضل ارباب سعادت، سوداگروں اور دوسرے پیشے کے لوگوں نے گروہ در گروہ استقبال کے لیے حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔

ان دو منزلوں میں شہنشاہ نے شگوفہ زاروں کی خوب سیر کی۔ پھر بارہ سولا سے ملازمین شاہی اور تمام ہمرکاب امرا کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر شہر[1] کی طرف روانہ ہوئے۔

۱۸ اردی بہشت ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۵ع) کو نیک ساعت میں شہر کی دل نشین عمارت میں سواری شاہانہ کا نزول اجلال ہوا۔ اگرچہ نور منزل کے باغ میں، جو

۱- شہر سے مراد سری نگر ہے جو اس زمانے میں کشمیر کا صدر مقام تھا۔

دولت خانے کے درمیان واقع ہے ، شگوفے کی بہار ختم ہو رہی تھی لیکن نیلی چنبیلی کے پھولوں کی مہک سے دماغ معطر اور روشن ہو گیا اور شہر کے باہر بھی قسم قسم کے شگوفے رونق بڑھا رہے تھے .

زعفران کے متعلق ایک تجربہ :

چونکہ متواتر یہ بات سننے میں آئی ہے اور طب کی کتابوں خصوصاً ذخیرۂ خوارزم شاہی میں لکھا ہے کہ زعفران کھانے سے ہنسی آتی ہے ، اگر زیادہ کھا لیا جائے [397] تو ہنستے ہنستے ہلاکت کا اندیشہ ہے ، اس تجربے کے لیے حضرت شہنشاہی نے ایک واجب القتل مجرم کو قید خانے سے طلب کر کے اسے اپنے سامنے پاؤ بھر زعفران ، جس کے چالیس مثقال ہوتے ہیں ، کھلایا لیکن اس کی حالت میں ذرا بھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ، دوسرے دن اس سے دگنا ، جس کے اسّی مثقال ہوتے ہیں ، اسے کھلایا لیکن ہنسنا اور مرنا تو کجا اس کے لبوں پر تبسم تک نہ آیا .

انیرائے سنگھ دلن کا حکومتِ کانگڑہ پر تقرر :

اسی زمانے میں انیرائے سنگھ دلن کو کانگڑے کی حکومت و حفاظت سپرد کی گئی .

سردار خان کی وفات :

داور بخش (۱) نے گجرات سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا . اسی زمانے میں سردار خان کا مزاج خراب ہو گیا اور سوء القُنیہ میں مبتلا ہو کر رفتہ رفتہ اسے خونی دست آنے لگے اور ۱۱ محرم ۱۰۳۵ھ[۱] (۱۶۲۵ع) میں قصبۂ سلتان میں وفات پائی . اس کی نعش کو نو گاؤں حصار میں لے جا کر دفن کیا گیا جو اس کا پیدائشی وطن تھا . وفات کے وقت اس کی عمر پچاس سال تھی .

جب اس کی وفات کی خبر حضرت شاہنشاہی کو ملی تو الف خان کو ، جو اس کے مددگاروں میں تھا ، کوہستان شالی پنجاب کا فوجدار مقرر کر کے فرمان جاری کیا کہ اس کا بیٹا کامگار فوراً دربار میں حاضر ہو جائے .

مصطفی خان حاکم ٹھٹہ کی وفات :

ان ہی ایام میں اطلاع ملی کہ مصطفیٰ خاں (۲) حاکمِ ٹھٹھہ نے وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد صوبہٗ مذکور شہریار (۳) کو عنایت کیا گیا۔

اسد خان کی عرضداشت :

اسی زمانے میں دکن کے بخشی اسد خاں کی عرضداشت پہنچی جس میں لکھا تھا کہ شاہجہاں، بُرہان پور کا محاصرہ اٹھا کر دیول گاؤں[1] چلا گیا ہے اور یاقوت حبشی نے عنبر کے لشکر کے ساتھ برہان پور کا محاصرہ کر لیا ہے۔ سر بلند رائے غیرت و حمیت کے ساتھ لشکر کے ساتھ ثابت قدمی سے قلعے کی حفاظت میں لگا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محاصرہ کرنے والے مسلسل باہر سے جنگ کر رہے ہیں اور ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے۔

کچھ دنوں کے بعد خبر ملی کہ عنبر کا لشکر بھی محاصرہ چھوڑ کر چلا گیا۔ جب اس کی خبر حضرت شاہنشاہی کو ملی تو انھوں نے سر بلند رائے کو مختلف الطافِ شاہانہ اور مراحمِ خسروانہ سے نوازا اور اسے پنج ہزاری و پنج ہزار سوار کے منصب اور رائے راج کے خطاب سے سرفراز کیا جس سے بڑھ کر ملکِ دکن میں کوئی خطاب نہیں ہوتا۔

شاہجہاں کو احساسِ ندامت اور شہنشاہ سے معافی کی درخواست :

اسی زمانے کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جب شاہجہاں برہان پور سے محاصرہ اُٹھا کر دکن کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں اُسے شدید ضعف کا عارضہ لاحق ہوگیا۔ اس علالت میں اس نے سوچا کہ اُسے والد سے اپنی گزشتہ خطاؤں کی معافی مانگنی چاہیے۔ چنانچہ اس نے اس حق پسندانہ ارادے پر عمل کرتے ہوئے ایک عرضداشت اپنے قلم سے لکھ کر حضرت شاہنشاہی کی خدمت میں روانہ کی، جس میں اس نے گزشتہ اور حالیہ گناہوں پر اظہار ندامت و شرمندگی کیا تھا۔ اس عرضداشت کے جواب میں حضرت شاہنشاہی نے اپنے ہاتھ سے فرمان لکھ کر

۱- دیول گاؤں : اقبال نامہٗ جہانگیری میں یہ نام دیول گام ہے۔

بھیجا کہ اگر وہ دارا شکوہ اور اورنگ زیب کو ہماری بارگاہ میں بھیجے ، اور قلعۂ رہتاس اور اسیر کو ، جو اس کے ملازمین کے قبضے میں ہیں ، شاہی ملازموں کے سپرد کر دے تو اس کی خطاؤں سے در گزر کرکے بالا گھاٹ کا علاقہ اس کو عنایت کیا جائے گا ۔

جب یہ فرمان عطوفت نشان شاہجہاں کے پاس پہنچا تو اُس نے تعظیم و احترام کے تمام آداب کے ساتھ فرمان وصول کیا ۔ باوجود کمال تعلق اور دل بستگی کے ، جو اس کو ان دونوں شاہزادوں سے تھی ، اپنے والد ماجد کی خوشنودی مقدم سمجھ کر ان جگر گوشوں کو نفیس پیشکش کے ساتھ ، جو جواہرات ؛ مرصع آلات اور کوہ پیکر ہاتھیوں پر مشتمل تھا ، اور جس کی مجموعی مالیت دس لاکھ روپے تھی ، بارگاہ شاہی میں روانہ کر دیا ۔ اور ساتھ ہی شاہجہاں نے سید مظفر خان اور رضا بہادر کو ، جو قلعہ رہتاس کی حفاظت پر مامور تھے ، حکم دیا کہ جو شخص فرمان شاہی لے کر آئے ، قلعہ اس کے حوالے کر دے اور شاہزادہ سلطان مراد بخش کو ہمراہ لے کر اسؔ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں ۔

اسی طرح حاکم اسیر ، حیات خان کو لکھا کہ وہ قلعہ شاہی ملازموں کے حوالے کرکے اس کے پاس چلا آئے ۔ اس کے بعد شاہجہاں ناسک کی طرف [398] روانہ ہوگیا ۔

سلطان ہوشنگ کی حاضری :

ان ہی دنوں عرب دست غیب ، جو سلطان ہوشنگ ولد شاہزادہ دانیال اور عبدالرحیم خانخاناں کو لینے کے لیے شاہزادہ پرویز کے پاس بھیجا گیا تھا ، اُن کے ساتھ واپس آیا اور آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

حضرت شاہنشاہی نے ہوشنگ کو روز افزوں نوازشوں سے نوازا اور مظفر خان بخشی (۲) کو حکم دیا کہ وہ اس کے حالات سے باخبر رہے اور جو چیزیں اس کی ضروریات کے لیے درکار ہوں ، وہ سرکار سے حاصل کر لے اور اس عمدگی سے اس کی خدمت کا انتظام کرے کہ کسی قسم کی اُسے پریشانی نہ ہو ۔

خانخاناں عبدالرحیم کی ندامت و شرمندگی :

اس موقع پر عبدالرحیم خانخاناں نے بھی آستان بوسی کی سعادت حاصل کرکے اپنی پیشانی منور کی اور ندامت و شرمندگی کی وجہ سے بہت دیر تک اس

نے اپنا سر زمین سے نہیں اٹھایا ۔ حضرت شاہنشاہی نے اس کی دل داری اور تسلی کے لیے فرمایا کہ اس زمانے میں جو کچھ ظہور پذیر ہوا ، وہ تقدیر الٰہی ہے ، جو نہ ہمارے اختیار میں تھی اور نہ تمھارے بس میں ، اس لیے تمھیں شرمندگی اور ملال کی ضرورت نہیں ۔ جب وہ مراسم زمین بوسی بجا لا چکا تو حضرت شاہنشاہی نے بخشیوں کو حکم دیا کہ وہ اسے دربار شاہی میں مناسب جگہ بٹھا دیں ۔

اس سے قبل حضرت شاہنشاہی نے نور جہان بیگم کے بھکانے پر آصف خان اور فدائی خان کو شاہزادہ پرویز (۵) کے پاس بھیجا تھا کہ مہابت خان کو اس سے جدا کرکے اسے بنگال روانہ کریں ، اور اس کی جگہ خانجہان گجرات سے یہاں واپس آئے اور شاہزادہ پرویز کی وکالت سنبھالے ۔

اسی زمانے میں فدائی خان کی عرضداشت پہنچی کہ میں نے سارنگ پور میں پہنچ کر شاہزادہ پرویز کی خدمت میں شاہی احکام پہنچا دیے ہیں ۔ شاہزادہ ، مہابت خان کی جدائی اور خانجہان کی ہمراہی کے لیے راضی نہیں ہے ، ہر چند میں نے اس بارے میں انھیں شاہی احکام کی تعمیل کے لیے مبالغے کے ساتھ تاکید کی ، مگر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا ۔ اس کے بعد چونکہ میرا شاہزادے کی لشکرگاہ میں قیام کرنا بے سود تھا اس لیے میں نے سارنگ پور میں قیام کرنا مناسب سمجھا ، اور خانجہان کے پاس تیز رو قاصد بھیجے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ، وہ یہاں پہنچ جائے ۔

چونکہ فدائی خان کی عرضداشت سے حضرت شاہنشاہی کو سارا حال معلوم ہو چکا تھا ، اس لیے انھوں نے دوبارہ شاہزادہ پرویز کے نام تاکیدی فرمان بھیجا کہ وہ سابقہ فرمان کے خلاف اپنے دل میں کسی خیال کو جگہ نہ دے ۔ اگر مہابت خان بنگال جانے کے لیے راضی نہ ہو تو وہ ہمارے حضور میں حاضر ہو جائے اور تم تمام امرا کے ساتھ برہان پور میں ٹھہرے رہو ۔

کشمیر سے لاہور واپسی :

جب حضرت شاہنشاہی کی طبیعت کشمیر کی سیر و شکار سے بھر چکی تو ۱۹ محرم الحرام ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ع) کو شاہی لشکر کے جھنڈے لاہور کی طرف بلند ہوئے ۔

ہما:

اس سے قبل بار بار حضرت شاہنشاہی کے کان میں یہ بات پڑ چکی تھی کہ پیر پنجال کے پہاڑ میں ایک جانور ''ہما'' کے نام سے مشہور ہے، اور اس سرزمین کے لوگ کہتے ہیں کہ اس کی غذا ہڈیوں کے ریزے ہیں، اور ہمیشہ فضا میں اُڑتا رہتا ہے اور بیٹھا ہوا کم نظر آتا ہے۔

چونکہ حضرت شاہنشاہی کی طبیعت اس قسم کے واقعات کی تحقیق کی طرف زیادہ مائل ہے، اس لیے حکم ہوا کہ قراولوں میں سے جو شخص اسے بندوق سے مار کر ہمارے حضور میں لائے گا، اسے ہزار روپے[1] انعام دیا جائے گا۔ اتفاق سے جمال خاں قراول نے اس پرندے کو بندوق سے شکار کرکے حضور میں پیش کر دیا۔ چونکہ زخم اس کے پاؤں پر آیا تھا، اس لیے وہ زندہ اور تندرست حضور کے ملاحظے میں پیش ہوا۔ حضرت شاہنشاہی نے حکم دیا کہ اس کا پوٹا چیر کر دیکھا جائے کہ اس کی غذا کیا ہے۔ چنانچہ اس کا پوٹا چاک کیا گیا تو اس کے پوٹے میں سے ہڈیوں کے ریزے نکلے۔ اس کوہستان کے لوگوں نے مزید بیان کیا کہ اس کی خوراک کا مدار ہڈیوں کے ریزوں پر ہے اور یہ ہمیشہ ہوا میں اُڑتا ہوا زمین پر نظریں گاڑے رکھتا ہے۔ جہاں کہیں اسے ہڈی نظر آتی ہے تو یہ اُسے چونچ میں اُٹھا کر ہوا میں بلند ہو جاتا ہے اور وہاں سے [399] اُسے کسی پتھر پر گراتا ہے تا کہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ جب وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے تو یہ ان ریزوں کو چگ کر کھا لیتا ہے۔ اس صورت میں ظن غالب یہ ہے کہ مشہور پرندہ ہُما یہی ہے:

ہمائے بر ہمہ مرغاں از آں شرف دارد
کہ استخواں خورد و طائرے نیازارد

اس کی چونچ ایسی خوشنما ہے کہ ایک پھول معلوم ہوتی ہے۔ مرغ کی کلغی پر پر نہیں ہوتے اور اس کی کلغی پر سیاہ پر ہوتے ہیں۔

اس کا وزن حضرت شاہنشاہی کے سامنے کیا گیا تو چار سو پندرہ تولے نکلا جس کے ایک ہزار ساڑھے سینتیس مثقال ہوتے ہیں۔

۱۔ اقبال نامہ جہانگیری میں ہزار روپے کی جگہ پانچ سو روپے کا انعام مندرج ہے۔ (رک: اقبال نامہ جہانگیری، مطبوعہ الہ آباد، ص ۲۶۸)۔

جب حضرت شاہنشاہی لاہور کے نزدیک پہنچے تو ابو طالب ولد آصف خان لاہور سے آیا اور آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔

لاہور میں نزول اجلال :

۳۰ محرم[۱] ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ع) کو شب مبارک شنبہ (جمعرات) کو حضرت شاہنشاہی نے لاہور میں نزول اجلال فرمایا اور ایک لاکھ روپے عبدالرحیم خانخانان کو بطور انعام عنایت فرمائے۔

آقا محمد ایلچی شاہ ایران کا شرف حضوری :

اسی تاریخ شاہ عباس کے ایلچی آقا محمد نے آستان بوسی کی سعادت حاصل کرکے شاہ ایران کا مکتوب محبت اسلوب اور تحائف، جن میں منجملہ اور چیزوں کے ایک سفید باز بھی شامل تھا، حضرت شاہنشاہی کے ملاحظے میں پیش کیے۔

ایک شیر اور بکری کی محبت :

اس زمانے کے عجیب واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہنشاہی کے ملاحظے میں شاہزادہ داور بخش نے ایک شیر پیش کیا، جو ایک بکری سے مانوس تھا اور اس کے ساتھ پنجرے میں رہتا تھا، اور اس بکری کے ساتھ نہایت محبت اور اُلفت رکھتا تھا، اور جس طرح دوسرے حیوانات جُفتی کھاتے ہیں، اُسی طرح یہ بکری کو بغل میں دبا کر اس کے ساتھ حرکت کرتا تھا۔ حضرت شاہنشاہی نے حکم دیا کہ اُس بکری کو علیحدہ کرکے چھپا دیا جائے۔ اس پر شیر نے نہایت بے قراری اور فریاد کا اظہار کیا۔ پھر حسب ارشاد ایک دوسری بکری اُسی رنگ اور وضع کی اس کے ساتھ پنجرے میں داخل کی گئی۔ پہلے تو شیر اُسے سونگھتا رہا، پھر اُس نے اس کی کمر منہ سے پکڑ کر توڑ دی۔ پھر ایک اور بھیڑ پنجرے میں داخل کی گئی جسے اس نے وہ فوراً ہی پھاڑ کر کھا لیا۔ پھر وہی بکری اس کے پاس لائی گئی، تو اس نے سابق کی طرح اُس سے اُلفت و محبت کا اظہار کیا۔ پھر خود چت لیٹ کر اور بکری کو اپنے سینے پر بٹھا کر

۱- اقبال نامۂ جہانگیری مطبوعہ الہ آباد، ص ۲۶۹ میں ۳۰ آذر مندرج ہے۔

اس کا منہ چاٹنا شروع کر دیا ۔ کسی پالتو یا وحشی جانور کے متعلق دیکھنے میں نہیں آیا کہ وہ اپنے جوڑے کا منہ چاٹتا ہو ۔

اسی دوران میں حضرت شاہنشاہی نے فاضل خاں کو صوبہ دکن کی دیوانی سے سرفراز کر کے ہزار و پانصدی و ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ، اور خلعت ، گھوڑا اور ہاتھی عنایت کیا ، اور اس صوبے کے بتیس اُمرا کو اس کے ہاتھ خلعت بھیجے ۔

چونکہ مہابت خاں نے وہ ہاتھی ، جو بنگال میں اس کے ہاتھ آئے تھے ابھی تک دربار شاہی میں روانہ نہیں کیے تھے اور سرکار کی بھاری رقمیں اس کے ذمے واجب الادا ہو گئیں تھیں ، اور وہ بنگال کے شاہی اُمرا کے محال جاگیر پر تغیر و تبدل کے وقت قابض ہو گیا تھا ، اس لیے حضرت شاہنشاہی نے حکم دیا کہ عرب دست غیب اس کے پاس جا کر ، جو ہاتھی اس کے پاس جمع ہو چکے ہیں ، انھیں دربار میں لائے اور حسابی مطالبات بھی اس سے وصول کر کے ہمارے پاس واپس آئے ۔ اگر ان حسابات کے سلسلے میں اس کا جواب معقول اور حساب صحیح ہو تو وہ خود یہاں آ کر دیوانیان اعظم سے اپنا حساب صاف کر لے ۔

اسی اثنا میں فدائی خاں کی عرضداشت پہنچی کہ حسب الحکم مہابت خاں شاہزادہ پرویز سے رخصت ہو کر بنگال روانہ ہو گیا ، اور خان جہاں گجرات سے آ کر شاہزادے کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۔

عبداللہ خاں کی خان جہاں کے وسیلے سے معافی چاہنا :

اسی عرصے میں خانجہاں کی عرضداشت بھی پہنچی ۔ اس میں لکھا تھا کہ عبداللہ خاں[1] شاہجہاں سے الگ ہو گیا ہے ۔ اس نے اس نیازمند کو اپنے جرائم کے حصول معافی کے لیے سفارشی بنا کر ایک تحریر ، جو ندامت و خجالت پر مبنی ہے ، ارسال کی ہے ، اور میں یہ تحریر جہاں پناہ کے کرم و بخشش کے بھروسے پر بجنسہ ارسال کر رہا ہوں ، اور مراحم بیکراں سے اُمیدوار ہوں کہ اس کے جرائم کی فہرست

۱۔ عبداللہ خاں (فیروز جنگ) متوفی ۱۰۵۴ھ بعمر ستر سال ۔ (رک : مآثر الامرا ، ج ۲ : ص ۷۷۷–۷۸۷) ۔

پر خط معافی کھینچ کر اپنی عنایت و مہربانی سے اسے اپنے ہم عصروں میں سرفراز و ممتاز فرمایا جائے گا۔

اس عرضداشت کے جواب میں فرمان جاری کیا گیا کہ [400]:

این درکہ ما درگہ نومیدی نیست

اس کی درخواست نے شرف قبولیت حاصل کیا۔

طہمورث کی شاہجہان سے علیحدگی:

اسی تاریخ میں شاہزادہ دانیال کا بڑا بیٹا طہمورث (۶) شاہجہان سے جدا ہو کر لاہور پہنچا اور شرف حضوری سے باریاب ہوا۔

اس سے قبل اس کا چھوٹا بھائی ہوشنگ (۷) آستان بوسی کی سعادت حاصل کر چکا تھا۔ اب اس نے بھی اپنی خوش نصیبی کی بدولت اس آستان قدسی تک اپنے آپ کو پہنچایا اور انواع و اقسام کے الطاف شاہانہ و نوازش خسروانہ سے سر بلند ہوا۔

بہار بانو کی طہمورث سے اور ہوش مند بانو کی ہوشنگ سے نسبت:

حضرت شاہنشاہی نے مزید سرفرازی کے لیے ان دونوں کو اپنے کفو میں تسلیم کرکے، جس کو سلاطین چغتائی کی اصطلاح میں گورگان کہتے ہیں، اپنی بیٹی بہار بانو بیگم (۸) کی نسبت طہمورث سے اور سلطان خسرو کی بیٹی ہوش مند بانو بیگم کی نسبت ہوشنگ سے کردی۔

اسی وقت معتمد خان بخشی گری کی خدمت سے سرفراز ہوا۔

کابل کو روانگی:

چونکہ ایک طویل مدت سے حضرت شاہنشاہی کے دل میں سیر کابل کی خواہش تھی، اس لیے بتاریخ ۱۷ اسفندار[1] ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ع) سیر و شکار کے ارادے سے کابل کی طرف کوچ فرمایا۔ چند روز لاہور کے باہر قیام فرمایا۔

۱- مطابق ۸ جمادی الثانی: (رک: اقبال نامہ جہانگیری، ص ۲۷۱).

۲۳ اسفندار ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ع) کو جمعہ کے دن مضافات لاہور سے روانگی ہوئی .

احداد کا سر :

اس موقع پر افتخار خان (۹) ولد احمدبیگ خان کابلی نے احداد کا سر لا کر حضرت شاہنشاہی کے حضور میں پیش کرکے زمین بوس ہوا . حضرت شاہنشاہی نے اُس درگاہ بے نیاز میں سر نیاز جھکا کر اس تازہ نعمت عظمیٰ پر سجدہ ہائے شکر ادا کیے اور شادیانہ بجانے کا حکم دیا ، اور فرمان جاری کیا کہ اس آشفتہ دماغ اور تباہ اندیش کا سر لاہور لے جا کر قلعے کے دروازے پر لٹکایا جائے .

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب ظفر خان ولد خواجہ ابوالحسن کابل پہنچا تو اُس نے سنا کہ پلنگ پوس اوزبک شورش و فتنہ انگیزی کے ارادے سے غزنین آ گیا ہے . ظفر خان نے اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے صوبے کے دوسرے متعینہ عہدہ داروں کے اتفاق سے ایک لشکر جمع کیا اور اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا .

اتنی اثنا میں احداد موقع پا کر اس تباہ اندیش کے اشارے سے تیراہ میں آیا اور رہزنی اور لوٹ مار مچانے لگا جو اس بد بخت اور فتنہ پرداز کا رویہ ہے .

جب پلنگ پوس کو شاہی لشکر کے آنے کی خبر ملی تو اُس کی آنکھیں کھلیں اور وہ اپنے ارادۂ باطل پر نادم ہوا اور اپنے ایک عزیز کو اظہار انکسار و چاپلوسی کے لیے ظفر خان کے پاس بھیجا . جب شاہی اُمرا اس کی طرف سے مطمئن ہوگئے تو وہ اُن ہی تیاریوں اور لشکر کے ساتھ ، جو اُنھوں نے پلنگ پوس کے لیے تیار کیا تھا ، راستے سے لوٹ کر مقہور احداد پر حملہ کرنے کے لیے بڑھے تا کہ اس کے فتنے کا قلع قمع کریں .

جب احداد کو پلنگ پوس کے واپس جانے کا حال اور شاہی لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ اپنے میں مقابلے کی طاقت نہ پا کر کوہ اواغر[۱] میں ، جو اس کی مضبوط پناہ گاہ تھی ، چھپ گیا . اور اس نا عاقبت اندیش نے اس پہاڑ کو اپنی پناہ گاہ سمجھ کر درے کے آگے دیوار کھینچ لی تھی اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے

۱- اواغر : اقبال نامۂ جہانگیری میں اس مقام کا نام نواغز مندرج ہے .

کے لیے اُسے ہر طرح مستحکم کیا تھا ، جس میں ہر طرح کے ذخیرے اور تمام قلعہ داری کا سامان جمع کر لیا تھا ۔ اُمرائے شاہی اس کے تہس نہس پر کمر ہمت باندھ کر اور بہت سے دشوار گزار نشیب و فراز طے کرکے اُس درے تک پہنچ گئے اور اس کی تسخیر کے لیے سبھوں نے چاروں طرف سے متحدہ حملہ کر دیا ۔

ے جمادی الاولی ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ع) کو فتح کا نقارہ بجا ۔ صبح سے ۳ پہر تک آتش جنگ بھڑکتی رہی ۔ ۳ پہر کے بعد خدا کے گوناگوں لطف و کرم سے شاہی اُمرا کے حسب دل خواہ فتح و فیروزی کا دروازہ کھلا اور وہ مضبوط پناہ گاہ شاہی لشکر کے بہادروں کے قبضے میں آ گئی ۔

اُس وقت ایک احدی کو ایک شمشیر ، ایک چھری اور ایک انگشتری گھاٹی میں ملی تھی ۔ یہ سب چیزیں اس نے ظفر خاں کو لا کر دکھائیں ۔ ان کے دیکھنے سے یقین ہو گیا کہ یہ چیزیں اُسی نا فرمان کی ہیں ۔ [401] مزید اطمینان کے لیے ظفر خاں اپنے چند لوگوں کے ساتھ اُس بدگہر کی لاش کی شناخت کے لیے گیا ۔ لاش کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کے بندوق کی گولی لگی اور وہ اسی گولی سے جہنم و اصل ہوگیا ۔ اگرچہ اس بات کی منادی کی گئی کہ جس شخص کی گولی سے وہ ہلاک ہوا ہے وہ حاضر ہو لیکن کچھ پتا نہ چلا کہ یہ گولی کس کے ہاتھ سے اُس کے لگی تھی ۔

مختصر یہ کہ اس کا سر سردار خاں کے ہاتھ حضرت جہاں پناہ کی بارگاہ میں بھیجا گیا ۔

ظفر خاں اور دوسرے ملازمین شاہی کو ، جنھوں نے اس جنگ میں پسندیدہ خدمات انجام دی تھیں ، حضرت شاہنشاہی نے اُن کی حیثیت اور قابلیت کے مطابق اضافۂ منصب اور مختلف قسم کے الطاف شاہانہ سے نوازا ۔

رقیہ سلطان بیگم کی وفات :

اسی تاریخ کو خبر ملی ، میرزا ہندال کی بیٹی رقیہ سلطان بیگم ، جو حضرت عرش آشیانی کی بیوی تھیں ، دارالخلافہ اکبر آباد میں رحمت حق سے جا ملیں ۔ یہ جہاں پناہ کی بڑی بیوی تھیں ۔ چونکہ ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اس لیے جب شاہجہاں پیدا ہوا تو حضرت عرش آشیانی نے اس گوہر یکتائے خلافت کو اس بڑی بیگم کی آغوش میں دے دیا اور انھوں نے شاہزادۂ والا گہر کی تربیت کی ۔

مختصر یہ کہ وفات کے وقت ان کی عمر چوراسی سال تھی ۔

خانخاناں پر نوازشیں :

اسی اثنا میں حضرت شاہنشاہی نے عبدالرحیمؒ ولد بیرم خان کو مختلف الطاف شاہانہ و مراحم خسروانہ سے نوازا ، اور خطاب خانخاناں سے اس کی عزت افزائی فرمائی ، اور خلعت و گھوڑا عنایت کر کے سرکار قنوج کا حاکم بنا کر رخصت کیا ۔

اسی زمانے میں وہ تمام ہاتھی ، جن کو حاضر کرنے کے لیے مہابت خان کے نام فرمان جاری کیا گیا تھا ، حضرت شاہنشاہی کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور شاہی فیل خانے میں داخل کیے گئے ۔

مہابت خان کی لڑکی کی نسبت :

ان ہی ایام میں حضرت شہنشاہی سے عرض کیا گیا کہ مہابت خان نے اپنی بیٹی کی نسبت نقشبندی خاندان کے ایک بزرگ زادے خواجہ برخوردار نامی سے کر دی ہے ۔ چونکہ یہ نسبت اور رشتہ بغیر شاہی اجازت کے کیا گیا تھا ، حضرت شاہنشاہی کو اس کا یہ طریقۂ عمل نہایت ناگوار ہوا اور خواجہ برخوردار کو اپنے حضور میں طلب کر کے فرمایا کہ تو نے کس طرح ہماری اجازت کے بغیر مہابت خان سے ، جو ایک بڑے عہدۂ سلطنت پر فائز ہے ، یہ رشتہ جوڑا ہے ؟ جب اُس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو حضرت شاہنشاہی نے اس کے بید لگوا کر اُسے قید کر دیا ۔

میرزا دکنی کو شاہنواز کا خطاب :

ان ہی دنوں میرزا دکنی (۱۰) ولد میرزا رستم صفوی کو حضرت شاہنشاہی نے شاہنواز خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

۲۹ اسفندار ۱۰۳۵ھ (۱٦۲۵ع) کو دریائے چناب کا ساحل ورودِ موکب اقبال سے آراستہ ہوا ۔

حواشی

بیسواں جشن نوروز

(۱) داور بخش اور اس کا بھائی گھراسپ ۲۳ جنوری ۱۶۲۸ع کو شاہنشاہ شاہجہان کے حکم سے قتل کیے گئے ۔ ان کے قتل کے بعد شاہجہان تخت نشین ہوا ۔ (رک : تاریخ جہانگیر بینی پرشاد ، ص ۴۰۲) ۔

(۲) مصطفیٰ خان : سید بایزید بخاری مخاطب بہ مصطفیٰ خان ۔ یہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۰۲۹ھ میں ٹھٹھہ کا صوبیدار مقرر ہوا اور آخر ماہ ذی الحجہ ۱۰۳۴ھ یا ۱۱ محرم ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی ۔ اس کے بعد یہ صوبہ شہریار کے سپرد ہوا (رک : تعلیقات مظہر شاہجہانی ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی ، ص ۳۱۳) ۔

(۳) شہریار : شہریار اور جہاندار ، جہانگیر کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے ۔ شہریار ۱۶۰۵ع میں پیدا ہوا اور ۱۶۲۸ع میں شاہجہان کے حکم سے قتل کیا گیا ۔ (رک : تاریخ جہانگیر ، بینی پرشاد ، ص ۴۲۹-۴۰۱) ۔

(۴) مظفر خان : (میر عبدالرزاق معموری) صحیح النسب سادات میں سے تھا ۔ اس کے آبا و اجداد معمور آباد کے رہنے والے تھے جو نجف اشرف کے مواضعات میں سے ایک موضع ہے ۔ یہ اکبر کے عہد میں سپاہ بنگال کی بخشیگری سے سرفراز ہوا ۔ جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد اسے مظفر خان کے خطاب سے سرفراز کر کے خواجہ جہان کے ہمراہ دوم بخشی گری کے عہدے سے نوازا ۔ جہانگیر کے آخری عہد میں جہانگیر نے اسے مالوے کا صوبیدار مقرر کیا ۔ شاہجہان نے اپنی تخت نشینی کے بعد مظفر خان کو مالوے کی حکومت سے ہٹا کر وہاں کا صوبیدار خان زمان ولد مہابت خان کو مقرر کیا ۔ اس کے بعد وہ دارالخلافہ میں گوشہ نشین ہو گیا اور ایک مدت کے بعد اپنی اجل طلبی سے فوت ہوگیا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ۳ : ص ۳۲۶-۳۲۹) ۔

(۵) شاہزادہ پرویز : جہانگیر کا دوسرا بیٹا تھا ۔ ولادت : ۱۵۸۹ع وفات بسبب

کثرت مےنوشی ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۶ع ۔ (رک: تاریخ جہانگیر ، بینی پرشاد ، ۲۹-۲۹۳) ۔

(۶-۷) طہمورث اور ہوشنگ : یہ دونوں شاہزادہ دانیال کے بیٹے تھے ۔ یہ دونوں آصف خاں کی نگرانی میں تھے ۔ جب مہابت خاں نے آصف خاں کو نظر بند کر دیا تو یہ دونوں شاہزادے بھی مہابت خاں کے ہاتھوں میں نظر بند ہو گئے ، لیکن نورجہاں کے حکم سے یہ رہا ہوئے ۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں کے حکم سے ۱۶۲۸ع میں قتل کیے گئے ۔ (رکنا : تاریخ جہانگیر ، بینی پرشاد ، ص ۳۸۶-۴۰۲) ۔

(۸) بہار بانو بیگم : ولادت : ستمبر ۱۵۹۰ع ۔ اس کی ماں کرمسی ، کیشو داس راٹھور کی بیٹی تھی ۔

(۹) افتخار خاں : احمد بیگ خاں کابلی کا دوسرا بیٹا تھا جس کا نام مخلص اللہ خاں تھا ۔ اس نے ۴ جلوس شاہجہانی میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ۱ : ص ۱۲۷) ۔

(۱۰) میرزا دکنی بن میرزا رستم صفوی : مخاطب بہ شاہ نواز خاں ۔ اس کا نام بدیع الزماں تھا اور میرزا دکنی کے نام سے مشہور تھا ۔ عہد جہانگیری میں شاہی ملازمت میں منسلک ہو کر مرتبۂ امارت کو پہنچا ، اور شاہ نواز خاں کے خطاب سے ممتاز ہوا ۔ بہار اور ٹھٹھہ میں شاہی خدمات انجام دیتا رہا ۔ ۳ ذی الحجہ ۱۰۴۷ھ کو اس کی بیٹی شاہزادہ اورنگ زیب سے بیاہی گئی ۔ ۱۵ جلوس شاہجہانی میں اس کی دوسری بیٹی کی نسبت شاہزادہ محمد مراد بخش سے قرار پائی ۔ ۱۰۶۹ھ کو ایک جنگ میں ، جو کوکلا پہاڑی کے متصل واقع ہوئی تھی ، ایک تیر کھا کر وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۶۷۰-۶۷۵) ۔

اکیسواں جشنِ نوروز

۲۲ جمادی الثانی ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶ع) کو منگل کے دن آفتاب عالم تاب کے بُرج حوت سے بُرج حمل میں تحویل ہونے پر اکیسویں سال جلوس کا مبارک آغاز ہوا۔ دریائے چناب کے ساحل پر حضرت شہنشاہی نے ایک دن جشن نوروز کے رسوم ادا کیے اور دوسرے روز اس منزل سے کوچ فرمایا۔

شاہِ ایران کے ایلچی کی روانگی :-

اسی اثنا میں حضرت شاہنشاہی نے شاہ فلک بارگاہ شاہ عباس کے ایلچی آقا محمد کو رخصت فرماتے ہوئے اس کو خلعت مع خنجر مرصّع اور تیس ہزار روپے عنایت کیے۔ شاہ عباس کے لیے شاہی محبت نامے کا جواب لکھا اور ایک گُرز، جو تمام کا تمام ہیروں سے مرصّع تھا، جس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی۔ اور ایک نہایت نفیس و نادر مرصّع خنجر تحفے کے طور پر اس کے ہاتھ روانہ کیا۔

مہابت خاں کی گستاخی اور بغاوت :

گزشتہ اوراق میں عرب دست غیب کو مہابت خاں کے پاس ہاتھیوں کے لانے کے لیے بھیجے جانے کا حال لکھا جا چکا ہے، [402] اور یہ بھی تحریر ہوا ہے کہ اُسے دربار میں حاضر ہونے کا اشارۃً حکم بھی دیا گیا تھا۔ ان ہی ایام میں مذکورہ احکام کے مطابق مہابت خاں دریائے جہلم کے کنارے شاہی لشکر کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی طلبی آصف خاں کی تحریک اور کارپردازی سے ہوئی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا مہابت خاں کو ذلیل و خوار کر کے اس کی عزت و ناموس اور جان و مال پر ہاتھ ڈالے۔ وہ اس اہم بات کو نہایت معمولی سمجھ رہا تھا اور مہابت خاں اس کے برخلاف نہایت چوکنّا تھا۔ وہ اپنے ساتھ چار پانچ ہزار جنگجو راجپوت، جو یک دل و ہم خیال تھے، لایا تھا۔ اور راجپوتوں کے بعض اکابر بھی ساتھ تھے۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ جب جان پر بن آئے اور تلوار چل جائے اور ہر طرف اور ہر راہ سے مایوسی ہو جائے تو اس وقت جہاں تک ممکن ہو، اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے ہاتھ

پاؤں مارے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ جان نثار کر دے ۔

وقتِ ضرورت چو نماند گریز
دست بگیرد سرِ شمشیر تیز

اس کے شاہی پڑاؤ میں آنے کے طور طریق سے لوگوں میں مختلف چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور نواب آصف خاں بالکل غفلت اور بے پروائی میں دن گزارنے لگا۔

جب اس کے آنے کی اطلاع حضرت شاہنشاہی کو ملی تو پہلے اس کے نام فرمان جاری کیا کہ جب تک کہ وہ سرکاری واجبات دیوان اعلیٰ کو دے کر اپنا حساب بیباق نہ کرے اور اپنے مدعیوں کو انصاف کے تقاضوں کے مطابق مطمئن نہ کر دے ، اس وقت تک اس کو کورنش و تسلیمات بجا لانے کی اجازت نہیں دی جائے گی ۔

خواجہ برخوردار ولد خواجہ عمر نقشبندی کو ، جس کے ساتھ مہابت خاں نے اپنی بیٹی کی نسبت کی تھی اور جس کا تذکرہ پہلے آ چکا ہے ، شاہی اجازت کے بغیر نسبت کر لینے کی پاداش میں قید میں ڈال دیا گیا تھا ۔ حضرت شاہنشاہی نے اس کے متعلق حکم دیا کہ مہابت خاں نے جو کچھ اسے دیا ہے ، فدائی خاں اس سے واپس لے کر شاہی خزانے میں داخل کر دے ۔

جہانگیر کی طرف سے آصف خاں کی غفلتیں :

چونکہ شاہی لشکر کا پڑاؤ دریائے چناب کے کنارے واقع تھا ، مہابت خاں جیسے قوی بازو اور جانباز دشمن کے ہوتے ہوئے آصف خاں اپنے پیر و مرشد یعنی حضرت شاہنشاہی کو دریا کے کنارے چھوڑ کر خود اپنے اہل و عیال ، اسباب و سامان اور خدم و حشم کے ساتھ پُل کے راستے عبور کر کے دریا کے دوسرے کنارے پر جا کر مقیم ہو گیا ۔ اسی طرح کارخانجات ، خزانہ ، اسلحہ خانہ وغیرہ حتیٰ کہ خدمتگار اور بندگانِ مقرب بھی دریا کو عبور کر گئے ۔ جس کی وجہ سے حضرت شاہنشاہی دریا کے اس کنارے تنہا رہ گئے ۔ یہ دیکھ کر معتمد خاں نے ، جو بخشی اور میر توزک تھا ، دوبارہ دریا کو عبور کر کے رات پیش خانے میں گزاری ۔

مہابت خاں کی گستاخیاں اور جہانگیر کا محصور ہونا :

مہابت خاں جب یہ سمجھ گیا کہ اب اس کی عزت و ناموس پر آ بنی ہے تو صبح کو ، جب کہ بندگانِ درگاہ میں سے کوئی شخص جہاں پناہ کے گرد و پیش

نہ تھا، وہ چار پانچ ہزار راجپوت سواروں کے ساتھ، جن سے وہ قول و قرار لے چکا تھا، اپنی اقیام گاہ سے نکل کر پہلے پُل پر پہنچا اور اس نے تقریباً دو ہزار سوار وہاں متعین کر دیے، اور انہیں حکم دیا کہ اگر کوئی آنے کا ارادہ کرے تو وہ پُل میں آگ لگا کر اس کا جم کر مقابلہ کریں. وہ خود دولت خانے کی طرف بڑھا اور حرم شاہی کے دروازے سے گزر کر معتمد خاں کے پیش خانے میں پہنچ کر حالات دریافت کرنے لگا. معتمد خاں کو معلوم ہوا تو وہ تلوار باندھ کر خیمے سے باہر نکلا. جب مہابت خاں کی نظر اس پر پڑی تو وہ معتمد خاں سے شاہی حالات پوچھنے لگا. اس وقت تقریباً سو راجپوت برچھے اور تلواریں ہاتھ میں لیے ہوئے اس کے ساتھ تھے، جن کے چہرے گرد میں اٹ جانے کی وجہ سے اچھی طرح پہچانے نہیں جاتے تھے. اب مہابت خاں دروازۂ کلاں کی طرف بڑھا. اس وقت دولت خانے کے صحن میں چند پاسبان وغیرہ اور تین چار خواجہ سرا دروازے کے سامنے کھڑے تھے. مہابت خاں گھوڑے پر سوار دولت خانہ میں پہنچ گیا اور وہاں گھوڑے سے اترا. پھر وہاں سے پیدل غسل خانے کی طرف بڑھا. اس وقت تقریباً دو سو راجپوت اس کے ہمراہ تھے.

معتمد خاں نے آگے بڑھ کر اس سے کہا کہ یہ گستاخی اور بے باکی ادب سے دور ہے. تھوڑی دیر ٹھہرو تا کہ میں حضرت شاہنشاہی کی خدمت میں تمھاری طرف سے تسلیم و کورنش بجا لانے [403] اور آستان بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے عرض کروں. اس نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا. جب وہ غسل خانے کے دروازے کے قریب پہنچا تو غسل خانے کے دروازے کو، جو شاہی دربانوں نے بند کیا تھا، توڑ دیا اور دولت خانے کے صحن میں داخل ہو گیا. خاص شاہی خادموں نے جو حضرت شاہنشاہی کے ہر وقت گرد و پیش رہنے کی سعادت سے بہرہ ور تھے اس گستاخی کی اطلاع حضرت شاہنشاہی کو دی. جہاں پناہ خیمے سے نکل کر پالکی میں بیٹھ گئے جو اُن کے لیے باہر تیار رکھی گئی تھی.

اُس وقت مہابت خاں نے مراسم کورنش بجا لا کر اور پالکی کے گرد پھر کر عرض کیا کہ چونکہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ آصف خاں کی عداوت و کینہ پروری سے چھٹکارا ممکن نہیں، اور میں طرح طرح کی ذلت و رسوائی سے مارا جاؤں گا، اس لیے میں پریشانی کی حالت میں اس جراءت و بے باکی کا مرتکب ہوا اور میں نے خود کو حضرت شاہنشاہی کی پناہ میں لا ڈالا ہے. اگر میں قتل کا مستحق ہوں

تو حضور مجھے اپنے سامنے قتل کر دیں ۔

اتنے میں اس کے ہتھیار بند راجپوت پے در پے پہنچ گئے اور سرا پردۂ شاہی کو چاروں طرف سے گھیر لیا ، اور حضرت شاہنشاہی کی خدمت میں سوائے عرب دست غیب کے جو ان کا حامی تھا ۔ میر منصور بدخشی ، جواہر خاں خواجہ سرا ، بلند خاں ، خدمت پرست خاں ، فیروز خاں ؛ (۱) خدمت خاں خواجہ سرا اور فصیح خاں مجلسی اور دوسرے تین چار خاص لوگوں کے کوئی اور حاضر نہ تھا ۔

چونکہ اس بے ادب نے مزاج اقدس کو سخت منغّض کر دیا تھا اور اعتدال پسند طبیعت میں سخت برہمی پیدا کر دی تھی ؛ اس لیے غیرت و حمیت کے جوش میں آ کر حضرت شاہنشاہی نے دو مرتبہ قبضۂ شمشیر پر ہاتھ ڈالا تاکہ دنیا کو اس بے باک کے ناپاک وجود سے پاک کر دیں ، لیکن ہر مرتبہ میر منصور بدخشی نے ترکی میں عرض کیا کہ وقت کا تقاضا یہ نہیں ہے ۔ مصلحت اس میں ہے کہ اس بدبخت و ناہنجار کی سزا منتقم حقیقی خدائے تعالیٰ کے سپرد کی جائے یہاں تک کہ اس کے کیفر کردار کا وقت آ پہنچے ۔ چونکہ اس کی باتیں خیرخواہی کے جذبے پر مبنی تھیں اس لیے حضرت شاہنشاہی نے ضبط سے کام لیا ۔

تھوڑی ہی دیر میں اس کے راجپوتوں نے دولت خانے کو اندر اور باہر سے گھیر لیا ؛ یہاں تک کہ اب سوائے اس کے اور اس کے نوکروں کے کوئی دوسرا نظر نہ آتا تھا ۔

اس وقت اس بد بخت نے گزارش کی کہ سواری کا وقت ہو گیا ہے ، حضور سوار ہو جائیں تاکہ یہ جاں نثار غلام خدمت میں رہے اور لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ جرات و گستاخی حضور ہی کے حکم سے مجھ سے سرزد ہوئی تھی ، اور اپنے گھوڑے کو پیش کر کے نہایت انکسار و عاجزی سے عرض کیا کہ حضور اسی گھوڑے پر سوار ہوں ، لیکن حضرت شاہنشاہی کی غیرت شاہی نے اجازت نہ دی کہ وہ اس کے گھوڑے پر سواری فرمائیں ۔ چنانچہ حضرت شاہنشاہی نے حکم دیا کہ شاہانہ سواری کا گھوڑا حاضر کیا جائے ۔ پھر سواری کے لیے لباس بدلنے کی خاطر قیام گاہ کے اندر جانا چاہا لیکن وہ فتنہ انگیز اس پر راضی نہ ہوا ۔

القصہ اس وقفے میں شاہی ملازموں نے شاہی خاصے کا گھوڑا حاضر کیا اور حضرت جہاں پناہی اس پر سوار ہوئے اور دو مرتبہ کی تیراندازی کے فاصلے تک گئے ۔

اس کے بعد مہابت خاں اپنا ہاتھی لے کر آیا اور عرض کیا کہ چونکہ

اس وقت شورش اور ہجوم برپا ہے ، اس لیے فدوی کی نظر میں مصلحت یہ ہے کہ حضور اس پر سوار ہو کر شکار گاہ کی طرف روانہ ہوں ۔ حضرت جہاں پناہ بے تامل اس ہاتھی پر سوار ہوگئے ۔ اس کے بعد اس نے اس ہاتھی پر ایک راجپوت ہودے کے آگے اور دو پیچھے بٹھا دیے ۔ اسی اثنا میں مقرب خاں بھی حضرت شاہنشاہی کے پاس پہنچ کر ان کی اجازت سے ہودے کے اندر حضرت شاہنشاہی کے نزدیک بیٹھ گیا ۔ اس ہنگامے اور طوفان بد تمیزی میں مقرب خاں کی پیشانی پر ایک زخم لگ گیا تھا [404] ۔

خدمت پرست خاں خواص بھی ، جس کے ہاتھ میں روزانہ کی مقررہ شراب اور پیالہ خاصہ تھا ، ہاتھی تک پہنچا ۔ ہر چند راجپوتوں نے برچھے کی نوک اور ہاتھ پاؤں کے زور سے اسے روکنا چاہا اور کوشش کی کہ اسے آنے کی جگہ نہ دیں ، لیکن اس نے ہودے کے کنارے کو مضبوط پکڑ کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا ۔ چونکہ باہر بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اس لیے وہ ہودے کے اندر دھنس کر بیٹھ گیا ۔

گجپت خاں اور اس کے بیٹے کا مارا جانا :

تقریباً آدھ کوس کی مسافت طے ہوئی تھی کہ گجپت خاں داروغہ فیل خانہ شاہی سواری خاصہ کی ہتھنی لے کر حاضر ہوا ۔ اس پر وہ خود آگے اور اس کے پیچھے اس کا بیٹا بیٹھا ہوا تھا ۔ مہابت خاں نے راجپوتوں کو اشارہ کیا ۔ انھوں نے اس بے گناہ کو اس کے بیٹے سمیت شہید کر دیا ۔

مختصر یہ کہ وہ اس طرح سیر و شکار کے بہانے حضرت شاہنشاہی کو اپنے خیمے میں لے کر آیا ۔ حضرت جہاں پناہ کچھ دیر اس کے خیمے میں ٹھہرے رہے ۔ اس نے اپنے بیٹوں کو حضرت شاہنشاہی کے گرد پھرایا ۔

چونکہ اسے اس ہنگامے میں نورجہاں بیگم کا خیال نہ رہا تھا ، اب اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ حضرت شاہنشاہی کو پھر ان کے دولت خانے تک لے جا کر وہاں سے نورجہاں بیگم (۲) کو بھی ساتھ لے کر آئے ۔ چنانچہ وہ اس ارادے سے دوبارہ حضرت شاہنشاہی کو دولت خانے میں لے کر آیا ۔

اتفاق سے جس وقت حضرت جہاں پناہی سیر و شکار کے ارادے سے سوار ہوئے ، نورجہاں بیگم فرصت کو غنیمت سمجھ کر جواہر خاں خواجہ سرا ناظر محلات شاہی کے ساتھ دریا کو پار کر کے اپنے بھائی آصف خاں کے پاس جا چکی

تھی ۔ وہ بد بخت نورجہاں بیگم کے جانے کی خبر پا کر اپنی اس غفلت اور فراموشی پر ، جو اس نے بیگم کی محافظت میں برتی ، سخت نادم اور پریشان ہوا ۔

اب اُسے شہریار کی فکر ہوئی اور اس نے سمجھا کہ شہریار کو حضرت شاہنشاہی کی خدمت سے جدا رکھنا بڑی غلطی ہو گی ۔ یہ سمجھ کر اس کی فاسد رائے بدلی اور جہاں پناہ کو سوار کر کے شہریار کے یہاں لے گیا ۔ حضرت شاہنشاہی وسعتِ حوصلہ اور عالی ظرفی کی بنا پر جو وہ کہتا تھا کرتے تھے ۔

چھجو کا مارا جانا :

اسی دوران شجاعت خاں کا پوتا چھجو بھی حضرت شاہنشاہی کے قریب پہنچ گیا لیکن جب وہ شہریار کے خیمے میں پہنچا تو مہابت خاں نے راجپوتوں کو اشارہ کیا جنھوں نے اسے قتل کر دیا ۔

نورجہاں بیگم کی تدبیریں :

الغرض جب نورجہاں بیگم دریا کو عبور کر کے اپنے بھائی کے ہاں پہنچ گئی تو اس نے مقربانِ سلطنت کو طلب کر کے ان سے خطاب کیا اور ان پر عتاب کرتے ہوئے کہا کہ تمھاری غفلت اور ناتجربہ کاری سے نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے اور جو بات کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھی ، پیش آ کر رہی ، جس سے تم کو خدا اور خلق خدا کے سامنے اپنے کردار پر شرمسار ہونا چاہیے ۔ اب تمھیں اس غلطی کا تدارک کرنا چاہیے اور اس معاملے میں جو تمھارا مشورہ ہو اور جو کام مفید مطلب ہو ، بیان کرنا چاہیے ۔

سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا کہ تدبیر درست اور رائے صائب یہی ہے کہ کل فوجیں ترتیب دے کر آپ کے ہمرکاب دریا کو عبور کر کے اس مفسد کو سرنگوں اور ذلیل کریں ، اور حضرت جہاں پناہی کی خدمت میں پہنچ کر زمیں بوسی کی سعادت حاصل کریں ۔

جب اُمرائے لشکر کا یہ غیر معقول مشورہ حضرت شاہنشاہی کو معلوم ہوا تو انھوں نے یہ احمقانہ منصوبہ رد کر دیا اور اسی رات مقرب خاں ، صادق خاں بخشی ، میر منصور اور خدمت خاں کو پے در پے آصف خاں اور اُمرائے لشکر کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ دریا کو عبور کرنا اور جنگ کرنا بے معنی

ہے ۔ ہرگز اس نامناسب اور طفلانہ تدبیر پر عمل کرنے کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ اس کا نتیجہ سوائے ندامت و پشیمانی کے کچھ نہ ہو گا ۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ میں یہاں ہوں ، کس سرگرمی اور کس امید پر جنگ کرتے ہو ۔
مزید احتیاط اور اعتماد کے لیے اپنی انگشتری مبارک بھی میر منصور کے ہاتھ بھجوائی ۔ **آصف خان** کو یہ گمان ہوا کہ یہ ناعاقبت اندیش **مہابت خان** کی کوئی نئی چال ہے اور **حضرت شاہنشاہی** نے اس کے کہنے پر مجبور ہوکر [405] اس انگشتری کو روانہ فرمایا ہے ، اس لیے وہ اسی سابقہ قرار داد کے مطابق اپنے ارادے پر ثابت قدم رہا ۔

فدائی خان کی سرگرمیاں :

اس وقت **فدائی خان** (۳) جو زمانے کی فتنہ پردازی سے واقف ہو چکا تھا ، سوار ہو کر دریا کے کنارے آیا ۔ چونکہ راجپوتوں نے پُل میں آگ لگا دی تھی اور دریا عبور کرنے کا کوئی امکان باقی نہ رہا تھا ، وہ بے قرار ہوگیا اور اس شر و فساد کے بھنور میں اس نے اپنے چند ملازموں کے ساتھ دولت خانے کا رخ کر کے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا ، اور چاہا کہ دریا کو تیر کر پار کر جائے ۔ اس کوشش میں اس کے چھ ساتھی غرق ہوگئے ، اور چند پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے غوطے کھاتے ہوئے نیم جان ساحل تک پہنچے ۔ فدائی خان نے دریا کو عبور کر کے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا ۔ اس کے اکثر رفیقوں نے اس کا ساتھ دیا اور اس کے ساتھیوں میں چار آدمی مارے گئے ۔
جب **فدائی خان** نے دیکھا کہ اس کے بنائے کچھ نہیں بنتی اور دشمن زبردست ہے اور وہ کسی طرح بھی **حضرت شاہنشاہی** تک نہیں پہنچ سکتا ، تو وہ دریا کو عبور کر کے واپس لوٹ آیا ۔
حضرت شاہنشاہی نے وہ دن اور وہ رات شہریار کی قیام گاہ میں بسر کی ۔

حضرت شاہنشاہی کو چھڑانے کے لیے نورجہان بیگم اور آصف خان کا حملہ :

۸ فروردین ۲۹ جادی الثانی ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶ع) کو **آصف خان** نے خواجہ ابوالحسن اور دوسرے ارکانِ دولت کے مشورے کے بعد دشمن سے لڑنے کا فیصلہ

کیا اور اس گزرگاہ سے ، جس کو غازی بیگ داروغہ نواڑہ (جنگی کشتیوں) نے پایاب سمجھا تھا ، مہد علیا نورجہاں بیگم کو ساتھ لے کر عبور کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اتفاق سے بد ترین راستہ یہی تھا جس میں تین چار جگہ نہایت عمیق اور عریض پانی سے گزرنا پڑتا تھا ۔ چنانچہ اس میں سے گزرتے ہوئے افواج کا انتظام باقاعدہ نہ رہا اور ہر فوج علیحدہ علیحدہ سمتوں میں جا پڑی ۔

آصف خاں ، خواجہ ابوالحسن اور ارادت خاں ، جو نور جہاں بیگم کی عماری کے ساتھ تھے ، دشمن کے سب سے بڑے دستے فوج کے سامنے آ گئے جس کے زبردست جنگی ہاتھی فوج کے آگے دریا کا کنارہ مستحکم کیے کھڑے تھے ۔

سب سے پہلے فدائی خاں دریا کے نشیب کی طرف سے ابوالحسن اور آصف خاں سے ایک تیر پرتاب کے فاصلے سے دریا سے پار ہو گیا اور ایک دوسری فوج کے سامنے آ گیا ۔ ابو طالب ولد آصف خاں شیر خواجہ ، اللہ یار اور دوسرے لوگ فدائی خاں سے زیادہ دور کے فاصلے سے پار ہوئے ۔

ابھی لشکر کا ایک حصہ دریا کو پار کر چکا تھا اور بعضے دریا کے بیچ میں تھے کہ دشمن کی فوجیں ہاتھی بڑھا کر حملہ آور ہو گئیں ۔ آصف خاں اور خواجہ ابوالحسن ابھی دریا کے بیچ میں ہی تھے ۔

معتمد خاں دریا کے ایک حصے سے دریا کو عبور کر کے دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑا ہوا نیرنگیِ تقدیر کا تماشا دیکھ رہا تھا کہ سوار ، پیادے ، گھوڑے اور اونٹ پانی میں سے گزرتے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے اور دریا کو پار کرنے کی کوشش کر رہے تھے ۔

اتنے میں بیگم کے خواجہ سرا ندیم نے آ کر کہا کہ مہد علیا نور جہاں بیگم فرماتی ہیں کہ یہ توقف و تامل کا کون سا موقع ہے ۔ مردانہ وار قدم آگے بڑھاؤ تاکہ دشمن شکست کھا کر فرار ہونے پر مجبور ہو جائے ۔

نورجہاں کے اس عتاب آمیز پیغام کے سنتے ہی خواجہ ابوالحسن تیزی سے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال کر آگے بڑھا ۔ راجپوت لشکر شاہی کے اس راستے کو روکنے کے لیے دریا کے اندر گھس آئے ۔

نورجہاں بیگم کی عماری میں شہریار اور شاہ نواز خاں کی لڑکیاں بھی بیٹھی ہوئی تھیں ۔ اس حالت میں ایک تیر شہریار کی لڑکی کے بازو پر آ کر لگا ، جسے نورجہاں بیگم نے اپنے ہاتھ سے کھینچ کر باہر پھینک دیا ، خون سے اس

کا لباس رنگین ہوگیا ۔

جواہر خان خواجہ سرا ناظر محل اور بیگم کا خواجہ سرا ندیم اور دوسرے خواجہ سرا ، جو بیگم کے ہاتھی پر آگے بیٹھے ہوئے تھے ، بیگم کی حفاظت کرتے ہوئے جاں نثار ہو گئے ۔ دو تین زخم ہاتھی کی سونڈ پر آئے جن کی وجہ سے وہ پلٹا ۔ جب ہاتھی کا منہ پھر گیا تو راجپوتوں نے دو تین وار برچھے کے ہاتھی کی پشت پر کیے ۔ اُس وقت راجپوت تلواریں کھینچے ہوئے پے در پے چلے آ رہے تھے ۔ فیل بان ہاتھی کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا ، یہاں تک کہ وہ ایسی جگہ پہنچا جہاں پانی گہرا تھا ۔ راجپوتوں کے گھوڑے پانی میں تیرنے لگے ، لیکن غرق ہونے کے خوف سے اُنھوں نے باگیں موڑ لیں اور پلٹ گئے اور بیگم کا ہاتھی تیرتا ہوا پانی سے گزر گیا اور دولت خانۂ شاہی میں جا کر سب لوگ اُترے ۔

عین اس وقت جب راجپوت اس طرف اپنا زور ڈال رہے تھے ، [406] آصف خان سامنے آیا ، جو اپنے ساتھیوں سے نیرنگیٔ زمانہ اور رفیقوں کی بے راہ روی اور ہمت شکن نتائج کا شکوہ کرتے ہوئے چل دیا ۔ اُس کے ساتھیوں نے اس کی بہت تلاش کی لیکن کہیں اس کا پتا نہ چلا ۔

خواجہ ابوالحسن نے بھی ہول اور اضطراب کے عالم میں گھوڑے کو تیز ہانکتے ہوئے دریا میں ڈال دیا ۔ چونکہ پانی گہرا تھا اور تیز بہہ رہا تھا ، وہ تیرتے وقت گھوڑے سے جدا ہو گیا ، لیکن زین کے ایک گوشے کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑے رہا ، یہاں تک کہ غوطے کھانے لگا اور اُس کا سانس پھول گیا ، لیکن اُس نے زین کو نہیں چھوڑا ۔ اس حالت اضطراب میں ایک کشمیری ملاح کی نظر اُس پر پڑ گئی اور اس نے خواجہ کو دریا سے نکال لیا ۔

فدائی خاں کی جدوجہد :

فدائی خاں اپنے نوکروں کی ایک جمعیت اور چند شاہی ملازموں کے ساتھ جو اس کے دوست تھے ، دریا عبور کرکے اپنے مقابل کی فوج سے لڑنے لگا اور دشمن کو دھکیلتا ہوا شہریار کی قیام گاہ تک پہنچ گیا ، جہاں حضرت شاہنشاہی مقیم تھے ۔ چونکہ سراپردہ کا اندرونی حصہ سوار اور پیادوں سے بھرا ہوا تھا ، اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر تیر برسانے شروع کر دیے ۔ چونکہ

اس کے تیر دولت خانے کے صحن میں حضرت شاہنشاہی کے پاس گرتے تھے اور مخلص خان تخت کے پاس کھڑا ہوا حضرت شاہنشاہی کی حفاظت کر رہا تھا ، فدائی خان بہت دیر تک کھڑا ہوا موقعے کی تلاش کرتا رہا ۔ اس کے ساتھیوں میں سے سید مظفر نے ، جو ایک تجربہ کار جنگ جو اور وفادار تھا اور فدائی خان کے رشتے دار عطاء اللہ تاہی نے شہادت پا کر حیات جاوید حاصل کی ۔

سید عبدالغفور بخاری بھی ، جو بہادر جوانوں میں سے تھا ، بری طرح زخمی ہوا اور فدائی خان کے گھوڑے کو بھی چار زخم لگے ۔ جب اُسے اندازہ ہو گیا کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی اور جہاں پناہ کی خدمت میں پہنچنا نا ممکن ہے ، تو اس نے گھوڑے کی باگ موڑ لی اور لشکر گاہ سے باہر آیا اور دریا کے بالائی حصے پر پہنچ گیا ، اور دوسرے دن دریا کو پار کر کے اپنے بیٹے کے پاس رہتاس چلا گیا ، اور وہاں سے اپنے اہل و عیال کو لے کر گرچاک تنڈیہ[1] میں آرام و اطمینان کے ساتھ مقیم ہو گیا ۔ چونکہ اس پرگنے کے زمیندار بدو بخش[2] سے اُس کے روابط اور تعلقات قدیم تھے ، اس لیے وہ اپنے بیٹوں کو وہاں چھوڑ کر اور ان کی طرف سے اطمینان حاصل کر کے ہندوستان روانہ ہو گیا ۔

شیر خواجہ ، اللہ وردی خان ، قراول باشی اور اللہ یار خان ولد افتخار خان کے جدھر سینگ سمائے اُدھر نکل گئے ۔

آصف خان کا قلعۂ اٹک میں محصور ہونا :

جب آصف خان نے اندازہ کر لیا کہ مہابت خان کے ہاتھ سے چھٹکارا ممکن نہیں تو وہ اپنے بیٹے ابو طالب اور دو تین سو جنگ سامان سواروں اور اور خدمت گزاروں کے ساتھ قلعۂ اٹک کی طرف روانہ ہو گیا جو اس کی جاگیر میں تھا ۔ جب وہ رہتاس پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ ارادت خان بھی ایک گوشے

۱۔ اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام کرجاک تندنہ ہے ۔ (اقبال نامۂ جہانگیری ، مطبوعہ الہ آباد ، ص ۲۸۹) ۔

۲۔ اقبال نامۂ جہانگیری میں بدر بخش کے نام کے ساتھ جنوہہ بھی ہے اور اس کے ایک اور نسخے میں بدر بخش جنہولہ ہے ؛ (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، مطبوعہ الہ آباد ، ص ۲۸۹) ۔

میں وہاں مقیم ہے . اس نے اپنے آدمی بھیجے اور بڑے اصرار کے ساتھ اُسے بلوایا لیکن انتہائی کوشش کے باوجود وہ آصف خاں کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوا . آصف خاں قلعہٗ اٹک میں جا کر قلعہ بند ہو گیا . ارادت خاں وہاں سے لوٹ کر لشکر میں آیا . خواجہ ابوالحسن عہد و قسم سے اطمینان حاصل کر کے مہابت خاں سے ملا ، اور اس سے ارادت خاں و معتمد خاں کے نام ایک تحریر حاصل کی . اس تحریر میں مہابت خاں نے سخت قسمیں کھاتے ہوئے انھیں یقین دلایا تھا کہ اُن کی جان و مال ، عزت و ناموس کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے گا . اُس وقت وہ دونوں خواجہ ابوالحسن کے ہمراہ مہابت خاں سے ملے .[۱]

عبدالصمد منجّم کا قتل :

اُسی دن شیخ عبدالصمد کے نواسے شیخ چاند منجّم کو ، جو آصف خاں کا بہت دوست اور رفیق تھا اور ایک قابل نوجوان تھا ، مہابت خاں نے اپنے سامنے قتل کرا دیا .

والیِ بلخ کے ایلچی کا شرفِ حضوری :

اُسی زمانے میں والیِ بلخ نذر محمد خاں کا ایلچی شاہ خواجہ نے دربار شاہی میں پہنچ کر شرفِ حضوری حاصل کیا اور کورنش و تسلیم کے [407] آداب بجا لانے کے بعد ، جو اس سلطنت کا معمول ہے ، اس نے نذر محمد خاں کا خط ، جو خلوص و نیاز مندی پر مشتمل تھا ، اُس ملک کے تحائف و ہدایا کے ساتھ پیش کیا . اس کے علاوہ اپنا پیش کش اور نذر محمد خاں کے تحائف ملاحظہٗ شاہی میں گزرانے . نذر محمد خاں کے تحائف جو گھوڑوں اور ترکی غلاموں پر مشتمل تھے ، ان کی مجموعی قیمت کا اندازہ پچاس ہزار روپے لگایا گیا . اُسی وقت ایلچی کو تیس ہزار روپے انعام دیے گئے .

۱۔ اقبال نامہٗ جہانگیری میں اس ملاقات کی تفصیل لکھتے ہوئے معتمد خاں بخشی نے لکھا ہے کہ میں اور ارادت خاں ، مہابت خاں سے ملنے گئے ، اس نے اس قدر بیہودہ اور رکیک باتیں کیں کہ ان کو سن کر زندگی سے موت بدرجہا بہتر نظر آتی تھی . (رک : اقبال نامہٗ جہانگیری) .

آصف خاں مہابت کی قید میں :

اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ آصف خاں[1] ، مہابت خاں سے بہت خائف تھا اور قلعۂ اٹک میں قلعہ بند ہو گیا تھا اور کُل دو سو پچاس سوار و پیادے اس کے ساتھ تھے ۔ مہابت خاں نے چند شاہی احدی ، اپنے ملازم اور نواح کے زمین‌داروں کو اپنے بیٹے بھروز(۴) نامی اور شاہ قلی کی سرکردگی میں روانہ کیا کہ وہ فوراً جا کر قلعۂ اٹک کا محاصرہ کر لیں ۔ یہ لوگ وہاں پہنچے اور قلعے پر قابض ہوگئے ۔ آصف خاں نے تن بتقدیر خود کو تقدیر الٰہی کے سپرد کر دیا ۔ مہابت خاں کے فرستادہ لوگوں نے اسے عہد و پیمان کے ساتھ تسلی دی اور حقیقت حال مہابت خاں کو لکھ بھیجی ۔

جب سواریِ شاہانہ دریائے اٹک سے گزری تو مہابت خاں حضرت شاہنشاہی سے اجازت لے کر قلعۂ اٹک میں پہنچا اور آصف خاں کو اس کے بیٹے ابو طالب اور خلیل اللہ ولد میر میران کے ساتھ قید کر لیا اور قلعہ اپنے ملازموں کے حوالے کر دیا ۔

عبدالخالق ، محمد تقی اور مُلّا محمد قنومدی کا قتل :

اسی اثنا میں مہابت خاں نے خواجہ شمس الدین محمد خوافی (۵) کے بھتیجے عبد الخالق کو جو ، آصف خاں کے مصاحبوں اور خاص لوگوں میں تھا ، اور شاہجہان کے بخشی محمد تقی (۶) کو جو برہان پور کے محاصرے میں اس کے ہاتھ آیا تھا ، دونوں کو قتل کرادیا ۔

اسی طرح مُلّا میر محمد قنومدی[2] (۷) کو جو اُستاد ہونے کی حیثیت سے آصف خاں کے پاس رہتا تھا ، قتل کرا دیا ۔ اس کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ جس وقت مُلّا میر محمد کو زنجیر پہنائی گئی ، وہ زنجیر جو اس کے پاؤں میں ڈالی گئی ،

۱۔ آصف خاں : (آصف جاہی) بن اعتماد الدولہ ، برادر کلاں نور جہان بیگم ، متوفی ۱۰۵۱ھ بمقام لاہور ، مدفن حوالیِ مقبرۂ جہانگیر ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۵۱—۱۶۰) ۔

۲۔ اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام مُلا محمد ٹھٹھی ہے ۔ (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، مطبوعہ الہ آباد ، ص ۲۹۱) ۔

حلقہ دار تھی اور اس قدر مضبوط نہ تھی جتنی اس کو مضبوط ہونا چاہیے تھا ۔ اتفاق سے وہ حلقہ جو اس کے پاؤں میں ڈالا گیا تھا مضبوط نہ ہونے کی وجہ سے تھوڑے سے ہلنے جلنے سے اس کے پاؤں سے نکل گیا ۔ مہابت خاں نے اس بات کو مُلّا کی افسوں گری اور جادو گری پر محمول کیا ۔ چونکہ مُلّا حافظ قرآن مجید تھا اور ہمیشہ قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتا تھا ، جس کی وجہ سے ہر وقت اس کے ہونٹ حرکت کرتے رہتے تھے ، مہابت خاں نے مُلّا کے ہونٹوں کی حرکت سے یہ سمجھا کہ وہ اُسے بد دعا دیتا ہے ، اس لیے اس نے انتہائی توہم اور وسوسے میں اس مظلوم کو قتل کر دیا ۔

مُلّا محمد فضائل ظاہری و باطنی کے ساتھ زیور صلاح و تقویٰ سے بھی آراستہ تھا ۔ افسوس ہے کہ اس سفاک و بیباک نے ایسے صاحب علم و فضل کی قدر نہ پہنچانی ۔ اور اس کو بلا وجہ ضائع کر دیا ۔

جلال آباد میں کافروں کا شرفِ حضوری :

جب نواحِ جلال آباد میں لشکر شاہی وارد ہوا تو کافروں کی ایک جماعت نے حضرت شاہنشاہی کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ حضوری حاصل کیا ۔

یہاں ان لوگوں کے بعض رسوم اختصار کے ساتھ لکھے جاتے ہیں ، کیونکہ ان کے رسم و رواج انوکھے معلوم ہوتے ہیں ۔

ان لوگوں کے معتقدات و رسوم اور طور و طریق تبّت کے کافروں سے ملتے جلتے ہیں ۔

یہ لوگ آدمی کی صورت کا سونے یا پتھر کا ایک بت بنا کر اس کی پرستش کرتے ہیں ۔ ایک عورت سے زیادہ شادی نہیں کرتے ، البتہ ایسی صورت میں جبکہ پہلی عورت بانجھ ہو یا شوہر کے ساتھ اس کی موافقت نہ ہو ، تو دوسری شادی کرتے ہیں ۔ کسی دوست یا رشتہ دار کے گھر جانا چاہتے ہیں تو مکانوں کی چھتوں پر سے جاتے ہیں ۔ شہر کی فصیل میں ایک دروازہ ہوتا ہے ۔ سور ، مچھلی اور مرغ کے علاوہ ہر قسم کا گوشت حلال جانتے ہیں اور کھاتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری قوم میں سے جس نے بھی مچھلی کھائی ، وہ اندھا ہو گیا ۔ گوشت کو یخنی بنا کر کھاتے ہیں ، سرخ لباس کو پسند کرتے ہیں ۔ اپنے مُردوں کو لباس پہنا کر ، مسلّح کرکے ، شراب کی صراحی اور پیالے کے ساتھ قبر میں دفن کرتے ہیں ۔

[408] ان کے حلف لینے کا طریقہ یہ ہے کہ ہرن یا بکری کا جبڑا آگ میں رکھتے ہیں ، پھر اُسے نکال کر درخت میں لٹکاتے ہیں ، پھر کہتے ہیں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹی قسم کھائے گا ، بلاشبہ وہ کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا ۔ ان میں ایک رسم یہ بھی ہے کہ اگر باپ بیٹے کی بیوی کو پسند کرکے لے لے تو بیٹا اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا ۔

حضرت شاہنشاہی نے ان کافروں سے فرمایا کہ تم لوگ ہندوستان کی بنی ہوئی جو چیز چاہتے ہو مانگو ۔ چنانچہ انھوں نے گھوڑے ، نقدی اور سرخ سراپا کی خواہش کی اور اپنی مراد میں کامیاب ہوئے ۔

جگت سنگھ کا فرار :

اسی اثنا میں جگت سنگھ ولد راجا باسو ، شاہی لشکر سے فرار ہو گیا اور لاہور کے کوہستان شمالی میں ، جو اس کا وطن ہے ، چلا گیا ۔

اسی زمانے میں صادق خاں کو صوبہ پنجاب کا حاکم مقرر کرکے رخصت کیا اور حضرت شاہنشاہی نے اُسے حکم دیا کہ وہ جگت سنگھ کو تنبیہ و تادیب کرے ۔

حضرت شاہنشاہی ہر منزل میں سیر و شکار کرتے رہے ۔

کابل میں ورودِ شاہی :

۲۰ اردی بہشت[۱] ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶ع) کو اتوار کے دن مبارک ساعت میں شہر کابل میں داخل ہوئے ۔ اُسی روز ہاتھی پر بیٹھ کر زر و سیم نچھاور کرتے ہوئے شہر کابل کے بازار سے گزر کر قلعہ کابل کے نزدیک باغ شہر آرا میں نزول اجلال فرمایا ۔

یکم خورداد ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶ع) کو حضرت فردوس مکانی (شہنشاہ بابر) کے روضہ منورہ پر تشریف لے گئے اور لوازم نیاز مندی بجا لا کر ان کی روح سے مدد چاہی ۔

۱- اقبال نامہ جہانگیری میں کابل میں ورود شاہی کی تاریخ ۲۸ اردی بہشت مطابق ۲۱ شعبان مندرج ہے ۔ (رک : اقبال نامہ جہانگیری ، مطبوعہ الہ آباد ، ص ۲۹۳)

اسی طرح میرزا ہندال اور اپنے عم بزرگوار میرزا محمد حکیم کے مزارات سے برکت حاصل کرکے حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے اُن کی مغفرت کی دعا کی۔

مہابت خان کو اس کے کردار کی سزا :

ان عجیب و غریب اتفاقات میں سے ، جو پردۂ غیب سے ظہور پذیر ہوئے ، وہ مہابت خان کے بُرے کردار کی آسانی سزا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب دریائے بہت (جہلم) کے کنارے حضرت شاہنشاہی کی جناب میں مہابت خان کی طرف سے گستاخی اور بے ادبی ظاہر ہوئی اور پست ہمت اُمرائے سلطنت اپنی غفلت پر ہمیشہ کے لیے نادم و شرمندہ ہوئے ، اور ایسے حالات پیدا ہوئے جن کا کسی کو گمان بھی نہ تھا ، تو مہابت خان کے راجپوت اس غلبہ و اقتدار کی بدولت ، جو انھیں اتفاق سے حاصل ہو گیا تھا ، نہایت خودسر و مغرور ہوگئے اور رعایا اور زیردستوں پر ظلم و ستم ڈھانے لگے وہ اپنے ظلم و ستم میں اس قدر بڑھ گئے کہ کسی کو کچھ نہ سمجھتے تھے ، یہاں تک کہ زمانہ اُن سے برگشتہ ہو گیا اور قدرت نے اُن خودسروں کے خرمن ہستی کو فتنے کی آگ لگا دی ۔

ہؤا یہ کہ کچھ راجپوتوں نے چلکہ[1] میں ، جو کابل کی ایک مشہور چراگاہ ہے ، اپنے گھوڑے چرنے کے لیے چھوڑ دیے ۔ چونکہ چلکہ کی شکارگاہ بادشاہ کے شکار کے لیے مخصوص ہے اور کچھ احدی اس کی حفاظت کے لیے مامور ہیں ، اُن میں سے ایک احدی نے اُن کو روکا ۔ نوبت جھگڑے تک پہنچی اور راجپوتوں نے اس بے چارے کو بے دریغ تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۔

یہ خبر سن کر اس احدی کے چند عزیز و اقربا اور دوسرے احدی بارگاہ شاہی میں داد خواہی کے لیے آئے ۔ حکم ہوا کہ اگر وہ قاتلوں کو پہچانتے ہوں تو اُن کا نام و نشان بتائیں تاکہ ہم اُن کو اپنے حضور میں طلب کرکے اُن سے باز پُرس کریں اور اُن پر خون ثابت ہونے پر ان کو مناسب سزا دیں ۔ احدیوں کی اس حکم سے تسلی نہیں ہوئی اور وہ دربار سے غیر مطمئن ہو کر لوٹ گئے ۔

۱۔ اقبال نامہ جہانگیری میں یہ نام بصورت چالاک مندرج ہے ۔ (رک : اقبال نامہ جہانگری ، مطبوعہ الہ آباد ، ص ۲۹۴)

الہ وردی خاں قراول بیگی نے ہانکے کے شکار کے لیے ایک بڑا جال، جس کو اہل ہند ناور کہتے ہیں، رسّی سے بنوا کر پیش کیا ۔ اس جال پر تقریباً پچیس ہزار روپے صرف ہوئے تھے[۱] ۔ حضرت شاہنشاہی نے سرکاری متصدیوں کو حکم دیا کہ اس جال کو موضع ازغندہ میں، جو اس ملک کی مشہور شکار گاہ ہے، لے جا کر شکار کے لیے لگائیں اور شکار کو ہر جانب سے گھیر کر جال میں لائیں ۔ اس حکم کی تعمیل کے بعد حضرت شاہنشاہی اپنے حرم کے ساتھ شکار کے لیے روانہ ہوئے ۔

شاہ اسماعیل ہزارہ، جو اس جماعت کے ارباب ریاضت و صلاح و تقویٰ میں شامل تھے اور ہزارہ کے لوگ ان کو بزرگ و مرشد سمجھتے تھے، اس زمانے میں اپنے توابع اور متعلقین کے ساتھ میر ناموس گاؤں کے باہر ٹھہرے ہوئے تھے ۔ حضرت شاہنشاہی، نورجہاں بیگم اور اہل حرم کے ساتھ شاہ اسماعیل کے گھر میں اترے ۔ بیگم نے شاہ اسماعیل کے فرزندوں کو قسم قسم کے جواہر، زیورات، اور مرصّع آلات عنایت فرمائے ۔

وہاں سے شکار کے لیے روانہ ہوئے، تقریباً تین سو رنگ (پہاڑی بکرے) پہاڑی مینڈھے، ریچھ اور بجّو جو اس جال میں پھنس گئے تھے، شکار کیے ۔ ان میں سے ایک شکار کا، جو سب سے بڑا تھا، وزن کرایا گیا تو تین من تین سیر جہانگیری نکلا ۔

مہابت خاں کی گستاخیوں پر شاہجہاں کی برہمی :

اس زمانے کے واقعات میں سے ایک چیز یہ ہے کہ جب مہابت خاں کی گستاخیوں کی خبر [410] شاہجہاں کے کان میں پہنچی تو وہ بہت طیش میں آیا اور فوج اور سامان کی کمی کے باوجود اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ جلد سے جلد اپنے والد گرامی کی خدمت میں پہنچے، اور اس ناہنجار کو اس کے کیے کی

۱- اقبال نامہ جہانگیری میں ہے کہ اس کا دور ڈھائی کوس پیمائش میں آیا ۔ اس کو تین سو فرّاش ڈیڑھ پہر میں نصب کرتے تھے، اور سفر میں اسّی اونٹ اٹھا کر لے جاتے تھے ۔ اس میں ہانکے کے شکار کا مدار اس طرح رکھا گیا تھا کہ ہر قسم کا چھوٹا بڑا جانور جو جال میں داخل ہو اس کا باہر جانا محال تھا ۔ (رک : اقبال نامہ جہانگیری، مطبوعہ الہ آباد، ص ۲۹۹) ۔

سزا دے۔ وہ اس ارادے سے بتاریخ ۲۲ رمضان ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶ع) کو ہزار سواروں کے ساتھ ناسک کے مقام سے برتنگ۱ روانہ ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ راستے میں اس کو مزید لشکر فراہم ہو جائے گا۔ جب اس نے اجمیر میں پڑاؤ ڈالا، تو اس کے ساتھیوں میں سے راجا کشن سنگھ ولد راجا بھیم، جو پانسو سواروں کے ساتھ اس کے ہمرکاب تھا، اجل طبعی سے فوت ہو گیا۔ اس کے مرنے سے اس کے لشکری منتشر ہو گئے۔ اب شاہجہان کے پاس، جب کہ وہ پریشان اور تنگدست تھا، صرف پانسو سوار رہ گئے تھے، اس لیے اس کا سابقہ ارادہ عملی صورت اختیار نہ کر سکا۔ مجبوراً اس نے فیصلہ کیا کہ وہ وہاں سے ٹھٹھہ۲ جا کر کچھ دن گوشۂ تنہائی میں گزارے۔ چنانچہ وہ اس خیال سے اجمیر سے ناگور اور ناگور سے حدود جودھپور میں پہنچا اور وہاں سے جیسلمیر کے راستے ٹھٹھہ چلا گیا۔

عجیب اتفاق یہ ہے کہ اس کے دادا حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) بھی اپنی پریشانیوں کے زمانے میں اسی راستے سے ولایت سندھ ٹھٹھہ پہنچے تھے۔ اس کی دادا کے ساتھ یہ تاریخی مطابقت بھی عجائب روزگار میں سے ہے۔

کابل سے واپسی:

جب حضرت شاہنشاہی کا دل کابل کے ہمیشہ بہار گلزار کے سیر و شکار سے بھر گیا تو یکم شہریور ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶ع) کو سواری شاہانہ کابل سے دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوئی۔

شاہزادہ پرویز کی بیماری کی خبر:

اسی روز حضرت شاہنشاہی کو شاہزادہ پرویز کی بیماری کی خبر ملی۔ معلوم ہوا کہ وہ شدید درد قولنج میں مبتلا ہے اور اس کی وجہ سے وہ کئی دن تک

۱- یہاں برتنگ غلط چھپ گیا ہے۔ یہ ترنبک ہے جہاں سے گوداوری ندی نکلتی ہے۔

۲- ٹھٹھہ: سر سید ایڈیشن میں یہاں پٹنہ مندرج ہے جو سہو کتابت ہے۔ یہاں ٹھٹھہ ہونا چاہیے جیسا کہ بعد کی عبارت سے صاف اور واضح معلوم ہوتا ہے، اس لیے ہم نے اسے ٹھٹھہ ہی لکھا ہے۔

بے ہوش رہا اور بہت سی تدبیروں کے بعد اس درد میں کسی قدر کمی ہوئی ۔
اس خبر کے ساتھ ہی خانجہاں کی عرضداشت پہنچی جس میں لکھا تھا کہ شاہزادہ پھر بے ہوش ہو گیا ہے ۔ اس مرتبہ پانچ گھڑی تک جس کے دو ساعت نجومی ہوتے ہیں ، بے ہوش رہا ۔ مجبوراً اطبّا نے داغ دینے کا فیصلہ کیا ۔ پانچ داغ سر ، پیشانی اور کنپٹی میں دیے گئے ، لیکن اس کے باوجود وہ ہوش میں نہیں آیا ۔ پھر چند ساعتوں کے بعد ہوش میں آیا ، کچھ دیر باتیں کیں ، پھر بے ہوش ہو گیا ۔ اطبا کی تشخیص یہ تھی کہ یہ بیماری مرگی ہے ، جو کثرت شراب نوشی کا ثمرہ ہے ۔ اس کے دونوں چچا شاہزادہ شاہ مراد[۱] اور شاہزادہ دانیال بھی اسی بیماری سے فوت ہوئے تھے ۔

شاہزادہ دارا شکوہ اور اورنگ زیب کا شرف حضوری :

اسی زمانے میں شاہزادہ والا گہر سلطان داراشکوہ اور شاہزادہ اورنگ زیب اپنے والد کے پاس سے اپنے دادا بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زمین بوسی کی سعادت سے اپنی پیشانی منور کی ۔ ہاتھیوں کے علاوہ جواہر ، مرصّع آلات ، تقریباً دس لاکھ روپے پیشکش نذر گزرانے ۔
اسی زمانے میں فاضل خاں کی عرضداشت پہنچی کہ بایسنقر ولد سلطان دانیال (۸) امرکوٹ میں سلطان شاہجہاں سے علیحدگی اختیار کر کے راجا گنج سنگھ کے علاقے میں چلا گیا اور عنقریب وہاں سے روانہ ہو کر شاہزادہ پرویز کے پاس چلا جائے گا ۔

مہابت خاں کا زوال :

اس زمانے کے مسرت افزا واقعات میں سے ، جو کابل سے واپسی کے سفر میں پیش آئے ، مہابت خاں کا بارگاہ شاہی سے فرار ہونا ہے ۔
اس داستان کی مجمل تشریح یہ ہے کہ جس تاریخ سے وہ بد اندیش اس گستاخی و سوء ادب کا مرتکب ہوا تھا ، اس کا دماغ آسمان پر پہنچ گیا تھا اور کم ظرفی

۱- شاہزادہ مراد ۱۵۹۹ء اور اس کا بھائی شاہزادہ دانیال ۱۶۰۴ء میں فوت ہوا ۔ (رک : تاریخ جہانگیری ، بینی پرشاد) ۔

کی وجہ سے اپنے آپے سے باہر ہو گیا تھا اور امرائے سلطنت کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کر رہا تھا ، جس کی وجہ سے لوگ اس سے بیزار اور متنفر ہو گئے تھے ۔

حضرت شاہنشاہی اتنی قدر گستاخیوں اور سوء ادب کے باوجود کمال حوصلہ و بردباری کو کام میں لاتے تھے اور اس سے انتہائی التفات اور عنایت کا اظہار کرتے تھے ، اور جو کچھ نورجہان بیگم ان سے تنہائی میں کہتی تھی ، بےکم و کاست مہابت خاں سے بیان کر دیتے تھے ۔ چنانچہ کئی مرتبہ اس سے بیان کیا کہا بیگم تیری فکر میں ہے ، خبردار اور ہوشیار رہ ، - اور عبدالرحیم خانخانان کے پوتے شاہنواز خاں کی بیٹی ، [411] جو آصف خاں کے بیٹے شایستہ خاں کے نکاح میں ہے ، کہتی ہے کہ مجھے جب بھی موقع ملے گا ، میں مہابت خاں کے بندوق مار دوں گی ۔ اس قسم کی باتیں کر کے اُسے اپنی طرف سے مطمئن کرتے تھے ، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کے خدشات میں ، جو اس کے دل میں حضرت شاہنشاہی کی جانب سے پیدا ہوتے تھے کمی ہوتی گئی ۔ ان خدشات کی وجہ سے وہ ہوشیار اور بیدار رہتا تھا اور اکثر راجپوت دربار میں اپنے ساتھ لاتا تھا ، اور انھیں دولت خانے کے ارد گرد متعین رکھتا تھا ۔ ان باتوں میں کمی ہوئی ، اور اس کا وہ ضبط و انتظام قائم نہ رہا ۔ اس کے علاوہ اس کے بہت سے اچھے نوکر کابل کے احدیوں کی جنگ میں قتل ہو گئے تھے ۔

اس کے برخلاف نورجہان بیگم ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتی تھی ۔ لشکریوں کی نگرانی رکھتی تھی اور بہادر ، جنگ آزمودہ سپاہیوں کو تسلی و دلاسا دے کر الطاف و عنایات کی امیدوار بناتی تھی ، یہاں تک کہ ہوشیار خاں خواجہ سرا نے بیگم کے احکام کے مطابق تقریباً دو ہزار سوار لاہور میں نوکر رکھ کر اس کا استقبال کیا ۔ اور سواری شاہانہ کے ساتھ بھی بہت سی جمعیت جمع ہو گئی تھی ۔ رہتاس سے ایک منزل پہلے حضرت شاہنشاہی نے مقامی سواروں کا معاینہ کرنے کی تقریب منعقد کر کے فرمایا کہ تمام سپاہ قدیم و جدید وردی پہن کر راستے میں کھڑی ہو ۔ اس وقت بلند خاں خواص کو حکم ہوا کہ جہان پناہ کی طرف سے مہابت خاں کو پیغام دے آئے کہ آج بیگم اپنے آدمیوں کو ہمارے ملاحظے میں پیش کر رہی ہے ، بہتر یہ ہے کہ تم اپنے لشکریوں کی پہلی سلامی موقوف کر دو ۔ ایسا نہ ہو کہ دونوں لشکروں کے درمیان تلخ کلامی کی وجہ سے جنگ چھڑ جائے ۔

بلند خاں کے بعد ہی حضرت شاہنشاہی نے خواجہ انور[1] کو بھجوایا کہ وہ مناسب تفہیم کر کے اسے اس وقت کورنش بجا لانے سے روکے۔ مہابت خاں نے اس حکم پر عمل کیا اور وہ حضرت شاہنشاہی کے حکم کے مطابق اس وقت کورنش کے لیے نہیں آیا۔

دوسرے روز اکثر شاہی امرا بارگاہ شاہی میں جمع ہو گئے اور حضرت شاہنشاہی نے مہابت خاں کو حکم بھیجا کہ وہ شاہی سواری سے ایک منزل آگے آگے چلے۔ اگرچہ مہابت خاں اس حکم کا مطلب سمجھ گیا تھا، لیکن چونکہ وہ احدیوں کی جنگ میں زک اٹھا چکا تھا اس لیے شاد و ناشاد اس حکم کی تعمیل میں روانہ ہو گیا۔ اور حضرت شاہنشاہی فوراً ہی سوار ہو کر اس کے تعاقب میں تیزی سے روانہ ہوئے، جس کی وجہ سے مہابت خاں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا، اور اگلی منزل سے کوچ کر کے دریائے بہت (جہلم) کو عبور کر گیا اور اس کے دوسرے کنارے پر جا کر ٹھہرا۔

حضرت شاہنشاہی نے دریا سے اس طرف شاہی خیمے آراستہ کیے اور افضل خاں کو اس آشفتہ دماغ کے پاس چار احکام پہنچانے کے لیے روانہ کیا۔

پہلا یہ کہ شاہجہاں ٹھٹے[2] کی طرف گیا ہے، وہ بھی اس کے پیچھے جا کر اس مہم کو سر کرے۔

دوسرے یہ کہ آصف خاں کو ہمارے حضور میں بھیجے۔

تیسرے یہ کہ شاہزادہ دانیال کے بیٹوں طہمورث اور ہوشنگ کو ہماری خدمت میں روانہ کرے۔

چوتھے یہ کہ لشکری ولد مخلص خاں کو، جو اس کا ضامن ہے اور اب تک ہماری خدمت میں حاضر نہیں ہوا، اسے بھی ہماری بارگاہ میں حاضر کرے۔ اور یقین جانے کہ اگر اس نے آصف خاں کے بھیجنے میں ذرا بھی تامل کیا تو اس کی سرکوبی کے لیے فوج متعین کی جائے گی۔

افضل خاں نے شاہزادہ دانیال کے دونوں بیٹوں کو لا کر عرض کیا کہ

۱- اقبال نامہ جہانگیری ص ۳۰۱ میں بجائے خواجہ انور کے خواجہ ابوالحسن ہے۔
۲- سرسید ایڈیشن میں پٹنہ ہے جو سہو کتابت ہے۔

مہابت خاں ، آصف خاں کے بارے میں عرض کرتا ہے کہ میں نورجہاں بیگم کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں ، اور مجھے اس کا خوف ہے کہ اگر میں آصف خاں کو چھوڑ دوں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ پر لشکر متعین کر دے ، اس لیے جو خدمت بھی میرے سپرد فرمائی جائے گی میں اسے سر انجام دوں گا ، اور جب لاہور سے گزر جاؤں گا تو بسر و چشم آصف خاں کو بارگاہ عالی میں روانہ کر دوں گا ۔

جب افضل خاں نے آصف خاں کے متعلق مہابت خاں کا یہ عذر حضرت شاہنشاہی کے حضور میں پیش کیا ، تو بیگم یہ لغو عذر سن کر نہایت برہم ہوئی ۔ افضل خاں پھر دوبارہ گیا اور یہاں جو کچھ دیکھا اور سنا تھا ، مہابت خاں سے صاف صاف بیان کر کے کہا کہ ان حالات میں آصف خاں کا روکنا مناسب نہیں ۔ خبردار ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے کہ جس کا نتیجہ سوائے ذلت و ندامت کے اور کچھ نہ ہو ۔

چونکہ مہابت خاں حقیقت حال سے پورے طور پر واقف ہو چکا تھا [412] لہذا اس نے فوراً ہی آصف خاں کو اپنے پاس بلا کر معذرت کی ، اور قسمیہ عہد و پیمان لے کر اور دلجوئی کر کے اس کو خدمت شاہی میں بھیج دیا ، لیکن اس کے بیٹے ابو طالب کو کچھ دن کے لیے مصلحتاً اپنے پاس نظر بند رکھا ۔ اور اس میں جو مصلحت تھی وہ پہلے بیان کی گئی ہے اور بظاہر ٹھٹھ کا عزم کر کے پے در پے کوچ کرتا ہوا روانہ ہوگیا ۔

۲۳ ماہ شہریور ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶ع) کو شاہی لشکر نے دریائے بہت (جہلم) کو عبور کیا ۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ مہابت خاں کی شورش اور فتنہ انگیزی کا آغاز اسی دریا کے اسی کنارے پر ہوا تھا اور اس کے زوال اور بدبختی کی ابتدا بھی اسی دریا کے کنارے اور اسی مقام پر ہوئی ۔

چند روز کے بعد مہابت خاں نے ابو طالب ولد آصف خاں اور خواجہ ابوالحسن کے داماد بدیع الزمان اور اس کے بھائی خواجہ ابوالقاسم کو عذر و معذرت کر کے بارگاہ شاہی میں بھیج دیا ۔

جب شاہی سواری کا نزول جہانگیر آباد میں ہوا تو خسرو کا بیٹا داور بخش[1] ،

---

[1] داور بخش خسرو کا بیٹا تھا ۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد ۱۶۲۷ع میں آصف خاں نے دفع الوقتی کے لیے اس کی بادشاہی کا اعلان کیا تھا لیکن شاہجہان کے دکن سے آنے کے بعد ۱۶۲۸ع میں یہ قتل کیا گیا ۔

خانخاناں ، مقرب خاں اور میر جملہ اور شہر لاہور کے سر برآوردہ لوگ حاضر ہوئے اور زمیں بوسی کی سعادت سے اپنی جبین اخلاص کو منور کیا ۔

لاہور میں نزول اجلال :

۲ ماہ آبان ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶ع) کو حضرت شاہنشاہی دارالسلطنت لاہور میں رونق افروز ہوئے ۔

آصف خاں کا صوبیداری پنجاب اور وکیل السلطنت پر تقرر :

اسی مبارک دن میں آصف خاں کو پنجاب کا صوبیدار مقرر کرکے منصب وکالت بھی اسے عطا کیا اور حکم دیا کہ وہ دیوان میں بیٹھ کر مستقل طور پر مہمات ملکی و مالی انجام دے ۔

خواجہ ابوالحسن کا دیوانی پر تقرر :

دیوانی کی خدمت خواجہ ابوالحسن کے سپرد ہوئی ۔

افضل خاں کا میر سامانی پر تقرر :

میر جملہ کے تبادلے کی وجہ سے افضل خاں کو میر سامانی کی خدمت سے سرفراز کیا گیا ۔

میر جملہ کا بخشی گری پر تقرر :

اور میر جملہ کو بخشی گری کی خدمت سے سر بلند کیا گیا ۔

سید جلال پر شاہانہ نوازشیں :

سید جلال ولد سید محمد نبیرہ حضرت شاہ عالم بخاری کو ، جو گجرات میں محو استراحت ہیں ، اور ان کے حالات اس اقبال نامے میں مختلف تقریبات کے سلسلے میں کئی جگہ لکھے جا چکے ہیں ، وطن جانے کی اجازت دی اور ان کی سواری کے لیے ہاتھی عنایت فرمایا ۔

مہابت خاں کا فرار اور اس کی دولت پر شاہی قبضہ:

اسی اثنا میں خبر ملی کہ مہابت خاں ٹھٹھ کی راہ سے پلٹ کر ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا اور یہ بھی خبر ملی کہ اس کے وکلا نے بنگال سے بائیس لاکھ روپے بھجوائے ہیں جو دہلی کے قریب تک پہنچ چکے ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی حضرت شاہنشاہی نے صفدر خان، سپہدار خان، (۹) علی قلی خاں درمن، نور الدین قلی اور الیرائے سنگھ دلن کو ایک ہزار احدیوں کے ساتھ مامور کیا کہ وہ فوراً روانہ ہو جائیں اور اس روپے پر قبضہ کر لیں۔

یہ لوگ تعمیل حکم میں شاہ آباد کے نزدیک ان لوگوں کے سر پر پہنچ گئے جو خزانہ لے کر آ رہے تھے۔ وہ لوگ ان کے آنے کی اطلاع پاتے ہی روپے کو لے کر ایک سرائے میں محفوظ ہو گئے۔ جہاں تک ہو سکا انھوں نے مدافعت اور مقابلہ کیا۔ آخر بہت لڑنے مرنے کے بعد شاہی ملازم سرائے کے دروازے میں آگ لگا کر اندر داخل ہو گئے اور خزانے پر قبضہ کر لیا اور مہابت خاں کے آدمی بھاگ گئے۔

حضرت شاہنشاہی کا فرمان پہنچا کہ خزانے کو ہمارے پاس روانہ کر کے مہابت خاں کا تعاقب کیا جائے۔

خانخاناں پر شاہی نوازشیں:

اسی زمانے میں خانخاناں کو ہفت ہزاری ذات و سوار دو اسپہ و سہ اسپہ کے منصب سے سرفراز کیا، اور خلعت و شمشیر، پنچاق گھوڑا مرصّع زین کے ساتھ اور خاص ہاتھی عنایت کر کے چند دوسرے اُمرائے سلطنت کے ساتھ مہابت خاں کے قلع قمع کرنے پر مامور کیا اور صوبۂ اجمیر اس کی جاگیر میں دیا۔

چونکہ جگت سنگھ کی مہم صادق خاں سے سر انجام نہ پا سکی تھی اور وہ مہابت خاں کے دوستوں میں سمجھا جاتا تھا، اس لیے حکم ہوا کہ اسے کورنش بجا لانے کی سعادت سے محروم کیا جائے۔

اسی دن جگت سنگھ اور مخلص خاں نے کوہستان کانگڑا سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا۔

مکرم خاں کا صوبیداری بنگال پر تقرر:

ان ہی دنوں مکرم خان کے نام ، جو ملک کوچ کی خدمت پر مامور تھا ، فرمان جاری ہوا کہ اسے بنگال کا صوبیدار مقرر کیا گیا ہے ، وہ جلد از جلد وہاں پہنچ کر اس ملک کے نظم و نسق [413] کے درست کرنے میں لگ جائے اور خان زاد خاں کو ہمارے حضور میں روانہ کرے ۔

شاہزادہ پرویز کی وفات :

شاہزادہ پرویز کثرت شراب نوشی کی وجہ سے مرگی کی بیماری میں مبتلا ہوا ، رفتہ رفتہ اسے غذا سے نفرت ہو گئی اور اس کے اعضا تحلیل ہونے لگے . اگرچہ اطبا نے بہت علاج کیا اور تدبیریں کیں ، مگر اس کی موت کا ناگزیر وقت آ چکا تھا ، اس لیے ان تدبیروں اور علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوا . آخر بدھ کی شب میں بتاریخ ۶ صفر ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۶ع) کو اس کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا . اس کی لاش بطور امانت پہلے اسی شہر (برہان پور) میں دفن کی گئی اور بعد میں اکبر آباد منتقل کر کے اس باغ میں دفن کی گئی جو اس نے خود لگوایا تھا .

جب یہ خبر وحشت اثر حضرت شاہنشاہی کو ملی تو انھوں نے رضائے الٰہی پر سر جھکا دیا اور صبر و شکر سے اپنا غم غلط کیا . پرویز نے اڑتیس سال کی عمر میں وفات پائی ، بعض علماء نے اس کی وفات پر ذیل کی تاریخ کہی :

"وفات شاہزادہ پرویز"

حضرت شاہنشاہی نے اس خبر کو سننے کے بعد خانجہاں کو حکم بھیجا کہ مرحوم کے فرزندوں اور اس کے پس ماندگان کو ہماری بارگاہ میں بھجوا دے ۔

نذر محمد خاں کے ایلچی کو واپسی کی اجازت :

اسی اثنا میں نذر محمد خان کے ایلچی شاہ خواجہ کو واپس جانے کی اجازت مرحمت کی ، اور ان نوازشوں کے علاوہ ، جو متعدد مرتبہ اس پر کی گئیں تھیں ، رخصت کے وقت مزید چالیس ہزار روپے اسے عنایت کیے ، اور ہندوستان کی نفیس اشیا میں سے منتخب نمونے نذر محمد خاں کے لیے بھجوائے .

ابو طالب کو شائستہ خان کا خطاب :

اسی اثنا میں ابو طالب (۱۰) ولد اعتضاد الخلافت آصف خان کو شائستہ خان کے خطاب سے سر بلند کیا ۔

اسی زمانے میں موسوی خان نے دکن سے آکر زمین بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

میرزا رستم کا بہار کی صوبیداری پر تقرر :

اسی زمانے میں میرزا رستم صفوی (۱۱) کو صوبیداری بہار سے سرفراز کیا گیا ۔

اسی اثنا میں دکن کے شاہی حکام کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ یاقوت خان حبشی پانچ سو سواروں کے ساتھ جالنا پور پہنچا ہے اور سلطنت کی بہی خواہی اپنے لیے سرنامۂ افتخار سمجھتا ہے ۔ عنبر کے بعد یاقوت خان ہی اس ملک کا سب سے اچھا سردار ہے ، اور عنبر کی زندگی میں لشکر کی سپہ سالاری اور افواج کا انتظام اُسی سے متعلق تھا ۔ اور اُس نے سر بلند رائے کو لکھا ہے کہ میں نے فتح خان ولد ملک عنبر اور دوسرے نظام الملکی سرداروں کے ساتھ سلطنت کی بہی خواہی کا ارادہ کر لیا ہے اور اس سلطنت کے بہی خواہوں میں شامل ہو گیا ہوں ۔ یہ لوگ بھی یکے بعد دیگرے بہت جلد حاضر ہو جائیں گے ۔

جب خان جہان کو اس کی اطلاع پہنچی تو اس نے یاقوت خان حبشی کی ایک خط کے ذریعے دل جوئی کی اور اسے مزید سلطنت کی خیر خواہی پر اُبھارا ، تاکہ اس کا ارادہ مصمم ہو جائے ۔ اور اس نے سر بلند رائے کو بھی لکھا کہ وہ لوازم ِ ضیافت اور مراسم ِ مہمانداری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے اور اُنھیں جلد برہان پور روانہ کرے ۔

شاہجہان کا ٹھٹہ پہنچنا اور نورجہاں بیگم کا خط :

سابقہ اوراق میں ذکر ہو چکا ہے کہ شاہجہان اپنے چند ملازموں کے ساتھ ٹھٹے کی جانب روانہ ہوا تھا ۔ چونکہ شاہزادگی کے زمانے میں اُس کی شاہِ والا جاہ شاہ عباس سے دوستی اور محبت اور خط و کتابت جاری تھی ، اور اس پریشانی

کے زمانے میں بھی شاہ عباس اس کی خیریت دریافت کرتے رہتے تھے ، اس لیے اُس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اُن کے پاس چلا جائے ۔ ممکن ہے کہ ان کی شفقت و محبت کی بدولت شورش و فساد کا جو غبار بلند ہوا ہے ، بیٹھ جائے ۔

مختصر یہ کہ جب وہ ٹھٹے کے قرب و جوار میں پہنچا تو شریف الملک (۱۲) ، جو اس ملک کا نگران تھا ، ایک ہزار سواروں اور بارہ ہزار پیادوں کے ساتھ شہر کے حصار کو مضبوط کرکے مقابلے کے لیے باہر نکلا ۔ چونکہ شاہجہان کے ساتھ وہی تین چار سو وفادار ملازم تھے ، شریف الملک میں اُن کے مقابلے کی سکت نہ تھی اس لیے وہ قلعے میں داخل ہو کر [414] قلعہ بند ہو گیا ۔ چونکہ اُس نے پہلے سے قلعے کی مرمت کی تھی اور کئی توپیں اور بندوقیں قلعے کے بُرج و فصیل پر نصب کر دی تھیں ، اس لیے وہ قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے لگا ۔

شاہجہان نے اپنے لوگوں کو منع کیا کہ وہ قلعے پر حملہ نہ کریں ، اور اپنی رعایا کو توپوں اور بندوقوں سے ضائع نہ کریں ۔ اس کے باوجود چند تجربہ کار لوگوں کی ایک جماعت حصار شہر پر حملہ آور ہو گئی ، مگر برج و فصیل کے استحکام اور توپ خانے کی کثرت کی وجہ سے اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکی ، لہٰذا مجبوراً اُنھوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا ۔

چند روز کے بعد پھر بہادر شیر اپنی فطری حمیت و غیرت سے بے قابو ہو گئے اور برق لامع کی طرح قلعے پر یورش کر دی ۔ چونکہ قلعے کے اردگرد میدان مسطّح تھا اور کہیں پستی و بلندی ، دیوار و درخت نظر نہ آتا تھا ، جو آڑ کا کام دے ، اس لیے وہ ڈھالیں منہ کے سامنے کرکے دوڑے ۔ اتفاق سے اس طرف ایک عمیق و عریض خندق تھی جو پانی سے بھری ہوئی تھی ، جس کی وجہ سے آگے جانا محال اور پیچھے پلٹنا اور بھی زیادہ مشکل تھا ، اس لیے یہ لوگ توکل کو حصار بنا کر میدان کے درمیان میں بیٹھ گئے ۔ اس موقع پر شاہجہان کی طبیعت علیل ہو گئی اور بعض دوسرے موانع کی وجہ سے ، جن کا لکھنا باعث طوالت ہے ، عراق کا سفر معرض التوا میں پڑ گیا ۔ اس کے علاوہ اُسے شاہزادہ پرویز کی بیماری کی خبریں متواتر ملنے لگیں ، اور اُسے ان خبروں سے یقین ہو گیا کہ شاہزادہ پرویز اس بیماری سے جان بر نہ ہو سکے گا ۔ اسی اثنا میں اُسے نورجہاں بیگم کا خط ملا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ مہابت خاں اس خبر سے کہ حضرت شاہنشاہی اس کے تعاقب میں آ رہے ہیں ، پریشان اور بدحواس ہو گیا ہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو

کہ وہ انتہائی غم و غصے میں تمہارے بیٹوں کو نقصان پہنچائے ۔ بہتر یہ ہے کہ تم پھر دکن کی طرف لوٹ جاؤ اور چند روز تک رفتار زمانہ کے ساتھ خاموشی اختیار کرو ۔

تا خود فلک از پردہ چہ آرد بیروں

ان وجوہ کی بنا پر شاہجہان باوجود شدید کمزوری اور سخت بیماری کے پالکی پر سوار ہو کر گجرات اور بہار کے راستے سے دکن کی طرف روانہ ہو گیا ۔ دوران سفر اُسے شاہزادہ پرویز کی وفات کی خبر ملی ، اس لیے اس طرف اس نے اپنا سفر تیز کر دیا ۔ جس راستے سے اُس نے سفر کیا ، یہ وہی راستہ ہے جس سے سلطان محمود نے آ کر سومنات کے بت خانے کو فتح کیا تھا ۔ چنانچہ شاہجہان نے گجرات آ کر احمد آباد سے بیس کوس فاصلے پر جانجانیر کے راستے سے دریائے نربدا کو عبور کیا ، اور چھپرائی کی گھاٹی سے ، جو راجا بکلانہ کے زیر نگیں ہے ، ناسک ترسبک پہنچ گیا ، جو مضافات دکن میں ہے اور جہاں اُس نے اپنے آدمیوں کو چھوڑا تھا ۔ چونکہ وہاں قیام کرنے کے لیے کوئی عمارت نہ تھی ، اس لیے اُس کے قریب مقام جنیر پہنچا اور مقیم ہو گیا ۔

آصف خاں کو دوبارہ منصب و جاگیر عطا کرنا :

اسی اثنا میں حضرت شاہنشاہی نے آصف خاں کو ہفت ہزاری ذات و سوار دو اسپہ و سہ اسپہ کے منصب سے سرفراز کیا ، کیونکہ جب سے کہ اُس نے مہابت خاں کی قید اور مصیبت سے نجات پائی تھی ، اُسے کوئی منصب و جاگیر حاصل نہ تھی اور اُس کے حالات ناسازگار تھے ۔

خانجہاں کا کھڑکی پر حملہ :

اسی زمانے میں دکن کے حکام کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ نظام الملک نے اپنی کوتاہ اندیشی اور فتنہ انگیزی سے فتح خاں ولد عنبر اور دوسرے

۱۔ اقبال نامہ جہانگیری میں ہے کہ اطراف راج پلپلہ سے عبور کر کے مقام ناسک ترنبک پہنچا ۔ (رک : اقبال نامہ جہانگیری ، مطبوعہ الہ آباد ، ص ۳۰۸) ۔

نو دولت تربیت یافتہ لوگوں کو شاہی حدود مملکت میں بھیج کر غبار شورش و فساد بلند کیا ہے ۔ مجبوراً عمدۃ الملک خانجہاں ملک کی حفاظت و نگرانی کے لیے لشکر خاں کو ، جو پرانے تجربہ کار ملازموں میں ہے ، برہان پور میں مقرر کرکے خود شاہی لشکر کے ساتھ بالا گھاٹ روانہ ہو گیا ، اور جب تک وہ کھڑکی نہ پہنچ گیا ، جو نظام الملک کا محل اقامت ہے ، بیچ میں کہیں دم نہ لیا ۔ نظام الملک نے قلعۂ دولت آباد سے باہر نکلنے کی ہمت نہ کی ۔

سید محمد خاں مومن کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوانا :

اس زمانے کے واقعات میں سے [415] محمد مومن کے مارے جانے کا واقعہ ہے ، جو سیفی سادات میں سے تھا اور نقیب خاں کا قریبی رشتہ دار تھا ۔ جب وہ عراق سے آیا تو حضرت عرش آشیانی نے نقیب خاں کے چچیرے بھائی سادات خاں کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی ۔ جس زمانے میں شاہجہاں بغاوت کرکے شاہی مملکت کے مشرقی اقطاع میں داخل ہوا ، تو اس علاقے میں محمد مومن کی جاگیر تھی ۔ یہ شاہجہاں کے پاس پہنچا اور اس سے مل گیا ، اور ایک عرصے تک لڑائیوں میں اس کے ساتھ رہا ۔ سادات خاں نے ، جو شاہزادہ پرویز کی خدمت میں تھا ، اسے متعدد مبالغہ آمیز اور تاکیدی خطوط لکھ کر اپنے پاس بلا لیا ، اور یہ بدنصیب شاہجہاں سے جدا ہو کر سلطان پرویز کے پاس پہنچ گیا ۔ جب حضرت شاہنشاہی کو اس کے آنے کی خبر ملی تو انھوں نے اسے اپنے حضور میں طلب کر لیا ۔ ہر چند شاہزادہ پرویز نے اس کی معافی کے لیے درخواست کی لیکن حضرت شاہنشاہی اس کے جرم کے معاف کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور اس سید زادے کو سخت سزا دیتے ہوئے مست ہاتھی کے پاؤں میں ڈلوا کر کچلوا دیا ۔

خانجہاں کی غدّاری :

اس وقت نظام الملک قلعۂ دولت آباد میں تھا ، اور اس نے حمید خاں نامی ایک حبشی غلام کو مالی و ملکی تمام اختیارات دے کر اپنا پیشوا بنا لیا تھا ۔ باہر حمید خاں اور اندر اس کی بیوی دونوں نظام الملک کو پرندے کی طرح قفس میں بند رکھتے تھے ۔ جب خان جہاں[1] کے آنے کا یقین ہو گیا تو حمید خاں

۱- خانجہاں لودھی : متوفی ۱۰۴۰ھ ۔ (رک : مآثر الامرا ، ■ : ص ۶۱۶–۶۳۲) ۔

تین لاکھ ہون کے ساتھ، جن کے بارہ لاکھ روپے ہوتے ہیں، اس کے پاس پہنچا، اور چالبازیوں سے اُسے اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ یہ روپیہ لے لے اور بالا گھاٹ سے قلعۂ احمد نگر تک تمام ملک نظام الملک کے حوالے کر دے۔ اُس افغان ناحق شناس پر افسوس ہے کہ اُس نے حضرت شاہنشاہی کے حقوق تربیت فراموش کرکے یہ تمام ملک تین لاکھ ہون کے عوض ہاتھ سے دے دیا، اور اُمرائے شاہی کو، جو تھانجات پر مقرر تھے، لکھا کہ وہ اپنے اپنے محال نظام الملک کے وکیلوں کے حوالے کرکے ہمارے پاس حاضر ہو جائیں، اور اسی قسم کی ایک تحریر سپہدار خاں حاکم احمد نگر کے نام روانہ کی۔

جب نظام الملک کے لوگ قلعۂ احمد نگر کی تسخیر کے لیے سپہدار خاں کے پاس گئے تو اُس نے کہا کہ یہ ملک تمھارا ہے، تم اس پر قبضہ کر سکتے ہو لیکن جہاں تک قلعے کا تعلق ہے، جب تک تم اس بارے میں شاہی فرمان نہ دکھاؤ گے، ممکن نہیں کہ میں قلعہ تمھارے حوالے کر دوں۔ اگر تم شاہی فرمان دکھاؤ تو میں قلعہ تمھارے حوالے کر دوں گا۔

مختصر یہ کہ ہر چند نظام الملک کے وکیلوں نے ہاتھ پاؤں مارے، لیکن کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا، اور سپہدار خاں کثیر غلہ قلعے میں مہیا کرکے برج و فصیل کے استحکام میں لگ گیا، اور اپنی جگہ مردانہ وار قدم جمائے رہا۔ دوسرے نامردوں نے خانجہاں کی تحریر کی تعمیل میں بالا گھاٹ کا ملک نظام الملک کے وکیلوں کے سپرد کر دیا اور برہان پور آ گئے۔

اب حمید خاں حبشی اور اس کی بیوی کے حالات قلم بند کیے جاتے ہیں جو تعجب سے خالی نہیں ہیں۔

حمید خاں غلام کی عورت اُس ملک کے کسی غریب خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ شروع میں جب نظام الملک شراب اور عورتوں پر شیفتہ ہوا تو یہ عورت اس کے حرم میں راہ پا کر مخفی طور پر باہر کے لوگوں سے چھپا کر شراب اندر پہنچاتی تھی، اور لوگوں کی عورتوں اور بیٹیوں کو مکر و فریب سے بد راہ کرکے اُس کے پاس لے جاتی تھی، اور اُنھیں قیمتی کپڑے پہنا کر اور زیب و زینت سے آراستہ کرکے اُس کے سامنے پیش کرتی تھی، اور اس کو پری پیکر اور سیمیں تن عورتوں کی مباشرت و موانست سے محظوظ اور مسرور کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ باہر کا اقتدار اس کے شوہر کے قبضے میں اور نظام الملک کی اندرونی زندگی کا مدار اس

عورت کے ہاتھ میں آ گیا ۔ جب یہ عورت سوار ہوتی تو فوج کے افسر اور مقربانِ دولت پیدل اس کے ہم‌رکاب چلتے اور اپنی حاجتیں پیش کرتے تھے ۔

حمید خاں حبشی کی عادل خاں کی فوجوں سے جنگ :

یہاں تک کہ عادل خاں نے نظام الملک پر حملہ کرنے کے لیے ایک فوج روانہ کی ۔ [416] نظام الملک کے حکّام نے بھی چاہا کہ ایک لشکر اُس کے مقابلے کے لیے نامزد کیا جائے ۔ اس وقت اس عورت نے بڑی رغبت اور خواہش سے اس فوج کی سرداری کی استدعا کی اور نظام الملک کے دل نشیں کر دیا کہ اگر میں نے عادل خاں کے لشکر کو شکست دے دی تو کہا جائے گا کہ ایسی عظیم‌الشان خدمت ایک عورت نے انجام دی ۔ اگر معاملہ اس کے بر عکس ہوا تو عورت کو شکست دینا ایسا واقعہ نہیں ہے جو کسی کے لیے باعثِ شرف و افتخار ہو ۔

غرضکہ اس طرح سے یہ بھیڑ صورت اور بھیڑیا خصلت عورت اس مہم کو اپنے ذمے لے کر روانہ ہوئی ، اور کمر سے شمشیر و خنجر باندھ کر لشکر کے عقبی حصے میں نقاب ڈال کر گھوڑے پر سوار ہوتی ، اور سونے کے مرصّع حلقے ، جنھیں اہلِ ہندوستان کی اصطلاح میں کڑے کہتے ہیں ، ہاتھوں میں ڈالے رکھتی ، بہت سا سپاہیانہ سامان اور تحائفِ مردانہ اپنے ساتھ رکھتی تھی اور داد و دہش اور انعام و بخشش اور گھوڑے دینے کے بہانے ڈھونڈتی رہتی تھی ۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ لشکر کے سرداروں کو انعام و اکرام سے نہ نوازتی اور لوگوں کو رقمیں نہ دیتی ہو ۔

جب دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو اس نے اپنے لشکر کی صف بندی کرکے نہایت ہمت و جرأت سے عادل خاں کے لشکر کا مقابلہ کیا ، اور اپنے لشکر کو لڑائی اور جنگ کی ترغیب دے کر اس نے اپنے لشکر کو میدانِ کارزار میں پہاڑ کی طرح ثابت قدم رکھا ، اور دشمن کی فوج کو شکست فاش دے کر تمام ہاتھیوں اور توپ خانے پر قبضہ کر لیا ، اور پھر کامیاب و فتح یاب ہو کر صحیح و سالم مالِ غنیمت کے ساتھ لوٹی ۔

والیِ توران امام قلی خان کا عبدالرحیم خواجہ کو بطور ایلچی بھیجنا :

اسی اثنا میں اطلاع ملی کہ توران کے فرماں روا امام قلی خان نے ، جو چند سال پہلے ماوراءالنہر میں حضرت شاہنشاہی کے ایلچی میر سید ارکہ کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا تھا ، اپنا سفیر روانہ کیا ہے . جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ شاہجہان نے اپنے والد گرامی حضرت شاہنشاہی کے ساتھ بے مہری اور بغاوت کی ہے ، تو اس نے قدوۂ ممالک اسلام عبدالرحیم خواجہ کو ان کے خاص آدمیوں کے ساتھ نہایت عمدہ تحفوں اور نفیس سوغاتوں کے ساتھ روانہ کیا اور حضرت شاہنشاہی کے لیے ان کے ہاتھ ایک خط بھی لکھ کر بھیجا . خواجہ بلند مرتبے کے سادات اور ماوراءالنہر کے جلیل القدر مشائخ میں ہیں . ان کا سلسلۂ نسب حضرت امام جعفر صادق پر منتہی ہوتا ہے . توران کے سابق بادشاہ عبداللہ خان اُن کے جد بزرگوار خواجہ جوئبار کے مرید تھے ، اور ان سے انتہا درجے کی عقیدت رکھتے تھے .

حضرت شاہنشاہی نے خواجہ عبدالرحیم کی آمد کو نہایت اہمیت دیتے ہوئے ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کا اہتمام کیا . اُمرا اور اراکینِ دولت کو اُن کے استقبال کے لیے بھیجا . جب وہ کابل پہنچے تو ظفر خان ان کا استقبال کرکے اُنھیں شہر میں لایا اور ایک شاندار مجلس منعقد کرکے لوازمِ مہانداری بجا لایا .

حضرت شاہنشاہی نے لاہور سے تین منزل آگے موسوی خان (۱۳) کو خلعتِ خاص ، خنجر مرصّع کے ساتھ اُن کے استقبال کے لیے بھیجا جو اس سید بزرگوار کے لیے باعثِ مسرت ثابت ہوئے .

اس کے بعد بہادر خان اوزبک[1] نے ، جو عبدالمومن خان اوزبک کی حکومت کے زمانے میں مشہد کا حاکم رہ چکا تھا اور حضرت شاہنشاہی کے دربار میں پنج ہزاری منصب رکھتا ہے ، استقبال کے لیے گیا . جب خواجہ نواحِ لاہور میں پہنچے تو حکم شاہی کی بنا پر خواجہ ابوالحسن دیوان اور ارادت خان بخشی نے ان کا استقبال کیا اور اُن سے ملاقات کی . اُسی دن خواجہ حضرت شاہنشاہی کی دست بوسی سے مشرف ہوئے اور ان کی بزرگی اور احترام کے مدنظر اُنھیں کورنش اور تسلیم بجا لانے (سے مستثنیٰ) رکھا گیا ، اور اُنھیں تختِ سلطنت کے نزدیک

۱- ابوالنبی بہادر خان اوزبک . (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۴۰۱) .

بیٹھنے کا حکم دیا ، اور حضرت شاہنشاہی نے انھیں پچاس ہزار روپے بطور انعام عنایت فرمائے ۔

دوسرے دن چودہ قابیں کھانے کی سونے چاندی کے برتنوں کے ساتھ خواجہ کو بھجوائیں اور تمام برتن مع لوازمات کے اُن کو عطا فرمائے ۔

مکرّم خان کی وفات :

اسی دوران خان زاد خان کے تبادلے کی وجہ سے بنگال کی صوبیداری پر مکرّم خان ولد معظم خان ماسور [417] کیا گیا ۔ جب وہ اُس ملک کی حکومت پر فائز ہو گیا تو اتفاق سے اس وقت اس کے نام ایک فرمان جاری ہوا ۔ چنانچہ وہ کشتی پر بیٹھ کر فرمان کے استقبال کے لیے روانہ ہوا ۔ نیرنگی تقدیر سے اس کی کشتی کو بنگال کے مشہور دریا کے علاوہ ایک نالے سے بھی گزرنا پڑتا تھا ۔ جب مکرم خان کی کشتی وہاں پہنچی تو اُس نے ملاحوں کو اشارہ کیا کہ تھوڑی دیر کشتی کو دریا کے کنارے روکے رکھیں ، تا کہ وہ عصر کی نماز ادا کرکے اپنی منزلِ مقصود کے لیے آگے روانہ ہو ۔ اُس وقت جب کہ ملّاحوں نے کشتی کو دریا کے کنارے لے جانا چاہا ، اچانک ایک ایسی تند و تیز ہوا چلی کہ کشتی کا رخ پلٹ گیا ، اور سخت طوفان اور غیر معمولی تلاطم کی وجہ سے کشتی ڈوب گئی ، اور مکرّم خان بھی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ، جو اُس کشتی میں تھے ، غرق ہو گیا ، اور ایک متنفس بھی اُس گردابِ بلا سے صحیح سلامت نہ نکل سکا ۔

خانخاناں کی وفات :

اُسی زمانے میں خانخاناں ولد بیرم خان نے بہتّر سال کی عمر میں اجلِ طبعی سے وفات پائی ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب وہ مہابت خان کے استیصال کے لیے لاہور سے دہلی پہنچا تو اس پر انتہائی ضعف طاری ہو گیا ۔ مجبوراً وہ اس مبارک شہر میں ٹھہر گیا اور بالآخر وسط سال ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۶ع) میں وفات پائی ، اور اُس مقبرے میں دفن ہوا جو اس نے اپنی بیوی کے لیے بنوایا تھا ۔

خانخاناں اِس سلطنت کے اُمرائے عظام میں شامل تھا ۔ حضرت عرش آشیانی کے

عہد حکومت میں اس نے شائستہ خدمات اور نمایاں فتوحات حاصل کی تھیں ۔

ان نمایاں کارناموں میں، جو اس نے انجام دیے تھے، سب سے پہلے گجرات کی فتح اور مظفر خان گجراتی کی شکست ہے۔ اسی فتح کی بدولت گجرات، جو مغل سلطنت کے ہاتھ سے نکل گیا تھا، دوبارہ اُمرائے سلطنت شاہی کے قبضے میں آ گیا ۔

دوسری عظیم الشان فتح وہ ہے جو اس نے دکن کی جنگ میں سہیل (۱۴) پر پائی تھی، جو دکن کا ایک عظیم لشکر، مست جنگی ہاتھی اور ایک بڑا توپ خانہ لے کر جنگ کے لیے آیا تھا ۔ مشہور ہے کہ ستر ہزار فوج اس کے ساتھ تھی ۔ خانخاناں کل بیس ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلے کے لیے گیا اور اُس سے دو دن ایک رات سخت جنگ کرکے فتح حاصل کی اور اس صبر آزما معرکے میں راجے علی خان (۱۵) جیسا سردار قتل ہوا ۔

تیسری فتح ٹھٹھہ اور ملک سندھ کی ہے ۔

حضرت جنت مکانی (جہانگیر) کے عہد میں اس کے بڑے بیٹے شاہ نواز خان نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ عنبر کی فوج کو شکست دی، جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں بیان کی گئی ہے ۔ وہ بلامبالغہ ایک قابل خانہ زاد ملازم شاہی تھا ۔ اگر موت اُسے مہلت دیتی تو اُس سے ایسے کارنامے معرض وجود میں آتے جن کے آثار صفحہ روزگار پر بطور یادگار باقی رہ جاتے ۔

خانخاناں قابلیت اور استعداد میں کامل اور یکتائے زمانہ تھا ۔ عربی، ترکی، فارسی اور ہندی زبانیں جانتا تھا ۔ وہ نہ صرف تمام عقلی و نقلی علوم بلکہ علوم ہندی کا بھی اچھا عالم تھا ۔ شجاعت، بہادری اور سرداری میں ایک نمونہ اور مثال تھا ۔ فارسی اور ہندی میں شعر خوب کہتا تھا ۔ اُس نے حضرت عرش آشیانی کے حکم سے واقعات بابری کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا ۔ کبھی کبھی قطعہ، رباعی اور غزل بھی کہا کرتا تھا ۔ یہ چند شعر اس کے ہیں :

شمار شوق ندانستہ ام کہ تا چند است
جز ایں قدر کہ دلم سخت آرزومند است
بکیش صدق و صفا حرف عہد بیکار است
نگاہِ اہل محبت تمام سوگند است
نہ دام دانم و نہ دانہ ، ایں قدر دانم
کہ پائے تا بسرم ہرچہ ہست در بند است

مرا فروخت محبت ولی نمی دانم
کہ مشتری چہ کس است و بہاء من چند است

ادائے حق محبت عنایتے است ز دوست
وگرنہ خاطر عاشق بہیچ خورسند است

ازاں خوشم بسخنہائے دلکش تو "رحیم"
کہ اندکی باداہای عشق تا چند است [418]

رباعی

زنہار رحیم از پے دل نروی
بیہودہ بہ آرزوی دل در گردی
گفتم سخنے و باز ہم میگویم
خواہش کاری ہمیشہ کاہش دروی

راجا مالڈو کی آستان بوسی :

چونکہ ریاست مالڈو کے راجا امر سنگھ نے اطاعت و بندگی اختیار کرکے عرضداشت بھیجی تھی کہ جس طرح میرے باپ دادا نے آستان بوسی کی سعادت حاصل کی تھی ، اسی طرح میں بھی امیدوار ہوں کہ شاہی دربار میں حاضر ہو کر آستان بوسی کا شرف حاصل کروں ، اس بنا پر تہور خاں کو ، جو زباں داں خدمتگاروں میں تھا ، حکم دیا گیا کہ وہ اس کو ساتھ لا کر دربار میں حاضر کرے ، اور اس کے ہاتھ اس کی سر فرازی کے لیے ایک فرمان بھیجا گیا جو عطوفت و مہربانی پر مشتمل تھا ۔ اور خلعت اور گھوڑے روانہ کیے گئے ۔

مہابت خاں کا شاہجہاں سے مل جانا جانا :

جب حضرت شاہنشاہی نے یہ خبر سنی کہ مہابت خاں شاہجہاں سے جا ملا ہے تو حضرت شاہنشاہی نے اس کے علی الرغم خانجہاں کو سپہ سالاری کے خطاب سے سربلند کیا ۔

مہابت خاں کا حال :

اب مہابت خاں کا مختصر حال لکھا جاتا ہے ۔ جب وہ دربار شاہی سے نکلا اور ٹھٹھہ کے راستے سے مڑ کر فرار ہوا اور شاہی لشکر اس کے تعاقب میں متعین ہوا اور اُسے کوئی راستہ نجات کا نظر نہ آیا ، تو اُس نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ وہ شاہجہاں کا توسّل اختیار کرے ۔ چنانچہ اس نے ایک عریضہ اپنے ایک معتمد ملازم کے ہاتھ شاہجہاں کے پاس بھجوایا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر اس بندۂ گنہگار کے جرائم پر معافی کا قلم پھیرا جائے تو میں ملتجی ہوں کہ آپ کے آستانے پر حاضر ہوں ۔ شاہجہاں نے بہ لحاظِ مصلحتِ وقت اُس کے قصوروں کو معاف کر دیا اور اسے اپنی طرف مائل کرنے اور تسلی دینے کے لیے ایک فرمان ، جو عنایتوں اور شفقتوں پر مشتمل تھا ، اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھجوایا ۔ اس فرمان کے پہنچنے پر وہ سرگشتۂ بادیۂ ناکامی تقریباً دو ہزار سواروں کے ساتھ راج بلبلہ اور بھرجی کے راستے سے جنیر[1] (۱۶) میں شاہجہاں سے جا ملا ، اور ایک ہزار اشرفی نقد اور ایک بڑا ہیرا ، جس کی قیمت سات ہزار روپے تھی ، دوسرے نفیس تحفوں کے ساتھ بطور پیش کش پیش کیا ، جس کے جواب میں شاہجہاں نے بھی اُسے مرصّع خنجر ، مرصّع شمشیر ، خاص گھوڑا اور ہاتھی بطور انعام دیے ۔

عبداللہ خاں کی قلعۂ اسیر میں محبوسی :

اسی زمانے میں خانجہاں نے عبداللہ خاں کو ، جو اُسی علاقے میں مقیم تھا ، متعدد خطوط لکھے اور اس کو برہان پور آنے کی ترغیب دی ۔ چنانچہ اس کے عہد و پیمان کی بنا پر وہ پہنچ گیا اور اس سے ملاقات کی ۔

۱۔ خیبر : سرسید ایڈیشن میں یہ نام خیبر ہے ، جو سہو کتابت ہے ۔ صحیح نام جنیر ہے ، جو اُن ایام میں ایک فوجی مرکز تھا ۔ شاہجہانی دور کے مورخین جیسے امینائی قزوینی ، عبدالمجید لاہوری ، اور محمد صالح اس مقام کا نام جنیر ہی لکھتے ہیں ۔ باپ سے تعلقات کشیدہ ہو جانے کے بعد شاہجہاں جنیر میں مقیم ہو گیا تھا ۔ (س)

چند روز گزرنے کے بعد خانجہاں نے بعض اشرار کے اکسانے پر عبداللہ خاں فیروز جنگ سے بدگمان ہو کر ایک دن ، جب کہ وہ تنہا ایک خدمتگار کے ساتھ اس کے گھر آیا تھا ، گرفتار کرکے قید کر لیا اور حضرت شاہنشاہی کو حقیقت حال کی اطلاع کر دی . حکم ہوا کہ اسے قلعۂ آسیر میں قید کر دیا جائے .

چونکہ عہد شکنی تمام مذاہب میں ممنوع ہے ، اس لیے کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ خانجہاں کو قدرت کی طرف سے اس عہد شکنی کا خمیازہ بھگتنا پڑا .

اس داستان کی تفصیل بطریق ایجاز یہ ہے کہ چونکہ اس کا دماغ حضرت شاہنشاہی کی بے پایاں عنایات کی وجہ سے بہت خراب ہو گیا تھا ، جب حضرت شاہنشاہی (جہانگیر) کی وفات کے بعد تخت خلافت پر شاہجہاں رونق افروز ہوئے ، تو خانجہاں طرح طرح کے وسوسوں اور اندیشوں میں مبتلا ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے دل میں توہمات بیٹھ گئے اور ان اوہام و وساوس سے ایسا وحشت زدہ ہو گیا کہ بجائے ٹھہرنے کے بھاگ جانا مناسب سمجھا . چنانچہ ۲۷ ماہ صفر ۱۰۳۹ھ (۱۶۲۹ع) کو اتوار کی رات کو اپنے اہل و عیال اور افغانوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر دارالخلافہ اکبر آباد سے بھاگا اور ذلت و خواری کی راہ اختیار کی . شاہجہاں نے اسی رات خواجہ ابوالحسن ، سید مظفر خاں ، اللہ وردی خاں ، رضا بہادر اور پرتھی راج راٹھور (۱۷) کو فوج کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ کیا . جب انھوں نے دھول پور کے نزدیک آسے جا لیا تو دونوں کے درمیان سخت جنگ [419] ہوئی . اس جنگ میں رضا بہادر نے شربت شہادت نوش کیا اور پرتھی راج زخمی ہوا . خانجہاں کے بھی دو بیٹے مارے گئے اور خود بھی وہ نیم جان ہو گیا اور اس خطرے سے جان بچا کر دکن کی طرف بھاگ گیا ، اور نظام الملک کی حدود سلطنت میں پہنچ کر شاہی علاقے میں شورش و فساد پھیلانے لگا .

اسی زمانے میں شاہجہاں دکن کی جانب روانہ ہوئے اور نیک ساعت میں دولت خانۂ برہان پور شاہجہاں کی ذات جہاں آرا سے مزین ہوا .

اعظم خاں ، جس کا خطاب عہد جہانگیری میں ارادت خاں (۱۸) تھا ، شاہی فوج کے ساتھ خانجہاں کے قلع قمع کرنے کے لیے بالا گھاٹ پر متعین ہوا . افواج شاہی کو متعدد بار خانجہاں کا مقابلہ کرنا پڑا . ہر دفعہ شاہی فوج کی فتح یابی اور کامیابی کے آثار ظاہر ہوئے . لیکن صحیح طور پر خانجہاں کا دفعیہ ممکن

نہ ہو سکا ، یہاں تک کہ بالآخر وہ مشرقی علاقوں کی طرف چلا گیا جو پٹھانوں کا مسکن ہیں . شاہجہاں نے اس موقع پر خانجہاں کے تعاقب میں عبداللہ خاں فیروز جنگ کو سردار بنایا اور سید مظفر ، معتمد خان کوکہ اور رشید خان اور چند دوسرے امرا کو روانہ کیا . اس لشکر نے پرگنہٴ سہیندہ[1] کے نزدیک ، جو جو اللہ آباد سے پچیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے ، اس بد نصیب کو جا لیا ، جہاں اس نے اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اپنے بیٹوں ، رشتے داروں اور نوکروں کو ساتھ لے کر ثابت قدمی سے سخت جنگ کی ، جس میں وہ خود ، اس کے دو بیٹے اور اس کے بعض ساتھی مارے گئے . خان بہادر فیروز جنگ نے اس کا سر ، بے مغز کاٹ کر شاہجہاں کے پاس بھجوایا .

حضرت شاہنشاہی کی سیاحت کشمیر :

۲۱ اسفندار ۱۰۳۹ھ (۱۶۲۹ع) مبارک اور نیک ساعت میں حضرت شاہنشاہی نے سیر و شکار کے لیے خطہٴ دل پذیر کشمیر کا رخ کیا . کشمیر کا یہ سفر اضطراری تھا ، اختیاری نہ تھا ، کیونکہ گرمی کا موسم حضرت شاہنشاہی کے مزاج اقدس کے لیے سخت ناموافق تھا . مجبوراً ہر سال موسم بہار میں راستے کی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کر کے گلزار کشمیر میں پہنچ جاتے ہیں ، اور کشمیر کی دل کشیوں اور جنت نظیر سر زمین کی لذتوں سے لطف اٹھا کر ہندوستان واپس تشریف لے آتے ہیں .

اس سے چند روز پہلے عبدالرحیم خواجہ کو تیس ہزار روپے بطور انعام مرحمت فرمائے تھے ، اس وقت ایک ہتھنی چاندی کے ہودے سمیت اُسے عنایت کی .

---

۱ - سندہ : سرسید ایڈیشن میں اس پرگنے کا نام سندہ درج ہے ، جو سہو کتابت ہے . مآثرالامرا ص ۷۲۹ میں اس پرگنے کا نام سہیندہ مندرج ہے جو صحیح معلوم ہوتا ہے ، اور یہی ہم نے اختیار کیا ہے . (رک مآثرالامرا ، ۱ : صفحہ ۷۲۹) .

حواشی اکیسواں جشن نوروز

(۱) فیروز خاں (خواجہ سرا) : جہانگیر کے معتمدوں میں تھا ۔ جہانگیر کی وفات کے بعد جب آصف خاں نے خسرو کے بیٹے کو تخت پر بٹھا کر شہریار سے جنگ کی اور شہریار حواس باختہ ہوکر محل سرا میں جا چھپا تو اسی نے آصف خاں کے اشارے پر اسے محل سے نکال کر آصف خاں کے سپرد کیا تھا ۔ فیروز خاں نے ۱۸ رمضان ۱۰۵۷ھ کو وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ : ص ۲۱ - ۲۲) ۔

(۲) نورجہاں بیگم : اعتماد الدولہ میرزا غیاث بیگ طہرانی کی بیٹی تھی ۔ اس کا نام مہرالنساء تھا ۔ یہ قندھار میں اس وقت پیدا ہوئی جب اعتماد الدولہ ہندوستان آ رہا تھا ۔ اکبر کے سلک ملازمت میں منسلک ہونے کے بعد اکبر نے مہر النساء کی شادی شیر افگن خاں علی قلی بیگ استجلو سے کر دی تھی ۔ شیر افگن کے ۱۰۱۶ھ میں مارے جانے کے بعد ، ۱۰۲۰ھ میں جہانگیر نے اس سے شادی کی ، اور پہلے اسے نورمحل کا ، پھر نورجہاں کا خطاب دیا ۔ نورجہاں حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت سے بھی آراستہ تھی اور بے حد سلیقہ شعار خاتون تھی ۔ جہانگیر اس کے حسنِ سلیقہ سے متاثر ہو کر کہا کرتا تھا کہ جب تک نورجہاں بیگم میرے عقد میں نہ آئی تھی ، میں نے شادی کے مفہوم ہی کو نہ سمجھا تھا ۔ اکثر زیور ، لباس اور تزئین کی چیزیں ، جو ہندوستان میں مروّج ہیں ، اُسی کی اختراع ہیں ؛ مثلاً دو دامنی ، پنج تولیہ ، بادلہ ، کناری ، عطرِ جہانگیری وغیرہ ۔

اُس نے جہانگیر کو اس قدر اپنا والہ و شیفتہ بنا لیا تھا کہ حقیقت میں بادشاہی نورجہاں کی تھی اور نام جہانگیر کا ۔ جہانگیر اکثر کہا کرتا تھا کہ میں نے سلطنت نورجہاں کو بخش دی ہے ۔ میں ایک سیر شراب اور آدھے سیر گوشت کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا ۔ سوائے

خطبے کے تمام لوازم فرمانروائی نورجہان کے حکم سے عمل میں آتے تھے ، یہاں تک کہ اس کے نام کا سکہ بھی ڈھالا گیا ۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود وہ ایک بڑی شورش کا سبب بنی ۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس کے بطن سے شیرافگن کی جو لڑکی تھی ، وہ جہانگیر کے چھوٹے بیٹے شہریار سے بیاہی گئی ۔ نورجہان چاہتی تھی کہ جہانگیر کے بعد ہندوستان کے تخت پر شہریار کو بٹھائے ۔ اس نے شاہجہان کے خلاف جہانگیر کو بر انگیختہ کرکے نوبت یہاں تک پہنچائی کہ دونوں باپ بیٹے میں جنگ کی نوبت پہنچی ، لیکن تقدیر الٰہی شاہجہان کے حق میں فیصلہ کر چکی تھی ، بالآخر وہ ہندوستان کا بادشاہ ہوا ۔ شاہجہان نے بادشاہ ہونے کے بعد نورجہان کا دو لاکھ روپے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا ۔ کہتے ہیں کہ اس نے جہانگیر کی وفات کے بعد کبھی سفید لباس نہیں پہنا اور اپنے اختیار سے کسی شادی کی مجلس میں شریک نہیں ہوئی ۔ نور جہان نے ۱۹ جلوس شاہجہانی ۱۰۵۵ھ میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی ، اور لاہور میں جہانگیر کے مقبرے کے قریب ، جو اس نے اپنے لیے مقبرہ بنوایا تھا ، اس میں مدفون ہوئی ۔ موزوں طبع تھی ، شاعری میں مخفی تخلص کرتی تھی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ۱ : ص ۱۲۷—۱۳۴—مآثرالامرا ، ۲ : ص ۶۲۲—۶۲۵) ۔

(۳) فدائی خاں کا نام میرزا ہدایت اللہ تھا ۔ یہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا ۔ ابتداءً میر بحر مقرر ہوا اور مہابت خاں کی وکالت اور سرپرستی کی وجہ سے بہت ہی کم مدت میں امارت کے مراتبے کو پہنچ گیا ، لیکن مہابت خاں کی شورش میں باوجود مہابت خاں کے احسانات کے اس نے شاہی نمک کا پاس کیا اور فدویت و جاں نثاری میں کوئی کمی نہیں کی ۔ ۲۲ جلوس جہانگیری میں مکرم خاں کی جگہ یہ بنگال کا صوبیدار مقرر ہوا ۔ شاہجہاں کے عہد حکومت میں منصب چہار ہزاری سہ ہزار سوار سے سرفراز ہوا ۔ ۱۹ جلوس شاہجہانی میں یہ قلعۂ تارا گڑھ کی مہم پر روانہ ہوا ۔ قلعۂ مذکور پر قبضہ حاصل کرنے کے چند دن بعد اس نے اسی سال وفات پائی ۔ (مآثرالامرا ، ج ۳ : ص ۱۲—۱۸) ۔

(۴) بہروز بن مہابت خاں ۔ (رک : گیارھواں جشن ، حاشیہ نمبر ۲۴) ۔

(۵) خواجہ شمس الدین محمد خوافی : بن خواجہ علاؤ الدین ۔ متوفی ۱۰۰۸ھ

مدفن : لاہور ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۶۴–۶۶۹) ۔

(۶) محمد تقی : سیم ساز مخاطب بہ شاہ قلی خان ۔ نوجوانی ہی سے شاہجہاں کے ملازموں میں منسلک تھا ، اور خوش نصیبی سے بخشی سرکار شاہی ہوا ۔ جب مہم کانگڑہ شاہزادہ خرم کے سپرد ہوئی تو اس نے اس کو راجا سورج مل کے ساتھ اس کی تسخیر پر مامور کیا ۔ بعد میں مالوہ کی فوجداری اور مانڈو کے قلعے کی حفاظت پر بھی مامور ہوا جو شاہجہاں کی جاگیر میں تھا ۔

(۷) مُلا میر محمد قنبوسندی (ٹھٹھہ) کے باپ کا نام محمد یوسف تھا جو درویشی اور فقر میں زندگی بسر کرتا تھا ۔ اس کا بیٹا مُلّا محمد ابتدائے جوانی ہی میں اپنے وطن ٹھٹھہ میں علوم دینیہ کو دلائل عقلی و نقلی کے ساتھ حاصل کر کے علوم معقولات کے حصول میں مصروف ہو گیا اور تھوڑے ہی زمانے میں وہ ان علوم میں بھی ماہر ہو گیا ۔ وہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ثقاہت و دین داری کے زیور سے بھی آراستہ تھا ۔ شروع شروع میں وہ تعلیم و تدریس میں مشغول رہا ، یہاں تک کہ یمین الدولہ آصف جاہی کا اُستاد بن گیا ۔ آصف خاں کو جہانگیر کے زمانے میں غیر معمولی شاہی تقرب حاصل ہوا اور اس کے عزیز اور رشتے دار بڑے بڑے مرتبوں پر پہنچے ، یہاں تک کہ اس کے نوکروں اور غلاموں نے بھی خانی اور ترخانی کے خطاب حاصل کیے ۔ آصف خاں جہاں مُلا محمد کی اس لیے عزت کرتا تھا کہ وہ اُس کا شاگرد ہے ، ساتھ ہی وہ اُس کی بزرگی اور درویشی کا بھی معتقد تھا ۔ اُس کا خیال تھا کہ یہ جو کچھ عروج اور ترقی اس کو حاصل ہوئی ہے ، وہ مُلّا ہی کی دعاؤں کی برکت سے ہے ، اس لیے وہ مُلّا پر بے حد نوازشیں کرتا تھا ، یہاں تک کہ مُلا اس کی سعی سے ہندوستان کے ''صدارت کل'' کے عہدے پر فائز ہوا ۔ جب مُلا اس عظیم عہدے پر پہنچا تو اُس نے اپنے وطن ٹھٹھہ کے تمام املاک و باغات اور محلات ، جو سابق سلاطین ارغونیہ و ترخانیہ کے تھے ، بیع یا ہبہ سے سرکاری طور پر حاصل کر لیے اور ان پر قابض ہو گیا ، بلکہ آہستہ آہستہ اس نے تمام ٹھٹھے پر اپنا قبضہ جما کر افتا و قضا کے تمام عہدے اپنے بھائیوں اور عزیزوں کے سپرد کر دیے ۔

جب شاہ بیگ مخاطب بہ خان دوران کا تقرر حکومتِ ٹھٹھ پر ہوا اور وہ آصف خان سے رخصت ہوتے وقت ملنے کے لیے آیا تو آصف خان نے مُلّا محمد اور اُس کے بھائیوں کی سفارش کی ۔ وہ پہلے ہی سن چکا تھا کہ مُلا کے بھائی شورہ پشت ہیں اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے ، چنانچہ اس نے آصف خان کو جواب دیا کہ اگر وہ اپنا طرز عمل صحیح رکھیں گے تو بہتر ہے ، بصورت دیگر اُنھیں اپنی سزا بھگتنی پڑے گی ۔ آصف خان اس اس جواب سے نہایت ناخوش ہوا اور یہ بات اس کی برہمی کا سبب بنی ۔ آخر اسی وجہ سے اُس کو اپنے منصب اور جاگیر سے معزول ہونا پڑا ۔

جب مہابت خان کی بغاوت کا واقعہ پیش آیا تو مُلّا اگر کہیں جانا چاہتا تو جا سکتا تھا ، لیکن چونکہ اس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے ، وہ قاضی اور میر عدل کا توسل ڈھونڈھ کر مہابت خان کے پاس آیا ۔ مہابت خان چونکہ مُلّا عبدالصمد اور میرزا عبدالخالق کو آصف خان کی مصاحبت کی بنا پر قتل کرا چکا تھا ، اُس نے مُلّا محمد کو بھی آصف خان سے تعلق اور نسبت کی بنا پر چند دن قید میں رکھا اور پھر اُسے بھی بے گناہ قتل کرادیا ۔ کہتے ہیں کہ آصف خان کو ان تینوں مصاحبوں کے قتل کا اس قدر صدمہ تھا کہ وہ اکثر راتوں کو ان تینوں کو وا محمدا ، وا خالقا ، وا صمدا کہہ کر یاد کیا کرتا تھا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ : ص ۳۶۹–۳۷۲) ۔

(۸) بایسنقر : شاہزادہ دانیال کا بیٹا تھا ۔ دانیال کے اس کے علاوہ طہمورث اور ہوشنگ دو بیٹے اور بھی تھے ۔

(۹) سپہدار خان : محمد صالح ، متبنی خواجہ بیگ میرزا صفوی ۔ وفات : ۱۰۵۴ھ ۔ (رک : مآثرالامرا ، ۲ : ص ۴۲۷ - ۴۲۹) ۔

(۱۰) ابوطالب : (شائستہ خان امیر الامرا) بن عین الدولہ آصف خان ۔ یہ بھی مہابت خان کی بغاوت کے زمانے میں اپنے باپ کے ساتھ قید تھا ۔ شاہجہان کے ابتدائے عہد حکومت میں اپنے باپ کے ساتھ لاہور میں شاہجہان کی ملاقات سے شرف اندوز ہوا اور اصل و اضافے کے ساتھ منصب پنج ہزاری چھار ہزار سوار سے سرفراز ہوا - ۴۸ جلوس شاہجہانی ۱۱۰۵ھ میں اس نے وفات پائی ۔ (رک : مآثر الامرا ، ج ۲ : ص ۶۹۰–۷۰۶) ۔

(۱۱) **میرزا رستم صفوی** : ابن سلطان حسین میرزا ، بن بہرام میرزا ، بن شاہ اسماعیل صفوی ، برادر خورد میرزا مظفر حسین قندھاری - ۳۸ جلوس اکبری (۱۰۰۱ھ) میں اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا ۔ عہد جہانگیری میں ۷ جلوس جہانگیری (۱۰۲۱ھ) کو میرزا غازی کے انتقال کے بعد حکومت ٹھٹھ سے سرفراز ہوا ۔ لیکن اس کا سلوک ٹھٹے کے لوگوں سے اچھا نہ تھا ، جس کی وجہ سے ٹھٹے کے اکثر لوگ جلا وطن ہو گئے ۔ قاضی محمود جو ٹھٹے کے بہت بڑے عالم تھے ، میرزا کی ظلم و زیادتی کی وجہ سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ بکھر چلے گئے ۔ جب یہ خبریں جہانگیر کو ملیں تو اس نے میرزا کو معزول کرکے وہاں سے بلا لیا ۔ جب وہ جہانگیر کے پاس آیا تو ٹھٹے کے بہت سے لوگ فریادی بن کر جہانگیر کے پاس آئے ۔ جہانگیر نے اُسے انی رائے سنگھ دلن کے سپرد کر دیا تا کہ وہ ان مظالم کی اس سے جواب طلبی کرے ۔ چند دن تک وہ معتوب رہا ، پھر عواطف شاہانہ سے سر بلند ہوا اور منصب شش ہزاری سے سرفراز ہو کر صوبیداری الہ آباد سے مفتخر ہوا - ۲۱ جلوس جہانگیری میں صوبیداری بہار سے سرفراز ہوا ۔ جلوس شاہجہانی کے پہلے سال عارضۂ نقرس اور ضعف و پیری کی وجہ سے شاہجہان نے اُسے ایک لاکھ بیس ہزار روپے سالانہ وظیفہ دے کر صوبیداری بہار سے سبکدوش کر دیا ۔ اس کے بعد وہ ایک عرصے تک آگرے میں فارغ البالی کی زندگی بسر کرتا رہا ، یہاں تک کہ ستر سال کی عمر میں ۱۵ جلوس شاہجہانی ۱۰۵۱ھ میں اس نے وفات پائی ۔ میرزا موزوں طبع تھا ، فدائی تخلص کرتا تھا ۔ اس کی ایک لڑکی سلطان پرویز سے اور دوسری ۹ جلوس شاہجہانی میں شاہزادہ محمد شجاع سے بیاہی گئی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ : ص ۴۳۴ - ۴۴۱ ۔ و ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۵۸) ۔

(۱۲) **شریف الملک** : یہ شریف خاں یک چشم اور شریر الملک کے نام سے مشہور تھا ۔ چونکہ اس نے شاہجہان کے ٹھٹے پہنچنے پر اس کے ساتھ نا زیبا سلوک کیا تھا ، اس لیے مورخین اسے بجائے شریف الملک کے شریر الملک لکھتے ہیں ۔ (رک : تعلیقات مظہر شاہجہانی ، ص ۳۱۶ - ۳۱۷) ۔

(۱۳) **موسوی خاں** : مشہد کے سادات میں سے تھا اور سید یوسف خاں رضوی

کا قریبی عزیز تھا . جہانگیر سے روشناس ہو کر پہلے وہ داروغہ آبدار خانہ مقرر ہوا اور پھر رفتہ رفتہ ترقی کر کے صدارت کل کے عہدے پر فائز ہو گیا . اس نے ۱۰۵۵ھ میں وفات پائی . (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ : ص ۱ـ ۳۴ ـ ۳۴۲)

(۱۴) سہیل خان : بیجاپور کا مشہور جنرل تھا . عادل شاہی اُمرا میں اس کو خاص امتیاز حاصل تھا . اس کے مقابلے میں خانخاناں اور شاہزادہ مراد مغل فوجوں کی کمان کرتے تھے . یہ لڑائی ۱۵۹۷ع میں دریائے گوداوری کے کنارے سوپہ کے مقام پر ہوئی تھی ، جب کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۸۰ - ۱۶۲۶ع) نے چاند بی بی کے مغلوں کے مقابل کمک طلب کرنے پر سہیل خان کی سرکردگی میں ایک فوج بھیجی تھی . اس میں سہیل خان اور راجا علی خان دونوں مارے گئے اور مغل فوج کامیاب ہوئی .

(۱۵) راجے علی خان (فاروقی) والی خاندیس : یہ ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ع) میں تخت نشین ہوا تھا . اس نے شہنشاہ اکبر کی سیادت تسلیم کر لی تھی ، وہ خانخاناں کی امداد میں مغل فوجوں کے ساتھ آیا تھا اور جنگ سوپہ (۱۵۹۷ع) میں مارا گیا تھا .

(۱۶) جنیر : دکن کا ایک تاریخی مقام ہے . سب سے پہلے جب ۱۴۹۰ع میں نظام شاہی سلطنت قائم ہوئی تو یہ نظام شاہی سلطنت کا پہلا پایۂ تخت تھا .

(۱۷) پرتھی راج راٹھور : اس نے ۱۰۶۶ھ میں انتقال کیا . (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ : ص ۴۲۹ - ۴۳۰) .

(۱۸) ارادت خان : اعظم خان (میر محمد باقر) ساوہ کے سادات میں سے تھا ، جو عراق کے قدیم شہروں میں سے ہے . جب یہ ہندوستان آیا تو آصف خان میرزا جعفر کی جانب سے سیالکوٹ ، گجرات اور پنجاب کی فوجداری پر بھیجا گیا . پھر اس کی شادی آصف خان میرزا جعفر کی بیٹی سے ہوئی ، جس کی بنا پر وہ جہانگیر سے روشناس ہوا . اس کے بعد یمین الدولہ آصف خان کے توسل سے ترقی کر کے عمدہ منصب تک پہنچا . اور خدمت خانسامانی پر مقرر ہوا - ۱۱ جلوس جہانگیری میں صوبیداری کشمیر سے سرفراز ہوا . پھر وہاں سے بادشاہ کے حضور میں آیا اور منصب میر بخشی سے سرفراز ہوا . شاہجہاں کے عہد میں منصب پنج ہزاری ذات و سوار اور

علم و نقارہ سے سرفراز ہو کر پہلے میر بخشی اور بعد میں یمین الدولہ کی سفارش پر ۵ رجب کو جلوس شاہجہانی کے پہلے سال وزارت دیوانِ اعلیٰ سے سرفراز ہوا ۔ ۳ جلوس شاہجہانی میں اعظم خان کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ ارادت خان نے ۱۰۵۹ھ میں چھہتر سال کی عمر میں وفات پائی اور جونپور میں دریا کے کنارے مدفون ہوا ۔ ''اعظم اولیا'' سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۷۳ - ۱۸۰)۔

باٹیسواں جشنِ نوروز

۳ ماہ[1] رجب ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۷ع) کو اتوار کے دن آفتاب جہاں تاب کے بُرج حوت سے برج حمل میں تحویل ہونے پر جلوس جہانگیری کا بائیسواں سال شروع ہوا. جشن نوروز دریائے چناب کے کنارے رچایا گیا. حضرت شاہنشاہی نے ایک روز اس جشن کے لوازم ادا کیے اور دوسرے دن یہاں سے کوچ فرمایا اور بمنزل بمنزل سیر و شکار کرتے ہوئے مبارک دن اور نیک ساعت میں کشمیر میں وارد ہوئے.

فدائی خاں کا بنگال کی صوبیداری پر تقرر:

گزشتہ اوراق میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضرت شاہنشاہی کو مکّرم خاں حاکم بنگال کے ڈوبنے کی خبر مل چکی تھی. اس زمانے میں حضرت شاہنشاہی نے فدائی خاں[2] کو اس کی جگہ صوبۂ بنگال کی حکومت سے مشرف کیا اور اسے پنج ہزاری ذات و سوار، خلعت فاخرہ کے علاوہ شاہ ایران کا فرستادہ عراقی ابلق گھوڑا عنایت کر کے بنگال کی طرف رخصت [420] کر دیا. اور اس بات کا تعین کیا گیا کہ وہ ہر سال پانچ لاکھ روپے شاہنشاہ کی پیش کش اور اتنی ہی رقم نورجہاں کی پیش کش کے طور پر، جس کی مجموعی تعداد دس لاکھ روپے ہوتے ہیں، خزانۂ عامرہ میں داخل کیا کرے.

ابو سعید کا ٹھٹے کی حکومت پر تقرر:

اسی دوران اعتماد الدولہ کے پوتے ابو سعید کو ٹھٹے[3] کی حکومت سے سرفراز کیا گیا.

۱- اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ تاریخ ۲۰ رجب مندرج ہے. (رک: اقبال نامۂ جہانگیری، مطبوعہ الہ آباد، ص ۲۱۷).

۲- ہدایت اللہ، فدائی خاں: متوفیٰ ۹ جلوس شاہجہانی. (رک: مآثر الامرا، ج ۳: ص ۱۸).

۳- سرسید ایڈیشن میں یہ نام پٹنہ ہے لیکن اقبال نامۂ جانگیری میں ٹھٹہ ہے. اور یہی صحیح ہے (رک: اقبال نامۂ جہانگیری، مطبوعہ الہ آباد، ص ۲۱۷).

جہانگیر قلی خاں کے تبادلے کی وجہ سے بہادر خاں اوزبک کا حکومت الہ آباد پر تقرر کیا گیا اور خلعت خاص عنایت کر کے رخصت کر دیا ۔

سرکار کالپی ، محتشم خاں کی جاگیر میں دی گئی ۔

حضرتِ شاہنشاہی کی بیماری :

اب میں اس واقعہ دل دوز اور اس حادثہ جگر سوز کو بیان کروں گا کہ قلم اس کے لکھنے سے عاجز ، زبان اس کے بیان کرنے سے قاصر اور کان اس کے سننے کی تاب نہیں لا سکتے ۔ جس کسی نے حضرت شاہنشاہی کے حسنِ صورت اور سیرت کو دیکھا ہے وہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ فلکِ شعبدہ باز نے دنیا کو آن سے محروم کر کے کیسی چال چلی اور گردش روزگار نے کیا قیامت ڈھائی :

نشستی چو برگاہ شاہنشہی
گرفتی جہاں فرّ ظل اللٰہی
فروزندۂ افسر و تخت بود
کریم و رحیم و جہاں بخت بود

مختصر یہ کہ جس زمانے میں حضرت شاہنشاہی کشمیر میں تشریف رکھتے تھے ، ان کے مرض نے شدت اختیار کی اور انتہائی ضعف اور کمزوری کی وجہ سے وہ ہمیشہ پالکی میں بیٹھ کر سیر و شکار میں مشغول رہتے تھے ۔

ایک دن دردِ مفاصل نہایت شدید ہوا اور یاس و نا امیدی کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں ، اور بے اختیار حضرت شاہنشاہی کی زبان پر ایسی باتیں آنے لگیں جن سے نا امیدی کی بو آتی تھی ۔ لوگوں میں سخت پریشانی پھیل گئی اور مقربانِ شاہی نہایت مضطر ہوئے ، لیکن چونکہ چند روز حضرت شاہنشاہی کی حیاتِ مستعار باقی تھی لہٰذا اس مرتبہ خیریت گزری ، اور مرض کا زور ٹوٹ گیا ۔ مگر چند روز کے بعد حضرت شاہنشاہی کی بھوک بالکل غائب ہو گئی اور طبیعت افیون سے بھی نفرت کرنے لگی ، جو چالیس سال کی رفیق تھی ۔ انگوری شراب کے چند پیالوں کے سوا کسی دوسری چیز کی طرف طبیعت بالکل مائل نہ ہوتی تھی ۔

سلطان شہریار کی بیماری :

اسی زمانے میں سلطان شہریار داء الثعلب (بال خورے) کے مرض میں مبتلا ہو گیا ، جس کی وجہ سے اس کی مونچھوں ، بھووں اور پلکوں کے تمام بال گر گئے ۔ ہر چند طبیبوں نے اس کا علاج معالجہ کیا ، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا ۔ اس بیماری سے اس کو بہت شرم آنے لگی اس لیے اس نے حضرت شاہنشاہی سے عرض کیا کہ اسے لاہور جانے کی اجازت دی جائے کہ وہ وہاں چند روز اپنا علاج و معالجہ کرائے ۔ چنانچہ وہ اجازت ملنے پر لاہور روانہ ہوگیا ۔ لاہور روانہ ہونے سے پہلے اس نے خسرو کے بیٹے داور بخش[1] کے متعلق ، جو اس کے پاس نظر بند تھا اور جسے نورجہاں بیگم نے حزم و احتیاط کے طور پر اس کی نگرانی میں رکھا تھا ، درخواست کی کہ اسے کسی اور کے حوالے کیا جائے ۔ چنانچہ وہ شہریار سے لے کر ارادت خاں کے حوالے کیا گیا ۔

شہریار کے لاہور روانہ ہونے کے بعد حضرت شاہنشاہی مچھی بھون ، اچول ، اور ویرناگ کی سیر کے لیے گئے ۔

اثنائے سیر میں خان زاد خاں (۱) ولد مہابت خاں نے بنگال سے آ کر زمین بوسی کی سعادت حاصل کی اور ایک اچھی نسل کا ہاتھی پیش کیا ۔

سید جعفر نے ، جو شاہجہاں کا ساتھ چھوڑ چکا تھا ، آ کر شرف حضوری حاصل کیا ۔

کشمیر سے واپسی :

اسی زمانے میں حضرت شاہنشاہی کی سواری لاہور کی طرف روانہ ہوئی ۔ لاہور واپس ہوتے ہوئے راستے میں مقام بہرم کلہ میں آپ شکار کھیلنے کی طرف متوجہ ہوئے ۔ اس شکار گاہ کی کیفیت متعدد جگہ گزشتہ اوراق میں لکھی جا چکی ہے ۔ یہاں ایک بلند پہاڑ ہے جس کے دامن میں بیٹھ کر شکار پر گولی چلانے کے

---

(۱) داور بخش خسرو کا بیٹا تھا ۔ جہانگیر کے مرنے کے بعد آصف خاں نے اس کو قربانی کا بکرا بنا کر شہنشاہ بنا دیا تھا لیکن شاہجہاں کے دکن سے آنے سے پہلے ۱۶۲۸ء میں دوسرے شاہزادوں کے ساتھ یہ بھی قتل کر دیا گیا ۔

لیے نشیمن بنائے گئے ہیں ۔ جب زمیندار ہرنوں کو بھگا کر پہاڑ کی چوٹی پر لے آتے ہیں اور وہ حضرت شاہنشاہی کو نظر آنے لگتے ہیں ، تو حضرت شاہنشاہی بندوق چھتیا کر فیر کرتے ہیں ۔ گولی لگتے ہی ہرن قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے گرتا ہے جس کا نظارہ بہت دلچسپ ہوتا ہے اور شکار کھیلنے میں غیر معمولی لطف آتا ہے ۔

اس موقع پر اس علاقے کا ایک پیادہ ایک ہرن کو ہنکاتا ہوا لایا [421] اور ہرن ایک پتھر کی چٹان پر کھڑا ہو گیا ۔ اس مقام سے وہ ہرن حضرت شاہنشاہی کو اچھی طرح نہیں دکھائی دیتا تھا ۔ پیادے نے چاہا کہ وہ آگے آ کر ہرن کو اس جگہ سے ہٹا کر ایسی جگہ لے جائے جہاں وہ صاف نظر آئے ۔ پیادے نے جیسے ہی قدم آگے رکھا ، وہ اپنے پاؤں کو مضبوط جما کر نہ رکھ سکا ، سامنے ایک چھوٹا پودہ تھا ، جسے اس نے ہاتھ سے پکڑ لیا تاکہ وہ اپنے آپ کو گرنے سے محفوظ رکھ سکے ، لیکن تقدیر سے پودہ جڑ سے اکھڑ گیا اور وہ غریب اس جگہ سے معلق زمین پر آ گرا اور گرتے ہی مر گیا ۔

اس حادثے سے حضرت شاہنشاہی کا مزاج نہایت متاثر اور مکدّر ہوا اور شکار کو چھوڑ کر دولت خانے تشریف لائے ۔ اس پیادے کی ماں روتی چلاتی حضرت شاہنشاہی کے پاس آئی ۔ اگرچہ حضرت شاہنشاہی نے اسے کچھ رقم دے کر اس کی تسلی فرما دی لیکن اس حادثے کا جو اثر حضرت شاہنشاہی کے دل پر غالب ہوا تھا ، وہ رفع نہیں ہوا ۔ گویا ملک الموت اس صورت میں نمودار ہو کر حضرت شاہنشاہی کے سامنے آ گیا ۔ اس وقت سے حضرت شاہنشاہی کا آرام و قرار رخصت ہو گیا اور حالت متغیر ہو گئی ۔

اسی حالت میں وہ بیرم کلہ سے تھنہ اور تھنہ سے راجوری آئے ۔ پھر حسب معمول ، جب کہ ایک پہر دن باقی تھا ، وہاں سے کوچ کیا ۔ راستے میں شراب کا پیالہ منگوایا ، جیسے ہی ہونٹوں سے لگایا ، گوارہ نہ ہوا اور طبیعت نالش کرنے لگی ۔ دولت خانے پہنچنے تک یہی حال رہا ۔ آخری رات میں ، جو حقیقت میں زندگی کی آخری رات تھی ، حالت بگڑ گئی ۔ صبح کے وقت مقربانِ بارگاہ کو روزِ امید سیاہ نظر آنے لگا ۔

حضرت شاہنشاہی جہانگیر کی وفات :

چاشت کے وقت ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ع) مطابق ۱۱ آبان سنہ ۲۲ جلوس، جہاں پناہ کی روحِ مطہّر جسدِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انھوں نے ساٹھ سال کی عمر میں اپنی جانِ عزیز جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اس واقعۂ دل خراش اور اس حادثۂ جاں کاہ سے دنیا پر غم و الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، سب تدبیریں الٹی ہو گئیں اور لوگ بدحواس ہو گئے۔

داور بخش کی تخت نشینی

شاہجہاں کو تخت نشین کرنے کے لیے آصف خاں کی تدبیریں :

حضرت جنت مکانی (جہانگیر) کی وفات کے فوراً ہی بعد آصف خاں نے ، جو شاہجہاں کے حمایتیوں اور ہمدردوں میں سے تھا ، ارادت خاں کو اپنا ہمنوا بنایا اور خسرو کے بیٹے داور بخش کو قید سے نکال کر اسے موہوم بادشاہی کی خوش خبری سے مسرور کیا ۔ داور بخش کو آصف خاں کی اس بات کا یقین نہ آتا تھا کہ ان لوگوں نے اسے دل سے بادشاہ بنایا ہے ، لیکن انھوں نے سخت قسمیں کھا کر اس کے پریشان دل کو مطمئن کیا ۔

اس وقت آصف خاں اور ارادت خاں داور بخش کو سوار کر کے اور اس کے سر پر چتر لگا کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے ۔ نورجہاں نے ہرچند اپنے بھائی (آصف خاں) کو اپنے پاس بلانے کے لیے معتدد آدمی بھیجے ، لیکن آصف خاں کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے اس سے ملنے کے لیے نہیں گیا ۔ مجبوراً حضرت جنت مکانی کی نعش آگے رکھی گئی اور اس کے پیچھے آصف خاں شاہزادوں کے ساتھ ہاتھی پر روانہ ہو گیا ۔ آصف خاں نے بنارسی نامی ڈاک چوکی کے ایک ہندو ہرکارے کو شاہزادۂ بلند اقبال شاہجہاں کے پاس دوڑایا کہ وہ شاہجہاں کو حضرت جنت مکانی کی وفات کی خبر پہنچائے ۔ چونکہ عرضداشت لکھنے کا وقت نہ تھا ، اس لیے اس نے اپنی انگوٹھی والی مُہر اس کو دی تاکہ اس کے ذریعے خبر کی توثیق ہو جائے ۔

غرض کہ وہ رات نوشہرہ میں گزاری ۔ دوسرے روز وہاں سے روانہ ہو کر بھنبر میں قیام کیا ۔ اور وہاں تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر حضرت جنت مکانی کی نعش مقصود خاں اور دوسرے ملازموں کے ہمراہ لاہور روانہ کی جو جمعہ کے روز دریائے راوی کے دوسری طرف نورجہاں بیگم کے لگائے ہوئے باغ میں دفن کی گئی ۔

چونکہ اُمرائے عظام اور تمام بندگان دولت، جو اُس وقت بادشاہ مرحوم و مغفور کے ہمرکاب تھے [422]، جانتے تھے کہ آصف خان نے شاہجہان کی بادشاہی کو موثق اور مستقل بنانے کے لیے داور بخش کی بادشاہت کا ڈھونگ رچایا ہے، ورنہ حقیقت میں اسے قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے، اس لیے وہ سب کے سب آصف خان کی اطاعت کرتے تھے اور جو کچھ وہ کہتا تھا ہر بات میں اس کی رضاجوئی کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ مضافات بھنبر میں داور بخش کے نام کا خطبہ پڑھ کر لاہور کی طرف بڑھے۔

صادق خان ہمیشہ آصف خان کی موجودگی میں اکثر حضرت شاہجہان کی نسبت مخالفانہ اور منافقانہ جذبات کا اظہار کرتا رہتا تھا، اس لیے وہ اب بہت ڈرنے لگا اور آصف خان سے اس معاملے میں مدد کی التجا کی کہ شاہجہان سے اس کی گزشتہ خطاؤں کے بارے میں معافی کی سفارش کرے۔ آصف خان نے اس کی درخواست قبول کر لی اور شاہجہان کے شاہزادوں یعنی داراشکوہ اور اورنگ زیب کو، جنھیں نور محل (نورجہان) سے اپنی نگرانی میں لے لیا تھا، اس کے حوالے کر دیا تاکہ وہ ان شاہزادوں کی قربت حاصل کر کے ان کو اپنے جرائم کی شفاعت کا وسیلہ بنائے۔

صادق خان کی بیوی، جو آصف خان کی بہن تھی، ان شاہزادوں کی خدمت اپنے لیے سعادت ابدی سمجھنے لگی اور پروانہ وار ان پر نثار ہوتی تھی۔ اور چونکہ آصف خان اپنی دوسری بہن نورجہان بیگم کی جانب سے مطمئن نہ تھا اس لیے اس کو نظر بند کر دیا اور اس بات کا بندوبست کر دیا کہ کوئی شخص اس کے پاس جانے آنے نہ پائے۔ نورجہان بیگم اس فکر اور تدبیر میں تھی کہ شہریار کو تخت پر بٹھائے۔ ادھر بد نصیب شہریار نے جب لاہور میں حضرت جنت مکانی کی وفات کی خبر سنی اور اس احمق عورت کی تحریک اور فتنہ پردازی سے اپنے کو حقیقی وارث مشہور کیا تو محلات کے تمام کارخانہ جات، خزانہ، فیل خانہ، قورخانہ وغیرہ پر، جو لاہور میں تھے، قابض ہوگیا۔ پھر جو کچھ جس نے مانگا اسے دے کر لشکر جمع کرنے لگا۔ ایک ہفتے میں اس نے تہتر لاکھ روپے نقد قدیم اور جدید منصب داروں میں تقسیم کر دیے اور اپنی خام خیالی میں شہنشاہیت کا خواب دیکھنے لگا۔

میرزا بایسنقر ولد شاہزادہ دانیال کو، جو حضرت جنت مکانی کی وفات کے

بعد بھاگ کر شہریار کے پاس لاہور آ گیا تھا ، اسے شہریار نے اپنی بجائے فوج کا سردار بنا کر آصف خاں سے لڑنے کے لیے دریا کے پار روانہ کر دیا . وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ کارفرمایان قضا و قدر ایک ایسے شخص کو پروان چڑھانے میں مصروف ہیں کہ سلاطین والا شکوہ کے لیے اس کی اطاعت و فرماں برداری باعث فخر و مباہات ہونے والی تھی ، اور فلک ایسے شاہباز کو آسمان پر اڑانا چاہتا ہے کہ جس کی موجودگی میں چڑیا اور ممولے کی کیا مجال کہ اس کے مقابلے میں پرواز کی جسارت کریں . اسے اس کا بھی اندازہ نہ تھا کہ قطرے کو دریا سے نسبت دینا ، اس کی آبرو کھو دینا ہے .

اس طرف سے آصف خاں نے بھی داور بخش کو ایک ہاتھی پر بٹھایا اور خود دوسرے ہاتھی پر سوار ہوا اور میدان کار زار میں آ کر وسط لشکر میں ٹھہرا ، اور خواجہ ابوالحسن ، مخلص خاں ، اللہ وردی خاں اور سادات بارھہ جیسے تجربہ کاروں کو ہراول میں رکھا . اور شیر خواجہ (۳) دانیال کے بیٹوں کے ساتھ التمش میں مقرر ہوئے . اور ارادت خاں اکثر امرا کے ساتھ میمنہ میں اور صادق خاں ، شاہ نواز خاں اور معتمد خاں میسرہ میں کھڑے کیے گئے . شہر سے دو تین کوس کے فاصلے پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا . پہلے ہی حملے میں شہریار کی فوجوں کا نظام درہم برہم ہو گیا . اس کے نئے ملازم جو حال ہی میں جمع کیے گئے تھے اور اس سلطنت ابدمدت کے قدیم امرائے موروثی کے مقابلے میں کھڑے کیے گئے تھے ، سب ایک ایک کر کے فرار ہو گئے . اس وقت شہریار بدنصیب اپنے دو تین ہزار قدیم سواروں کے ساتھ شہر لاہور کے باہر نیرنگی تقدیر کا انتظار کر رہا تھا :

تاخود فلک از پردہ چہ آرد بیروں [423]

ناگاہ ایک ترکی غلام میدان جنگ سے بھاگ کر لاہور آیا اور یہ دل خراش خبر اسے سنائی . وہ بد نصیب اپنے انجام پر غور کیے بغیر قلعے میں واپس آ گیا . دوسرے دن آصف خاں اور دوسرے امرائے سلطنت یہاں پہنچے اور شہر کے قلعے کے نزدیک باغ مہدی قاسم خاں کی طرف لشکر آرائی کی . شہریار کے اکثر نوکر قول و قرار لے کر آصف خاں سے مل گئے . رات کو ارادات خاں قلعے میں آیا اور قلعے کے صحن میں ٹھہر گیا . صبح کو شاہی امرائے عظام ارک میں داخل ہوئے اور داور بخش کو تخت پر متمکن کر دیا .

شہریار قلعے کے اندر حضرت جنت مکانی کی حرم سرا کے ایک گوشے میں

چھپا ہوا بیٹھا تھا ۔ فیروز خان خواجہ سرا ، جو حرم سرائے شاہی کا معتمد و محرم راز ملازم تھا ، شہریار کو باہر نکال کر لایا اور اسے اللہ وردی خان کے حوالے کر دیا اور اسی کی کمر سے کمر بند کھول کر اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر اسے داور بخش کے سامنے پیش کیا ۔ یہاں اس کو کورنش و تسلیم کے مراسم بجا لانے پڑے اور اس کے بعد وہ اسی جگہ پر قید کر دیا گیا جہاں وہ چھپا ہوا تھا ۔ دو دن کے بعد اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی اور اندھا کر دیا گیا اور بحال تباہ ایک گوشے میں محبوس رکھا گیا ۔ چند دن کے بعد شاہزادہ دانیال کے بیٹوں طہمورث اور ہوشنگ کو بھی گرفتار کر کے قید کر دیا گیا ۔

اس کے بعد آصف خان نے شاہجہاں کی خدمت میں ایک عرضداشت روانہ کی جو فتح و ظفر کی خوش خبری پر مشتمل تھی اور التجا کی کہ جلد از جلد رونق افروز ہو کر ملک کو فتنہ و فساد اور شورش سے نجات دیں ۔

بنارسی ، شاہجہاں کی خدمت میں :

اب شاہجہاں کی خدمت میں بنارسی کے پہنچنے اور شاہجہاں کے آگرے کی طرف کے روانہ ہونے کا حال لکھا جاتا ہے ۔

مختصر یہ کہ بنارسی بیس روز کے عرصے میں چکرپتی سے ، جو کشمیر کے وسط میں واقع ہے ، ۱۹ ماہ ربیع الاول ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ع) کو اتوار کے دن جنیر[۱] پہنچا جو نظام الملک کے علاقے کی انتہائی سرحد پر واقع ہے ۔ یہ اس راستے سے گیا جس میں مہابت خان کا گھر پڑتا تھا اور جس نے چند ہی روز قبل شاہجہاں کی آستاں بوسی کر کے سربلندی حاصل کی تھی ۔ بنارسی نے تمام صورت حال مہابت خان سے بیان کر دی ۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر بجلی کی طرح شاہجہاں کی حرم سرا میں پہنچا اور اندر خبر پہنچائی ۔ شاہجہاں حرم سے باہر نکلا ۔ بنارسی نے زمین بوس ہو کر حقیقت بیان کی اور آصف خان کی مُہر پیش کی ۔

حضرت جنت مکانی (جہانگیر) کی وفات کی دل خراش خبر سن کر شاہجہاں

۱۔ جنیر : سر سید ایڈیشن میں یہ نام خیبر ہے جو سہو کتابت ہے ۔ صحیح نام جنیر ہے اور یہی ہم نے لکھا ہے ۔ (رک : شاہجہاں نامہ ، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ، ص ۱۶۳) ۔

سخت دلگیر ہوا اور اس کے چہرے سے ملال کے آثار ظاہر ہونے لگے ۔ چونکہ وقت ٹھہرنے اور مراسم تعزیت ادا کرنے کا نہ تھا ، اور نہ اتنی فرصت تھی ، یوں بھی وہاں ٹھہرنا اور توقف کرنا خلاف مصلحت تھا لہذا مہابت خاں اور دوسرے خیر خواہوں کی التجا پر جو اس کے ہمرکاب تھے ، ۲۳ ربیع الاول ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ء) کو جمعرات کے دن ، جو رصدگاہ کے منجّموں کا منتخب کردہ دن تھا ، گجرات کے راستے سے دارالخلافہ کی طرف روانہ ہو گیا اور ایک فرمان امان اللہ اور بایزید کے ہاتھ ، جو اس کے مستعد و وفادار خادم تھے ، آصف خاں کے نام روانہ فرمایا جس میں بنارسی کے پہنچنے اور وفات حضرت جنت مکانی کی خبر رسانی اور اپنے دارالخلافہ کوچ کرنے کی اطلاع تھی ۔

شاہجہاں کا خانِ جہاں کے نام فرمان :

اور جان نثار خاں (۵) کو ، جو مزاج داں ملازموں میں تھا ، ایک فرمان عالیشان کے ساتھ ، جو مختلف الطاف و نوازشوں پر مشتمل تھا ، خان جہاں افغان کے نام روانہ کیا جو اس وقت دکن کا صوبیدار تھا ۔ اس میں اس کو گونا گوں عنایتوں کی خوش خبری دی گئی تھی تا کہ اس کے دلی ارادے معلوم [424] ہو جائیں ۔

لیکن چونکہ اس کی بد بختی اور زوال کا وقت قریب آ چکا تھا اس لیے وہ سیدھی راہ اختیار کرنے کی بجائے گمراہی میں مبتلا ہو گیا ۔ اور اس بات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ اس نے نظام الملک سے اپنے مطلب کے موافق معاہدے اور قسموں کے ساتھ موثق عہد و پیمان کر کے یہ قرار داد کر لی تھی کہ وہ بالا گھاٹ کا تمام علاقہ قلعۂ احمد نگر سمیت نظام الملک کے حوالے کر دے گا اور اس معاملے میں اس نے پوری کوشش کی ۔ چنانچہ اس نے تمام بالا گھاٹ کا علاقہ ، سوائے قلعۂ احمد نگر کے ، نظام الملک کے قبضے میں دے دیا ۔ خان جہاں کا مقصد سوائے فساد اور شرارت کے کچھ نہ تھا ۔ وہ بہت بد سرشت واقع ہوا تھا ۔ اس نے بلا وجہ یہ سب علاقے نظام الملک کو دے دیے ۔ اس کو صرف یہ امید تھی کہ شاید نظام الملک بُرے وقت میں اس کے کام آئے گا ۔

اسی زمانے میں دریا خاں روہیلہ (۶) ، جو حضرت جنت مکانی کی وفات سے قبل شاہجہاں کی خدمت سے جدا ہو کر نظام الملک کے علاقہ چاندور میں برے دن گزار رہا تھا اور وہ بھی شاہجہاں کے ساتھ خلوص نہ رکھتا تھا ،

خان جہاں سے مل گیا اور اس نے بھی خان جہاں کو مزید فتنہ و فساد کے لیے ابھارا ۔ ان کے علاوہ دیوان صوبہ دکن آقا افضل نے بھی جس کا بھائی شہریار کا دیوان تھا اور جس کو شاہجہاں سے کدورت تھی ۔ اس نے بھی لچر اور پوچ باتیں کر کے اس بدنصیب افغان کے دل میں بیہودہ خیالات بٹھا دیے تھے ۔ خان نثار خان کو ، جو خان جہاں کے لیے اس کو مائل کرنے کے لیے شفقت آمیز فرمان لے کر آیا تھا ، فرمان کے جواب میں عرضداشت لکھے بغیر بے نیل مرام واپس کر دیا ۔

خان جہاں کا مالوے کے بعض علاقوں پر قبضہ :

القصہ خان جہاں نے اپنے فرزندوں کو سکندر دولتانی[1] اور اپنے مخلص و خیرخواہ افغانوں کی ایک جمعیت کے ساتھ برہان پور میں چھوڑ دیا اور خود راجا گج سنگھ اور راجا جے سنگھ جیسے چند بندگان بادشاہی کے ساتھ ، جو بظاہر اس کی موافقت کا دم بھرتے تھے اور اس طرح اپنے آپ کو اس کے شر سے محفوظ رکھتے تھے ، مانڈو میں آیا اور مالوے کے اکثر علاقوں پر قابض ہو گیا اور دنیا پر اپنی فتنہ پردازی ظاہر کر دی اور اس کے بعد جلدی برہان پور چلا گیا ۔

شیر خان کا گجرات کی صوبیداری پر تقرر اور سیف خان کی گرفتاری :

جب لشکر شاہجہانی گجرات کی سرحد میں پہنچا تو ناہر خان کی عرضداشت ، جو شیر خان کے خطاب سے سرفراز تھا ، شاہجہاں کو ملی ۔ اس میں اس نے اپنی بہی‌خواہی اور خلوص کا اظہار کیا تھا اور سیف خان صوبیدار احمد آباد کے مفسدانہ خیالات ظاہر کیے تھے ۔ سیف خان حضرت جنت مکانی کے زمانۂ حیات میں ہی شاہجہاں کے ساتھ گستاخی کر چکا تھا اور اپنی بداعمالی کی وجہ سے بہت حیران و پریشان تھا اس لیے شیر خان کی عرضداشت سے اس حقیقت کی اور بھی تصدیق ہوگئی ۔

۱۔ اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام سکندر خان دوتانی مندرج ہے ۔ (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، مطبوعہ الہ آباد ، ص ۳۲۷) ۔

_ شاہجہاں نے شیر خاں کو مراحم خسروانہ کا امیدوار بنا کر گجرات کا صوبیدار بنا دیا اور فرمان جاری کیا کہ وہ شہر احمد آباد پر قبضہ کر کے اپنے صاحبِ اعتماد حکام کے حوالے کرے[۱]. اور سیف خاں کو نظر بندکر کے درگاہ والا میں حاضر کرے.

سیف خاں کے ساتھ رعایت :

اس وقت سیف خاں (ے) سخت بیما رتھا. اس کے علاوہ نواب قدسی احتجاب ممتاز الزمانی کی بڑی بہن (۸) سیف خاں کے نکاح میں تھی او ملکۂ جہاں اپنی بہن سے بہت محبت کرتی تھیں اور شاہجہاں ان کی رعایت اور پاس داری لازمی سمجھتے تھے، اس لیے خدمت پرست خاں[۲] کو احمد آباد جانے کا حکم دیا کہ وہ احمد آباد جا کر سیف خاں کو نظر بند کر کے میرے حضور میں لائے. اور اس کا خیال رکھے کوئی تکلیف سیف خاں کو پہنچنے نہ پائے.

شاہجہاں کا جشنِ وزنِ قمری :

اس کے بعد شاہجہاں نے دریائے نربدا کو عبور کر کے [425] قصبۂ سنبور[۳] کے باہر قیام کیا جو دریائے نربدا کے کنارے واقع ہے. اسی دل کشا مقام پر جشن وزن قمری رچایا گیا. یہ شاہجہاں کا سینتیواں سال تھا[۴].

۱- سرسید ایڈیشن میں یہ عبارت اس طرح ہے کہ: ''حوالۂ معتمد خاں خود نماید'' لیکن اس کا کوئی مطلب نہیں بنتا. لیکن اقبال نامہ جہانگیری میں ہے کہ: ''حوالۂ معتمدان خود نماید'' اور شاہجہاں نامہ، ص ۱۶۵ میں ہے کہ ''ولایت را بتصرف خود آوردہ بمردم معتمد کارداں سپارد.'' یہ ترجمہ اقبال نامے کے مطابق کیا گیا ہے. (رک : اقبال نامۂ جہانگیری، مطبوعہ الہ آباد، ص ۳۲۸).

۲- شاہجہاں نامہ میں یہ نام نواب قدسی القاب رضا بہادر ہے جس کا خطاب خدمت پرست خاں تھا جو شاہجہاں کے خاص غلاموں میں تھا. (رک : شاہجہاں نامہ، ۱ : ۱۶۵).

۳- اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام سنور اور شاہجہاں نامہ میں سینور ہے. (رک : اقبال نامۂ جہانگیری، مطبوعہ الہ آباد، ص ۳۲۹).

۴- یہ جشن ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۲ع) مطابق ۲۸ آذر منعقد ہوا. (رک : شاہجہاں نامہ، ۱ : ۱۶۵).

سید دلیر خان بارھہ (۱۰) جو تجربہ کار، جنگ جو جوانوں میں تھا، آستان بوسی کی سعادت حاصل کر کے سربلند ہوا. اور اس کا منصب ہزاری و سہ ہزار سوار مقرر ہوا.

اسی جشن کے دوران شیر خان کی عرضداشت ملی. اس میں لکھا تھا کہ گجراتی مہاجنوں کے خطوط سے، جن میں سے بعض لاہور میں ہیں، معلوم ہوا کہ آصف خان اور دوسرے بہی خواہان سلطنت نے، جو داور بخش کو کٹھ پتلی بنا کر شہریار کے مقابلے کے لیے گئے تھے، لاہور کے مضافات میں اس کی افواج سے جنگ کر کے فتح اور کامیابی حاصل کر لی ہے، اور شہریار لاہور میں قلعہ نشین ہو کر گرفتار ہو گیا ہے.

سیف خان کی معافی :

خدمت پرست خان جو سیف خان، کو لانے اور اس کی حفاظت کے لیے گیا تھا، جب وہ احمد آباد کے نزدیک پہنچا، تو شیر خان شاہی فرمان اور خلعت خاص کے ساتھ استقبال کے لیے نکلا اور زمیں بوسی کی سعادت حاصل کر کے اپنی پیشانی روشن کی اور سیف خان کو، جو ابھی بیمار تھا، اسی عالم میں خدمت پرست خان کے ہمراہ بارگاہ شاہجہانی میں روانہ کر دیا. شاہجہاں نے نواب فلک احتجاب ممتاز الزمانی بیگم کی سفارش پر اس کی خطائیں معاف کر کے قید سے نجات دے دی. شیر خان نے شہر کے ضبط و نظم سے مطمئن ہو کر دوسرے امرا، مثلاً میرزا عیسیٰ ترخان اور میرزا والی وغیرہ کے ساتھ محمود آباد میں حاضر ہو کر شرف حضوری کی سعادت حاصل کی.

اس کے بعد شاہجہاں نے تالاب کانکریہ کے پاس، جو شہر احمد آباد کے باہر واقع ہے، نزول اجلال کیا[۱] اور سات روز اس دل کش مقام پر ملک کے نظم و نسق کے درست کرنے کے لیے قیام فرمایا.

شیر خان کا صوبیداری گجرات پر تقرر :

شیر خان کو پنج ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز کر کے ملک گجرات کی صوبیداری سے سر بلند کیا.

۱- شاہجہاں کی تالاب کانکریہ کے نزدیک ورود کی تاریخ ۱۷ ربیع الثانی، مطابق ۵ دے ۱۰۳۷ھ ہے. (رک شاہجہان نامہ، ج ۱ : ۱۶۶).

میرزا عیسیٰ ترخان کا ٹھٹے کی صوبیداری پر تقرر :

میرزا عیسیٰ ترخان کو چھار ہزاری ذات و دو ہزار کا منصب عنایت کر کے ٹھٹھ[1] کی صوبیداری عنایت کی ۔

سلطنت کے کارخانجات اور بعض حکومتی امور کے انتظام کے لیے خدمت پرست خان کو ، جو معتمد اور جان نثار محرمان خاص میں تھا ، آصف خان کے پاس لاہور بھیجا اور اپنے قلم سے ایک فرمان عالی شان صادر فرمایا کہ اس زمانے میں جب کہ زمین اور آسمان میں فتنہ و فساد برپا ہے ، اگر وہ داور بخش ولد خسرو کو اور اس کے بھائی شہریار اور دانیال کے بیٹوں کو قتل کر کے بہی خواہان سلطنت کو پریشانی اور دلی وسوسوں سے مطمئن کر دے تو مناسب اور قرین مصلحت ہوگا ۔

شاہجہاں کی تخت نشینی کا اعلان :

۲۲ جمادی الاولی ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ع) مطابق ۱۰ بہمن ۲۲ جلوس جہانگیری کو اتوار کے دن باتفاق بندگان دولت لاہور کے دولت خانۂ خاص و عام کے ایوان میں شاہ جوان بخت بلند اقبال مسند آرائے تخت خلافت ہوئے ، یعنی شاہجہان کے نام نامی کا خطبہ پڑھا گیا اور تخت سلطنت پر اُن کے رونق افروز ہونے کا اعلان کیا گیا ۔

داور بخش ، شہر یار ، گرشاسپ اور دانیال کے بیٹوں کا انجام :

داور بخش کو ، جسے بہی خواہان سلطنت نے بہ لحاظ مصلحت وقت اور رفع شورش کے لیے بادشاہ بنا دیا تھا ، مقید کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا ۔

۲۵ جمادی الاولی ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ع) کو منگل کی شب میں داور بخش اپنے

۱- سر سید ایڈیشن میں یہ نام پٹنہ ہے جو سہو کتابت ہے ۔ اقبال نامۂ جہانگیری مطبوعہ الہ آباد ص ۳۰۳ اور شاہجہان نامہ ، ج ۱ ، ۱۶۶ میں یہ نام ٹھٹھ ہے جو صحیح ہے ، وہی ہم نے متن میں لکھا ہے ۔

بھائی گرشاسپ ، شہریار اور شاہزادہ دانیال کے بیٹوں کے ساتھ قتل کیا گیا [1] ، اور گلشن ہستی ان کے وجود کے خس و خاشاک سے پاک ہو گیا .

رانا کرن کا شرف حضوری :

اسی زمانے میں شاہجہاں کی سواری رانا کرن کی ریاست (اودے پور) کے حدود میں داخل ہوئی . اس سے قبل رانا کرن کوکندہ [2] میں شاہجہاں کی شاہزادگی کے زمانے میں اپنے باپ رانا امر سنگھ کے ساتھ آستاں بوسی کی سعادت سے سرفراز ہو چکا تھا . اب پھر اس نے [426] اسی اخلاص و بندگی کے ساتھ زمین بوسی کی عزت حاصل کی اور اپنی حیثیت کے مطابق پیش کش گزران کر ابدی سعادت حاصل کی اور شاہ دریا دل نے بھی اس برگزیدہ دولت کو انواع و اقسام کے مراحم و نوازش سے سرفراز کر کے خلعت خاصہ ، دھکدھکی [3] ، لعل قطبی ، جس کی قیمت تین [4] ہزار روپے تھی ، مرصّع شمشیر ، مرصّع خنجر ، خاص ہاتھی چاندی کے

۱- محمد صالح کنبوہ نے ان سب کے قتل کی تفصیلات دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :
۲۴ جمادی الاول ۱۰۳۷ھ کو خدمت پرست خان مشہور بہ رضا بہادر کے ہاتھ آصف خان کے نام فرمان پہنچا جس میں داور بخش بولاقی وغیرہ کے قتل کے متعلق اشارہ تھا جو فتنہ و فساد کی جڑ تھے . آصف خان نے اس فرمان کے ملنے کے بعد سلطان داور بخش مشہور بہ بولاقی ، شہریار ینکچول اور سلطان دانیال کے بیٹوں طہمورث اور ہوشنگ کو اور داور بخش کے بھائی گرشاسپ کو ، جو نظر بند اور قید تھے ، ان پانچوں کو رضا بہادر کے حوالے کر دیا اور ۱۳ بہمن مطابق ۲۵ جمادی الاول ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ع) کو بدھ کی رات کو اس نے ان سب کو قتل کر دیا . (رک : شاہجہاں نامہ ، ج ۱ : ص ۱۶۷) .

۲- سرسید ایڈیشن میں یہ نام گولکنڈہ مندرج ہے جو سہو کتابت ہے . شاہجہاں نامہ جلد اول ، ص ۱۶۷ پر یہ نام کوکندہ ہے جو درست ہے . یہ ایک قصبہ ہے جو میواڑ کی سرحد پر واقع ہے .

۳- دھکدھکی یا ڈگڈگی گلے کے ایک زیور کا نام ہے .

۴- شاہجہاں نامہ میں اس لعل کی قیمت تیس ہزار روپے مندرج ہے . (رک : شاہجہاں نامہ ، ۱ : ۱۶۸) .

ساز و سامان کے ساتھ اور خاص گھوڑا سونے کی زین کے ساتھ عنایت فرمایا ، اور اس کے محال جاگیر کو حسبِ سابق بحال رکھا ۔

جشنِ وزنِ شمسی :

تالاب ماندل کے کنارے جشن وزن مبارک یعنی اڑتیسویں سال گرہ کا جشن آراستہ ہوا[۱] ۔

اجمیر میں حاضری اور سنگ مرمر کی مسجد کی تعمیر :

۱۷ جمادی الاول ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ع) کو سواری شاہانہ دارالبرکت اجمیر پہنچی ۔ اپنے جد بزرگوار کے طریقے کے مطابق شاہجہان نے روضۂ منورہ کی زیارت کی سعادت پا پیادہ جا کر حاصل کی ، اور مراسم زیارت و شرائط نیاز مندی بجا لانے کے بعد درگاہ کے معتکفوں اور مجاوروں میں نذر و خیرات وغیرہ تقسیم کی ۔ اور سنگ مرمر کی ایک عالی شان مسجد تعمیر کرنے کا حکم دے کر اس کی تعمیر کے لیے ماہر معمار مقرر کیے[۲] اور انھیں ہدایت کی کہ جس قدر جلد ممکن ہو ، اس کام کو مکمل کر دیں ۔

مہابت خاں کا اجمیر کی صوبیداری پر تقرر :

صوبۂ اجمیر اور اس کے نواحی پرگنات سپہ سالار مہابت خان خانخاناں کی خواہش پر اس کی جاگیر میں دیے اور عازم دارالخلافہ ہوا ۔

۱- شاہجہان نامہ جلد ۱ ، ص ۱۶۸ پر اس جشن کی تاریخ ۹ جمادی الاول مطابق ۲۷ دے ماہ الٰہی ۱۰۳۷ھ مندرج ہے ۔

۲- شاہجہان نامہ میں ہے کہ شاہجہان نے نذر مانی تھی کہ اگر وہ رانا کی مہم میں کامیاب ہوگیا تو وہ اجمیر میں حضرت خواجۂ بزرگوار کے روضۂ مبارک کے قریب ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائے گا ، لیکن اب تک اسے حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے اس کا موقع نہ مل سکا تھا ۔ اب جب کہ اسے یہ مبارک موقع حاصل ہوا تو اس نے اس مسجد کے تعمیر کرنے کا حکم دیا ۔ (رک : شاہجہان نامہ ، ج ۱ : ۱۶۸) ۔

راستے میں خان عالم ، مظفر خان معموری ، بہادر خان اوزبک ، راجا جے سنگھ ، انی رائے سنگ دلن ، راجا بھارت بندیلہ ، سید بھوہ بخاری اور دوسرے بہت سے اُمرا خلوص و بندگی کے ساتھ حاضر ہوئے اور زمیں بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

دارالخلافہ آگرہ میں نزولِ اجلال :

۲۶ جمادی‌الاول ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ع) کو جمعرات کی شب میں شاہجہاں نے اکبر آباد کے باہر باغ نورجہاں میں نزول اجلال کیا ۔

قاسم خان حاکم شہر نے حاضر ہو کر زمیں بوسی کی سعادت حاصل کر کے اپنی اخلاص کی پیشانی کو منور کیا ۔ دوسرے روز صبح کو جو جمعرات کا دن تھا ، شہنشاہ بلند اقبال شاہجہاں ہاتھی پر سوار ہو کر دائیں بائیں ڈھیروں چاندی سونا لٹاتا ہوا اور دامان اہل حاجت کو بھرتا ہوا شہر میں داخل ہوا ۔

شاہجہاں کا تخت سلطنت پر جلوس :

چونکہ تخت سلطنت پر رونق افروز ہونے کے لیے ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۳۷ھ[۱] پیر کا دن مبارک قرار دیا گیا تھا ، اس لیے شاہجہاں نے آگرہ میں آ کر اپنی شاہزادگی کے زمانے کے دولت خانے میں قیام کیا اور دس روز تک اس میں مقیم رہا ۔ پھر دس دن کے بعد یعنی مقررہ دن گھوڑے پر سوار ہو کر قلعۂ مبارک میں داخل ہوا اور دولت خانۂ خاص و عام میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوکر تختِ سلطنت کو آسمان کے ہم پایہ کر دیا اور خطبے اور سکّے کو اپنے نامِ نامی اور لقبِ گرامی سے زیب و زینت بخشی ۔ اور سلطنت کے منشورات میں ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحبِ قِرانِ ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی کے نام و القاب کا طغرای

---

۱ - سرسید ایڈیشن میں شاہجہاں کے تخت سلطنت پر جلوس کی تاریخ ۲۷ جمادی الاخری مندرج ہے جو سہو کتابت ہے ۔ یہ بجائے ہفتم جمادی الاخری ، ہفتم و بست جمادی الاخری مندرج ہو گئی ہے ۔ حالانکہ شاہجہاں نامہ میں شاہجہاں کے جلوس کی تاریخ ۲۵ بہمن ماہ الٰہی مطابق ۷ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ع) بروز دوشنبہ دن کے ساڑھے تین گھڑی گزرنے کے بعد مندرج ہے ۔ (رک : شاہجہاں نامہ ، ۱ : ۱۷۱—۱۷۲) ۔

بنایا گیا اور اس طریقے سے فرسودہ دنیا میں نئی روح پھونکی اور اہل جہاں کو امن و امان کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

تمت بالخیر[1]

۱۔ یہ ترجمہ ڈیڑھ سال کی مدت میں ۲۶ جولائی ۱۹۶۷ع بروز چہار شنبہ بوقت ۷ بج کر ۱۰ منٹ شام کو مکمل ہوا اور اس کے حواشی کی تکمیل ۴ نومبر ۱۹۶۷ع بروز شنبہ بوقت ۴ بج کر پچیس منٹ پر بوقت سہ پہر ہوئی۔ فالحمدللہ علی ذالک۔ (مترجم)۔

حواشی بائیسواں جشنِ نوروز

(۱) خانزاد خان (میرزا امان اللہ) بن مہابت خان ، ۱۷ جلوس جہانگیری کو مہابت خان کو صوبیداری کابل سے طلب کر کے اس کی جگہ اس کے بیٹے امان اللہ کو اس کے باپ کی نیابت میں کابل کا صوبیدار مقرر کیا اور منصب سہ ہزاری اور خانزاد خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ جب مہابت خان بنگال کا صوبیدار مقرر ہوا تو اس کی التجا پر اسے کابل سے طلب کر کے بنگال بھیجا گیا ۔ ۲۰ جلوس جہانگیری میں جب مہابت خان عتاب کی وجہ سے بنگال کی صوبیداری سے ہٹایا گیا تو بنگال کی صوبیداری خانزاد خان کے سپرد ہوئی ۔ آغاز جلوس شاہجہانی میں یہ لاہور سے آ کر شاہجہاں کی بارگاہ میں باریاب ہوا ۔ اور منصب پنج ہزاری پنج ہزار سوار اور خطاب خان زماں سے سرفراز ہو کر صوبیداری مالوہ سے سرفراز ہوا ۔ اس نے ۱۰۴۷ھ میں وفات پائی ۔ رستم زمانہ مرد سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۔ (رک : مآثرالامرا ، ۱ : ص ۷۴۰—۷۴۷) ۔

(۲) صادق خان میر بخشی ۔ وفات : ۱۰۴۳ھ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۷۲۹—۷۳۰) ۔

(۳) شیر خواجہ : اپنے والد کی جانب سے سادات اتائی میں تھا اور ماں کی جانب سے نقشبندی تھا ۔ اس کا نام بادشاہ خواجہ تھا ۔ اکبر نے اس کے شجاعانہ کارناموں پر اسے شیر خواجہ کا خطاب دیا تھا ۔ ۳۰ جلوس اکبری میں یہ سعید خان چغتا کے ساتھ یوسف زئی کی مہم پر مامور ہوا ۔ ۴۴ جلوس اکبری میں یہ اس مہم دکن میں شریک تھا جس میں راجا علی خان والی خاندیس مارا گیا ۔ اکبر کی وفات کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس نے اس کے لیے خلعت بھجوایا ۔ ۱ جلوس شاہجہانی میں شاہجہاں نے اسے منصب چہار ہزاری سے سرفراز کر کے خواجہ باقی خان کا خطاب دیا ۔ ۱۰۳۷ھ میں یہ ٹھٹہ کا صوبیدار مقرر ہوا ۔ ابھی راستے ہی میں تھا

اور ٹھٹھ پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ اس نے وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۶۴۸—۶۵۰) ۔

(۴) خلاصۃ التواریخ میں ہے کہ شہریار موزوں طبع اور خوش فکر شاعر تھا ۔ اسی عالم میں اس نے یہ قطعہ کہا جو اس حادثے کی تاریخ ہے :

ز نرگس گلاب ارچہ نتواں کشید
کشیدند از نرگس من گلاب
وگر از تو پرسند تاریخ آن
بگو کور شد دیدۂ آفتاب (۱۰۳۷ھ)

(رک : ترجمہ خلاصۃ التواریخ ، شائع کردہ مرکزی اردو بورڈ لاہور ، ص ۶۱۹) ۔

(۵) جان نثار خان (جنیری) کا نام کمال الدین حسین تھا جو ایام شاہزادگی سے شاہجہان کے بہترین ملازموں اور جان نثاروں میں تھا ۔ ۲ جلوس شاہجہانی میں دیانت خان کے انتقال کے بعد احمد نگر کا قلعہ دار مقرر ہوا ۔ ۴ جلوس شاہجہانی میں مکھی جنگل کا فوجدار مقرر ہوا ۔ اس کے بعد سیوستان کا فوجدار مقرر کیا گیا ۔ ۱۱ جلوس شاہجہانی میں قلعہ قندھار سلطنت شاہی کے ملازموں نے فتح کیا تو اس مہم میں قلیچ خان صوبہ دار قندھار کے ساتھ یہ بھی شریک تھا ۔ ۱۲ جلوس شاہجہانی میں اس کے منصب میں پانسو سواروں کا اضافہ ہوا اور یہ یوسف خان کے تبادلے کی وجہ سے سیوستان سے بکھر پر مقرر کیا گیا ۔ اسی سال اس نے وفات پائی ۔ (رک : تعلیقات مظہر شاہجہانی ، ص ۳۲۹—۳۳۰ ؛ مآثرالامرا ، ۱ : ص ۵۲۷—۵۳۰) ۔

(۶) دریا خان روہیلہ (داؤد زئی) : ابتداءً شیخ فرید کا ملازم تھا ۔ پھر شاہجہان کی شاہزادگی میں یہ شاہجہان کے ملازموں میں شامل ہوا ۔ جس زمانے میں شاہجہان جنیر میں تھا ۔ یہ اس سے بے وفائی اختیار کر کے خانجہان لودی سے جا ملا جو اس زمانے میں دکن کا صوبیدار تھا اور غداری کی راہ اختیار کیے ہوئے تھا ۔ شاہجہان کے تخت نشین ہونے کے بعد معافی مانگ کر چہار ہزاری و سہ ہزار سوار سے سرفراز ہوا اور صوبۂ بنگال اس کی جاگیر میں دے کر قاسم خان کے ساتھ وہاں کا نائب صوبیدار مقرر کیا گیا ۔

پھر اسے صوبۂ خاندیس میں جاگیر دی گئی اور دکن میں ماسور ہوا ۔ ۳ جلوس شاہجہانی میں پھر یہ راہ بغاوت اختیار کر کے خانجہاں سے جا ملا ۔ اسی زمانے میں یہ شورش و فساد کی آگ بھڑکانے کے لیے خانجہاں کے ہمراہ خاندیس سے مالوہ آیا ۔ چونکہ شاہی فوج اس کے تعاقب میں تھی اس لیے وہ وہاں سے فرار ہو کر سر زمین بندیلہ میں پہنچا ۔ راجا ججھار سنگھ کے بیٹے نے اس کا تعاقب کر کے اس کا مقابلہ کیا ۔ اس لڑائی میں دریا خاں کے بندوق کی ایک گولی لگی ؛ جس سے وہ مارا گیا ۔ ۱۰۴۰ھ میں اس کا سر کاٹ کر برہان پور شاہجہاں کے پاس لایا گیا جہاں اس زمانے میں شاہجہاں مقیم تھا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۸–۲۱) ۔

(۷) سیف خاں (میرزا صفی) بن امانت خاں ۔ اس کے ساتھ آصف خاں یمین الدولہ کی بڑی بیٹی ملکہ بانو بیاہی گئی تھی ۔ بادشاہ بیگم کی سفارش پر اس کے قصور معاف کیے گئے اور بیگم کے التماس پر منصب چہار ہزاری ذات و سوار سے نواز کر بہار کا صوبیدار مقرر کیا گیا ۔ ۱۳ جلوس شاہجہانی ۱۰۴۹ھ میں سیف خاں نے وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۴۱۶–۴۲۱) ۔

(۸) ملکہ بانو : وفات : ۴ ۱ جلوس شاہجہانی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ۴۲۱) ۔

(۹) خدمت پرست خاں کا نام رضا بہادر تھا جو بچپن سے شاہزادہ شاہجہاں کا غلام تھا ۔ یمین الدولہ نے حسب فرمان سلطان شہریار ، سلطان بلاقی اور اس کے بھائیوں کو اور سلطان دانیال کے بیٹوں طہمورث اور ہوشنگ کو اس کے سپرد کیا تاکہ وہ انھیں قتل کرے ۔ چنانچہ اس نے ایک ہی دن میں یعنی ۵ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ کو ان سب کو قتل کر دیا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۷۱۳–۷۱۷) ۔

(۱۰) سید دلیر خاں بارھہ : وفات : ۱۰۴۲ھ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۳۱۲–۳۱۴) ۔

اشاریہ

مرتبہ : احمد رضا

اشخاص

ب

خ

د

ذ

ر

ز

س

ص

ق

ک

ن

و

ہ

مقامات

آ

الف

ب

ٹ

ث

ج

چ

ح

خ

د

ڈ

ذ

ر

و

ہ

اشاریہ کتب

آ

الف

ب

متفرقات

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۸	۱۴	انھیں اپنی	، اپنی
۶۹	۲۷	(آبشار) دیکھنے میں نہیں آیا	(آبشار) دیکھنے میں نہیں آئی
۷۲	۱۶	میر شکاری	میر شکار
۷۳	۲۰	بوڑا	بوڑھا
۸۶	۶	دلبر خان	دلیر خاں
۹۰	۴	گوالکنڈہ	گولکنڈہ
۹۱	۲۶	ایک حسین نقاش	ایک نقاش ، حسین
۹۳	۲۷	آوردہ	آورد
۹۴	۵	بیاید	بیامد
۹۴	۱۱	عناں زد و تاب	عناں تاب و زود
۱۰۲	۲	بٹھا گئے ہیں	بٹھائے گئے ہیں
۱۰۷	۲۰	سہ سوار	سہ صد سوار
۱۱۱	۸	رادت شنکر	راوت شنکر

صفحہ ۱۱۵ کا حاشیہ قلمزد سمجھا جائے -

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۷	۱۴	میرزا	میرزا
۱۱۹	۲	مجبوبیت	محبوبیت
۱۲۷	۱۰	جس کے سپرد اس کے باپ نے . . .	اس کے باپ نے . . .
۱۲۷	۱۲	قابل تربیت اور نوازش	قابل تربیت و نوازش
۱۲۹	۱۱	سید جسن	سید حسین
۱۳۱	۵	بھکین	بھیکن
۱۳۲	۲	گزارنا	گزرانا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١٣٢	٢٠	چد روپ	جد رُوپ
١٣٣	١٦	چد روپ	جد روپ
١٣٣	١٧	چد روپ	جد روپ
١٣۴	١٢	چد روپ	جد روپ
١٣۵	١٢	چد روپ	جد روپ
١٣۵	١٦	چد روپ	جد روپ
١٣۵	١٨	چد روپ	جد روپ
١٣۵	٢١	چد رُوپ	جد روپ
١٣٦	٢١	چد روپ	جد روپ
١٣٨	٨	پرنون ان کو	پرنون کو
١۴٠	۵	سے سرفراز کیا	مقرر کیا
١۴۴	٢١	ضرویات	ضروریات
١۴۵	١٨	زنبیل بیگ	رنبل بیگ
١۵١	٨	جعمرات	جمعرات
١۵٢	١٠	قرارولون	قراولون
١۵٦	٢٢	اوگا	آگا
١٩٢	١٩	دریاے چناب تک جو	دریاے چناب کی طرف بڑھا جو
١٩٨	٩	باقی	باقی
٢٠٠	١٠	لالہ چوغاشی	لالہ چوغاشی
٢٠١	١٩	کپڑون	کیڑون
٢٣۵	١٠	زنبیل بیگ	رنبل بیگ
٢٣٧	٨	مہندی نائک	مہدی نائک
٢٣٩	۵	مراد نامی چیلہ	مراد چیلہ نامی
٢۵١	٢٣	وزن جشن قمری	جشنِ وزنِ قمری
٢۵٨	٢۵	زنبیل بیگ	رنبل بیگ
٢٦٦	١٩	پھر مسجد کے	مسجد کے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲٦۸	۱۳	تاریخ اعظی	تاریخ اعظمی
۲٦۸	۲۴	صالح بانو	صالحہ بانو
۲۷۹	٦	لاچین منجم قاقشال	لاچین قاقشال منجّم
۳۰۴	۱۱	(موضع بہلون)	موضع بہلون
۳۱۰	۱۵	اوڑلیسہ	اوڑیسہ
۳۷۲	۲۵	برکی	برگی
۳۹۵	۳	اس لشکر	اس لشکری
۳۹۹	۲۱	گلنگ	کلنگ
۴۱۸	۱	اگبر نگر	اکبر نگر
۴۲۷	۱۸	پنلگ پوس	پلنگ پوس
۴۲۸	۱	اوزبیک	اوزبک
۴۳۳	۱۰	شیخ تاج الدین کے	شیخ تاج الدین (۸) کے
۴۳۳	۱۱	شیخ باقی باللہ (۸)قدس سرہ(۹)	شیخ باقی باللہ قدس سرہ (۹)
۴۴۵	۱۱	منتہی	منتہی
۴۴۸	۲۷	آپ نے خلفا	آپ کے خلفا
۴۷۲	۱۷	دریاے چناب	دریاے جہلم
۴۸۰	۱۵	اللہ وردی خاں ، قراول	اللہ وردی خاں قراول
۴۸٦	۴	راجبوت	راجپوت
۴۹۹	۱۱	راجا بکلانہ	راجا بکلانہ[۱]
۵۰٦	۲۰	مل جانا جانا	مل جانا